اُردو میں
نعتیہ قصیدہ نگاری
ڈاکٹر نوید عاجزؔ
ریسرچ سینٹر

Urdu Main

Natia Qaseeda Nigaari

By

Dr. Naveed Ajiz

کلاسیکی اصنافِ سخن میں قصیدے کو اپنے بعض خصائص کی بنا پر ایک الگ درجہ ملا۔ قصائد میں بالعموم بادشاہوں اور امرا کی مدح سرائی میں جس تخلیقی توانائی کو مبالغے اور لفظی مہارت سے تعبیر کیا گیا، جب یہی عناصر نعتیہ قصائد میں بروئے کار آئے تو ان میں نہ صرف محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خوب صورت اظہار ہوا بلکہ ان عناصر کو اعتبار کی صورت اور معنویت کی سند بھی عطا ہوئی۔ یوں قصیدے کی صنفی حیثیت بھی فزوں تر ہوگئی۔

اصل میں عشقِ رسول ﷺ کا جذباتی پہلو قصیدے کے زورِ بیاں اور جوش وخروش سے اس طرح ہم آہنگ ہوا کہ الفاظ کی شان وشوکت، خیال آفرینی اور تشبیب میں ندرت پیدا کرنے جیسے عناصر نعتیہ قصائد میں فنی سطح پر اظہار کے نئے زاویوں سے روشناس ہوئے۔ نوید عاجز نے نعتیہ قصائد کی اس روایت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا ہے۔ تمام شعری اصناف کے حوالے سے نعت کے ان خصوصی مطالعات کو پیش کرنا از حد ضروری ہے۔ یہ امر نعتیہ ادب کی تاریخ کو ثروت مند بناتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب اس لیے بھی اپنی ایک اہمیت رکھتی ہے کہ فی زمانہ کلاسیکی اصناف نظر انداز ہو رہی ہیں۔ اردو قصیدے پر لکھی گئی کتابوں میں نعتیہ قصائد کی نوعیت ومعنویت پر اس خصوصیت سے گفتگو بھی نہیں کی گئی۔ یہ سعادت نوید احمد کے حصے میں آئی ہے اور نعتیہ قصائد کا یہ عہد بہ عہد مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ شعور وآگہی کے ارتقا نے جہاں درباری قصائد کو معدوم کر دیا وہاں ممدوحِ عالمین کے حضور اس صنف کے جواہر نہ صرف نمایاں ہوئے بلکہ آج اکیسویں صدی میں بھی شعرا کے لیے نعتیہ قصیدے میں طبع آزمائی کا محکم جواز فراہم کر رہے ہیں۔

سید صبیح رحمانی

نعت ریسرچ سینٹر، کراچی

اُردو میں نعتیہ قصیدہ نگاری

تحقیق و تنقید

نوید عاجز

شائع کردہ

B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی۔

نعت ریسرچ سنٹر، کراچی

ہمارا نصب العین، نعتیہ ادب کا فروغ

کتاب : اُردو میں نعتیہ قصیدہ نگاری

(مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو)

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

محقق : ڈاکٹر نوید عاجزؔ

ناشر : نعت ریسرچ سنٹر، کراچی

مطبع : حسنِ ادب، فیصل آباد

0321-7044014

سرورق : ڈاکٹر عارف حسین عارفؔ

اشاعت : جنوری 2025ء

صفحات : 470

قیمت : 1500 روپے

شائع کردہ

B-306، بلاک 14، گلستانِ جوہر، کراچی۔

انتساب

اُستادِ محترم

ڈاکٹر شہزاد احمد (مرحوم)

کے نام

جن کی اُردو نعت کے شعبہ تحقیق، تدوین، تاریخ اور صحافت میں

خدمات ناقابلِ فراموش ہیں

اللہ پاک اُن کے درجات بلند فرمائے

عکسِ نوید عاجزؔ

اصل نام	:	نوید احمد
ولدیت	:	سید احمد
قلمی نام	:	نوید عاجزؔ
پیدائش	:	۸۔اکتوبر ۱۹۷۸ء موکل (ضلع قصور)
تعلیم	:	پی ایچ ڈی (اُردو)
مصروفیت	:	درس وتدریس (اسسٹنٹ پروفیسر)

تخلیقات:

شہرِ فرید کے شاعر	:	تحقیق وتنقید
سید ریاض حسین زیدی کی نعتیہ شاعری	:	تحقیق وتنقید
سوچ داپتن	:	پنجابی شاعری
مجھے تیری ضرورت ہے	:	اردو شاعری
شمیم گل	:	اردو شاعری
مکسی کدوں اُڈیک	:	پنجابی شاعری
کلیاتِ شریف ساجد	:	تحقیق وتنقید
شجر زار	:	مجموعہ غزل
کلیاتِ ریاض حسین زیدی	:	تحقیق وتدوین
تازہ غزل		انتخابِ غزل
اظہارِ نعت		انتخابِ نعت
دیارِ نعت		انتخابِ نعت

☆☆☆

حسنِ ترتیب

☆☆☆☆☆

دیباچہ

اُردو میں قصیدہ فارسی کے تتبع میں لفظی جلالت، بلند و بانگ لہجے، رفعت خیالی، جوش و ولولے اور مبالغے کی صفات کو معیار بنا کر پروان چڑھا لیکن دکنی قصائد میں صداقت اور حقیقت نگاری کا عنصر نمایاں ہے اور وہ اپنی سادگی کی بنا پر حالی کی نیچرل شاعری پر پورا اترتے ہیں۔شمالی ہند میں اُردو شعرا نے سوداؔ کے زیرِ اثر قصیدے کی روایت کو بڑھاوا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حالی اور کلیم الدین احمد نے قصیدے کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ سچ بات یہ ہے کہ اگر وہ مذہبی قصائد بالخصوص نعتیہ قصائد کا مطالعہ کر لیتے تو یقیناً اُن کی رائے مختلف ہوتی کیوں کہ حضور نبی کریم ﷺ کی شخصیت اپنے سیرت و کردار کی بنا پر اُس مقام پر فائز ہے کہ سب مبالغے اس کے آگے ہیچ ہیں۔ وادیِ نعت میں قدم رکھتے ہی مبالغہ، مبالغہ نہیں رہتا بلکہ حقیقت کی اِن لارج منٹ (Enlargement) بن جاتا ہے۔

اُردو نعتیہ قصیدے کو اعتبار بخشنے کے لیے یہی امر کافی ہے کہ شعرا نے اسے وقفِ مدحِ خاتم المرسلین ﷺ کیا۔ سیرت النبیؐ کے ہمہ گیر انوار اور اسلام کے عالم گیر پیغام نے اسے علمی، اخلاقی اور روحانی رہنمائی کا سرچشمہ بنا دیا ہے۔اس پر تشبیب کے اندر مضامین کی رنگا رنگی اور شاعرانہ جودت کی نادر المثال بہار اسے جو چاشنی اور جاذبیت عطا کرتی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔سوداؔ کی نازک خیالی اور مومنؔ و قاسمؔ نانوتوی کی بہاریہ تشبیب رفعتِ خیال، معنی آفرینی اور منظر نگاری کے حوالے سے ورڈز ورتھ کو دعوتِ فکر دیتی نظر آتی ہیں۔منیرؔ شکوہ آبادی نے 1857ء کے بعد کے ہندوستان کی سماجی، سیاسی واخلاقی صورتِ حال کا جو نقشہ تشبیب میں کھینچا ہے وہ حقیقت نگاری کی عمدہ مثال ہے۔اوران کے اشعار فارسی قصیدہ نگاروں کے سامنے پیش کیے جانے کے قابل ہیں۔محسن کاکوروی کی ہندی اساطیر، عزیز لکھنوی کی منظر نگاری، عبدالعزیز خالدؔ کی وسعتِ علمی اور خالد احمد کی داخلی واردات نے نعتیہ قصیدے کو معتبر بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ الغرض نعتیہ قصیدہ اپنے موضوع اور فکر وفن کے حوالے سے اُردو قصیدے کا روشن باب ہیں جسے محض مذہبی عقیدت کا نام دے کر فراموش نہیں کیا جانا

چاہیے۔

یہ مقالہ نعتیہ قصیدے کی تفہیم کی ایک ادبی دستاویز ہے جس میں تذکرہ، تشریح اور تنقید کے امتزاج سے اجمالی خاکہ مرتب کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

یہ مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں ایک سو سولہ شعرا کے قصائد کا خصوصی مطالعہ جب کہ تینتالیس شعرا کا جزوی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ پہلا باب نعت اور قصیدے کے فن کے حوالے سے مباحث کا احاطہ کرتا ہے۔ اسی میں عربی، فارسی اور اُردو میں نعتیہ قصیدے کی روایت کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ دوسرا باب اُردو نعتیہ قصیدے کے آغاز سے اورنگ زیب عالم گیر کی وفات (۱۷۰۷ء) تک مبنی ہے۔ اس میں دکن کی سیاسی و سماجی صورتِ حال کا مختصر نقشہ پیش کرنے کے بعد سات شعرا کے نعتیہ قصائد کا فرداً فرداً جائزہ لیا گیا ہے۔ تیسرا باب گیارہ شعرا کے کلام کے خصوصی مطالعے پر مشتمل ہے۔ اس میں ۱۸۵۷ء سے پہلے کے شعرا شامل ہیں اور اس کا اختتام حکیم مومن خاں مومن پر ہوا ہے۔ اس عہد میں اُردو شاعری کے نامور شعرا جیسے سودا، قائم چاند پوری، مصحفی، محمد روشن جوشش اور نظام الدین ممنون کے کلام کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

چوتھا باب ۱۹۴۷ء تک نعتیہ قصیدے کے نشو و ارتقا، اس عہد کی مذہبی، سماجی اور سیاسی صورتِ حال اور موضوعاتی و لسانی تبدیلیوں کے جائزہ پر مشتمل ہے۔ اس باب میں چھتیس شعرا کا خصوصی مطالعہ اور پچیس شعرا کا جزوی مطالعہ قلم بند کیا گیا ہے۔

پانچواں باب ۱۹۴۷ء کے بعد کے شعرا کو محیط ہے۔ یہ وہ دور ہے کہ جس میں ناقدین صنف قصیدہ کی موت کا اعلان کر چکے تھے اور یہی وہ دور ہے کہ اس میں دیگر تمام ادوار سے زیادہ نعتیہ قصیدہ گو شعرا سامنے آئے ہیں۔ اس باب میں پینتالیس فوت شدہ قصیدہ گو اور سترہ حیات شعرا شامل ہیں جب کہ جزوی مطالعے کے طور پر شامل شعرا اس کے علاوہ ہیں۔ اس باب میں ولی الرحمٰن ولی، شفیق جون پوری، محمد مصطفیٰ جوہر، سید نظر زیدی، خالد احمد اور ضیا شہبازی جیسے اہم نام شامل ہیں جنھیں پہلی بار متعارف کرایا جا رہا ہے۔ حیات شعرا میں ڈاکٹر مختار الدین مختار، انجم نیازی، انور جمال، جمشید اعظم چشتی، محمد طاہر صدیقی اور شیبا حیدری کو نعتیہ قصیدہ گو کی حیثیت سے نئی دریافت قرار دیا جا سکتا ہے۔ محمد

طاہر صدیقی کو اُردو نعتیہ قصیدہ نگاری کی تاریخ کا سب سے طویل قصیدہ ''قصدِ نعت'' لکھنے کا اعزاز حاصل ہے۔اُن کا یہ قصیدہ نو سو (۹۰۰) اشعار پر مشتمل ہے۔

آخری مرحلہ اظہارِ تشکر کا ہے جس میں اللہ و اللہ کے رسولؐ کی رحمت و توفیق کو شامل حال سمجھتا ہوں اور اس عاجزانہ کاوش کی قبولیت کے لیے درخواست گزار ہوں۔اس کے بعد میرے والدین کی دعاؤں اور نگران مقالہ ڈاکٹر شہزاد احمد (مرحوم) اور اساتذہ کرام ڈاکٹر عبدالعزیز ساحرؔ، ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد اور ڈاکٹر ظفر حسین ظفر کی راہنمائی پر شکر گزاری مجھ پر واجب ہے۔میرے مہربانوں میں کتاب کے ناشر سید صبیح رحمانی (کراچی)، غوث میاں (کراچی)، چودھری محمد یوسف ورک (مرحوم)، ڈاکٹر رحمت علی شاد، محمد شریف ساجد، جمشید کمبوہ، ڈاکٹر عمران ملک، پروفیسر عمر فاروق، عباس علی شاد ثاقبؔ، ڈاکٹر محمد لطیف اشعر، وقار منیر اور مسعود میاں کے نام شامل ہیں کہ جن کی معاونت مقالے کی بروقت تکمیل کا باعث بنی اس لیے ان احباب کا بھی دل سے شکر گزار ہوں۔

مقالہ نگار

نوید احمد

قصیدہ نگاری: بنیادی مباحث

قصیدہ اُردو شاعری کی وہ مقبول صنف سخن ہے جس میں ہر بڑے شاعر نے اپنا زورِ بیان دکھایا ہے۔ ادبیات مشرق میں قصیدے کو ''شہنشاہِ اقلیم ادب'' کی حیثیت حاصل ہے۔(۱) قصیدہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ المنجد میں اس کے معنی ہیں: ''وہ اشعار جو سات یا دس سے زیادہ ہوں''(۲) باب ضرب میں لفظ ''قصد'' کے معانی ''ارادہ کیا ہوا'' کے ہیں اور بابِ کرم میں لفظ ''قصد'' کے معانی ''موٹا، گاڑھا اور غلیظ'' کے ہیں۔(۳) لغوی اعتبار سے قصیدہ کے بارے میں سید احمد دہلوی لکھتے ہیں:

''قصیدہ (ع) اسم مذکر: ٹھوس اور بھرا ہوا مغز یا دماغ سطبر''۔(۴)

صاحب نور اللغات قصیدے کے معنی یہ بیان کرتے ہیں:

''(ع۔لغوی معنی: دلدر گودا) مذکر۔(اصطلاح) ان اشعار کا نام جن میں کسی کی ہجو، مدح یا وعظ و نصیحت یا تعریف بہار یا شکایت روزگار کے مضامین بیان کیے جائیں۔ قصیدے کے پہلے دونوں مصرعوں اور ہر شعر کے دوسرے مصرع میں قافیہ ہونا ضروری ہے۔''(۵)

جہاں تک قصیدہ کے اصطلاحی معنی ہیں، اس بارے میں ڈاکٹر ابومحمد سحر لکھتے ہیں:

''اصطلاحاً قصیدہ اس مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے اور بقیہ اشعار کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں اور جس میں مدح یا ذم، نصیحت، موعظمت یا مختلف کیفیات وحالات وغیرہ کا بیان ہو''۔(۶)

مندرجہ بالا تعریف میں قصیدے کی ہیئت پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے مگر مزید وضاحت درکار ہے۔ قصیدے کی ہیئت پر بحث سے قبل نجم الغنی رام پوری کی رائے ملاحظہ ہو:

''قصیدہ اصطلاح میں ان اشعار کا نام ہے، جن میں کسی کی مدح یا ہجو ذکر کی جاتی ہے یا وعظ و نصیحت، پند و موعظمت یا تعریف بہار یا شکایت روزگار وغیرہ کے مضامین درج ہوتے ہیں۔''(۷)

کلاسیکی ادب میں کسی شاعر کی استادانہ مہارت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاتا تھا کہ وہ کس پائے کا قصیدہ نگار تھا۔ گویا صنف قصیدہ کسی شاعر کی صلاحیتوں کا امتحان سمجھی جاتی ہے اور شاعر کو درجہ اعتبار عطا کرتی ہے۔ قصیدے میں آمد سے زیادہ آورد کو دخل ہوتا ہے لیکن اس میں بھی تخیل کی بلند پرواز اپنا لطف رکھتی ہے۔ قصیدے کے بارے میں شمیم احمد لکھتے ہیں:

''اسے اصناف سخن میں وہی حیثیت حاصل ہے جو انسانی جسم میں مغز کو حاصل ہوتی ہے لہٰذا اسے مغز سخن تصور کر کے قصیدہ کا نام دیا گیا ہے۔ لفظ قصیدہ کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ لفظ بہ لفظ قصد سے مشتق ہے اور شاعر جب کسی کی مدح یا ذم کے اشعار کہتا ہے تو اس میں اس کے قصد اور ارادے کو دخل ہوتا ہے۔'' (۸)

قصیدے کی مذکورہ بالا تعریفوں سے یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ یہ صنف سخن مدح یا ذم کا عنصر اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا کہ قصیدہ ہیئت ہے یا موضوع؟ اگر یہ صنف سخن مخصوص موضوع کی حامل ہے تو پھر اسے کسی بھی ہیئت میں نظم کیا جا سکتا ہے لیکن جب ہم عربی اور فارسی شاعری پر نگاہ ڈالتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ قصیدہ کی صنف ایک مخصوص ہیئت کے تابع رہ کر پروان چڑھی ہے جس میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی واقع ہوتی رہی۔ اس بارے میں ڈاکٹر ابو محمد سحر لکھتے ہیں:

''قصیدے کی صنفی تشکیل میں اس کی ہیئت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے عربی کی قدیم شاعری ایسی نظموں پر مشتمل تھی جن کے مطلعوں کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے تھے۔۔۔ فارسی شعرا نے مدحیہ نظموں میں عربی شاعری کی اس مروجہ ہیئت کو اپنایا۔ فرق بس اتنا ہوا کہ عربی میں صرف قافیہ تھا۔ فارسی کے شعرا نے صرف اس پر ردیف کا اضافہ کر دیا۔ بعد کے تمام شعرا نے اسی کی تقلید کی اور یہ ہیئت قصیدے کے لیے مخصوص ہوگئی۔'' (۹)

مذکورہ بحث کی روشنی میں ہم کہ سکتے ہیں کہ ہر طویل نظم مدح تو ہوسکتی ہے مگر اسے قصیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قصیدے کی اپنی ایک ہیئت ہے جو مختلف عناصر اور موضوع کی پیش کش کے لحاظ سے انفرادیت کی حامل ہے۔ اسی بات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر سعادت سعید یوں رقم طراز ہیں:

''مسدس، مخمس، قطعہ، ترکیب بند، ترجیع بند، مثنوی یا کسی اور غیر غزلیہ ہیئت میں لکھی گئی نظموں کو مدحیہ نظمیں تو کہا جائے گا، صنف قصیدہ کی حدود میں انھیں شامل نہیں کیا جا سکتا۔'' (۱۰)

قصیدہ میں بہ اعتبار ہیئت پہلا شعر (جسے مطلع کہتے ہیں) ہم قافیہ ہوتا ہے اور باقی اشعار کے مصرع ہائے ثانی اُسی قافیے کے پابند ہوتے ہیں۔

قصیدہ کی اقسام:

ہیئت کے لحاظ سے قصیدہ کی دو اقسام دیکھنے میں آتی ہیں جو درج ذیل ہے:

ا۔تمہیدیہ قصیدہ۔ ب۔خطابیہ قصیدہ

تمہیدیہ قصیدہ:

اُردو ادب میں زیادہ تر تمہیدیہ قصائد ہی کہے گئے ہیں۔اس بارے میں ڈاکٹر اُمّ ہانی اشرف لکھتی ہیں:

''تمہیدیہ قصائد کو ہی بیانیہ، تشبیبیہ اور غزلیہ بھی کہتے ہیں، اسی طرح اس کے تعمیری ڈھانچے میں چار ارکان شامل ہیں۔(۱) تشبیب ۔۲۔گریز (۳)۔مدح یا مذمت (۴) دُعا۔'' (۱۱)

یہ چار ارکان اپنے اندر فکری تنوع رکھنے کے باوجود ایک جذباتی وابستگی کے حامل ہیں۔ایک کے بعد دوسرا رکن منطقی اعتبار سے باہم نامیاتی وحدت عطا کرتا ہوا قصیدے کو ایک ایسے پُر شکوہ آہنگ سے نوازتا ہے کہ دیگر اصناف قصیدے کی علوبختی کو رشک کی نگاہ سے دیکھنے پر مائل نظر آتی ہیں۔صنف قصیدہ اپنے زور بیان، لفظی شوکت، علمی مرتبے اور بلند تخیل کے لحاظ سے سردار سخن ٹھہرتی ہے۔ بقول نجم الغنی رام پوری:

''شاعری کی تکمیل خاص قصیدے کی مشق ومہارت پر موقوف ہے۔جس شاعر نے قصیدے میں کمال بہم نہیں پہنچایا وہ مسلم الثبوت نہیں سمجھا گیا۔'' (۱۲)

گویا قصیدہ استادفن ہونے کا معیار ہے اور کیوں نہ ہو کہ قصیدہ کے چاروں ارکان میں نازک خیالی ، چست بندش اور ممدوح کے مرتبے کے مطابق شعر کہنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ قصیدے کے چار ارکان میں پہلا رکن تشبیب ہے۔تشبیب کا لفظ شباب سے مشتق ہے، اسے نسیب بھی کہا جاتا ہے۔اس میں شعرا حضرات حسن وعشق کی واردات، ہجر ووصال کی کیفیت ، بہار کی آمد کا ذکر، پندونصیحت اور کبھی کبھی زمانے کی ناقدری کا شکوہ کرتے نظر آتے ہیں۔تشبیب کے موضوع کا انتخاب

شاعر کی منشا اور مزاج پر ہے۔اس بارے میں نجم الغنی رام پوری لکھتے ہیں:

> ''شاعروں کے نزدیک تشبیب اور نسیب ان ابیات کا نام ہے جو قصیدے میں تمہید کے طور پر مدح یا ہجو کے پہلے لکھتے ہیں۔شاید پہلے یہ عادت ہو کہ ان شعروں میں مضمون عشقیہ ہی لکھتے ہوں لیکن اب اس کی قید نہیں۔'' (۱۳)

گریز سے مراد تشبیب کے بعد آنے والا وہ شعر یا اشعار ہیں جن کے بعد شاعر نے مدح کا آغاز کرنا ہوتا ہے، اسے مخلص بھی کہتے ہیں۔گریز کا شعر شاعر کی مہارت کا متقاضی ہوتا ہے اور تشبیب اور مدح کے درمیان پُل کا کام کرتا ہے، اسی لیے یہ ایسا ہونا چاہیے کہ ناہمواری کا شائبہ بھی نہ پیدا ہونے پائے۔

قصیدے کا تیسرا رکن مدح یا مذمت پر مبنی ہے۔مدح پُر اثر اور سحر انگیز ہونی چاہیے کہ جسے سن کر ممدوح متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔مدح میں شخصی اوصاف، ظاہری حسن و جمال کے علاوہ خاندانی نجابت کا بیان عین حقیقت نگاری کے مطابق ہے۔اہلِ عرب کے ہاں تو ممدوح کے گھوڑے، تلوار، تیر اور ترکش کا بیان بھی رائج رہا ہے۔

مدح ممدوح کی حیثیت اور درجے کے موافق ہونی چاہیے یعنی بادشاہ کی، وزیر کی یا کسی عالم کی مدح میں فرق ہونا ضروری ہے اور نعتیہ قصیدے میں مدح کا حق ادا کرنا انسانی بساط سے باہر ہے مگر پھر بھی شرعی لحاظ سے ایک کلیدی معیار یہ ہے کہ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''۔ایک اور ضروری بات کہ مدح کے اشعار تشبیب سے زیادہ ہونے چاہئیں، نہیں تو قصیدے کے مقصد کے مجروح ہو کر شاعر کی جولانیوں کے پسِ پردہ چلے جانے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

قصیدے کے اجزا میں آخری جزو دعا اور حسن طلب پر مبنی ہوتا ہے جس میں مرکزی حیثیت دُعا ہی کی ہوتی ہے۔اس میں شاعر ممدوح کی ترقی، صحت، درازیِ عمر اور خوش حالی وغیرہ کی دُعا کرتا ہے یا دشمنوں کے لیے بددُعا کرتا ہے۔یہ حصہ دل نشیں اور پُر تاثیر ہونا چاہیے۔آخری مقام حسن طلب کا ہے۔ بقول ڈاکٹر ابو محمد سحر:

> ''حسن طلب میں شاعر اپنا مدعا ظاہر کرتا ہے۔اسی لیے یہ بھی کافی نازک مقام ہوتا ہے۔اس موقع پر ممدوح کی نفسیات کا پورا پورا خیال رکھ کر اظہار مطالب اس ڈھنگ سے کرنا چاہیے کہ اس کی طبیعت پر گراں نہ گزرے۔'' (۱۴)

قصیدے کے مذکورہ سبھی اجزا شاعر سے باہمی ربط کے متقاضی ہیں۔اس کے علاوہ ہر جزو خاص شرائط کے ساتھ شاعر سے خصوصی توجہ کا طلب گار ہے۔پھر کہیں جا کر ایک شاندار تخلیق سامنے آتی

ہے جو تاثیر کی خوبی سے مزین ہوتی ہے۔

ب۔ خطابیہ قصیدہ:

خطابیہ قصیدے میں براہِ راست مدح سے آغاز کیا جاتا ہے اور شاعر تشبیب اور گریز کے تکلف میں نہیں پڑتا۔ اس بارے میں نجم الغنی رام پوری لکھتے ہیں:

''قصیدۂ خطابیہ یا مجددیہ اسے کہتے ہیں کہ ابتدائے قصیدہ سے مدح یا ہجو وغیرہ اصل مطلب شروع کر دیں اور تمہید نہ لکھیں۔ عامۂ شعرا ایسے قصیدے کو مکابرہ بولتے ہیں۔'' (۱۵)

قصیدہ ہیئت کے لحاظ سے ''تمہیدیہ اور خطابیہ'' میں منقسم ہے۔ ڈاکٹر ابومحمد سحر نے مضامین کے اعتبار سے قصیدے کی چار قسمیں ''مدحیہ، ہجویہ، وعظیہ اور بیانیہ'' بیان کی ہیں۔ انھوں نے ہجو کو بھی قصیدے میں شامل کیا ہے شرط یہ ہے کہ وہ قصیدے کی ہیئت میں ہو۔ اس کے علاوہ انھوں نے تشبیب کے مضامین کے اعتبار سے بھی قصیدے کی چار مزید قسمیں گنوائی ہیں جن میں بہاریہ، حالیہ، فخریہ اور دعائیہ قصیدہ شامل ہیں۔ (۱۶)

قصیدے کی اقسام کے بارے میں ڈاکٹر صابر کلوروی کی بیان کردہ اقسام بھی ملاحظہ ہوں:

۱۔ تمہیدیہ	:	ممدوح کے اوصاف کا بیان، قصیدے کے تمام اجزائے ترکیبی کے ساتھ
۲۔ خطابیہ	:	ممدوح کی تعریف براہِ راست (تشبیب اور گریز کے بغیر)
۳۔ مدحیہ	:	صرف مدح کی گئی ہو
۴۔ ہجویہ	:	صرف برائی بیان کی گئی ہو
۵۔ وعظیہ	:	پند و نصائح پر مبنی قصیدہ
۶۔ بیانیہ	:	رنگارنگ موضوعات پر مبنی قصیدہ
۷۔ عشقیہ	:	جس قصیدے کی تشبیب عشق و عاشقی کے مضامین پر مشتمل ہو
۸۔ حالیہ	:	جس قصیدے کی تشبیب میں شاعر نے ذاتی حالات یا زمانے کی شکایت بیان کی ہو۔
۹۔ فخریہ	:	تشبیب میں اپنی سخن وری اور فنی مہارت کا اظہار کیا ہو۔ (۱۷)

قصیدے کی مذکورہ تقسیم تشبیب کے موضوعات کی بنا پر ہے جسے کسی صورت بھی کامل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قصیدے کا مرکزی جزو مدح ہے، اس لحاظ سے مدح کا موضوع ہی قصیدے کا عنوان ہونا

چاہیے اوراسی بنا پر قصیدے کی قسم کا تعین ہونا چاہیے۔ڈاکٹر سعادت سعید نے بھی قصیدے کی جن اقسام کا ذکر اپنے مقالے میں کیا ہے اُن میں حمدیہ، نعتیہ، منقبتیہ، منظریہ، فخریہ، ہجویہ، رثائیہ، شہرآشوبیہ، صوفیانہ اور رجزیہ قصیدہ شامل ہیں (۱۸)۔لیکن قصیدے میں موضوع کی کوئی قید نہیں، شاعری کی طرح قصیدے کا بڑا موضوع زندگی ہے اور زندگی اپنے اندر موضوعات کی ایک کہکشاں سموئے ہوئے ہے۔ یوں زندگی کے جتنے پہلو قصیدے میں زیر بحث آئیں گے، قصیدے کی اتنی ہی اقسام وجود میں آتی جائیں گی اور زندگی کی تغیر پذیری اور بوقلمونیوں کے زیر اثر قصیدہ کی اقسام ہزاروں تک پہنچ جائیں گی۔ چوں کہ اب قصیدہ کی صنف نعتیہ موضوع کے حوالے سے زندہ ہے اور رہے گی، اس لیے مذہبی اور غیر مذہبی قصیدے کی سادہ تقسیم پر اکتفا کر لینا ہی بہتر ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قصیدہ ایک ایسی صنف ہے جس کا پہلا شعر مطلع ہوتا ہے اور اس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ باقی اشعار اسی قافیے کی پابندی میں لکھے جاتے ہیں۔اس میں اشعار کی تعداد متعین نہیں، کسی نے سات اشعار کہے ہیں تو کسی نے کم ازکم پندرہ کی قید لگائی ہے مگر یہ بات موزوں معلوم ہوتی ہے کہ کم ازکم اتنے اشعار ہوں کہ جن میں قصیدے کے چاروں اجزا سما جائیں اور زیادہ سے زیادہ کی قید نہیں۔قصیدے میں ایک سے زیادہ مطالع بھی لائے جاسکتے ہیں جو قصیدے میں تازگی کا باعث بنتے ہیں۔

عربی نعتیہ قصیدہ:

حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح وتوصیف کا سلسلہ ابتدائے آفرینش سے جاری وساری ہے۔ قرآن پاک میں'' **ان اللہ وملائکۃ یصلون علی النبی** '' کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سب سے پہلی نعت اللہ تعالیٰ نے کہی۔سابقہ کتب سماوی بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح وستائش سے مزین تھیں اور قرآن مجید بھی ذکرشہِ والا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بیان سے آراستہ وپیراستہ ہے۔عربی زبان میں نعت گوئی کے آغاز کے بارے میں ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک رقم طراز ہیں:

> ''عربی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سب سے پہلی مدح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عم بزرگوار حضرت ابوطالب نے منظوم کی تھی۔'' (۱۹)

سردارانِ قریش جب اکٹھے ہوکر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور اُن سے مطالبہ کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سمجھائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لیں تو حضرت ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے رجوع کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عزم صمیم دیکھ کر انھوں نے نہ صرف سرداروں کو واپس بھیج دیا بل

کہ آپ ﷺ کی مدح میں اشعار بھی کہے۔اُن کے پچانوے اشعار پر مبنی ایک طویل نعتیہ قصیدے کا ایک مشہور شعر درج ذیل ہے:

وا بیض یستسقی الغمام و حصہ

تمال الینا نی عصمۃ للا ء امل (۲۰)

ترجمہ: (وہ روشن وتابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے، وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے سرپناہ ہیں)

راجا رشید محمود نعت کے آغاز کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''اولین نعت کی حقیقت یہ ہے کہ ہمارے آقا ومولا ﷺ کے اولین نعت گو تبان اسعد بن کلی کرب تھے جنھیں تبع شاہِ یمن کہا جاتا ہے اور وہ حضور ﷺ سے کم از کم سات سو سال پہلے ہوئے ہیں، یوں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ تبع اول حمیری شاہ یمن اولین نعت گو ہے۔بعض لوگ تبع کی نعتیہ شاعری کو 'بشائر' کے عنوان سے نقل کرتے ہیں۔واقعہ یہی ہے کہ اس سے پہلے کے کسی شاعر کا کوئی نعتیہ شعر دستیاب نہیں ہے اور منظوم مدحت رسول کریم ﷺ کے معنوں میں نعت کا اولین شاعر تبع اوّل حمیری ہی ہے۔(۲۱)

شاہ یمن تبع اول حمیری یثرب فتح کرنے آیا تو فتح نہ کر سکا صلح نامہ لکھتے وقت ایک یہودی بنیامین قرطی نے تبع سے کہا کہ تو یثرب فتح نہیں کر سکتا کہ یہ دیار ایک قریشی نبی کی فرودگاہ بننے والا ہے۔اس پر تبع نے نعت کے جو اشعار پڑھے ان میں سے تین اشعار ملاحظہ ہوں:

اُلْقِیَ اِلَیَّ نَصِیحَتُہٗ کَیْ اَزْدَجِرُ

عَنْ قَرِیَتِہٖ مَحْجُورُہٗ بِمُحَمَّدٖ

شَہِدْتُ عَلٰی اَحْمَدَ اَنَّہٗ

رَسُولُ مِنَ اللّٰہِ جَارِی النِّسَمِ

فَلَوْمَدَّ عُمْرِی اِلٰی عُمْرِہٖ

لَکُنْتُ وَزِیراً لَّہٗ وَ ابْنَ عَمِّہٖ (۲۲)

ترجمہ: (اُس نے مجھے نصیحت کی کہ میں اُس آبادی سے ہٹ جاؤں جو محمدؐ کی وجہ سے محفوظ رکھی گئی ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ احمدؐ اُس اللہ کے رسول ہیں جو جاں آفریں ہے۔ اگر میری عمر اُس کی عمر تک لمبی ہوتو میں ضرور اُس کا وزیر اور ابنِ عم بنوں گا۔)

نعت کی ابتدا کے بارے میں معروف محقق نعت ڈاکٹر شہزاد احمد کی رائے قابلِ غور ہے:

''حضرت آدم علیہ السلام نے تو لفظ ''محمد'' ﷺ کلمے کے ساتھ عرشِ اعظم کے ستونوں پر لکھا دیکھا تھا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جب لفظ 'محمد ﷺ' انتخاب کیا گیا یا منتخب ہوا تب ہی سے نعت کا آغاز ہو چکا تھا کیوں کہ لفظ محمدؐ کے معنی (بہت تعریف کیا گیا، نہایت سراہا گیا) کے ہیں اور لفظ 'نعت' کے معنی بھی تعریف وتوصیف کے ہیں۔ اب اگر کوئی نعت نہ بھی کہے اور صرف محمد ﷺ کہہ دے تو وہ بھی نعت ہی بیان کرتا ہے۔ اس طرح سے وہ بھی نعت گو اور ثنا خوانوں کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ درحقیقت لفظ محمد ﷺ ہی نعت کی اصل اور مکمل شکل ہے۔'' (۲۳)

بہر حال آنحضرت ﷺ کے عم نامدار حضرت ابو طالب نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز کیا۔

اس کے بعد اُمّ معبد کی نعت ہے۔ یہ اگرچہ نثر میں ہے مگر ابتدائی نعتوں کی ذیل میں آتی ہے۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر غارِ ثور سے نکلنے کے بعد آپؐ نے قبیلہ خزاعہ کی مذکورہ خاتون کی ایک نڈھال اور کمزور بکری (جو دودھ دینے سے قاصر تھی) کا دودھ نکالا جسے حضرت ابوبکر صدیقؓ، آپؐ کے غلام عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن ارقط اور آنحضرت ﷺ نے سیر ہو کر پیا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے ایک پیالہ دودھ مزید نکالا اور ام معبد کے حوالے کیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ام معبد کے شوہر نے آکر دودھ کی بابت پوچھا کہ یہ کس نے نکالا ہے تو انھوں نے حضور اکرم ﷺ کا درج ذیل نقشہ پیش کیا:

''میں نے ایک انسان دیکھا پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، ہموار شکم، سر میں بھرے ہوئے بال، زیبا، صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ وفراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں مردانگی وشیرینی، گردن موزوں، روشن اور چمکتے ہوئے دیدہ، سرگیں آنکھ، باریک اور پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگھریالے گیسو، جب خاموش رہتے تو چہرہ پُر وقار معلوم ہوتا، جب گفتگو فرماتے تو دل ان کی طرف کھنچتا، دور سے دیکھو

تو نور کا ٹکڑا، قریب سے دیکھو تو حسن و جمال کا آئنہ، بات میٹھی جیسے موتیوں کی لڑی، قد نہ ایسا پست کہ کمتر نظر آئے نہ اتنا دراز کہ معیوب معلوم ہو بل کہ ایک شاخِ گل ہے جو شاخوں کے درمیان ہو، زیبندہ نظر، والا قدر، ان کے ساتھی ایسے جو ہمہ وقت ان کے گرد و پیش رہتے ہیں، جب وہ کچھ کہتے ہیں تو یہ خاموش سنتے ہیں، جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں، مخدوم و مطاع نہ کوتاہ سخن اور نہ فضول گو۔‘‘ (۲۴)

عربی نعت میں شعر مجہول خاصا مشہور ہے۔ یہ ایک قصیدۂ نعتیہ ہے جسے شعر الجنی کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ کتب سیرت میں لکھا ہے کہ ایک رات اہلِ مکہ نے ایک دل کش آواز میں اشعار سنے مگر کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اشعار کسی جنّ نے پڑھے۔ ایک شعر دیکھیے :

جَزَ می اللّٰہ ربُّ الناسِ خیر جَزائِہ

رَفیقَین ، حَلّا خیمتی اُمِ معبد (۲۵)

ترجمہ: (لوگوں کا پروردگار ان دونوں ساتھیوں حضور اکرم ﷺ اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو بہتر جزا عطا فرمائے، جو اُم معبد کے خیموں میں ٹھہرے تھے)

اعشیٰ زمانۂ جاہلیت کا وہ شاعر ہے جس کا قصیدہ سبع معلقہ میں شامل کیا جاتا ہے۔ اُس نے قبولِ اسلام کی خاطر حضور نبی کریم ﷺ کی مدح میں قصیدہ لکھا مگر افسوس ابوسفیان کی تحریک پر کفار نے اسے سو اونٹوں کا لالچ دیا اور وہ اس لالچ میں آ کر اسلام کی نعمت سے محروم رہا۔ اس کے نعتیہ قصیدے کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

نَبی‘‘ یَریٰ مالا ترون و ذِکرُہٗ

آغار لعمری فی البلاد و انجدا (۲۶)

(ترجمہ: وہ ایسے نبی ہیں جو وہ دیکھ رہے ہیں جو تم لوگوں کو نظر نہیں آتا اور میری زندگی کی قسم اُن کا شہرہ شہر شہر پھیل گیا ہے)

جب حضورِ اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو ان کی آمد مبارک کے موقع پر مدینہ طیبہ کی بچیوں نے آپ ﷺ کا شان دار استقبال کیا اور دف کے ساتھ آپ ﷺ کی شان میں خوشی اور مبارک کے اشعار مترنم انداز میں پیش کیے۔ عربی نعت میں مدینہ طیبہ کی بچیوں کے یہ

استقبالی اشعار نا قابلِ فراموش ہیں:

طلع البدر علینا ،من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ، مادعا للہ داع

ایہا المبعوث فِنا ، جئت بالامر المطاع (۲۷)

(ترجمہ: جنوب کے ان پہاڑوں سے ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے، کیسا عمدہ دین اور تعلیم ہے، ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے اور تیرے حکم کی اطاعت فرض کہ تو اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔)

حضرت حسان بن ثابتؓ انصاری جن کا تعلق قبیلہ بنوخزرج سے تھا، بجا طور پر شاعر دربارِ رسول ﷺ تھے۔ اُن کے لیے مسجد نبوی میں منبر کا اہتمام ہوتا تھا۔ انھوں نے فتح مکہ کے موقع پر ایک زوردار قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر درج ذیل ہے:

نبی اتَانَا بَعْدَ یَاسٍ وَ فَترَۃ

مِنَ الرُّسُلِ وَالَا و ثانُ فِیِ الارضِ تُعبَد (۲۸)

(ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ نامراد رہے، جن سے ان کا نبی ﷺ کوچ کر گیا اور ان لوگوں نے عزت پائی جن کی طرف وہ صبح وشام سفر طے کر کے پہنچے)

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ بھی بنوخزرج کے قادر الکلام شاعر تھے۔ انھوں نے بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں شمولیت کا شرف حاصل کیا اور جنگِ موتہ میں شہادت کے درجے کو پہنچے۔

یَا رَبّ لَو لَا اَنتَ مَا اھتَدَینَا

وَلَا تَصَدَّ قنَا وَ لَا صَلَّینَا (۲۹)

(ترجمہ: اے میرے پروردگار! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے)

حضرت کعب بن مالکؓ جو بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں شامل تھے، انھوں نے ایک قصیدہ حضور نبی کریم ﷺ کے طائف تشریف لے جانے کے موقع پر پڑھا جسے سن کر آپ ﷺ نے فرمایا ''اے کعب! اللہ تعالیٰ نے تمھارے اس قول کی قدر فرمائی ہے''۔ مذکورہ قصیدے کا ایک شعر دیکھیں:

رَئیسُھُم النَّبِیُّ و کَانَ صلبا

نَقِیَّ القَلبِ مُصطَبِراً عَزُوفَا (۳۰)

(ترجمہ: اُن (مسلمانوں) کے سردار نبی ﷺ ہیں جو ایک صاحبِ عزم، پاک دل، ثابت قدم اور بلند کردار انسان ہیں)

کعب بن زہیر نے فتح مکہ کے بعد ۸ ہجری میں قبولِ اسلام کے وقت حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنا مشہور قصیدہ لامیہ پیش کیا جس پر آپ ﷺ نے انھیں اپنی چادر (بُردہ) عطا فرمائی۔ امام بوصیریؒ کے مشہور قصیدہ بردہ کے بعد یہ قصیدہ ''بانت سعادُ'' کے نام سے معروف ہے:

فَــقَــدْ اَتَـیـتُ رَسُــولَ الـلّــہ مُـعـتَـذِ رًا

وَالـعَـفـوُ عِـنـدَ رَسُولِ اللّٰہِ مَقبول (۳۱)

ترجمہ: (میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں معذرت کے لیے آیا ہوں اور درگزر تو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ایک پسندیدہ فعل ہے)

عہدِ رسالت ﷺ میں خلفائے راشدین بھی نعت گوئی میں اپنا حصّہ ڈالتے نظر آتے ہیں۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ کا ایک طویل نعتیہ قصیدہ عربی ادب میں موجود ہے:

اَجَــدَّكَ مَــا لِــعَـیـنِكَ لَا تَــنَــام

كَــاَنَّ جُــفُــونَـهَـا فِیهَـا كَلَام (۳۲)

ترجمہ: (آہ تیری (صدیق) قسمت! تیری آنکھوں سے نیند اچاٹ ہوگئی ہے، گویا کہ ان کی پلکوں میں زخم ہوگئے ہیں۔)

حضرت عمر فاروقؓ اپنے عدل و انصاف کے لیے ہی مشہور نہیں بل کہ آپ شعر گوئی کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر کچھ اشعار کہے اُن میں سے بطور نمونہ ایک شعر درج ذیل ہے:

اَلَــم تَــرَ اَنَّ الــلّــہ اَظـهــر دیــنــہ

عَـلـٰـی كُلِّ دِیـنٍ قَبـلَ ذَالِكَ حَـائِـدِ (۳۳)

ترجمہ: (دیکھا! اللہ تعالیٰ نے اپنے دین برحق کو ہر اُس دین پر جو اپنے وقت پر برحق تھا، کس طرح غالب فرمایا)

آنحضرت ﷺ کے وصال کے موقع پر حضرت عثمان غنیؓ سے منسوب یہ شعر ملاحظہ ہو:

یـــا عیـــنـــی ابــکـــی ولا تســامـــی

وحـــق البـــکـــاء عـــلـــی السیـــد (۳۴)

ترجمہ: (اے میری آنکھ! رو اور رونے سے نہ اکتا، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رونا روا ہے)

باب العلم حضرت علیؓ اپنی حالتِ غم کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اَلا طَــرقَ الـــنَّـــاعِـي بَـلَـيـلٍ فَـرَاعَـنـــيِ

وَ اَرَّقَــنــيِ لِــمَـــا استَـقَـر مُـنَـادِيـاً (۳۵)

ترجمہ: (موت کی خبر دینے والے نے رات مجھے چونکایا تو میں گھبرا گیا اور صبح کی اذان تک میری نیند اُچاٹ رہی)

حضرت ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں، (ابوسفیان بن حرب جو اسلام سے قبل مسلمانوں کا دشمن تھا اور شخصیت ہے) انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پر ایک مرثیہ کہا، اُس کا شعر ملاحظہ ہو:

ارقـــــت وبـــــات لیـــلـــی لایـــزول

ولیـــل اخـــی الـــمـصیبة فیـــه طول (۳۶)

ترجمہ: (میری نیند اُچٹ گئی، میری رات ختم ہونے پر نہیں آتی، مصیبت زدہ کی رات دراز ہوتی ہی ہے)

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محامدِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر نعت گو شعرا میں حضرت ابوقیس بن اسلتؓ، حضرت مالک بن نمطؓ، حضرت مالک ابن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوقیس صرمہؓ، حضرت سواد ابنِ قاربؓ، حضرت نابغہ جعدیؓ، حضرت اصید بن سلمہؓ اور حضرت عمرو بن سالم الخزاعیؓ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

خلافت راشدہ کے بعد خلافت و امامت کے مذہبی مناقشات کے پیشِ نظر عرب شعرا اپنے اپنے حامیوں کے قصیدے لکھنے میں محو ہو گئے۔ ویسے بھی قصیدہ گوئی انعام و اکرام کے حصول کا ایک مؤثر ذریعہ تھی۔ اس عہد میں امام زین العابدینؒ کا نام نعت گوئی کے باب میں اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے بعد امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منسوب چند نعوت اور ایک قصیدہ تاریخی کتب میں درج ملتا ہے۔ اس کا پہلا

شعر ملاحظہ ہو:

یاسید السادات جئتك قاصدا

ارجو رضاك واحتمی بحماك(۳۷)

ترجمہ: (اے سادات کے سردار! میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں قاصد بن کر حاضر ہوا ہوں، میں آپ ﷺ کی رضا کی اُمید کرتا ہوں اور آپؐ کی حمایت کا خواہش مند ہوں)

ابوالعتاہیہ (م:۸۲۶ھ) عباسی دور کا مشہور شاعر گزرا ہے جس کا نام ابواسحاق اسماعیل بن القاسم ہے۔ اس کے طویل قصائد میں نعت کے اشعار بھی ملتے ہیں۔ اُس نے عشق کے علاوہ حکمت ودانائی کے باب میں بہت کچھ کہا۔(۳۸)

مرسَل لَو یَوزَنُ النَّاسُ بِہٖ

فِی التُّقیٰ وَالبِرِّ شَالُواوَرَجَعَ (۳۹)

ترجمہ: (وہ ﷺ ایک ایسے پیغمبر ہیں کہ پرہیز گاری اور نیکی کے سلسلے میں اُن کو تمام انسانوں کے ساتھ تولا جائے تو لوگوں کا پلڑا ہلکا ہو اور آپ ﷺ کا پلڑا بھاری ہو)

علامہ بوصیریؒ کا اصل نام محمد بن سعید، کنیت ابوعبداللہ اور لقب شرف الدین ہے۔ علامہ موصوف مصر کے علاقے بوصیر میں ۶۰۸ھ میں پیدا ہوئے اور شہر کی نسبت کی وجہ سے بوصیری کہلاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ وہ برص کے مرض میں مبتلا ہوئے تو اُنھوں نے ایک قصیدہ لکھا جس پر انھیں خواب میں حضور نبی رحمت ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے موصوف کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور اپنی چادر (بردہ) عطا فرمائی۔ صبح وہ شفایاب تھے اور چادر اُن کے پاس موجود تھی۔ ایک سو بیاسی اشعار کا یہ قصیدہ آج قصیدۂ بردہ شریف کے نام سے مشہور ہے اور اس کی شہرتِ عام ہونے کی وجہ سے حضرت کعب بن زہیرؓ کے قصیدے کو قصیدۂ ''بانت سعاد'' کہا جاتا ہے۔ اس قصیدے کا مطلع ملاحظہ ہو:

امِن تَذَکُّرِ جِیرانٍ بِذِی سَلَمٖ

مَزَجتَ دَمعًا جَرٰی مِن مُقلَۃٍ بِدَمٖ (۴۰)

ترجمہ: (کیا مقام ذی سلم کے ہمسایوں کے ذکر کی وجہ سے تُو نے آنکھ سے بہنے والے آنسو کو خون کے ساتھ ملا دیا ہے؟)

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون ایک بلند پایہ مؤرخ کے علاوہ شاعر بھی تھے۔عربی کی مشہور کتاب ''نفح الطیب''میں درج اُن کے ایک قصیدے کا ایک شعر پیش خدمت ہے:

یَا سَیّدَ الرُّسُلِ الکرَامِ ضَراعَۃٌ

تُقضِی نفسِی وَ تَذھبُ حَولِی (۴۱)

ترجمہ:(اے مکرم رسولوں کے سردارؐ!ایک التجا ہے، جو میری دلی مراد پوری کردے اور میرا گناہ دور کردے)

علامہ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی جنھوں نے ''فتح الباری'' کے نام سے بخاری شریف کی شرح لکھی ہے،عربی نعتیہ روایت کا اہم نام ہیں۔ان کی نعت کا ایک شعر دیکھیے:

نَبِی خُصَّ بالتَّقدِیمِ قَدَمَا

واٰدَمُ بَعدَ فِی طِینٍ وَمَاءٍ (۴۲)

ترجمہ:(وہ ایک ایسے نبی ﷺ ہیں جن کو تقدّم حاصل ہے جب کہ آدم ابھی مٹی اور پانی میں تھے یعنی اُن کا ہیولا بھی پانی میں بن رہا تھا)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی برصغیر پاک و ہند میں دینی خدمات کے حوالے سے مشہور ہیں۔اُن کے متعدد نعتیہ قصائد ہیں۔اُنھوں نے ایک مشہور صحابی حضرت سواد بن قاربؓ کے بائیہ قصیدے کی طرز پر ایک شان دار نعتیہ قصیدہ نظم کیا ہے جس کا عنوان ''اطیب النغم فی مدحِ سید العرب والعجم'' ہے یعنی عرب کے آقاؐ کی مدح میں پاکیزہ نغمہ۔اس میں نبوت کے دلائل دیے گئے ہیں اور آپؐ کے کمالات وفضائل کا بیان فصیح انداز میں موجود ہے۔قصیدے کا مطلع دیکھیے:

کَأَنَّ نجومًا اَوْمَقَت فِی الغیاھِب

عُیُونَ الأُفاضِ اَوْ رُؤسَ العقارب (۴۳)

آزاد بلگرامی عربی کے جلیل القدر عالم تھے،اُن کا پورا نام سید غلام علی حسینی واسطی ہے۔اُن کے دیوان کا نام ''السبع السیارہ'' ہے۔نعت گوئی میں کمال کی وجہ سے انھیں ''حسان الہند'' کہا جاتا ہے۔

غوث الورٰی ، غیث الندی، غرضُ المنیٰ

کَھفُ الارَمِل مَلجَاءُ المسرَفِذ (۴۴)

ترجمہ: (وہ ﷺ مخلوق کے لیے رحمت، خشک زمین کے لیے ابر کرم، آرزوؤں کا مرکز، بیواؤں کے لیے جائے امن اور بے سہاروں کے لیے پناہ گاہ ہیں)

قاضی محمد حنفی المعصومی کا ایک ذوقافیتین قصیدہ زبانِ زدِعام ہے:

اَلصُّبحُ بَدَا مِن طَلعَتِہٖ

واللَّیلُ دَجَا مِن وَفرَتِہٖ (۴۵)

ترجمہ: (صبح آپ ﷺ کے چہرۂ انور کی وجہ سے وجود میں آئی اور رات آپ ﷺ کے گیسوؤں کے باعث سیہ پوش ہوئی)

احمد شوقی (۱۸۶۸ء۔۱۹۳۲ء) کا تعلق مصر سے ہے۔ وہ نثر اور شاعری میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ انھوں نے عربی شاعری کو نئے اسلوب اور نئے آہنگ سے روشناس کرایا۔ اُن کے ۱۳۱، اشعار پر مبنی ایک مشہور قصیدے ''الھمزیۃ النبویہ'' کا پہلا شعر ملاحظہ ہو:

وُلِدَ الھُدٰی فالکائناتُ ضِیَاءُ

وَفَمُ الزَّمَانِ تَبَسُّمٌ وَّثناءُ (۴۶)

ترجمہ: (وہ پیکر ہدایت پیدا ہوئے تو کائنات اُجاگر ہوگئی، زمانے کا دہن مسکراہٹ اور مداح بن گیا۔)

اس کے علاوہ عربی نعت میں امام غزالی کے شاگردِ رشید حافظ ابوبکر محمد ابن العربی الاندلسی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، مولانا فضل حق خیر آبادی اور نواب سیّد صدیق حسن خان البخاری بھی عربی نعتیہ روایت کے معروف نام ہیں اور یہ سلسلہ ان شاء اللہ عبدالآباد تک جاری وساری رہے گا۔

فارسی نعتیہ قصیدہ:

فارسی شاعری کا آغاز نعت کی خوش بو سے خالی ہے۔ عہد سامانی میں رودکی اہم شاعر ہے مگر اُس کے ہاں نعت کے اشعار نہ ہونے کے برابر ہیں۔

غزنوی دور میں بھی فرخی، عنصری اور منوچہری نے شاہوں کے قصیدے لکھے البتہ فردوسی نے ''شاہ نامہ'' میں حمد ونعت سے آغاز کیا۔ اس سے پہلے اسعد گرگانی کی مثنوی میں بھی نعت کا ذخیرہ ملتا ہے۔ جہاں تک قصیدے کی بات ہے، سلجوقی عہد کے شاعر ناصر خسرو (م ۴۸۱ھ) کے ساڑھے گیارہ ہزار اشعار کے دیوان میں جو قصائد نعت ملتے ہیں اُن میں منقبتِ علیؓ کا رنگ غالب ہے۔ (۴۷)

حکیم مجدالدین سنائی غزنوی (م: ۵۳۵ھ) کو مولانا شبلی نے فارسی کی اخلاقی شاعری کا بانی قرار دیا ہے۔(۴۸) سنائی پہلا شاعر ہے جس نے فارسی نعت گوئی کی طرف باقاعدہ توجہ کی۔ اس کے نعتیہ مضامین کا ایک بڑا حصہ قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے:

چون بصحرا شد جمالِ سید کون از عدم
جاہ کسرا زد بعالم ہائے عزل اندر قدم (۴۹)

جمال الدین اصفہانی (م:۵۸۸ھ) کے ایک قصیدے ''تحمید باری ونعت حضرت رسولِ اکرم ﷺ'' کا ذکر ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے مقالے میں کیا ہے(۵۰)

اس کے بعد ابراہیم خاقانی (م:۵۸۲ھ) کا نام آتا ہے۔ اُسے فارسی قصیدے کا بادشاہ قرار دیا جاتا ہے۔ وہ قصیدے میں یکتا مثال ہے۔ اُس کے نعتیہ قصائد مشکل ردیفوں اور زمینوں کے باوجود لطف بیان سے خالی نہیں۔

جنت ز شرم طلعتِ او گشتہ خاربست
دوزخ ز گرد ابلق اوٌ گشتہ گلستاں(۵۱)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م:۶۳۲ھ) حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے خلیفہ اور حضرت بابا فریدالدین مسعود گنجِ شکرؒ کے پیرومرشد ہیں۔ انھیں شاعری سے بھی شغف ہے۔ مثال کے طور پر اُن کے ایک نعتیہ قصیدے کا شعر دیکھیے:

اے از شعاعِ نور تو خورشید تابان را ضیا
آنی کہ ہستی از شرف بالا تر از عرش عُلا (۵۲)

خواجہ فریدالدین عطار نیشاپوری (م: ۶۳۷ھ) چھٹی صدی ہجری کے مشہور صوفی بزرگ تھے۔ مثنوی منطق الطیر، پند نامہ اور الٰہی نامہ اُن کی معروف تصانیف ہیں۔ ان کے قصیدوں میں بھی نعتیہ اشعار مل جاتے ہیں۔ اوحدی مراغی (م: ۷۳۸ھ) نے قصیدے اور مثنوی دونوں میں نعت کہی۔ اُن کے قصیدے کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

خوش آنکہ بندم وررہت بر ناقہ محمل از وطن
خیزم چو کردافتم چو اشک آیم بسر غلطم بہ تن (۵۳)

مولانا شہاب الدین مہمرہ بدایونی (م:۷۰۲ھ) برصغیر کے فارسی نعت گوشاعر ہیں ، امیر خسرو نے اُن کا ذکر بڑے ادب سے کیا ہے۔ڈاکٹر ریاض مجید نے اُن کے قصیدے کا شعر نقل کیا ہے جو تعلّی ،غنائیت اور شوکت الفاظ کا مظہر ہے:

زمن آنکہ ایں قصیدہ طلبیدہ باد جانش

چو قصیدہ ام مزین بجواہر معانی (۵۴)

خواجو کرمانی (م:۷۵۳ھ) کی نعت قرآنی تلمیحات سے مزین ہے اور معرب اسلوب کی حامل ہے جس میں وفورِ عشق کا جذبہ موج زن ہے۔اُن کے نعتیہ قصیدے کا ایک شعر دیکھیے :

صل علیٰ محمدؐ درہ تاج الاصطفا

صاحب جیش الاہتدا ناظم عقدالاتقا (۵۵)

حضرت امیر خسرو (م: ۷۲۵ھ) برصغیر پاک وہند کی شعری روایت کا ایک معروف نام ہیں۔ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے مرید ہیں۔ اہلِ ایران اُن کی فارسی شاعری کے قدر دان ہیں۔اُن کا کلام عشقِ رسول ﷺ کا آئنہ دار ہے۔اُنھوں نے مثنوی اور غزل کے علاوہ قصیدے کی ہیئت میں بھی فارسی نعت کی روایت کو آگے بڑھایا ہے۔

خواجہ جمال الدین ساوجی (م: ۷۷۸ھ) کے ہاں ترکیب بند اور قصیدے کی ہیئت میں نعتیہ نمونے ملتے ہیں۔ وہ اپنے وقت کے ملک الشعرا تھے۔اُن کے نعتیہ قصائد زبان کی صفائی، روانی اور چست بندش کی خوبیوں کے حامل ہیں، ذیل میں اُن کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

ہر دل کہ در ہوائے جمالش مجال یافت

عنقائے ہمتش در جہان زیر بال یافت(۵۶)

شیخ فخرالدین عراقی (م:۶۶۷ھ) فارسی نعتیہ روایت میں اہم نام ہے۔ان کے ایک نعتیہ قصیدے کا آغاز ملاحظہ ہو:

راہ باریک است و شب تاریک و مرکب لنگ پیر

اے سعادت رُخ نما و اے عنایت دستگیر(۵۷)

مولانا عبدالرحمٰن جامی (م: ۸۹۸ھ) حضور نبیِ کریم ﷺ سے عشق ومحبت کے لیے مشہور

ہیں۔اُن کے کلام سے جذب و کیف، دوری و مہجوری اور آرزوئے وصل کے جذبات اُمڈتے نظر آتے ہیں۔اُن کے ایک ترجیع بند میں ہیئت کے تجربے ملتے ہیں، اُنھوں نے تیرہ بندوں میں الگ الگ قوافی محمدؐ کی ردیف کے ساتھ نبھائے ہیں۔انھوں نے قصیدہ بردہ شریف کا فارسی میں منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ ان کا کلام مثنوی، غزل اور نعتیہ قصائد کی صورت میں ملتا ہے۔(۵۸)

معلم کیست عشق و کنج خاموشی دبستانش

سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش(۵۹)

عہدِ صفوی کے مشہور شاعر محتشم کاشانی (م:۹۹۶ھ) نے مرثیہ اور قصیدہ گوئی میں اپنے جوہر دکھائے ہیں۔اس کے ایک نعتیہ قصیدے کی ردیف ''آفتاب'' ہے جس سے اُس نے نئے اور عمدہ مضامین نکالے ہیں۔اس قصیدے کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

آن ذرہ است محتشم اندر پناہ توؐ

کاو یختہ بدست توسل در آفتاب

ظل ہدایتش بسر افگن کہ ذرہ را

رہ گم شود گرش نبود رہبر آفتاب(۶۰)

جمال الدین عرفی (م:۹۹۹ھ) قصیدہ گوئی میں جدتِ ادا کا حامل ہے۔زورِ کلام، نت نئی تراکیب اور خودستائی کا جذبہ اُس کے ہاں موجود ہے۔وہ نعتیہ قصیدے ''اقبال کرم می گزدار باب ہمم را'' میں گریز سے پہلے آسمان پر ہے مگر نعت پر آتے ہی عجز و انکسار کا پیکر بن گیا ہے:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت ست نہ صحرا ست

آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ ست قدم را (۶۱)

ابوالفیض فیضی (م:۱۰۰۴ھ) دربارِ اکبری میں ملک الشعرا کے علاوہ غزل اور قصیدے کے نامور شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔فیضی نے وہاں عرفی جیسے باکمال شاعر کی ایک نہیں چلنے دی۔

جان محمد قدسی (م:۱۰۵۶ھ) عہد شاہ جہاں سے تعلق رکھنے والا ایک بڑا قصیدہ گو ہے۔اُس کی نعت ''مرحبا سید مکی مدنی العربی'' کو بے حد پذیرائی ملی۔غنیمت کنجاہی (م:۱۱۱۰ھ) کے نعتیہ قصائد سادہ اور رواں ہیں اور ان کے ہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت، رحمت و رافت اور

شفاعت طلبی کے موضوعات ملتے ہیں۔

میر سید علی مشتاق اصفہانی (م:۱۱۷۱ھ) کے نعتیہ قصائد فنی لحاظ سے بھی اور ندرتِ فکر کے حوالے سے قابلِ توجہ ہیں۔اُن کا طرزِ اسلوب سادہ ہے مگر سادگی میں بھی انھوں نے اچھوتے رنگ کو قائم رکھا ہے:

ہم نورند ولے نسبتشان ہست بتو

نسبتِ ذرہ و خورشید و چراغ و مشعل(۶۲)

حکیم مرزا حبیب اللہ قاآنی شیرازی (م:۱۲۷۰ھ) ایرانی شاعر ہے جس کی قصیدہ گوئی کا ایک زمانہ معترف ہے۔اُس کے نعتیہ قصائد عرفی اور خاقانی کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ایک شعر قصیدے کا ملاحظہ ہو:

نقطۂ پرکار ہستی خط پرکارِ وجود

قطب گردانِ کرم توقیعِ طغرائے ثواب(۶۳)

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ (م:۱۲۸۵ھ) کی وجۂ شہرت فارسی سے زیادہ اُردو شاعری کے حوالے سے ہے۔ وہ جدید غزل کے موجد ہیں۔ فارسی میں انھوں نے غزل، مثنوی اور قصیدے میں نعت کہی ہے اُن کی ایک غزلیہ ہیئت کی نعت قرآنی تلمیحات سے مزین ہونے کے ساتھ عشق و وارفتگی کے عنصر سے مالا مال ہے اور بہت مشہور ہے:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم

کاں ذاتِ پاک مرتبہ دان محمدؐ است (۶۴)

غالب کے ہاں زورِ بیان اور شوکت الفاظ کے علاوہ عجز و انکسار کی واضح جھلک ملتی ہے۔ ایک قصیدے کا مقطع ملاحظہ ہو:

بہ جنبشِ اثر لا الہٰ الا اللہ

غبارِ ہستی غالب ز پیش برداری(۶۵)

مولانا غلام امام شہید (م:۱۸۷۹ء) اُردو نعت گوئی کا ایک اہم نام ہے۔انھوں نے فارسی میں زوردار نعتیہ قصائد لکھے ہیں۔طویل بحر میں اُن کے ایک قصیدے ''میلادیہ'' کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

آمد بہار پُر فتن سرگرم آشوب زمن از رنگ گلہائے چمن از خار وخس آتش فگن
گلگوں قبا گل پیرہن رنگیں ادا نسریں بدن از پرتو خود برق زن در خرمن صد جان ومن (٦٦)

مولانا غلام قادر گرامی جالندھری (م: ۱۹۲۷ء) فارسی کے استاد شاعر تھے۔ غزل اور قصیدہ اُن کی شہرت کے میدان ہیں۔ اُن کے نعتیہ قصیدے کا شعر دیکھیے:

شبے در خانہ زین آں امام انبیاؐ آمد
قضا گیرد عنانش را ، قدر گیرد رکابش را (٦٧)

☆☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

۱۔علی محمد خاں، ڈاکٹر، اشفاق احمد ورک: اصناف نظم ونثر: لاہور، الفیصل ناشران کتب، ۲۰۱۴، ص: ۶۴

۲۔المنجد (عربی، اردو): کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۷۵ء، ص: ۸۰۸، عمود ۱۱

۳۔سعادت سعید، ڈاکٹر: اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، لاہور، پنجاب یونی ورسٹی، س ن، ص: ۲۹

۴۔سید احمد دہلوی: فرہنگ آصفیہ (ج: ۲): لاہور، اردو سائنس بورڈ، ۲۰۱۰ء،

۵۔نورالحسن نیر، مولوی: نوراللغات (ج ۲): اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع سوم، ۲۰۰۶، ص: ۸۶۵

۶۔ابو محمد سحر، ڈاکٹر: قصیدہ صنف سخن کی حیثیت سے: مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقا، مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری: لاہور، الاعجاز پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء ص: ۲۰۷

۷۔نجم الغنی رام پوری، مولوی: بحر الفصاحت: (حصہ اوّل)، مرتبہ، سید قدرت نقوی: لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۷۲

۸۔شمیم احمد: اصناف سخن اور شعری ہیئتیں: لاہور، مکتب عالیہ: ۱۹۸۳ء، ص: ۴۳

۹۔ابو محمد سحر، ڈاکٹر: قصیدہ صنف سخن کی حیثیت سے: مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقا، مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری: لاہور، الاعجاز پبلی کیشنز، ۲۰۰۷، ص: ۲۰۸۔۲۰۷

۱۰۔سعادت سعید، ڈاکٹر: اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، لاہور، پنجاب یونی ورسٹی، س ن، ص: ۴۰

۱۱۔ام ہانی اشرف، ڈاکٹر: اردو قصائد کا سماجیاتی مطالعہ: علی گڑھ، ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۵

۱۲۔نجم الغنی رام پوری، مولوی: بحر الفصاحت: (حصہ اوّل)، مرتبہ، سید قدرت نقوی: لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱، ص: ۱۷۲

۱۳۔بحر الفصاحت (حصہ اول) ص: ۱۷۵

۱۴۔ابو محمد سحر، ڈاکٹر: قصیدہ صنف سخن کی حیثیت سے: مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقا، مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری: لاہور، الاعجاز پبلی کیشنز، ۲۰۰۷، ص: ۲۱۳

۱۵۔نجم الغنی رام پوری، مولوی: بحر الفصاحت: (حصہ اوّل)، مرتبہ، سید قدرت نقوی: لاہور، مجلس ترقی

ادب،۲۰۱۱،ص:۱۸۵

۱۶۔ابومحمد سحر، ڈاکٹر: قصیدہ صنف سخن کی حیثیت سے: مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقا، مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری: لاہور، الاعجاز پبلی کیشنز، ۲۰۰۷،ص:۲۱۴

۱۷۔مجلّہ ''خیابان'' پشاور یونی ورسٹی، شعبۂ اُردو (مرتبین: منور رؤف، صابر کلوروی)، ۲۰۰۱ء، ص:۳۴

۱۸۔سعادت سعید، ڈاکٹر: اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو، لاہور، پنجاب یونی ورسٹی، س ن، ص:۶۰۔۵۹

۱۹۔ ذوالفقار علی ملک، ڈاکٹر۔ ''آنحضورؐ کے ابتدائی نعت گو'' مشمولہ: ''تحقیق'' مجلّہ، اورینٹل کالج، لاہور، شمارہ نمبر۲، ۱۹۸۲ء ص:۹۸

☆ارشاد شاکر اعوان نے اپنی تصنیف ''عہدِ رسالت میں نعت'' میں صفحہ ۳۸ پر ورقہ بن نوفل کے نعتیہ قصیدے کو پہلی با قاعدہ نعت قرار دیا ہے۔

۲۰۔شفیق بریلوی: ارمغانِ نعت: کراچی، نفیس اکیڈمی، طبع سوم، ۱۹۷۹ءص:۳۵

۲۱۔محمود، راجا رشید: نعت کائنات: لاہور، جنگ پبلشرز، ۱۹۹۳ءص:۱۳

☆ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر قادری ابوالعلائی کے مطابق بادشاہ یمن تبع حمیری نے اپنے نعتیہ اشعار ایک ہزار سال قبل کہے تھے۔بحوالہ: گوہر سید شمیم، ڈاکٹر: اُردو کا نعتیہ ادب: الہ آباد، مطبع اینگل پرنٹرس، ۲۰۰۱ء، ص:۱۰

۲۲۔قاسم محمود، سید: سیرت النبی کا انسائیکلو پیڈیا (جلد دوم): لاہور، الفیصل ناشران کتب، ۲۰۱۴ء، ص:۱۵۵۹

۲۳۔شہزاد احمد، ڈاکٹر: اساس نعت گوئی: کراچی، رنگِ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص:۵۰

۲۴۔عبداللہ عباس، ندوی، ڈاکٹر: عربی میں نعتیہ کلام: کراچی، میزان ادب، ۱۹۷۸ء، ص:۴۵۔۴۴

☆پروفیسر خالد بزمی اپنے مضمون ''عربی نعتیہ شاعری'' مشمولہ ماہ نامہ ''شام وسحر'' (نعت نمبر) لاہور، جنوری، فروری ۱۹۸۱ء میں لکھتے ہیں کہ ''اہلِ تذکرہ نے ام معبد کا نام عاتکہ بنت خالد لکھا ہے اور ان کا تعلق قبیلہ بنو کعب سے تھا۔''

۲۵۔خالد بزمی، پروفیسر: عربی نعتیہ شاعری: مشمولہ ماہ نامہ شام وسحر (نعت نمبر) شمارہ نمبر۲۔۱، جنوری، فروری ۱۹۸۱ء لاہور، ص:۱۵۷ (ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی کتاب ''عربی میں نعتیہ کلام'' کے صفحہ نمبر ۴۶ پر مصرع یوں ہے: ''**جزی اللہ رب الناس خیر جزائہ**'')

۲۶۔ایضاً۔ص:۱۵۸

۲۷۔قاسم محمود، سید: سیرت النبی کا انسائیکلو پیڈیا (جلد دوم): لاہور، الفیصل ناشران کتب، ۲۰۱۴ء، ص:۱۵۵۹

۲۸۔خالد بزمی، پروفیسر: عربی نعتیہ شاعری: مشمولہ ماہ نامہ شام وسحر (نعت نمبر) شمارہ نمبر۲۔۱، جنوری،

فروری ۱۹۸۱ء لاہور، ص:۱۶۱

۲۹۔ ایضاً۔ ص:۱۶۲ ۳۰۔ ایضاً۔ ص:۱۶۳

۳۱۔ ایضاً۔ ص:۱۶۶ ۳۲۔ ایضاً۔ ص:۱۶۷

۳۳۔ ارشاد شاکر اعوان۔ ''عہد رسالت میں نعت''، لاہور، مجلس ترقیِ ادب، ۱۹۹۳ء، ص:۱۸۲

۳۴۔ ندوی، عبداللہ عباس، ڈاکٹر: عربی میں نعتیہ کلام: کراچی، میزان ادب، ۱۹۷۸ء، ص:۱۰۸

۳۵۔ ایضاً۔ ص:۱۰۸

۳۶۔ شفیق بریلوی: ارمغانِ نعت: کراچی، نفیس اکیڈمی، طبع سوم، ۱۹۷۹ء، ص:۴۰

۳۷۔ ایضاً۔ ص:۵۵

۳۸۔ محمد کاظم: عربی ادب کی تاریخ: لاہور، سنگِ میل پبلی کیشنز: ۲۰۰۴ء، ص:۲۰۹

۳۹۔ خالد بزمی، پروفیسر: عربی نعتیہ شاعری: مشمولہ ماہ نامہ شام وسحر (نعت نمبر) شمارہ نمبر ۲۔۱، جنوری، فروری ۱۹۸۱ء لاہور، ص:۱۶۸۔۱۶۹

۴۰۔ امام محمد شرف الدین البوصیری: قصیدہ بردہ شریف: مرتب سید سبط الحسن ضیغم، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ء، ص:۹۵

۴۱۔ خالد بزمی، پروفیسر: عربی نعتیہ شاعری: مشمولہ ماہ نامہ شام وسحر (نعت نمبر) شمارہ نمبر ۲۔۱، جنوری، فروری ۱۹۸۱ء لاہور، ص:۱۷۲

۴۲۔ ایضاً۔ ص:۱۷۲

۴۳۔ محمد شعیب، پروفیسر (مرتبہ): اسلامی نعتیہ شاعری اور شاہ ولی اللہ: لاہور، شاہ عنایت قادری اکیڈمی، ۱۹۹۱ء، ص:۹۹

۴۴۔ خالد بزمی، پروفیسر: عربی نعتیہ شاعری: مشمولہ ماہ نامہ شام وسحر (نعت نمبر ا) شمارہ نمبر ۲۔۱، جنوری، فروری ۱۹۸۱ء لاہور، ص:۱۷۳

۴۵۔ ایضاً۔ ص:۱۷۴

۴۶۔ احمد شوقی: الھمزیۃ النبویۃ: شارح، حافظ فیوض الرحمٰن، لاہور، مکتبہ العلمیہ، س ن، ص:۲۵

۴۷۔ ریاض مجید، ڈاکٹر: اُردو میں نعت گوئی: لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص:۲۷

☆ فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ میں ڈاکٹر محمد ریاض / ڈاکٹر صدیق شبلی صفحہ ۴۳ پر لکھتے ہیں کہ ناصر خسرو کے دیوان میں جو قصائد ملتے ہیں وہ کسی کی مدح میں نہیں کہے گئے۔ اُن کا موضوع پند و حکمت، عقل و دانش کی فضیلت اور دنیائے دوں کی مذمت ہے۔

۴۸۔محمد ریاض، ڈاکٹر/ صدیق شبلی، ڈاکٹر: فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ: لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص: ۴۸
۴۹۔الرشید (نعت نمبر): لاہور، ۱۴۱۱ھ، ص: ۴۳۰
۵۰۔ریاض مجید، ڈاکٹر: اُردو میں نعت گوئی: لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۳۸
۵۱۔الرشید (نعت نمبر): لاہور، ۱۴۱۱ھ، ص: ۴۳۱
۵۲۔ایضاً۔ص: ۴۳۱ ۵۳۔ایضاً۔ص: ۴۳۲
۵۴۔ریاض مجید، ڈاکٹر: اُردو میں نعت گوئی: لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۴۹
۵۵۔نقوش رسول نمبر، جلد دہم، لاہور، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء، ص: ۳۲۹
۵۶۔ایضاً۔ص: ۳۳۳
۵۷۔علیم ناصری: فارسی میں نعتیہ کلام: مشمولہ ماہ نامہ شام وسحر، نعت نمبر ا، شمارہ نمبر ۲۔ا، جنوری، فروری ۱۹۸۱ء لاہور، ص: ۱۷۳
۵۸۔ریاض مجید، ڈاکٹر: اُردو میں نعت گوئی: لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۴۷
۵۹۔جامی، عبدالرحمٰن: کلیاتِ جامی: کانپور، مطبع منشی نول کشور، س ن، ص: ۳۱
۶۰۔حمید یزدانی، خواجہ، ڈاکٹر: فارسی نعت ایک سرسری جائزہ: مشمولہ نقوش رسول نمبر، جلد دہم، لاہور، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء، ص: ۱۶۰
۶۱۔نقوش رسول نمبر، جلد دہم، لاہور، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۴ء، ص: ۳۲۹
۶۲۔الرشید (نعت نمبر): لاہور، ۱۴۱۱ھ، ص: ۴۳۸
۶۳۔علیم ناصری: فارسی میں نعتیہ کلام: مشمولہ ماہ نامہ شام وسحر، نعت نمبر ا، شمارہ نمبر ۲۔ا، جنوری، فروری ۱۹۸۱ء لاہور، ص: ۲۰۰
۶۴۔شفیق بریلوی: ارمغانِ نعت: کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۷۹ء، ص: ۱۲۹
۶۵۔الرشید (نعت نمبر): لاہور، ۱۴۱۱ھ، ص: ۴۴۳
۶۶۔علیم ناصری: فارسی میں نعتیہ کلام: مشمولہ ''ماہ نامہ شام وسحر''، نعت نمبر ا، شمارہ نمبر ۲۔ا، جنوری، فروری ۱۹۸۱ء لاہور، ص: ۲۰۰
۶۷۔ایضاً، ص: ۲۰۲

☆☆☆☆☆

اُردو میں نعتیہ قصیدہ نگاری: تحقیقی و تنقیدی جائزہ

(دورِ اول: آغاز تا ۱۷۰۷ء)

سیاسی و تہذیبی منظر نامہ

اُردو شاعری کے ابتدائی دور کے معلوم اور معروف ناموں میں مسعود سعد سلمان، بابا فریدؒ اور امیر خسرو نمایاں ہیں۔ ان کا تعلق شمالی ہند سے تھا۔ اس کے بعد گجری ادب (۱۵۸۲۔۱۴۰۷ء) میں بہاؤالدین باجن، محمود دریائی، علی جیوگام دھنی اور خوب محمد چشتی کے نام آتے ہیں۔ شیخ باجن (۱۵۰۶ء) کے دور کی شاعری میں نعتیہ مضامین ملتے ہیں۔ بنیادی طور پر وہ صوفی مشرب شاعر ہیں۔ اُن کے کلام پر غنائیت کا غلبہ ہے بل کہ وہ لکھا ہی صوفیانہ محافل میں گانے کے لیے گیا ہے۔ دوہوں کے علاوہ انھوں نے ''جکری'' بھی لکھی ہے۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی: جکری کی حیثیت مختصر گیت یا راگ راگنیوں کے ان بولوں کی تھی جنھیں گا بجا کر لوگوں کے اندر عالم وجد و سرور پیدا کیا جا سکے۔ (۱)

قاضی محمود دریائی (۱۵۳۴ء) کی جکریوں پر ہندوستانی اساطیر کے اثرات نمایاں ہیں۔ شاہ علی محمد (م: ۱۵۶۵ء) کے ہاں بھی صوفیانہ روایت ہندوی زبان کے زیر اثر پروان چڑھی ہے۔ انھوں نے ہندی اوزان کے ساتھ فارسی اوزان بھی برتے ہیں۔ (۲)

خوب محمد چشتی (م: ۱۶۱۴ء) نے ''خوب ترنگ'' میں مثنوی مولانا روم کی طرح تمثیلی حکایات بیان کی ہیں۔ اس میں انھوں نے گجرات کی بولی میں عرب عجم کی بات شامل کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ (۳)

گجری شعرا کے ہاں فارسی قصیدہ تو ملتا ہے مگر گجری میں اُن کے ہاں قصیدے بہت کم ہیں۔ جنونی گجراتی کے ہاں ایک قصیدہ معجزہ ملتا ہے جو اصل میں مولانا روم کے فارسی کلام کا ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر حفیظ سید نے محمد علی عاجز (سید محمد) کے ایک غیر منقوط قصیدے کا ذکر کیا ہے۔ (۴)

اُردو زبان کی ابتدائی نشو و نما جنوبی ہند یعنی دکن میں ہوئی جس کا سہرا صوفیائے کرام کے سر جاتا ہے کہ جنھوں نے اسے دعوت و تبلیغِ دین کا ذریعہ بنایا۔ اس کی دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ اُردو کو سرکاری و دفتری زبان کے درجہ پر فائز کر کے اس کی سرپرستی کی گئی۔ بہمنی دور میں اُردو شاہی دفاتر میں رائج تھی۔ اس دور میں جہاں سیاسی اور تہذیبی میدان میں ترقی ہوئی وہاں زبان کے میدان میں

''دکنی'' جیسا لسانی پیکر وجود میں آیا۔(۵)

دکن میں علاء الدین حسن نے سلطان محمد تغلق کے عہد میں علم بغاوت بلند کر کے بہمن شاہ کے خطاب سے بہمنی سلطنت (۱۳۵۰ء تا ۱۵۲۵ء) کی بنا ڈالی۔ اٹھارہ حکمرانوں نے پونے دوسوسال تک گلبرگہ اور بیدر پر حکومت کی۔ یہ حکومت مغلیہ سلطنت کے آغاز سے قبل ہی زوال کا شکار ہو کر پانچ خود مختار ریاستیں برار میں عماد شاہی (۱۵۷۴ـ۱۴۹۰ء)، احمد نگر میں نظام شاہی (۱۶۳۳ء ـ ۱۴۹۸ء)، بیدر میں برید شاہی (۱۶۰۹ء ـ ۱۵۲۵ء)، بیجاپور میں عادل شاہی (۱۶۸۶ء ـ ۱۴۹۰ء) اور گولکنڈہ میں قطب شاہی (۱۶۸۷ء ـ ۱۵۱۸ء) حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ نظامی بیدری کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کا تعلق اسی عہد سے ہے(۶)

اس دور کے قصیدہ نگاروں میں آزری، مشتاق، لطفی، صدرالدین اور عبداللہ حسینی کے نام نمایاں ہیں۔ آزری نے سلطان احمد شاہ بہمنی (۱۴۳۱ء تا ۱۴۳۴ء) کی شان میں فارسی قصیدے لکھے جب کہ مشتاق اور لطفی اُردو کے پہلے قصیدہ نگاروں (جن کے قصائد دستیاب ہو چکے ہیں) کا تعلق بھی اسی عہد سے ہے(۷)

دکن کا علاقہ سلطان علاؤالدین خلجی کے دور میں دہلی کی سلطنت کے زیرِ نگیں آیا۔ یوں شمالی اور جنوبی خطوں کے باہمی ارتباط کا عمل شروع ہوا۔ اس میں تیزی اس وقت آئی جب سلطان محمد تغلق نے ۱۳۲۷ء میں دہلی سے ہجرت کی اور دولت آباد (دکن) کو پایۂ تخت بنالیا۔ یہ لاکھوں افراد کی ہجرت تھی جس نے لسانی، تہذیبی اور مذہبی حوالے سے نئی تبدیلیوں کے لیے راہ ہموار کی۔ ان تبدیلیوں کے حوالے سے ڈاکٹر سعادت سعید رقم طراز ہیں:

> ''یہ ارتباط تہذیبی و ثقافتی سطح پر بھی ہوا۔ مسلمانوں نے رہن سہن، آرکی ٹیکچر، ملبوسات، کھانے پینے کے معاملات کے علاوہ سنگھار، رسوم و رواج (بچے کی پیدائش، شادی بیاہ، مذہبی و غیر مذہبی تقریبات، عید، شبِ برات، میلاد، محرم، دسہرہ، دیوالی، ہولی، میلے، عرس، جاترے وغیرہ)، موسیقی وغیرہ میں ہندو اثرات قبول کیے۔''(۸)

جب دو تہذیبیں باہم متصادم ہوتی ہیں تو فاتح قوم کی تہذیب بھی فاتح قرار پاتی ہے، البتہ دو طرفہ سماجی رویوں اور رسومات میں لے دے ہوتی رہتی ہے۔ دکن میں شمالی ہند کے مسلمانوں کے اثرات بھی وہاں کے ہندو تمدن پر واضح ملتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر تاراچند:

> ''حقیقت یہ ہے کہ یہ ہندو مسلم تمدن تھا۔ نہ صرف یہ کہ ہندو مذہب، فن، ادب اور حکمت نے مسلم عناصر کو جذب کیا بل کہ خود ہندو تمدن کی روح اور ہندو ذہن

بھی تبدیل ہو گیا۔'' (۹)

دکنی معاشرے کی صورتِ حال یہ تھی کہ ہندومت میں بھجن کی صورت میں گانے باجے کا چلن جاری تھا، دوسرا جنوبی ہند کے لوگ عربی، فارسی سے نابلد تھے۔ اس لیے صوفیائے کرام کو اشاعتِ دین کے لیے مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ مقامی مزاج اور ثقافت کو بھی اختیار کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انھوں نے ہندی سماع اور موسیقی کو اس خوبی سے غیر مسلموں پر اثر انداز ہونے کے لیے استعمال کیا کہ مندروں کی گھنٹیوں میں مست اور گوپیوں کے رقص سے مسحور عوام کو توحید کی مدھر دھنوں سے مدہوش کر دیا۔ (۱۰)

دکن میں ایک طرف اسلام ہندومت سے اپنی حقانیت منوا رہا تھا تو دوسری سمت شیعہ سنی تضاد بھی جڑ پکڑ رہا تھا۔ مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ بہمنی دور میں ہندی اور فارسی کے امتزاج سے نئے رویے تشکیل پا رہے تھے اور ساتھ ہی ہندو مسلم ثقافت کا مشترک ورثہ رسوم و رواج، فنِ تعمیر اور فنون لطیفہ میں فروغ پا رہا تھا۔

عادل شاہی دور (۱۴۹۰ء تا ۱۶۸۵ء):

یوسف عادل شاہ (م: ۱۵۱۰ء) بہمنی سلطنت کے صوبہ بیجاپور کا حاکم تھا۔ محمود شاہ بہمنی کے دورِ زوال میں اُس نے خود مختاری کا اعلان کر کے ۱۴۹۰ء میں عادل شاہی حکومت کی بنیاد رکھی۔ وہ ایک علم دوست اور ادب پرور بادشاہ تھا۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

> ''شعر و شاعری کا اُسے بچپن سے شوق تھا۔ خود بھی فارسی میں شعر کہتا تھا، علما و فضلا، اہلِ زبان اور اربابِ ہنر کا بڑا اقدر دان تھا۔ خود بادشاہ بنا تو اس ذوق کو اور ترقی دی۔'' (۱۱)

دکن میں مقامی زبان کو دفتری امور کے لیے مختص کیا گیا۔ عادل شاہ نے ریاستی انتظام کے لیے فارسی کو رائج کیا لیکن ابراہیم عادل شاہ اول نے شاہی دفتروں کو پھر سے اردو میں کر دیا۔ (۱۲)

عادل شاہی حکمرانوں کی تعداد نو ہے۔ قریب قریب وہ سب ہی علم و ادب کے دلدادہ تھے۔ انھوں نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھنے والوں کی پذیرائی کی جس سے یہ سلطنت علم و ادب کے ایک گہوارے کی صورت اختیار کر گئی۔ اس دربار سے وابستہ شعرا میں ابراہیم عادل شاہ ثانی، شاہ برہان الدین جانم، عبدل، قطب رازی، مقیمی، مرزا دولت شاہ، حسن شوقی، ابراہیم صنعتی، کمال خان رستمی، ملک خوشنود، علی عادل شاہ ثانی، ملا نصرتی اور شاہ امین الدین اعلیٰ کے نام نمایاں ہیں۔

بادشاہوں میں یوسف عادل شاہ، اسماعیل عادل شاہ اور علی عادل شاہ ثانی شاعر تھے جب کہ

ابراہیم عادل شاہ ثانی جوجگت گرو کے لقب سے موسوم تھا، اُس نے علم موسیقی پر ایک کتاب ''نورس'' لکھی ،جس میں سترہ راگوں کے تحت اُنسٹھ گیت اور سترہ دوہرے ملتے ہیں۔

موسیقی کا عمل دخل پورے دکنی کلچر میں بھرپور دکھائی دیتا ہے۔ جشنِ نوروز، عیدنورس، عیدین، شب برات اور بادشاہ کی سالگرہ کے باقاعدہ جشن منائے جاتے جن میں منظوم کلام گایا جاتا ہوگا یہی وجہ ہے کہ وہاں کے مرثیے بھی راگ اور راگنیوں کے مطابق لکھے گئے ہیں اور مرثیے سے قبل راگ یا راگنی کا نام درج ملتا ہے۔

عادل شاہی اور قطب شاہی بادشاہوں میں زیادہ تر مذہبی اعتبار سے شیعہ تھے۔ اس لیے ان کے کلام میں خوارج کا ذکر ملتا ہے۔ یہ اشارہ دکن میں آباد دیگر مسلمان فرقوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ وہاں شیعیت سرکاری مذہب تھا اور اس کا پرچار زوروں پر تھا۔ بقول ڈاکٹر ابوالخیر کشفی:

''غلو کا یہ عالم تھا کہ بارہ اماموں کی نسبت سے اگر ایک طرف بارہ پیاریوں کا ذکر ہوتا تھا اور محل میں بارہ برج بنائے جاتے تھے تو دوسری طرف سنیوں کو ''خارجی'' کہا جاتا اور اُن کو راہِ راست پر لانے کی کوشش سرکاری سطح پر کی جاتی۔''(۱۳)

دوسری طرف صوفیائے کرام تصوف واخلاق کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔ اس ضمن میں میراں جی شمس العشاق کے صاحب زادے اور خلیفہ برہان الدین جانم کا نام سرفہرست ہے۔ اُن کی نثری تصنیف ''کلمۃ الحقائق'' ہے جب کہ اُن کی معروف نظموں میں ''وصیت الہادی، بشارت الذکر، سکھ سہیلا، منفعت الایمان، فرمان از دیوان، حجت البقا اور ارشاد نامہ'' عوام کی رشدوہدایت کے حوالے سے تحریر کی گئی ہیں۔ یہ بھی راگ راگنیوں کے تابع ہونے کے باعث موسیقیت کے عنصر سے مالا مال ہیں۔ ہندی موسیقی اور بحور کا یہ چلن جگت گرو کے دور تک حاوی نظر آتا ہے۔ اُس کے بعد فارسی اوزان اور بحور کی طرف شعرا کا رجوع ملتا ہے۔ شاعری کے علاوہ اس دور میں موسیقی، مصوری اور تاریخ نویسی کو بھی خاطر خواہ فروغ ملا۔

سماجی سطح پر خوشی کے موقع پر شادیانے بجائے جاتے، عورتیں سرکھول کر ماتم میں شریک ہوتیں، علم نجوم کا بھی دور دورہ تھا، عورتیں باغوں میں جھولے ڈالتیں اور مرد فوجی مہارتیں دکھاتے لیکن یہ محفلیں جدا جدا برپا ہوتیں۔(۱۴)

علی عادل شاہ ثانی اور ملا نصرتی کا دور اس لحاظ سے سنہری دور کہلا سکتا ہے کہ ادب پر فارسی کی جگہ مقامی اثرات گہرے ہو رہے تھے اور زبان میں نکھار پیدا ہو رہا تھا۔ اس عہد میں مثنوی، مرثیے، گیت اور غزل کے علاوہ قصیدے کی صنف کو زیادہ فروغ ملا۔

مرزا مقیم نے چندر بدن مہیار، عبدل نے ابراہیم نامہ، محمد بن احمد عاجز نے یوسف زلیخا اور

لیلیٰ مجنوں، ملک خوشنود نے جنت سنگھار، حسن شوقی نے فتح نامہ نظام شاہ اور ایاغی نے نجات نامہ جیسی مثنویاں لکھیں۔ علی عادل شاہ ثانی نے نعتیہ قصیدہ نگاری کی طرف توجہ کی۔

قطب شاہی دور (۱۵۱۸ءتا۱۶۸۶ء):

سلطان قلی اصل میں محمود شاہ بہمنی کے دور میں تلنگانہ کا صوبے دار تھا۔ محمود شاہ کی وفات کے بعد اُس نے ۱۵۱۸ء میں قطب شاہی حکومت کی بنیاد رکھی۔ سلطان قلی قطب شاہ کے بعد جمشید قلی، سبحان قلی، ابراہیم قلی قطب شاہ، محمد قلی قطب شاہ، سلطان محمد قطب شاہ (بھتیجا اور داماد محمد قلی قطب شاہ) ،عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ (یہ آخری حکمران عبداللہ قطب شاہ کا داماد تھا) کے نام قطب شاہی سلطنت کے حکمرانوں میں نمایاں ہیں۔

اس عہد کے شعرا میں سلطان محمد قلی قطب شاہ نے فارسی، اردو اور تلنگی تینوں زبانوں میں شعر لکھے، یہی اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں۔ بارہ سو صفحوں پر مبنی اُن کے کلیات میں پچاس ہزار اشعار تھے مگر اب یہ پورا کلام محفوظ نہیں ہے۔ (۱۵)

ملا وجہی کی سب رس (نثری تمثیل) اور قطب مشتری (مثنوی) ،غواصی کی سیف الملوک وبدیع الجمال اور طوطی نامہ، میراں حسینی کی تحفۃ العاشقین، جنیدی (علی اکبر) کی ماہ پیکر، ابن نشاطی کی مثنوی ''پھول بن''، سید بلاقی کی ''معراج نامہ''، طبعی کی بہرام وگل اندام، امین کی قصہ ابوشحمہ اور شاد افضل قادری کی مثنوی محی الدین نامہ اس عہد کی یادگار ہیں۔ اس کے علاوہ سلطان محمد عبداللہ قطب شاہ اور ابوالحسن تانا شاہ (یہ شاہ راجو کے مرید تھے) بھی غزل، مثنوی اور قصیدہ کے شاعر تھے۔

اس عہد میں مثنوی کے علاوہ غزل، قصیدہ اور بالخصوص مرثیے کو فروغ ملا لیکن ہر صنف میں مقامی رنگ کا غلبہ نظر آتا ہے۔ دکن کی قومیت کا تصور عوام کی تمدنی زندگی ہی میں نہیں ملتا بلکہ ادبی زندگی میں بھی اس کی واضح جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ قطب مشتری میں ملا وجہی لکھتا ہے:

دکھن ہے ، نگینہ انگوٹھی ہے جگ انگوٹھی کوں حرمت نگینہ ہی لگ

مولود علی اور عید غدیر (۱۶) سرکاری تہوار تھے۔ اس کے علاوہ ایرانی تقلید میں موسموں کے حوالے سے بسنت، نوروز اور مرگ سال (برسات کا آغاز) پر بھی جشن کا اہتمام ہوتا۔ قومی یک جہتی کے طور پر عید میلا دالنبی اور ہولی کے جلوس بھی نکالے جاتے جو سیاسی مصلحت کا نتیجہ ہوتے۔ اس کے ساتھ قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہوتی تھی بلکہ وسیع المشربی کا یہ عالم تھا کہ

ابراہیم قطب شاہ کے دربار میں رائے راؤ نامی ایک برہمن مشورے کے لیے تعینات تھا جسے شاہی مندر کی پوجا پاٹ کے لیے ہر روز پاؤ بھر مشک وعنبر، دومن صندل اور ہزار ہا پان فراہم کیے جاتے تھے۔(۱۷)

قطب شاہی حکمران شعروسخن کی سرپرستی میں عادل شاہیوں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے۔ ادب نوازی اور علم دوستی کے علاوہ وہ خود اس عہد کی مروجہ تعلیم سے بہرہ ور تھے بل کہ اکثر کو تو شاعری میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان شاہان کی ادب پروری سے یہ ہوا کہ گجرات اور دکن میں ادبی اظہار کا ہندی مزاج یکساں مقبولیت کے درجے کو جا پہنچا۔ یہاں قریب قریب روایت اور مقامی فضا کی آمیزش سے ایک نیا اسلوب وضع کیا گیا جس نے آگے چل کر ریختہ کو اردو بننے میں مدد دی۔

دکن کی شاعری میں جذبۂ حب الوطنی، احساس قومیت اور اپنی مٹی سے پیار کا اظہار بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہاں مختلف مذاہب اور تہذیبوں کا انضمام ہند اسلامی کلچر کے کھلم کھلا اظہار کے طور پر سامنے آیا ہے جس میں اُس عہد کی جیتی جاگتی تصویریں دیکھی جاسکتی ہیں۔ بقول ڈاکٹر طارق سعید:

> ''دکنی شاعری میں اساطیری یا دیومالائی اصنام، ہندو کلام کے اجسام، ملاوجہی کی حب الوطنی، دوتہذیبوں کے تصادم واتصال کا منتھن، مذہبی رواداری، یکجہتی، انسان دوستی کی اعلیٰ قدریں ہندوستانی روایات کے عین مطابق ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ دکنی شاعری سے ہندوستانیت کی مکمل تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔''(۱۸)

بیجا پور اور گولکنڈہ میں مغلوں کی مداخلت اکبری عہد ہی سے شروع ہوگئی تھی۔ شاہانِ دکن تحفے تحائف بھیج کر مصلحت سے کام چلا رہے تھے۔ آخر ۱۶۸۵ء اور ۱۶۸۶ء کو اورنگ زیب عالم گیر نے یہ دونوں ریاستیں مغلیہ سلطنت میں شامل کرلیں۔ اس کے بعد شعروسخن کا مرکز اورنگ آباد منتقل ہوگیا۔ شمالی ہند میں اردو شاعری کے آغاز تک دکن میں جن شعرا نے چراغ سخن روشن کیے رکھا اُن میں ضعیفی (شیخ داؤد)، بحری (قاضی محمود)، عشرتی (سید محمد خاں)، مجرمی (خواجہ محمود)، ولی ویلوری، وجدی (وجہ الدین)، غضنفر، ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی اور مرزا داؤد اورنگ آبادی کے نام نمایاں ہیں۔ اس شعری روایت نے شمالی ہند میں اردو شاعری کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ اس سلسلے میں غلام حسین ذوالفقار رقم طراز ہیں:

> ''شمالی ہند سے پہلے دکن میں اُردو شاعری کی روایت بہت پختہ ہوچکی تھی اور جب ولی دکنی کی وساطت سے یہ شعری روایت شمالی ہند میں پہنچی تو وہاں اسے قبول عام کی مسند پر بٹھایا گیا۔''(۱۹)

1- محمد قلی قطب شاہ (م:۱۰۲۰ھ):

گولکنڈہ کا پانچواں تاج دار سلطان محمد قلی قطب شاہ (م:۱۰۲۰ھ) جلال الدین اکبر اور ابراہیم عادل کا ہم عصر اور اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر ۹۷۳ھ میں پیدا ہوا۔ پچاس ہزار اشعار پر مشتمل اس کے دیوان میں غزل، مثنوی، رباعی اور نظم کے علاوہ بارہ قصائد بھی شامل ہیں۔ اُسے اپنے نام کی بدولت حضور اکرم ﷺ سے خاص لگاؤ تھا۔ اس کو فخر تھا کہ وہ ازل سے محمد ﷺ کا قلی یا غلام ہے۔ مثال میں یہ مصرع ملاحظہ ہوں:

ع محمدؐ کی غلامی منج خطاب سربلندی ہے ع سدا ہے داس محمد قلی محمدؐ کا

ع محمدؐ کی غلامی تھے محمد قطب شہ، شہ ہے (۲۰)

قلی قطب شاہ کے قصائد نعت اور منقبت پر مشتمل ہیں اس کی ایک وجہ مذہبی عقیدت ہے تو دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ خود بادشاہ تھا، اس لیے کسی بادشاہ کی مدح کرنا اس کے شایانِ شان نہ تھا۔ اس کے قصائد میں ہندی، ایرانی اور خالص اسلامی روایت کے تین مختلف دھارے بہتے نظر آتے ہیں۔ (۲۱)

قصیدہ بسنت، نوروز اور عید میلاد النبی میں مذکورہ تینوں تہذیبوں کی جھلک اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گر نظر آتی ہے۔ اس کے ہاں باغِ محمد شاہی کے قصیدے کا آغاز نعت سے ہوا ہے۔ اس کا مطلع کچھ یوں ہے:

محمدؐ نانوں تھے بستا محمد کا اے بن سارا
سو طوباں سوں سہاتا ہے جنت نمنے چمن سارا (۲۲)

بسنت اور نوروز کے قصیدوں میں بھی نعتیہ اشعار موجود ہیں۔ چوتھا قصیدہ عید میلاد النبی اٹھائیس اشعار پر مشتمل ہے جس کا مطلع یوں ہے:

نبی مولود لیایا ہے خبر سر تھے خوشی کا
سدا صلوٰۃ بھیجو سب محمد ہور علی کا (۲۳)

اس قصیدے میں آنحضرتؐ کے معجزات، عید کی خوشی، نزولِ قرآن، شفیعِ محشر، نورِ نبیؐ اور سخاوتِ رسولؐ کا بیان ہے۔ تشبیہ، استعارہ، تلمیح اور تخیل کی پرواز سادگی میں بھی چاشنی سے مملو ہے۔ اس کے علاوہ حسنِ تعلیل کی عمدہ مثالیں بھی دستیاب ہیں۔ فرطِ عقیدت کے اشعار سوز و گداز کے حامل ہیں۔ اسے اردو نعتیہ قصیدے کا نقشِ اوّل قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ ایک مکمل مدحیہ قصیدہ ہے جس کے بارے

میں ڈاکٹر اسماعیل آزاد لکھتے ہیں:

''(بغیر تشبیب) یہ پورا قصیدہ مربوط ہے اور اس میں مثالی تسلسل ہے، مذہبی عقیدت کا اظہار بہت فطری ہے۔قصیدہ کا اختتام دعا اور مناجات پر ہے۔''(۲۴)

قصیدے میں عید میلا دالنبیؐ کی ساعت کو باعثِ برکت قرار دیا ہے کہ اس گھڑی دعا مقبول ٹھہرتی ہے۔ اس دن کی خوشی کا بیان امکان سے باہر ہے۔ بقول شاعر:

سو ساعت کی سعادت میں دعا منگے جو کوئی
لکھیں بخشش کا خط اس کی پیشانی پر جلی کا
خوشیاں شادیاں اسی مولود تھے ہوتیاں ہے ظاہر
زباں قاصر ہے حضرت وصف کہنے انوری کا(۲۵)

اب ذرا خالص نعت کے موضوع پر مبنی اشعار ملاحظہ ہوں جو زبان کی قدامت کے باوجود عشق و وارفتگی کی خوبی سے مملو ہیں۔ شاعر کے مطابق آنحضرتؐ کی ولادت عیدِ سعید ہے۔ یہ سعادت آثار گھڑی خوارج کے لیے پریشانی اور ہیبت کا پیش خیمہ ہے۔ آپؐ نے چاند کے ٹکڑے کیے تو وہ قدم بوسی کر کے نور سے فیضاب ہوا۔ یہی نہیں عرش و کرسی تک آپؐ کے نور سے روشن ہیں اور آپؐ پر درودِ پاک پڑھنے والے کو جامِ کوثر سے نوازا جائے گا:

سنے کافر کے بت خانے ٹوٹے ہیں اس گھڑی سب
سو معجز تھے خوارج کوں ہے ہیبت گڑبڑی کا
منگے پیغمبراں اپ تئیں شفاعت نت خدا تھے
ہمارے مصطفیٰ منگتیں شفاعت امتی کا
ہوا ہوں شرمسار اپنے گناہاں تھے سدا میں
کرو تم حاتمی تا نانوں جاوے حاتمی کا(۲۶)

محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں غزلوں کے اکثر مقطعے نعت پر مبنی ہیں۔ غزل اور قصیدے میں اکثر مقامات پر نعت کے ساتھ حضرت علیؓ کی منقبت بھی ملتی ہے۔ موصوف کا شیعہ مسلک سے تعلق تھا اس لیے اس نے نعتیہ عقیدت میں عقیدے کو بھی شامل رکھا ہے۔ زیرِ بحث قصیدے سے شعر دیکھیے:

خدا کہیا پیمبر کوں حبیب اپنا دو جگ میں
محبت سوں کیا داماد حیدر کوں نبیؐ کا

دیا ہاتف ندا منج رات دن جم جم خوشیاں کر
کہ بجتا ہے دماما دو جہاں میں حیدری کا(۲۷)

بعض مقامات پر نعت کا تقدس پامال ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ نبیؐ اور اُمتی کے فرق کو روا نہیں رکھا گیا۔ یوں بھی نعت میں منقبت کا جواز نہیں بنتا۔ بہرحال شاعر نے اپنے عقیدے کا اظہار کر دیا ہے۔ مثال دیکھیے :

کیا قرآں خدا نازل محمدؐ ہور علی تیئں
سدا جبریلؑ لیاتا وحی ہور رحمت ربی کا(۲۸)

قصیدے میں اس دور کا تہذیبی عکس بھی ملتا ہے۔ خوشی کے موقع پر دماما بجنا، مشتری کے تال اور پنچھی کے سُر لئے اور بادل کا منڈل کی طرح تلتل گرجنا دکنی محفلوں کی یاد تازہ کرتا ہے۔ عرش، کرسی، چاند تارے، زہرہ اور سورج سے شاعر کی فلکیات اور منظروں سے دلچسپی ظاہر ہوتی ہے جب کہ موسیٰ، فرعون، حاتمی، خسروی، شراب کوثری اور سکندری کی تلمیحات شاعر کی علمی وسعت کی غماز ہیں۔ بقول ڈاکٹر سعادت سعید، قلی قطب شاہ کے قصائد میں اپنے عہد کے لحاظ سے منظر نگاری اور زورِ بیان موجود ہے اور اس کے پاس جزئیات کو جمع کر کے مکمل تصویر بنانے کا ہنر تھا۔(۲۹)

اس قصیدے کے آخر میں دو شعروں کے مصرع ہائے ثانی دستیاب نہیں ہیں۔ دعا میں اللہ تعالیٰ سے حضرت علیؓ کے صدقے میں غموں سے نجات اور خوشیوں کے حصول کی تمنا کی گئی ہے۔

یہ قصیدہ شاعر کے مذہبی جذبات کا عکاس ہے جس میں آنحضرتؐ اور اہلِ بیت سے عقیدت کا اظہار کیا گیا ہے مگر زینت ساجدہ نے شاعر کے قصائد اور مرثیوں کو اپنے عیش و نشاط کا شکرانہ قرار دیا ہے۔ ورنہ اس کی شاعری محض عیش و عشرت کا بیانیہ ہے۔(۳۰) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم کسی کی تحت الشعوری کے بارے میں رائے دیتے ہیں تو ضروری نہیں کہ وہ قیاس حقیقت پر مبنی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ قلی قطب شاہ کے ہاں عقیدت و احترام کی جو فضا نظر آتی ہے وہ کسی تصنع اور بناوٹ کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتی۔ یوں اُن کی عقیدتوں کو شک کی نگاہ سے دیکھنا قرینِ انصاف نہیں۔

مختصر طور پر یہ ایک کامیاب قصیدہ ہے جس میں نعتیہ مضامین کے ساتھ شاعر کا مذہبی رجحان، تاریخی شعور اور مقامی روایت اور فنونِ لطیفہ خاص کر موسیقی کے لوازمات کا ذکر بھر پور طریقے سے آیا ہے، زبان و بیان قدیم اسلوب کی وجہ سے کہیں کہیں مضمون کی چاشنی میں حائل ہوتا ہے مگر اپنے عہد کے لحاظ سے یہ قصیدہ مذہبی و تہذیبی ہر دو طرح کی صورتِ حال کا بھر پور عکاس ہے۔

2- سلطان علی عادل شاہ ثانی (۱۰۴۸ھ تا ۱۰۸۳ھ)

بیجاپور کا آٹھواں بادشاہ شاہی تخلص کے ساتھ شعر گوئی کی طرف مائل تھا۔ اس کے کلیات میں چھ قصائد میں سے ایک قصیدہ نعت کا ہے۔ یہ قصیدہ پچاس اشعار پر مبنی ہے۔ مطلع کچھ یوں ہے:

دیکھو نوروز چنچل یو بہارستاں دکھایا ہے
برک بن پھل و پھولاں تیں پون کے ہت کھلایا ہے(۳۱)

قصیدے کی تشبیب بہاریہ ہے جو عمدہ تشبیہات سے مرصع ہے، اس میں رعایت لفظی سے بھی کام لیا گیا ہے۔ شاعر نے جشنِ نوروز کا ذکر کر کے بہار کا سماں پیدا کر دیا ہے جس میں چارسُو پھول کھلے ہوئے ہیں۔ گلشن اور پھولوں کے بیان سے اسے نہ صرف عطر بیز بنا دیا ہے بل کہ اس میں سماعت اور بصارت کے لطف کے لیے زندہ منظر تخلیق کر دیے ہیں۔ یہاں نظام فلکی کے عناصر بھی جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ سورج نوشہ بنا ہوا ہے اور اس نے جسم پر ہلدی کا لیپ کر رکھا ہے اور چاند تارے باراتی ہیں جب کہ پرندوں کا رقص و سرود اپنی جگہ دل کشی کا سماں پیدا کر رہا ہے:

ہوا پروا منجے کر ستاریاں کا تنگٹ تسپر
مشاطا مشتری ہو کر ہلد سورج لگایا ہے
چنبیلی جو چھبیلی ہے یتی نازک نویلی ہے
گلاں کی نت سہیلی کر کھلا مجلس میں لیایا ہے
پنکھی خوش مغز ہو سیارے اپس میں اپ لگے گانے
میوراں ناچتے ٹھارے بدل بردنگ بجایا ہے(۳۲)

بیسویں شعر سے گریز کیا ہے۔ گریز کے اشعار قصیدے کے فطری بہاؤ میں حائل نہیں ہوئے۔ بہار کا مضمون کمال مہارت سے مدح کی طرف منتقل ہوا ہے۔ گریز مالی اور باغ کے مابین مکالمہ کی صورت میں ہے جو برجستگی میں بے مثل ہے:

گلابی پھول پر دعویٰ لگیا کرنے سمن سیں تی
کہیا مالی نکر دعویٰ بڑا وو ناؤں پایا ہے
وہ بولیا باغ مالی سے بڑا ہے نانوں سو کس کا
کہیا وہ اسم احمد کا جنے دیں اپ نپایا ہے(۳۳)

مدح میں آنحضرتؐ کی بے مثل تخلیق، عدل، علم دانی، سخن فہمی، عرفانِ حقیقت، اسم مبارک اور نعلین پاک کے حوالے سے خوب صورت مضامین شامل ہیں۔ شاعر کے ہاں شعری تلازمات کا عمدہ اہتمام دیکھنے میں آیا ہے۔ شاعر نے معراج کی سائنسی توجیہ پیش کرنے کی سعی کی ہے جسے حسنِ تعلیل کے زمرے میں رکھ سکتے ہیں۔ آپؐ کی عظمت کے باب میں گگن پر آپؐ کی فوقیت کو ثابت کرنے کے لیے تقابل کی ایک خوب صورت فضا قائم کی گئی ہے جو قابلِ داد ہونے کے علاوہ شاعر کی ندرت فکر کی بھی غماز ہے۔ مثال میں درج ذیل اشعار دیکھیے:

مطہر جسم ہے اعلیٰ ، منور اسم ہے سارا
بڑائی جب دیکھایا توںؐ، گگن نے سر نوایا ہے
جگت کے سر اوپر سایا گگن کا روزِ محشر لگ
ترے نعلین کا سایا گگن کے سیس چھایا ہے
چلیا توں رب سوں جا ملنے زمیں طے ہوئی تیرے چلنے
ہوا معراج یک پل میں عرش پر تج لجایا ہے(۳۴)

شاہی نے آپؐ کی عظمت کے بے شمار حوالے اپنے شعروں میں سموے ہیں آپؐ کی دائمی رسالت کا ذکر کیا ہے، نورِ محمدی سے تخلیقِ کائنات کا مضمون باندھا ہے اور فتح مکہ کے مواقع پر حضور اکرمؐ کی بت شکنی کو اُجاگر کیا ہے۔ آپؐ کے نبوت کی مسند صدارت پر متمکن ہونے کا بیان ہے۔ یہ اشعار مضمون آفرینی کے حامل ہیں بل کہ بعض جگہ ندرتِ فکر کی جھلک بھی دکھائی پڑتی ہے۔ اس حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

فرشتیاں کا نہ تھا پھیرا تداں تھا نور سو تیرا
ترے احکام محشر لگ جگت کے سر چڑھایا ہے
بڑا تج دین کا کس ہے، دوجے دین سب ہوئے پس ہے
تری انگشت کے کس تیں چندر دو کھنڈ کرایا ہے
عدو جو زور میں اگلا اتھا پولاد بازو کا
مقابل جب ہوا ہے تج بھرم اپناں گنوایا ہے
اسے مشرق تیں مغرب لگ بڑائی روز افزوں ہو
نبوت کے صدر اوپر سبھوں میں تو سہایا ہے

کیا کعبہ فتح جس دن ہوئے حیراں پری ہور جن
ہوا یو بت شکن دائم خلیل اللہ کا جایا ہے(۳۵)

اس کے علاوہ معجزات میں شق القمر، سورج کے پلٹنے اور کرنی کے آتش کدے ٹھنڈے ہونے کا بیان ہے۔ آخر میں اپنا سینہ روشن ہونے کی دعایوں کی ہے:

لکھیا ہوں نعت یو سارا طبع مج روشنی پانے
رسن کوں کاں اچھے طاقت تہیں حق کا سرایا ہے(۳۶)

شاہی کا یہ قصیدہ دکنی نعتیہ قصائد میں فنی اعتبار سے ایک مکمل قصیدہ ہے۔ اس سے قبل قلی قطب شاہ ''عید میلاد النبی'' کے موضوع پر قصیدہ لکھ چکے تھے مگر وہ تشبیب اور گریز کے بغیر تھا۔ فنی لحاظ سے یہ دکنی نعتیہ قصائد میں اولیت کا حامل ٹھہرتا ہے۔ قصیدہ کی بحر مترنم اور رواں ہے۔ خوب صورت تشبیہات، رعایت لفظی کا حسن اور مضمون آفرینی پر تشبیب کی نادرہ کاری اور گریز کی بے ساختگی اس قصیدے کے تاثر و تاثیر کو دو چند کرتے نظر آتے ہیں۔ اس لحاظ سے شاہی نے بجا طور پر قصیدے پر فخر کیا ہے کہ ''قصیدیاں میں مرصع کر قصیدہ یو بنایا ہے''

3- غواصی: (م: ۱۶۵۰ء)

غواصی ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں پیدا ہوا۔ غواصی عبداللہ قطب شاہ کے دربار میں ملک الشعرا کے اعزاز سے سرفراز تھا۔ یہاں اسے بڑی عزت و شوکت حاصل ہوئی۔ شاہی سفیر کی حیثیت سے بیجاپور روانہ کیا گیا۔ (۳۷) ملا وجہی کا ہم عصر تھا اور دونوں کے مابین معاصرانہ چشمک تھی جس کا اظہار ملا وجہی نے ''قطب مشتری'' میں کیا ہے۔ غواصی کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُس نے کسی کی شاگردی نہیں کی۔ (۳۸)

غواصی کے کلیات میں غزل، ریختی، مثنوی، رباعی، نظم، ترکیب بند، مرثیہ اور قصیدہ کی اصناف ملتی ہیں۔ سیف الملوک، بدیع الجمال، طوطی نامہ اور مینا وستونتی غواصی کی نمایاں مثنویاں ہیں۔

کلیات غواصی مرتبہ پروفیسر محمد بن عمر میں ۲۱ قصیدے موجود ہیں۔ مرتب کے مطابق:

''یوں تو محمد قلی، نصرتی، افضل اور ولی وغیرہ کے قصائد موجود ہیں مگر تعداد اور تنوع کے لحاظ سے موجودہ معلومات کی حد تک غواصی دکن کے سب سے بڑے قصیدہ نگار ثابت ہوتے ہیں۔''(۳۹)

غواصی کے کلیات میں بعض قصائد کا آغاز حمد ونعت سے ہوا ہے۔اس لیے وہی اشعار نعتیہ قصیدے کے قدیم نمونے کی یادگار ہیں۔غواصی کے قصائد میں نعتیہ مضامین کے حامل اشعار شرعی حدود کے تابع ہیں۔ان میں آنحضرتؐ کی عظمت، محبوبیت، شفاعت اور انبیا میں فضیلت کا مضمون موجود ہے۔اس کے علاوہ آلِ نبیؐ کے حوالے سے اور کہیں وسیلۂ حشر کے حوالے سے غواصی نے آنحضرت ﷺ کو یاد کیا ہے۔

غواصی نے اپنے قصائد میں حضور اکرمؐ کے سراپا سے زیادہ سیرت النبیؐ کے مختلف پہلوؤں کو آشکار کیا ہے۔انھوں نے آپؐ کی گفتگو کو مخزن اسرار قرار دیا ہے اور آپؐ کے دنیا کی حقیقت کے بارے میں ارشاد کا حوالہ دے کر نعت کے موضوع کا اعلان کیا ہے کہ نعت کا مقصد کیا ہونا چاہیے۔وہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ آپؐ کی پیروی ہی کامیابی کی ضامن ہے۔یہاں ادب کی فضا بھی نظر آتی ہے اور مقصدیت کے حامل موضوعات نعت بھی ملتے ہیں۔مثال دیکھیے:

پیغمبراں میں احمدؐ مرسل کو دے شرف
جو آپنا حبیبؐ کہا ، کامراں کیا(۴۰)

دین داری کا شرف اے یار اگر منگتا ہے تو
مصطفیٰ کی پیروی کر توں کہ ہو گا کامیاب(۴۱)

احمد مرسلؐ جو ہیں پیغمبراں کے بادشاہ
کہے ہیں مردار اس دنیا کوں ہور طالب کوں کلاب(۴۲)

کتاب انسؐ کی بیاں کلام ربانی حدیث اس کی زباں کا ہے مخزن اسرار(۴۳)
جوے جنت کے سوچہہ بچے اُس کے چہار کن سو اس کے حریم کی دیوار(۴۴)
یہی حبیبؐ خدا کا رسولؐ ہے برحق یہی طبیب ، یہی ہے شفیعِ روزِ شمار(۴۵)
جو اس کے بعد بھی ہے مصطفیٰ حبیبؐ اللہ رسولؐ ہے دو جہاں کا نبیاں میں سب اکمل(۴۶)
جمال بے بدل اس کا جو عالم آرا ہے اچھو درود ہزار اس پہ ہر گھڑی ہر پل(۴۷)
جب انگلی سوں دو اشارت کیا فلک کے ادھر دو پھانک ہو اتر آیا جو چاند کا منڈل(۴۸)
محمد عربیؐ نت جو اس کے گیسو پر ہزار مرتبہ قرباں ہے مشک تاتاری(۴۹)

غواصی نے اپنے قصائد کا آغاز اکثر حمد باری تعالیٰ سے کیا ہے۔چار پانچ شعر حمد کے کہہ کر

نعتِ رسول مقبولؐ اور پھر منقبت علیؓ کا اہتمام ملتا ہے اور اس کے بعد بادشاہ کی مدح، واقعات جنگ، جلوس، تلوار اور گھوڑے وغیرہ کے متعلق اشعار ملتے ہیں۔ قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ حفظ مراتب کا خیال رکھا ہے:

نہ اس نبیؐ کوں خدا کے نبیاں میں جوڑا کہیں
نہ اس ولی کوں ہے ہمتا ولیاں منے کس ٹھار(۵۰)

اپنے قصائد کے آخر میں دعا کے معاملے میں اشارے کنائے کے بجائے واضح انداز اپنایا ہے۔ اُن کے قصائد فارسی روایت کی پاسداری کے امین ہیں۔ محمد علی اثر کے مطابق:

''بیجا پور کے آخری زمان میں نشو ونما پانے والی شاعری میں فارسی اسلوب کا رنگ کس قدر گہرا ہو گیا تھا۔ چنانچہ نصرتی نے بھی دکنی اسکول کے مروجہ اصولوں سے انحراف کیا اور فارسی انداز بیان کی تقلید میں اس نے سادہ اور رواں اسلوب کی جگہ مرصع اور پُر پیچ طرز بیان اختیار کیا۔''(۵۱)

غواصی کے قصائد میں زبان وبیان کی موزونیت اور روانی کا عنصر نصرتی سے کہیں زیادہ ہے۔ اُن کے ہاں ندرت فکر، مضمون آفرینی اور زور بیان کی خوبیاں قصیدے کا حسن بڑھاتی نظر آتی ہیں جب کہ مضامینِ نعت میں سیرتِ رسولؐ اور عظمتِ رسولؐ کے معروف حوالے عشق ووارفتگی کے لہجے میں سموئے ہوئے ملتے ہیں۔

4-نصرتی: (م:۱۰۸۵ھ)

نصرتی بیجا پور کے بادشاہ علی عادل شاہ کے دربار میں ''ملک الشعرا'' کے عہدے پر فائز تھا۔ اس کی وجہِ شہرت مثنوی گلشن عشق اور مثنوی علی نامہ ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ایک عمدہ قصیدہ گو بھی ہے۔ علی نامہ میں اس کے سات قصائد شامل ہیں۔ عاشور کے قصیدے کا آغاز حمد ونعت پر مبنی ہے۔ مولوی عبدالحق نے اس کے بارہ قصائد کا ذکر کیا ہے(۵۲) جن میں سے ایک قصیدہ جو تخمیناً، ایک سو چوبیس اشعار پر مشتمل ہے، معراج النبی کے بارے میں ہے۔(۵۳)

یہ قصیدہ چرخ اور اس کے لوازمات یعنی چاند، سورج اور تاروں کے بیان کی مناسبت سے چرخیہ کہلاتا ہے۔ ابتدائی شعر دیکھیے:

تخت پہ جب دن پتی سیج پہ کیتا گون نس کا سپہ دار تب گرم کری انجمن
صبح کا فراش چک شمع سے روشن کرے ریگ سے تاریاں کی نت مانج گگن کا لگن(۵۴)

روز وشب کی تبدیلی اور تاروں کی گردش کا احوال عمدہ تشبیہات واستعارات کے ذریعے پیش کیا

گیا ہے۔ مبالغے کا عنصر بھی ہے مگر لطف بیان کی خوبی سے مرصع ہے۔ وہ اپنے ہم عصروں میں فارسی روایت کا زیادہ مقلد ہے۔ اُس کے ہاں شوکت الفاظ اور قصیدے کا طمطراق نظر آتا ہے۔ بقول مولوی عبدالحق:

''شوکت لفظی، علو مضامین اور زور بیان جو قصیدے کی خاص صفات ہیں، وہ نصرتی کے قصائد میں بخوبی پائی جاتی ہیں۔'' (۵۵)

مدح میں شاعر نے حضور اکرم ﷺ کی نورانیت، شاہِ کونین اور سروری کی صفات کو بے ساختہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اشعار دیکھیے:

نور سوں نس کیا عجیب روز کو روشن کرے	نس کے چندر کوں جگا کیس کی دکھلا کرن
بلکہ جو سر جا خدا نورِ نبی سے دو جگ	تب سوں جمالی جہاں پین جلالی یو تن
نور خدا عین وہ مظہر دین وہ	ہے شہِ کونین وہ خلق کے جیو کا جیون
سرور پیغمبراں ، مفخرِ نام آوراں	مالک پورب پچھّم والی اتر دچھن (۵۶)

نصرتی کا یہ قصیدہ قدیم زبان کے اثرات کا حامل ہے لیکن ندرتِ فکر، علمی شکوہ اور شاعر کے زورِ بیان کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔ فنی حوالے سے انھوں نے حسنِ تعلیل، مبالغہ، مراعات النظیر اور تقابل سے اپنے کلام کو مزین کیا ہے۔

5- جنونی گجراتی:

جنونی گجراتی کے 72 اشعار کے ایک قصیدے کا ذکر ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے کیا ہے۔ یہ قصیدہ معجزہ کے نام سے مشہور ہے اور اس کا سن تصنیف ۱۱۰۲ھ ہے۔ (۵۷)

قصیدے کے اندر شاعر نے واضح کیا ہے کہ یہ قصیدہ دراصل مولانا روم کے فارسی کلام کے اس حصے کا ترجمہ ہے جس میں حضور اکرمؐ اور ابوجہل کے مابین مکالمہ ہوا اور پھر معجزات رونما ہوئے۔ اس قصیدے کا سبب تالیف شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

سب عاقلوں کے سدھ گئے ان کی صفت کہتے منیں
بس میں جنونیں (جنونی) کیا کہوں آسرا ہے اسی اندر
اندر زبان فارسی یہ معجزہ ملّائے روم
ہے گا جو کیا خوبوں کو تم نے سنا ہے پیشتر

میں اس کو در ہندی زبان اس واسطے کہنے لگا
جو فارسی سمجھے نہیں سمجھے اسے خوش دل ہو کر(۵۸)

قصیدے کا آغاز حمد سے ہوا ہے اور اختتام میں اللہ کے حضور خلق عالم پر کرم کی دُعا مانگی گئی ہے۔ زبان و بیان سادہ و قدیم ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

اوّل کہوں حمد خدا یارا سنو! تم کان دھر — جس نے زمین و آسماں پیدا کیا شمس و قمر
ستار وہ ،کرتار وہ، غفار وہ، جبار وہ — قہار وہ، داتار وہ، اس میں نہیں کوئی دگر
میں مانگتا ہوں یہ ہوے اپنیں دلوں میں جا مدام — یارب بحق مصطفیؐ بر خلق عالم کرم کر(۵۹)

6-ولی دکنی: (م:۱۱۱۹ھ)

ولی دکنی کا نام ولی محمد تھا۔ دکن سے تعلق تھا۔ اُن کی شاعری جدید اردو لہجے کی طرف ایک مثبت اور مؤثر پیش رفت ہے۔ اُنھوں نے اظہار خیال کے لیے سادہ اسلوب کا انتخاب کیا ہے۔ یہی سادگی، زبان کی شستگی اُن کے نعتیہ قصائد میں بھی نظر آتی ہے۔ انھوں نے دو نعتیہ قصائد کے علاوہ غزل، مثنوی، مخمس اور مستزاد کی ہیئت میں بھی نعتیہ کلام لکھا ہے۔ اُن کا ''قصیدہ در حمد و نعت و منقبت و موعظمت'' ایک سو تئیس اشعار پر مبنی ہے جس کے آخر میں پچیس اشعار کی ایک غزل بھی شامل ہے۔ حمد یہ مطلع ملاحظہ ہو:

لے زباں پر تو اوّل اوّل — نام پاک خدائے عزوجل(۶۰)

حمد کے چھے اشعار کے بعد نعت کے دس اشعار ہیں جن میں حضور اکرمؐ کی ہمت بے کراں، بے نظیر مجلس، جلال و عظمت، فصاحت، عشق اور نام نامی کے علاوہ زلف اور چہرے کے اوصاف قلم بند کیے ہیں۔ یہ اشعار بلاشبہ ولی کی آنحضرتؐ سے عقیدت اور محبت کے آئنہ دار ہیں۔ مثلاً:

بعد حمد خدائے بے ہمتا — یاد کر نعت سید مرسلؐ
جس کی ہمت کی ہے ترازو میں — دو جہاں مثلِ دانۂ خردل
اس کی مجلس میں آ ہوا ہے کھڑا — صفِ آخر میں جوہر اول
اس فصاحت اگے دِسے مجکوں — نطق سحباں عبارتِ مہمل
دیکھ اس زلف و مکھ کوں بے جا ہے — بحر اور بر میں عنبر و صندل(۶۱)

نعت کے بعد خلفائے راشدین کے مناقب ہیں۔ پھر دنیا کی حقیقت اور دولت کی ہوس کے انجام کا بیان ہے۔ اس کے بعد حسن و عشق کے بارے میں اشعار ہیں جو مکالماتی انداز کے علاوہ خوب صورت تشبیہات سے مزین ہیں اور اختتام غزل پر ہوا ہے۔ اس میں عاشقانہ مضامین بیان ہوئے ہیں۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید: ''ولی کے نعتیہ قصیدے کے زبان و بیان کی نمایاں خوبی ان کی تلمیحات ہیں جو ان کے ترسیل فکر کو ایجاد کا وصف عطا کرتی ہیں اور اظہار کو وقیع اور موثر رتبہ بخشتی ہیں۔'' (۶۲)

ولی کا دوسرا نعتیہ قصیدہ ''نعت حضرت خیر البشرؐ'' انتیس اشعار پر مشتمل ہے۔ آغاز کے پندرہ اشعار عشق کی اہمیت اور عظمت کے بارے میں ہیں۔ ولی نے یہاں اپنا نظریۂ عشق بیان کیا ہے اور لفظی رعایتوں اور تلمیحات سے واضح کیا ہے کہ عشق میں جان جوکھم میں ڈالنی پڑتی ہے۔ لہو پانی کی طرح بہانا پڑتا ہے اور عشق میں منزل، محنت، عاجزی اور قربانی سے حاصل ہوتی ہے۔ اسے اخلاق و نصیحت پر مبنی تشبیب کہا جا سکتا ہے۔ یہاں انھوں نے اسماعیل، سلیمان، نوح، طوبیٰ، مجنونِ بیابانی، فرہاد کہستانی، خضر، ارم، خلیل اللہ، مسیحا، ماہ کنعانی اور افلاطون کی تلمیحات بڑے سلیقے سے برتی ہیں:

عشق میں لازم ہے اول ذات کوں فانی کرے — جو فنا فی اللہ دائم یاد یزدانی کرے
مرتبہ خلت پناہی کا وو پاوے گا جو کُئی — مثل اسماعیلؑ اول جی کوں قربانی کرے
ورد پڑھنے درد کا انجھواں کی تسبی ہاتھ لے — دل کوں کر سیپارۂ غم ذکر قرآنی کرے
اپنے مطلب کی یو لیلیٰ کا وہی دیکھے جمال — عشق میں دل کوں جو مجنون بیابانی کرے
بوریائے بے ریا کوں تخت سوں بوجھے ادھک — اس اپر ہو کر سلیماں شکر رحمانی کرے
جیوں انگوٹھی میں نگینہ یوں کرے تسخیر خلق — تخت دل کوں جو بہ از تخت سلیمانی کرے (۶۳)

اس قصیدے میں ولی دکنی نے گریز کا ایک ہی شعر کہا ہے مگر وہ تشبیب اور مدح کے درمیاں ایسے پیوست ہو گیا ہے کہ ناہمواری اور ناملائمت کا شائبہ تک نہیں گزرتا۔ گریز کا مرحلہ شاعر کی فکر سخن اور اسلوب بیان کی مہارت کا امتحان ہوتا ہے مگر ولی نے یہ مرحلہ بڑے سلیقے اور دانش مندانہ انداز میں طے کیا ہے۔ شعر دیکھیے:

زندگی پاوے ابد کی جگ منیں وو خضر وقت — جو اپس کوں فدوی محبوب سبحانی کرے (۶۴)

مدح میں ولی نے خطابیہ انداز اختیار کیا ہے۔ اشعار میں ندرت فکر، خیال آفرینی، روانی، ترنم اور غنائیت کا عنصر نمایاں ہے۔ انھوں نے قصیدے کی ردیف کو احسن طریقے سے نبھایا ہے۔

مضامین نعت شریعت کی حدود کے تابع ہیں۔ اُنھوں نے حضور اکرمؐ کے حسن ذات اور حسن فکر کو اُجاگر کیا ہے۔ آپؐ کے روئے اقدس کو تفسیر قرآنی کے لیے شرط قرار دینا شاعر کی جدت ادا کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک شعر میں آپؐ کی خوش خرامی کا مضمون باندھا گیا ہے۔ دونوں شعر تغزل اور شعریت سے بھر پور ہیں۔ مدح میں آپؐ کی سیرت طیبہ کا پہلو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ ولی کے ہاں آپؐ کی حکمت وبصیرت کے سامنے افلاطون کی سبق خوانی کا مضمون موثر ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر کی تازہ فکری کا بھی غماز ہے۔ شاعر نے افلاطون کو یونانی تہذیب کے نمائندے کے طور پر پیش کیا ہے اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسانی معاشرے کی بقا، خوش حالی اور ارتقا کی ضامن اگر ہے تو وہ سیرت النبیؐ ہے۔ ولی کے یہ اشعار بلند تخیل، ندرت فکر اور رواں اسلوب سے عبارت ہیں۔ درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

خط بنا تجھ مکھ کے جو تفسیر قرآنی کرے — کیا ملک، کیا انس وجن، یو جگ میں کس کوں ہے سکت

جب گلستانِ ارم کی تو خرامانی کرے — دیکھ طوبیٰ قد ترا جنبش میں آوے شوق سوں

گر کلیم اللہ آ تیری ثنا خوانی کرے — رتبۂ عالی میں دیکھے حق نزیک اپنا کلام

عقل اول آ کے واں اقرار نادانی کرے — جس مکاں میں ہے تمھاری فکر روشن جلوہ گر

گر فلاطوں تجھ دبستاں میں سبق خوانی کرے — حکمتاں کی سب کتاباں دھو سٹے یک بارگی (۶۵)

ولی نے انبیائے سابق کے آنحضرتؐ سے فیض یاب ہونے کے مضامین بھی باندھے ہیں۔ یہ اشعار تقابل وموازنہ کی عمدہ مثال ہیں۔ ان میں شاعر نے مختلف واقعات کی شاعرانہ توجیہ سے حضور اکرمؐ کی عظمت وسبقت کا جواز تلاش کیا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ یہ اشعار تنقیص سے مبرا ہیں۔ ان میں انبیا کی عظمت کا خیال رکھا گیا ہے۔ انبیا کے ذکر سے ان اشعار میں تلمیح کی کیفیت در آئی ہے۔ انبیا کی تلمیحات کے علاوہ ''راضیۃً مرضیۃً اور زینوالحاکم'' کے الفاظ قرآنی تلمیحات کے عکاس ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ولی کے نعتیہ قصائد کی بنیاد ہی تلمیحاتی نظام پر استوار ہے۔ یہ اشعار تلمیح کے علاوہ حسن تعلیل اور رعایت لفظی کی خوبیوں کے بھی حامل ہیں۔ مثالیں دیکھیے:

نوح تجھ رحمت کی کشتی باج کہیں پاوے نہ ٹھانوں
تجھ غضب کا گر سمندر جوش طوفانی کرے

جسم کوں سٹ ،روح سوں آوے بہت مشتاق ہو
گر تری امت خلیل اللہ کی مہمانی کرے

تب مسیحا فقر کے خط کوں سکھے گا تجھ نزیک
مشق کرنے فقر کی جب لوح پیشانی کرے(٦٦)

ولی کے نعتیہ قصائد سراپائے رسولؐ کے ساتھ سیرتِ رسولؐ کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ انبیا کے تقابل میں محتاط روش ملتی ہے۔ اطاعت و بندگی کے لیے عشق لازم قرار پاتا ہے۔ اُن کا شعری اسلوب شمالی ہند میں ابھرنے والے جدید لہجے کی طرف مائل ہے جس میں صاف دکنی اور ہندی کی آمیزش ہے۔ دونوں قصائد میں چھوٹی اور بڑی بحر میں کامیابی سے اظہارِ خیال کیا گیا ہے جس میں ترنم اور روانی کا عنصر نمایاں ہے۔ نعتیہ قصیدے کے ابتدائی دور کے حوالے سے ولؔی یقیناً ایک سنگِ میل ہے مگر سوؔدا کے طرزِ بیان اور لفظی شکوہ کو نہیں پہنچے۔

7- سراج اورنگ آبادی: (م: ۱۱۷۷ھ)

سید شاہ سراج الدین سراج اورنگ آبادی اردو شاعری کا اہم سنگِ میل ہیں۔ اُن کے کلیات میں مثنوی، مخمس، ترجیع بند اور رباعی میں حمد کے چالیس اور نعت کے تئیس اشعار ملتے ہیں۔ ایک قصیدہ بھی کہا ہے۔ تیس اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ ایک مہجور شخص کے داخلی کرب کا نوحہ ہے۔ یہ حالیہ قصیدے کی عمدہ مثال ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

کہاں رفیقِ موافق کہاں ہے یارِ ندیم — کہ اس کے پاس کرے رسم بندگی تقدیم (٦٧)

پورے قصیدے کی فضا سوگوار ہے۔ آغاز سے آخر تک افسانوی انداز میں ایک محبوب سے ملاقات کی آرزو ملتی ہے۔ آخر میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں محبوب کے بارے میں انکشاف کیا گیا ہے اور عرضِ تمنا کا اظہار ہے۔ مرکزی نقطہ زیارتِ رسولؐ کی تمنا ہے۔ اللہ کے حضور مناجات کا رنگ اپنایا گیا ہے اور اپنی بے کسی اور عصیاں پر نبیِ رحمتؐ سے بخشش کی طلب کی گئی ہے۔ درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

مری امید کوں بر لا شتاب یا رحماں! — کہ جانتا ہوں تجھے اپنی بے کسی پہ رحیم
جمال مجکوں دکھا اپنے یار جانی کا — کہ قلب صاف سے کرتا ہوں میں دعائے صمیم
مراد خاطرِ غمگیں کوں کیوں نہ بر لاوے — کہ خاص و عام پہ یکساں ہے جس کا لطف عمیم
شفیعِ حشر سیں ہے آرزو مجھے بخشش — اگرچہ سر سیں قدم لگ ہوں پُر گناہِ اثیم
سدا ہے صرصرِ غم میں سراؔج بے پروا — لگا ہے ہات اُسے دامنِ رسول کریم (٦٨)

عشقِ نبیؐ کے جذبات میں وارفتگی کا عنصر نمایاں ہے، غمِ ہجر کی شدت نے سوز و گداز کو فروغ دیا ہے، بے قراری کا علاج محبوب کی نظرِ کرم میں پنہاں ہے:

اے آہ! جا کے میری التماس یار سیں کر　　کہ زخم ہجر سیں میرا جگر ہوا ہے دونیم
طبیب دردِ جگر کوں مری خبر پہنچا　　تپ فراق سیں ہوں بستر الم پہ سقیم
نہ ہوئے دُور قیامت تلک یہ بیماری　　دوائے لطف سیں جب لگ نہ ہوئے آپ حکیم (۶۹)

فنی لحاظ سے یہ قصیدہ داخلی کیفیات کے بیان کے سبب انفرادیت کا حامل ہے۔ تشبیب کسی مونس و غم خوار کی جدائی کے نوحے سے عبارت ہے۔ خوش وضع تراکیب، مترنم آہنگ، تلمیحاتی نظام اور تشبیہ میں تقابل کی فضا نے اسے اثر دار قصیدہ بنا دیا ہے۔ مدح کے اشعار کم بل کہ نہ ہونے کے برابر ہیں جس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے مگر زیارتِ رسول ﷺ کی تڑپ نے بخیر انجام کا مژدہ سنایا ہے۔

مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ دکنی دور نہ صرف نعتیہ قصیدہ نگاری بل کہ اُردو قصیدہ نگاری کا اولین دور ہے۔ اس دور کو گجری اور بہمنی دور کے شعری اسلوب کی توسیع قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس دور میں زیادہ تر درباری قصائد دیکھنے کو ملتے ہیں۔ نعتیہ قصائد کی طرف توجہ بہت کم ہے لیکن اُن شعرا نے حفظِ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے بادشاہوں کے قصائد کا آغاز حمد اور نعت سے کیا ہے۔ یہ قصائد فارسی اور مقامی دونوں زبانوں کی آمیزش سے متشکل ہوئے ہیں۔ ان قصائد کی زبان ولی دکنی سے بہت مختلف ہے اور ٹھیٹھ الفاظ کی حامل ہے۔ اس عہد میں ولی دکنی ہی ایسا شاعر ہے کہ جس کی زبان کو جنوبی ہند اور شمالی ہند کے مابین ایک سنگم قرار دیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

۱۔جمیل جالبی،ڈاکٹر:تاریخ ادب اردو(جلد۔۱):لاہور،مجلس ترقی ادب،طبع ہفتم،۲۰۰۸ء،ص:۱۰۷
۲۔تبسم کاشمیری،ڈاکٹر:اردوادب کی تاریخ:لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹،ص:۶۲
۳۔سعادت سعید،ڈاکٹر:اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ:تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی،پنجاب یونی ورسٹی،لاہور،ص:۱۹۴
۴۔ایضاً۔ص:۱۹۵
۵۔تبسم کاشمیری،ڈاکٹر:اردوادب کی تاریخ:لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹،ص:۳۷
۶۔ابوالخیر کشفی،سید،ڈاکٹر:اردو شاعری کا سیاسی وتاریخی منظر:اسلام آباد،نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۱۷ء،ص:۸۹
۷۔سعادت سعید،ڈاکٹر:اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ:تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی،پنجاب یونی ورسٹی،لاہور،ص:۱۷۲
۸۔ایضاً۔ص:۱۷۱
۹۔تاراچند،ڈاکٹر:تمدن ہند پر اسلامی اثرات؛مترجم محمد مسعود احمد:لاہور،مجلس ترقی ادب،۲۰۱۰ء،ص:۲۳۴
۱۰۔الف۔دنسیم،ڈاکٹر:اُردوئے قدیم اور چشتی صوفیا:اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،۱۹۹۷ء،ص:۱۰۸
۱۱۔جمیل جالبی،ڈاکٹر:تاریخ ادب اردو(جلد۔۱):لاہور،مجلس ترقی ادب،طبع ہفتم،۲۰۰۸ء،ص:۱۸۴
۱۲۔ایضاً۔ص:۱۸۵
۱۳۔ابوالخیر کشفی،سید،ڈاکٹر:اردو شاعری کا سیاسی وتاریخی منظر:اسلام آباد،نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۱۷ء،ص:۸۸
۱۴۔سعادت سعید،ڈاکٹر:اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ:تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی،پنجاب یونی ورسٹی،ص:۱۷۶
۱۵۔نورالدین،ابوسعید،ڈاکٹر:تاریخ ادبیات اردو(حصہ دوم):لاہور،مغربی پاکستان اردو اکیڈمی،۱۹۹۷ء،ص:۴۰۷

۱۶۔حضرت علیؑ کی خلافت کے بارے میں خطبہ حجۃ الوداع سے مدینہ واپسی پر مقام غدیر پر حضور اکرام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ''من کنت مولا فھذا علی مولا'' کے الفاظ ارشاد فرمائے جسے اہل تشیع عید غدیر کے نام سے پکارتے ہیں۔

۱۷۔سعادت سعید،ڈاکٹر: اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: تحقیقی مقالہ برئے پی ایچ ڈی، پنجاب یونی ورسٹی،ص:۱۸۲

۱۸۔طارق سعید،ڈاکٹر: اردو ادب کا تہذیبی پس منظر: لاہور، دارالشعور،۲۰۱۵ء،ص:٦٦

۱۹۔غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر: اردو شاعری کا سیاسی وسماجی پس منظر: لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء،ص:۹۹

۲۰۔محمد قلی قطب شاہ: کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ: مرتبہ، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، حیدرآباد دکن، مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس،۱۹۴۰ء،ص:۲۹،۲۸

۲۱۔سعادت سعید،ڈاکٹر: اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: تحقیقی مقالہ برئے پی ایچ ڈی، پنجاب یونی ورسٹی،ص:۲۰۱

۲۲۔محمد قلی قطب شاہ: کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ: مرتبہ، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، حیدرآباد دکن، مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس،۱۹۴۰ء،ص:۱۴

۲۳۔ایضاً۔ص:۱۱

۲۴۔محمد اسماعیل آزاد: اردو شاعری میں نعت: لکھنو، نسیم بک ڈپو،۱۹۹۲ء،ص:۹۷

۲۵۔محمد قلی قطب شاہ: کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ: مرتبہ، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، حیدرآباد دکن، مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس،۱۹۴۰ء،ص:۱۱۔۱۲

۲٦۔ایضاً۔ص:۱۱تا۱۳

۲۷۔ایضاً۔ص:۱۲۔۱۱

۲۸۔ایضاً۔ ص:۱۱

۲۹۔سعادت سعید،ڈاکٹر: اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: تحقیقی مقالہ برئے پی ایچ ڈی، پنجاب یونی ورسٹی،ص:۲۰۱

۳۰۔زینت ساجدہ: محمد قلی اور اس کی شاعری: مشمولہ، ماہ نامہ ''سب رس''، حیدرآباد دکن، اپریل تا جون ۱۹۵۸ء،ص:۵۰

۳۱۔شاہی ،علی عادل شاہ ثانی: کلیات شاہی: مرتبہ سید مبارز الدین رفعت،علی گڑھ، انجمن ترقیِ اُردو ہند،۱۹۶۲ء،ص:۱۰۳

۳۲۔ایضاً۔ص:۱۰۴۔۱۰۳ ۳۳۔ایضاً۔ص:۱۰۵

۳۴۔ایضاً۔ص:۱۰۶ ۳۵۔ایضاً۔ص:۱۰۶تا۱۰۸

۳۶۔ایضاً۔ص:۱۰۸ ☆اصل متن میں غلطی سے ''سراپا'' چھپا ہے۔

۳۷۔نصیرالدین ہاشمی: دکن میں اردو: نئی دہلی،قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،۲۰۰۲ء،ص:۱۰۷

۳۸۔محمد علی اثر:غواصی،شخصیت اور فن: حیدرآباد دکن، اکسل فائن آرٹ، ۱۹۷۷ءص:۴۰

۳۹۔محمد بن عمر، پروفیسر: کلیات غواصی: دکن،مطبوعہ نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، ۱۹۵۹ء،ص:۱۶

۴۰۔ایضاً۔ص:۳۳ ۴۱۔ایضاً۔ص:۳۷

۴۲۔ایضاً۔ص:۳۸ ۴۳۔ایضاً۔ص:۴۴

۴۴۔ایضاً۔ص:۴۴ ۴۵۔ایضاً۔ص:۴۴

۴۶۔ایضاً۔ص:۶۴ ۴۷۔ایضاً۔ص:۶۴

۴۸۔ایضاً۔ص:۶۴ ۴۹۔ایضاً۔ص:۹۳

۵۰۔ایضاً۔ص:۴۴

۵۱۔محمد علی اثر:غواصی،شخصیت اور فن: حیدرآباد دکن،اکسل فائن آرٹ، ۱۹۷۷ء،ص:۱۳۰

۵۲۔عبدالحق،مولوی:نصرتی: نئی دہلی، انجمن ترقی اُردو ہند، ۱۹۸۸ء،ص:۲۵۱

۵۳۔ایضاً۔ص:۲۴۷

☆ گارساں دتاسی نے نصرتی کو برہمن لکھا ہے مگر مولوی عبدالحق کلام کی داخلی شہادتوں کی بنا پر اسے تسلیم نہیں کرتے۔ص:۱۰

۵۴۔ایضاً۔۲۴۷

۵۵۔ایضاً۔ص:۲۴۷

۵۶۔ایضاً۔ص:۲۴۸

۵۷۔رفیع الدین اشفاق،ڈاکٹر:اردو میں نعتیہ شاعری: کراچی،اردو اکیڈمی سندھ،۱۹۷۶ء،ص:۱۶۳

۵۸۔ایضاً ص:۱۶۴۔۱۶۳

۵۹۔ایضاً۔ص:۱۶۴

۶۰۔ولی دکنی: کلیات ولی: مرتبہ،نورالحسن ہاشمی: لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء،ص:۳۴۱
۶۱۔ایضاً۔ص:۳۴۲۔۳۴۱
۶۲۔ریاض مجید، ڈاکٹر: اردو میں نعت گوئی: لاہور، اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء،ص:۲۳۱
۶۳۔ولی دکنی: کلیات ولی: مرتبہ،نورالحسن ہاشمی: لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء،ص:۳۴۹۔۳۴۸
۶۴۔ایضاً۔ص:۳۴۹
۶۵۔ایضاً۔ص:۳۵۱۔۳۵۰
۶۶۔ایضاً۔ص:۳۵۱
۶۷۔سراج اورنگ آبادی: کلیاتِ سراج: مرتبہ، عبدالقادر سروری، دکن، مجلس اشاعت دکنی مخطوطات، ۱۳۵۷ھ،ص:۵۴۰
۶۸۔ایضاً۔ص:۵۴۲
۶۹۔ایضاً۔ص:۵۴۰
۷۰۔تبسم کاشمیری، ڈاکٹر: اردو ادب کی تاریخ: لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء،ص:۵۶
۷۱۔ابومحمد سحر، ڈاکٹر: اردو میں قصیدہ نگاری: دہلی، تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۱۰ء،ص:۴۴
۷۲۔ابوالخیر کشفی، سید، ڈاکٹر: اردو شاعری کا سیاسی وتاریخی منظر: اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۷ء،ص:۹۷
۷۳۔محمد قلی قطب شاہ: کلیات سلطان محمد قلی قطب شاہ: مرتبہ، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور، حیدرآباد دکن، مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس، ۱۹۴۰ء،ص:۴تا۹
۷۴۔ایضاً۔ص:۱۱
۷۵۔عبدالحق، مولوی: نصرتی: نئی دہلی، انجمن ترقی اُردو ہند، ۱۹۸۸ء،ص:۲۴۷
۷۶۔محمد علی اثر: غواصی، شخصیت اور فن: حیدرآباد دکن، اکسل فائن آرٹ، ۱۹۷۷ء،ص:۱۴۰
۷۷۔جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو (جلد۔۱): لاہور، مجلس ترقی ادب، طبع ہفتم، ۲۰۰۸ء، ص:۱۸۷

☆☆☆☆☆

اُردو میں نعتیہ قصیدہ نگاری: تحقیقی وتنقیدی جائزہ

(دورِ دوم: ۱۷۰۸ء تا ۱۸۵۷ء)

سیاسی وتہذیبی منظر نامہ

مغلیہ عہد کے آخری خودمختار بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد نااہل جانشین اپنے اقتدار واختیار کو زوال پذیر ہونے سے نہ بچا سکے۔ اورنگ زیب عالم گیر کے بعد اُس کا بیٹا بہادر شاہ محمد معظم اپنے بھائیوں محمد اعظم اور کام بخش کو قتل کرنے کے بعد تختِ حکومت پر بیٹھا۔ اپنے پانچ سالہ دور میں وہ پنجاب کے سکھوں اور راجپوتانہ کے ہندوؤں کی بغاوتیں کچلنے میں مصروف رہا۔

جہاندار شاہ نے اپنے بھائیوں کو شکست دینے کے بعد ایک سالہ دور میں ایک طوائف (لال کنور) کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے سوا کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا۔ سید برادران (سید عبداللہ وزیر سلطنت اور سید حسین علی صوبے دار دکن) کی مدد سے اپنے چچا جہاندار شاہ کو قتل کروانے کے بعد تخت حکومت سنبھالنے والے فرخ سیر نے پنجاب کے سکھوں کے لیڈر بندہ بیراگی کا قلع قمع کیا لیکن جب اُس نے سید برادران کے اثر ورسوخ کو محدود کرنے کی کوشش کی تو انھوں نے مرہٹوں کی مدد سے ۱۷۱۹ء میں فرخ سیر کو اندھا کر کے مروا ڈالا۔ اس کے بعد سید برادارن نے بادشاہ گری کا سلسلہ شروع کیا اور ۱۸ فروری ۱۷۱۹ء سے ۴؍ اگست ۱۷۱۹ء تک تین بادشاہ ہوئے (۱)

اسی سال ایک نوجوان شہزادے روشن اختر کو محمد شاہ کے نام سے حکومت کی باگ ڈور سونپی گئی جو تاریخ میں محمد شاہ رنگیلا کے نام سے زیادہ معروف ہے۔ اس کا دورِ حکومت اُس کی وفات ۱۷۴۸ء تک رہا۔ رنگیلے کی بداعتدالیوں اور انتظام وانصرام سے عدم دلچسپی کے سبب نظام الملک آصف جاہ نے مایوس ہو کر دکن کی راہ لی۔ جب کہ برہان الملک سعادت خان نے اودھ میں خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ ہر طرف شورش کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ بادشاہ کے پاس مرہٹوں، روہیلوں اور جاٹوں کی سرکشی کا کوئی علاج نہیں تھا۔ ۱۷۳۷ء میں مرہٹوں کے قدم دلی تک پہنچ گئے۔ مشکلات کے اس دور میں ۱۷۳۹ء میں قدرت کا تازیانہ بن کر نادر شاہ آن وارد ہوا۔ اُس نے دلی کے خزانے پر خوب خوب ہاتھ صاف کیا اور نہ صرف مغلیہ خاندان کی سطوت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیا بل کہ سلطنت کی معیشت کی کمر توڑ کر رکھ دی۔

۱۷۴۸ء میں محمد شاہ رنگیلا کی وفات کے بعد اس کا بیٹا احمد شاہ تخت پر بیٹھا۔ اس دور میں ایران کے شیعہ امرا اور تورانی سنی امرا کے مابین اختلافات نے زور پکڑا۔ صفدر جنگ اول الذکر جب کہ نظام الملک کا پوتا شہاب الدین موخر الذکر کا نمائندہ تھا۔ شہاب الدین نے مرہٹوں کی حمایت سے ۱۷۵۴ء میں احمد شاہ کی آنکھیں نکالیں اور عالم گیر ثانی کو تخت نشینی بخشی مگر پانچ سال بعد اسے بھی مروا دیا اور ایک اور شہزادے کو تخت پر لا بٹھایا(۲)

آپسی اختلافات اور خانہ جنگی سے ملک میں لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا اور سرکشوں کے حوصلے مزید بڑھ گئے۔ نوبت یہاں تک آ گئی کہ ۱۷۵۸ء میں مرہٹوں نے دلی سے آگے بڑھ کر لاہور پر قبضہ کر لیا اور مئی میں ملتان اور پشاور بھی ان کے تسلط میں آ چکے تھے۔(۳)

مرہٹوں نے لاہور سے (پہلا حملہ) احمد شاہ ابدالی کے گورنر کو مار بھگایا تھا، اس لیے ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کیا اور مرہٹہ سردار بھاؤ کو شکست فاش دی۔ یہ معرکہ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کے میدان میں ہوا۔ اس کے بعد ابدالی نے ہندوستان کا تخت شاہ عالم ثانی کے حوالے کر کے واپسی کی راہ لی۔ مرہٹوں کی قوت منتشر ہونے کے بعد شاہ عالم ثانی نے انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے آگے بند باندھنے کے لیے ۱۷۶۵ء میں نواب اودھ شجاع الدولہ کو ساتھ ملا کر بکسر کے مقام پر لڑائی لڑی مگر شکست کھانے کے بعد بھاری تاوان ادا کرنا پڑا۔

۱۷۸۸ء میں غلام قادر روہیلہ نے شاہ عالم ثانی کی آنکھیں نکال کر تخت سے بے دخل کیا تو مرہٹوں نے جو اپنی قوت دوبارہ جمع کر چکے تھے۔ غلام قادر روہیلہ کو قتل کر کے شاہ عالم کو پھر سے تخت شاہی پر مسند نشیں کیا۔

مرہٹوں کی اس عمل داری اور حکومت پر اثر و رسوخ کا خاتمہ جنرل لیک کے ۱۸۰۳ء میں دہلی کے تخت پر قبضے سے ہوا۔ شاہ عالم ثانی کی حیثیت ایک وظیفہ خوار کی رہ گئی۔ ۱۸۰۶ء میں شاہ عالم ثانی کی وفات کے بعد اکبر شاہ ثانی تخت نشین ہوا اور پھر مغلیہ سلطنت کی یہ داستان ۱۸۳۷ء میں تخت شاہی پر بیٹھنے والے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر پر آن کر ختم ہوئی جس کا اقتدار ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انجام کو پہنچا۔

اودھ کا پس منظر:

اودھ کا صوبہ محمد شاہ رنگیلا کے دور میں برہان الملک سعادت علی خان کی نگرانی میں تھا۔ ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ کا حملہ ہوا تو سعادت خان قید ہو کر مارا گیا تو اس کا بھانجا اور داماد ابوالمنصور خاں،

صفدر جنگ صوبے دار بنا۔ اُس نے جاٹوں کو ساتھ ملا کر بادشاہ کے خلاف محاذ آرائی کی۔ ۱۷۵۴ء میں اس کا بیٹا شجاع الدولہ تخت اودھ پر بیٹھا۔ اُس نے پانی پت کی تیسری لڑائی میں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں دونوں کے ساتھ تعلقات استوار رکھے۔ بکسر کی لڑائی میں شکست کھانے کے بعد مرہٹوں کے ساتھ مل کر دوبارہ انگریزوں سے جنگ کی مگر نتیجہ پھر ناکامی کی صورت میں ہاتھ آیا۔ اب کی بار جنگ کا تاوان ادا کرنے کے ساتھ انگریزوں سے صلح کرنا پڑی۔

۱۷۷۵ء میں اس کا بیٹا مرزا امانی آصف الدولہ کا خطاب پا کر برسرِ اقتدار آیا تو اس نے لکھنو کو دارالحکومت بنایا۔ یہ عیش و عشرت کا دل دادہ نواب ۱۷۹۸ء میں مرا تو یہ ریاست انگریزوں کی ذیلی ریاست بن چکی تھی۔ اسی سال اس کا بیٹا وزیر علی خان تخت نشیں ہوا جسے انگریزوں نے معزول کر کے آصف الدولہ کے بھائی سعادت علی خان کو حکومت سونپ دی۔ اُسے تعمیرات اور شعر و سخن کا شوق تھا۔ اسی دور میں لکھنو شاعری کا مرکز بن گیا تھا۔ لکھنو کا آخری تاج دار نواب واجد علی شاہ انگریزوں کی قید کا نشانہ بنا۔

دکن کا پس منظر:

فرخ سیر کے حکم پر حیدر آباد دکن کی صوبے داری نواب نظام الملک آصف جاہ کے پاس تھی۔ پھر محمد شاہ رنگیلا نے اُسے وزارت کا منصب عطا کر دیا۔ ملکی انتشار، بدامنی اور بادشاہ کی عیش پسند طبیعت کے باعث دنوں میں حالت بگڑنے لگی تو ۱۷۲۴ء میں آصف جاہ نے دکن کے صوبے دار عماد الملک مبارز خاں کو شکست دے کر اپنی حکومت کا اعلان کیا جس پر ۱۸۰۳ء تک آصف جاہ کے خاندان میں سے ناصر جنگ، مظفر جنگ، صلابت جنگ اور نظام علی خاں آصف جاہ ثانی حکمران رہے (۴)

سیاسی و ادبی پس منظر: (۱۷۰۷ء تا ۱۸۵۷ء)

اٹھارہویں صدی کے ہندوستانی معاشرے میں سیاسی عدم استحکام نے بے روزگاری، مفلسی، مہنگائی اور عدم تحفظ کے شدید احساس کو جنم دیا جس کے زیرِ اثر چوری، رشوت، لوٹ کھسوٹ جیسی معاشرتی برائیوں کے علاوہ اخلاقی انحطاط کی صورتِ حال روز افزوں بدتر ہونے لگی جو بادشاہ نظریۂ ضرورت کے تحت تخت پر بٹھائے گئے اُن میں خود اعتمادی اور قوت فیصلہ کا فقدان تھا۔ کچھ بادشاہ محض چند دنوں کے مہمان کی حیثیت سے آئے۔ چند ایک کو کچھ عرصہ اگر تختِ شاہی پر بیٹھنا نصیب ہوا تو وہ عیش کوشی اور رقص و سرود میں ایسے مست ہوئے کہ حکومتی نظم و نسق اور عوامی مسائل دونوں سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس کے نتیجے میں امرا آزاد ہو گئے اور حکومتی معاملات پر اثر انداز ہونے لگے۔ ایک تو باہمی خانہ

جنگی نے مغل شہزادوں کو تہِ تیغ کر دیا تھا۔ دوسرا یہ عیش وعشرت کے دل دادہ ہو گئے تھے۔ غلام حسین ذوالفقار اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جہاندار شاہ کا مختصر عہد حکومت مغل سلطنت کے زوال وانحطاط کا نقطۂ آغاز تھا۔ یہ ظالم اور عیاش بادشاہ کامیابی کے بعد اپنے اولوالعزم اسلاف کی روایات جہاں بانی کو ترک کر کے عیش ونشاط میں غرق ہو گیا۔ ملک میں بدنظمی پھیل گئی ۔۔اناج گراں ہونے لگا۔ شہنشاہ ہند ایک طوائف لال کنور کے اشاروں پر ناچ رہا تھا۔''(۵)

عیش کوشی کی داستان کا نقطۂ عروج محمد شاہ رنگیلا کا دورِ حکومت ہے۔ وہ نادر شاہ کے حملے کی خبر پا کر ''ہنوز دلی دور است'' کا راگ الاپتا رہا، غیرت وحمیت کا جنازہ تب اٹھا جب محمد شاہ رنگیلا نے فاتح بادشاہ کے ساتھ اپنی ہار کا جشن محفل موسیقی کی صورت میں منایا۔ اس بارے میں میاں محمد افضل لکھتے ہیں:

''محمد شاہ کے زمانے کی دہلی میں انور بائی، نامی ایک طوائف نے بہت نام پیدا کیا تھا۔ یہ طوائف حسن وجمال کی خوبی کے ساتھ رقص ونغمہ میں بھی کمال رکھتی تھی۔ بادشاہی محفلوں کی جان تھی، وہ اب بھی بادشاہ کی ہم رکاب تھی تاکہ جنگ کے نقارے کی کرخت آواز کے ساتھ ساتھ وہ اپنی رسیلی اور مدھر آواز سے بادشاہ اور امرا کا دل بہلاتی رہے۔۔۔۔ جب نادر شاہ نے میدان مارلیا اور دونوں بادشاہوں کی ملاقات ہوئی تو بادشاہ دہلی نے نادر شاہ کی ملاقات انور بائی طوائف سے کرائی اور باقاعدہ مجرا منعقد ہوا۔''(۶)

صرف بادشاہ ہی عیش پرست نہیں تھے بل کہ شاہی زنان خانے کے حالات بھی اسی ڈگر پر چل رہے تھے۔ مہارانیوں کے وزرا، امرا اور ملازموں سے تعلقات کی داستانیں قلعے کی فصیلوں سے باہر سنائی دینے لگی تھیں۔ اخلاقی قدریں روبہ زوال تھیں اور آخرت کا عقیدۂ جزا وسزا ہوس پرستی کی قبر میں دفن کر دیا گیا تھا۔

مفلوک الحالی اور بے روزگاری کے ہاتھوں عوام الناس پریشان تھی۔ سپاہی پیشہ لوگ بھوکے مر رہے تھے۔ سپاہیوں نے اپنے گھوڑے، تلواریں اور زریں وغیرہ بیچنا شروع کر دیں تھیں۔ حالت یہ ہوگئی تھی کہ امرا فاقہ زدہ بے روزگاہ سپاہ کو خود کسی گاؤں پر ڈاکا ڈالنے کا مشورہ دینے لگے۔ الغرض ملک کی معاشی صورت حال ابتر تھی۔ سودا کا ''قصیدہ درہجو اسپ المسمّٰی بہ تضحیک روزگار'' مغلوں کی عسکری حالت

زار کا نقشہ پیش کرتا نظر آتا ہے۔ چور اُچکے اور لٹیرے مشیر اور وزیر بن بیٹھے تھے اور شریف الطبع لوگ گھروں میں اپنی عزت بچا کر بیٹھے زمانے کی عبرت کے تازیانے کے تماش بین بنے ہوئے تھے۔

دربار شاہی تک میں رشوت کا چلن عام تھا۔ چھوٹے چھوٹے کام کے لیے ہرکارے نذرانہ طلب کرتے تھے۔ بھاٹ، میراثی اور طوائف پیشہ لوگ دربار میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے جب کہ اہل علم وفضل پریشان حال ہونے کے علاوہ ناقدری کا شکار تھے۔ معاشرے کا اجتماعی ضمیر مردہ ہو کر رہ گیا تھا۔ بقول ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار:

> ''لوگوں کے محاسن اخلاق کو گھن لگ چکا تھا۔ خودغرضی، نفس پرستی، بدخوئی، ریاکاری، جھوٹ فریب، مکر، دغا، نفرت، حقارت، بغض، عداوت، حسد، رقابت کے سفلی جذبات ہر فرد کے دل میں گھر کر چکے تھے۔ خال خال ہی کوئی اس وبائے عام سے بچا ہوگا۔''(۷)

اس دور کا ایک اور تلخ پہلو فرقہ واریت اور نسل پرستی ہے۔ مرہٹے، جاٹ، سکھ اور روہیلے اپنی اپنی حکومتی ساکھ قائم کرنے کے لیے برسرپیکار تھے۔ خودغرضی اور ذاتی مفادات نے آپسی سازشوں اور دھڑے بندیوں کو جنم دیا جس سے ملک خانہ جنگی کا شکار ہوا۔ اس اندرونی خلفشار سے فائدہ اُٹھا کر انگریزوں نے رفتہ رفتہ پورے ملک پر قبضہ کرلیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انگریزوں کو آسانی سے غدار مل جاتے تھے۔ انگریزوں کو کہیں مذہب کی آڑ میں اور کہیں روپے پیسے کے اور کہیں اقتدار کے لالچ میں میر جعفر اور میر صادق جیسے ضمیر فروش میسر آتے رہے۔ معاشرتی برائیاں بہت سی ہیں جن میں خاص و عام مبتلا تھے اور جن کی وجہ سے مغلیہ حکومت زوال پذیر ہوئی مگر شاہی حکیموں کی مقوی دوائیں، بادشاہوں کی عیش پیشہ طبیعت، رقص وسرود اور رنڈی بازی، کثرت عیال اور باہمی نزاع اور مشائخ کی عزلت نشینی کی دعوت وہ عوامل ہیں جو حکومت کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوئے۔(۸)

خصوصی مطالعہ

1- مرزا محمد رفیع سودؔا: (م: ۱۷۸۱ء)

مرزا محمد رفیع سودؔا ۱۷۰۶ء میں مرزا محمد شفیع کے ہاں دہلی میں پیدا ہوئے۔ سپاہی پیشہ تھے(۹)۔ ابتدا فارسی شاعری سے کی۔ بعد میں ریختہ کی طرف مائل ہوئے۔ فارسی کلام سلیمان قلی خان داد کو دکھایا جب کہ شاہ حاتم کی شاگردی اختیار کی (۱۰)۔ دہلی، فرخ آباد اور لکھنو میں قیام رہا۔ جب آصف الدولہ نے

پایۂ تخت فیض آباد سے لکھنو منتقل کیا تو سودا اپنی زندگی کے آخری ایام میں لکھنو چلے گئے۔ ۲۷ جون ۱۷۸۱ء (بمطابق ۱۱۹۵ھ) کو یہیں انتقال کیا اور امام باڑہ آغا باقر میں دفن ہوئے۔(۱۱)

غزل کے منفرد شاعر سودا قصیدہ گوئی کے امام ہیں۔ مصحفی نے انھیں اردو قصیدے کا نقشِ اول قرار دیا ہے۔(۱۲) یہاں یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جنوبی ہندوستان میں قلی قطب شاہ، نصرتی اور غواصی قصیدے کے بنیادی نقوش تیار کر چکے تھے۔ یہاں مصحفی کی مراد غالباً شمالی ہند کی نکھری ہوئی زبان ہے جس میں سودا نے فارسی قصیدے کے لوازمات کا کامیاب تتبع کیا ہے اور اپنے زورِ بیان اور رفعتِ خیال سے اردو قصیدے کو بلند مقام بخشا ہے۔ سودا کے مطبوعہ کلیات میں انتالیس مدحیہ اور چار ہجویہ قصائد موجود ہیں۔(۱۳) ان میں اڑتالیس اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ بھی ہے جس کا مطلع درج ذیل ہے:

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی ۔۔۔ نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی (۱۴)

سودا کا یہ قصیدہ خاقانی کی زمین میں ہے مگر خاقانی کا قصیدہ نعت میں نہیں۔ مطلع ملاحظہ ہو:

نثار اشکِ من ہر شب شکر ریز است پنہانی ۔۔۔ کہ ہمت را زنا شوئیست باز انو و پیشانی (۱۵)

سودا نے اپنے قصیدۂ نعت کی تشبیب کے مطلع اول کے چودہ اشعار میں حکیمانہ رنگ اختیار کرتے ہوئے خاقانی کی کامیاب تقلید کی ہے۔ اس میں ہنر مندی، ہمت، تنہائی، خاموشی کے اوصاف اور خوشامد، ذخیرۂ زر، گردش ایام اور ناموافق دوست کے ضرر رساں اثرات بیان ہوئے ہیں۔ یہ اشعار ناصحانہ انداز کے ہیں۔ ان میں سے اکثر میں خوب صورت تمثیلیں بیان ہوئی ہیں اور اُن میں دعویٰ و دلیل کی صورت ملتی ہیں۔ بقول ابوالاعجاز حفیظ صدیقی: کوئی دعویٰ شاعرانہ استدلال سے ثابت کیا جائے تو یہ یقینی طور پر تمثیل ہے جسے مثالیہ شاعری کی ذیل میں رکھا جاتا ہے(۱۶)

یہ اشعار دل کشی اور اثر پذیری کی صفت سے مزین ہیں۔ مثال ملاحظہ ہو:

ہنر پیدا کر اوّل، ترک کیجو تب لباس اپنا ۔۔۔ نہ ہو جوں تیغ بے جوہر وگرنہ ننگ عریانی

خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہلِ دولت کی ۔۔۔ نہ جھاڑے آستین کہکشاں شاہوں کی پیشانی

مؤقر جان اربابِ ہنر کو بے لباسی میں ۔۔۔ کہ ہو جو تیغ با جوہر اُسے عزت ہے عریانی

یہ روشن ہے بہ رنگ شمع، ربط باد و آتش سے ۔۔۔ موافق گرنہ ہووے دوست، ہے وہ دشمنِ جانی (۱۷)

اس کے علاوہ حسن تعلیل سے بھی کام لیا گیا ہے کہ حضرت خضرؑ کی عمر طولانی کی وجہ تنہائی ہے۔ مطلع ثانی میں گیارہ اشعار محبوب کے حوالے سے شاعر کی داخلی واردات کے بارے میں ہیں۔ یہاں بھی تخیل کی بلند پروازی نظر آتی ہے۔ یہاں انھوں نے اپنی زبان دانی کا بجا طور پر دعویٰ بھی کیا

ہے۔اشعار ملاحظہ ہوں:

عجب ناداں ہیں وہ جن کو ہے عُجب تاج سلطانی فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی
نہیں معلوم ان نے خاک میں کیا کیا ملا دیکھا کہ چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی
تری زلفوں سے اپنی رو سیاہی کہہ نہیں سکتا کہ ہے جمعیت خاطر مجھے اُن کی پریشانی
سیہ بختی میں اے سودا نہیں طول سخن لازم نمط خامے کے سر کٹوائے گی ایسی زباں دانی
خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے نہیں ہے اُن سے ہرگز فائدہ غیراز پشیمانی (۱۸)

مدح میں سودا نے دین محمدیؐ، نور احمدی، شفاعت، عدل ونصفت اور جمالِ نبیؐ کے مضامین باندھے ہیں جن میں عدل کی صفت میں کہے گئے قطعہ بند اشعار جو تمثیل میں ہیں جاندار ہیں یا پھر سایۂ رسولؐ کی مدح میں ایک شعر حسن تعلیل کا خوب صورت نمونہ ہے۔اشعار دیکھیے:

رکھا جب سے قدم مسند پہ آ اُن نے شریعت کے کرے ہے موج بحر معدلت تب سے یہ طغیانی
اگر نقصان پر خس کے شرر کا ٹک ارادہ ہو کرے کو آگ کے وو ہیں کرے غرق آن کر پانی
پلے ہے آشیاں میں باز کے بچہ کبوتر کا شباں نے گرگ کو گلّے کی سونپی ہے نگہبانی
ہما آسا ہے پرواز ملخ اوج سعادت پر کرے ہے مور چڑھ کر سینۂ دد پر سلیمانی (۱۹)

اب ذرا آنحضرتؐ کے سایۂ مبارک کے بارے میں کہا گیا شعر ملاحظہ ہو:

نہ ہونے سے جدا سائے کے اس قامت سے پیدا ہے
قیامت ہووے گا دل چسپ وہ محبوب سبحانی (۲۰)

اس قصیدے کے کچھ کمزور پہلو بھی ہیں اوّل انھوں نے حدیث پاک ''من رانی فقدراء الحق'' (جس نے مجھے دیکھا، اس نے واقعی مجھے دیکھا) کی غلط تفہیم کرتے ہوئے عبد اور معبود کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا۔ دوسرا مطلع میں کفر کو تمغائے مسلمانی قرار دینے، شفاعت اور حضرت یوسفؑ سے تقابل کے بیان میں سودا اعتدال کے دائرے سے نکل گئے ہیں۔شاندار تشبیب کے بعد مدح میں سودا نے چند عمدہ شعر نکالے ہیں مگر مجموعی طور پر رنگِ سابق برقرار رکھنے میں ناکام رہے ہیں۔بقول ظفر احمد صدیقی:

''اس قصیدے کا نعتیہ حصہ بہت کمزور ہے۔اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ سودا علوم اسلامیہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور سیرت وشمائل نبوی سے بڑی حد تک ناواقف تھے۔اس باب میں ان کا منبع علم چند ضعیف روایات اور بعض مشہور مضامین نعت تک محدود ہے۔۔۔۔پھر ان مضامین کے

نظم میں بھی سوداؔ ندرت یا تازگی کا کوئی پہلو پیدا نہیں کر سکے ہیں۔"(۲۱)

مثالیں ملاحظہ ہوں:

ملک سجدہ نہ کرتے آدم خا کی کو، گر اس میں امانت دارِ نورِ احمدی ہوتی نہ پیشانی

خیال خلق گر اس کا شفیع کافراں ہووے رکھیں بخشش کے سر منت یہودی اور نصرانی

زباں پر اس کی گزرے حرف جس جا گہ شفاعت کا کرے واں ناز آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی

جو صورت اس کی ہے لاریب ہے وہ صورتِ ایزد جو معنی اس میں ہیں بے شک وہی معنی ربانی

حدیثِ ''من رآنی'' دال ہے اس گفتگو اوپر کہ دیکھا جن نے اس کو ان نے دیکھی شکل یزدانی(۲۲)

اب ذرا حضرت یوسفؑ کے ساتھ آپؐ کے حسن و جمال کے باب میں کہے گئے اشعار ملاحظہ ہوں جن میں حضرت یوسفؑ کی تخفیف کا عنصر جھلکتا نظر آتا ہے:

جسے یہ صورت و سیرت کرامت حق نے کی ہووے بجا ہے کہیے ایسے کو اگر اب یوسف ثانی

معاذ اللہ یہ کیسا حرف بے موقع ہوا سرزد جو اس کو پھر کہوں تو ہووٗں مردودِ مسلمانی

کدھر اب فہم ناقص لے گیا مجھ کو، نہ یہ سمجھا کہ وہ مہرالوہیت ہے یہ ہے ماہِ کنعانی(۲۳)

قصیدے کے آخر میں دعا نہیں ہے بل کہ ثناخوانی کا حق ادا نہ کر سکنے کے سلسلے میں اپنی کج فہمی پر استغفار کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر قصیدے کا آغاز جاندار اور پرشکوہ انداز میں ہوا ہے صنائع بدائع کا استعمال حسن و خوبی سے کیا گیا ہے مگر مدح میں غلو کا رنگ غالب ہے۔ اس کے علاوہ سوداؔ کے دو قصائد ایسے ہیں جو نعت رسولؐ و منقبت علیؓ میں ہیں۔ پہلا قصیدہ انتیس اشعار کا مشکل زمین میں ہے جس کا مطلع یوں ہے:

چہرۂ مہر وش ہے ایک، سنبل مشک فام دو حسن بتاں کے دور میں، ہے سحر ایک شام دو(۲۴)

تشبیب میں محبوب سے اپنے تعلق کی نوعیت، ظلم و ستم کا ذکر اور اُس سے وفا و مہر کی امید خام کے بعد زندگی کے بارے میں اپنا نظریہ پیش کیا ہے کہ ایک زندگی میں فکر معاش کی جائے یا فکر آخرت اور یہ کہ منجنیق چرخ دو ہم کلام ہونے والوں کے مابین تفرقہ کی سنگ باری کیے بنا نہیں رہتی۔ یہ اشعار زورِ بیان، رعایت لفظی اور عمدہ تشبیہات سے مملو ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

فکر معاد اب کریں یا کہ معاش کا تلاش زندگی اپنی ایک دم، کیجیے کیونکہ کام دو

پھینکے ہے منجنیق چرخ تاک کے سنگ تفرقہ بیٹھ کر ایک دم کہیں ہوویں جو ہم کلام دو

خورد و بزرگ دہر میں نسبتِ جام و شیشہ جان بادہ انھوں میں ایک ہے گو کہ ہوئے بہ نام دو(۲۵)

مطلع ثانی کے بعد مدح ہے جس میں نعت و منقبت کو بڑے سلیقے سے بیان کیا ہے۔ اس میں

عظمتِ رسول ﷺ کے معجزات کے علاوہ براق، دلدل اور تیغ کی صفت شامل ہے۔ تخیل کی پرواز بلندی پر ہے، انبیا سے تقابل کی صورت بھی نظر آتی ہے۔ مثال دیکھیے:

مثلِ زبان خامہ ہیں گر نبی و امام دو　　معنی تو ان میں ایک ہیں گو کہ ہوئے بہ نام دو
ہونے نہ دے غروب ایک بہر نماز مہر کو　　ایک کرے اشارے سے قرصِ مہ تمام دو
اُن کے طواف روضہ کو پہنچے کبھو نہ جبرائیل　　رکھ کے زمیں پہ ایک گام تا نہ کرے سلام دو
موسیٰ و خضر اور شیث در پہ انھوں کے وقت طوف　　ایک بنے ہے چوب دار، کرتے ہیں اہتمام دو
وصف براق و دلدل اب کہہ تو کروں میں کیا بیاں　　شوق سے راہ تا بہ غرب جن کے تئیں ہیں گام دو
برّش انھوں کی تیغ کی مجھ سے بیاں نہ ہو سکے　　خامے کی اب زباں ہوئی لکھنے سے جس کا نام دو(۲۶)

اختتام میں صلے کے طور پر بخشش طلب کی گئی ہے۔ مجموعی طور پر یہ قصیدہ معتدل اور متوازن مضامین کا حامل ہے۔ ادب اور خلوص کی فضا دیدنی ہے:

ہے یہ امید یوں نبیؐ کہہ دیں علیؓ سے اس طرح
اوروں کو جام ایک ایک دیجیو ، اس کو جام دو
یہ بھی صلہ نہیں ہے کم ، عرصۂ حشر میں اگر
یاد کریں جو مجھ سے کو، ایسے بہ احترام دو(۲۷)

سوؔدا نے نعت اور منقبت حضرت علیؓ میں ایک قصیدہ ترپن اشعار کا بھی کہا ہے جس کا مطلع ملاحظہ ہو:

زخمی میں ترا اور گلستاں ہے برابر　　ہر خرمنِ گل گنجِ شہیداں ہے برابر(۲۸)

قصیدے کا آغاز عشق میں اہل عشق کی حالت زار کے بیان سے ہوا ہے۔ سوؔدا داخلی جذبات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کا سینہ چراغوں کی طرح جلتا ہے، آنکھوں سے لہو بہتا ہے، محبوب مروت اور رحم سے عاری ہے اور فریاد سننے پر مائل نہیں ہے۔ اطاعت و فرمانبرداری اپنائے ہوئے ہے مگر اس کی عزت سگ و درباں کے برابر بھی نہیں۔ کوئی فریادرس نہ پاکر وہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوکر نعت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تشبیب کے اشعار کا زور بیان ملاحظہ ہو:

خوں ریزی میں ترکوں سے ترے چشم ہیں ہمسر　　خنجر سے انھوں کے، صفِ مژگاں ہے برابر
سنتا ہی نہیں بات مری تو، جو سنے بھی　　وہ بات پھر اور طائرِ پرّاں ہے برابر

لے شام سے اور صبح تلک ، صبح سے تا شام　　اشک آنکھوں سے میرے در غلطاں ہے برابر
فریاد کروں کس سے کہ رواداری کے تیرے　　کہنے کے لیے گبر و مسلماں ہے برابر
نالش کروں اب واں کہ جہاں حق بہ طرف میں　　مور و ملخ و دیو و سلیماں ہے برابر(۲۹)

پچیس شعروں کے بعد گریز کیا ہے اور پھر آنحضرتؐ کے بے ہمتا علم، امر، رحمت، حلم اور شرف کے مضامین آٹھ شعروں میں باندھے ہیں۔ یہاں سوداؔ نے کھل کر اپنے عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے نبیؐ اور امتیؑ میں کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ وہ جوشِ عقیدت میں اعتدال کی روش پامال کرتے نظر آتے ہیں:

وہ ختم رسالتؐ ، نہیں جس کا کوئی ہمتا　　اور ہے بھی جو کوئی شہ مرداںؑ ہے برابر
دونوں کا نہیں امر کم از امر الٰہی　　دونوں کی حدیث ، آیۂ قرآں ہے برابر
ہے وزن مساوی انھوں میں حلم خدا کا　　خالق کے وہ دو پلۂ میزاں ہے برابر
اس حرف میں جو شبہ رکھے ہو کے مسلماں　　اس شخص کا الحاد سے ایماں ہے برابر
سوداؔ بہ دوئی بول مت آگے کہ نبیؐ سے　　اس مرتبہ وہ اشرف الانساں ہے برابر
جس طرح تجلی کو خدا کی، نہیں تکرار　　حیدر بھی محمدؐ سے بدیںساں ہے برابر(۳۰)

اس کے بعد خالص منقبت کے مضامین بیان ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنے عقیدے کے مطابق حضرت علیؑ کو انبیا سے افضل قرار دیا ہے۔ یوں منقبت میں ''داؤدؑ کے رتبے سے حدی خواں ہے برابر'' کی صدا سنائی دیتی ہے۔ بقول اسماعیل آزاد:

> ''اس کے مضامینِ نعت افراط وتفریط سے پُر ہیں۔ وہ وفورِ جذبات سے سرشار ہو کر اپنے اشہب شاعری کو بے لگام چھوڑ دیتا ہے اور اس کا دل واقعیت اور شریعت سے بے نیاز ہو کر کام کرنے لگتا ہے۔''(۳۱)

قصیدہ فنی لحاظ سے تشبیہ، تقابل اور تمثیل سے عبارت ہے مگر نعتیہ اشعار منقبت کے مقابلے میں دو حصے کم ہیں اور جو ہیں ان میں نعت سے زیادہ زور منقبت علیؑ پر صرف کیا گیا ہے جس سے نعت کا موضوع دبتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ سودا کے نعتیہ قصائد کی تشابیب جاندار اور موثر ہیں یعنی محبوب اور محبّ کی واردات کے بیان میں اُن کا قلم خوب چلتا ہے اور یہ حصہ فنی پختگی اور رفعت خیال کا بھی مظہر ہے۔

اس کے برعکس مدح رسولؐ کے بارے میں تخیل کی پرواز نسبتاً نیچی ہے۔ بعض مقامات پر عمدہ مضامین نظم ہوئے ہیں مگر اعتدال کا دامن چھوٹنے کے باعث نعت کی تقدیس برقرار رکھنے میں ناکام رہے ہیں۔

2- قائمؔ چاند پوری: (م: ۱۷۹۳ء)

محمد قیام الدین قائمؔ ضلع بجنور کے قصبے چاند پور کے قریب ''محدوذ'' گاؤں میں پیدا ہوئے (۳۲) لیکن قیاس ہے کہ ۱۷۰۰ء کے آس پاس پیدا ہوئے تھے۔ (۳۳) ملازمت کے سلسلے میں کچھ عرصہ دلی قیام رہا تو خواجہ میر درد سے رجوع کیا مگر باقاعدہ طور پر مرزا سودا کی شاگردی اختیار کی۔ (۳۴)

یہ الگ بات ہے کہ سوداؔ سے بھی اُن کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ قائمؔ کی عمر کس مپرسی میں گزری۔ حالات میں بہتری کے لیے انھیں امروہہ، ٹانڈا، لکھنؤ اور رام پور کی طرف ہجرت بھی کرنا پڑی۔ یہیں ان کا انتقال ہوا اور نواب محمد یار خان کے مقبرے میں دفن ہوئے۔ (۳۵)

قائمؔ چاند پوری کی پہچان ایک استاد شاعر کی تو ہے ہی، اس کے علاوہ ان سے ایک تذکرہ ''مخزن نکات'' بھی منسوب ہے جو ریختہ کے ابتدائی تذکروں میں سے ایک ہے۔ کلیات قائمؔ میں قصائد کی تعداد تیرہ ہے جن میں سے اکہتر اشعار کا ایک قصیدہ نعت میں ہے۔ (۳۶)

قصیدے کا آغاز زمانے کی ناسازگاری کے بیان سے ہوا ہے۔ اس میں اہل کدورت سے دُوری اور غیر کے سامنے جھکنے کی نصیحت بھی ہے اور عشق کی ہلاکت خیزی کا تذکرہ بھی؛ اپنی زندگی کے مصرف اور معنی کا سوال بھی ہے اور تیرہ بختی کا بیان بھی اور کثرتِ گناہ کا اعتراف بھی ہے اور ندامت و پشیمانی کا احساس بھی۔ اسی احساسِ ندامت کی تشفی کے لیے سروش غیبی کا پیام گریز کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ مطلع سمیت چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہے اس حدیقے میں جوں غنچہ اس کی زیست بہ کام
کہ تنگ آئے جو شیشے سے مشتغل ہو بہ جام

جو وضعِ باغِ جہاں دیدنی ہے تو بارے
عدم سے آئیں ہیں کیوں بند دیدۂ بادام

ہے ساتھ عیش کے زیرِ سپہر کلفتِ غم
کہ متصل ہو شفق سے ہمیشہ ظلمت شام

ڈر آہ اہلِ کدورت سے تو کہ برق بلا
زبانہ زن ہے سدا مثل شعلہ زیرِ غمام

میں ہوں وہ دانۂ آتش رسیدہ، بو کے جسے
خجل ہے آپ کشاور ز گردش ایام

خدا ہی جانے کہ کیا اس وجود سے تھی مراد
کہ ہے نہ کفر کے لائق نہ قابلِ اسلام

زبس خراش ندامت تھی گوشہ گیر خیال
کمیں میں دل کے میں پاتا تھا سیکڑوں آلام

سروش غیب نے ناگاہ گوش دل میں مرے　　جناب حضرت حق سے دیا یہ لا کے پیام
کہ اے شکستہ دلِ کوئے نیستی، ہے تری　　اگرچہ حد سے زیادہ مذلت اقدام
پہ رحم کر کے ترے حال پر بہ وضعِ نوید　　کہے ہے داور دادار تجھ کو بعد سلام (۳۷)

اس کے بعد مدحِ رسولؐ کے لیے ایک بھرپور حصہ وقف ہے۔ تیس سے زائد اشعار میں نعت کے ہمہ جہت مضامین سموئے گئے ہیں۔ ان میں آنحضرتؐ کی عظمت و رفعت، عدل و انصاف، نظم جہاں کی باگ ڈور، دین اسلام کی حقانیت، ہیبت و جلالت، نگاہ خشم، سایۂ مبارک، قضا و قدر پر تصرف، اخلاق فاضلہ، حلم، جود و سخا اور گھوڑے کی تیزی کے ذکر کے علاوہ دشمنانِ رسولؐ کی تنگی حال اور حالت زار کا بیان ملتا ہے نیز نشہ آور اشیا کی ممانعت سے رحیق مے کا جگر خون اور برگ بنگ کا چہرہ سبز ہونے کا بیان ہے۔ تشبیب کے اشعار کی طرح مدح میں بھی قائم نے مضمون آفرینی، رفعت خیال، شکوہ لفظی اور زورِ بیان میں جودت طبع کا مظاہرہ کیا ہے۔ حسن تعلیل اور مبالغہ کی ذیل میں ندرت فکر کا جوہر نمایاں ہے۔ اس قصیدے میں سراپا نگاری سے زیادہ سیرت رسولؐ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کا رنگِ سخن قدیم ہے مگر مضامین عہد حاضر کے تقاضے پورے کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی اس قصیدے کا انفرادی پہلو بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ نعتیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

عدل:

ہے بیم میش سے یاں خیل گرگ کا یہ حال　　کہ جوں پلنگ سے بھاگے ہے گلۂ اغنام

عظمت:

میں قصر قدر کی اس کے کہوں سو کیا رفعت　　کہ پہلی سیڑھی ہے جس کی نُہ آسماں کا یہ بام

نظم جہاں:

ہے اس طریق پہ تجھ سے جہاں کا ربط و نظام　　ہو ساتھ شخص کے سائے کو جس طرح سے قیام

دین اسلام کی حقانت:

رواج دیں ہے ترا اس قدر کہ نسبت کفر　　کریں ہیں دیر میں راہب پہ ہم دگر اصنام

حلم کا بیان:

جو بارِ حلم ترا دوش چرخ پر رکھیے　　جو جوفِ تحت میں رفعت کا فوق کی ادغام

سایہ مبارک:

بسان شمع نہ سایہ تھا اس لیے تیرے　　کہ خلق ہوئے گی سائے ترے میں روزِ قیام

اخلاقِ حسنہ:

جو خلق سے ہو ترے عنکبوت کو تعلیم ہزار پیل کو رکھے وہ ایک تار سے تھام
کرے نہ مہر جو تجھ صبح رائے سے دعوا تو کیوں زمانہ اسے پٹکے خاک پر ہر شام

گھوڑے کی تیزی کا بیان:

میں تیرے رخش کی جلدی کو کیا کروں تقریر کہ جس کی سیر سے عاجز ہے سرعت اوہام(۳۸)

اس کے بعد اس اعتراف کے ساتھ مدح کا اختتام کیا ہے کہ اے شہا! آپؐ کی نعت کہنا کسی کے بس میں نہیں، یہ اشعار تو عرض حال اور حسن طلب کا بہانہ ہیں۔ عرض حال میں قائم نے بتایا ہے کہ شاہا! میری شیریں کلامی شہد سے افزوں ہے، میں گوہر نایاب ہوں، میرا کام سعدی و خیام کو شرماتا ہے اور شعرا شروع فکر سخن سے قبل مجھے یاد کرتے ہیں مگر یہ تفاخر بے جا ہے کہ چرخِ ستم گر نے میری دشمنی پر کمر کس رکھی ہے۔ آگے مختلف مثالوں سے اپنی سیہ بختی ظاہر کر کے بار دگر گریز کیا ہے۔ حضور اکرمؐ سے یاوری کی امید رکھتے ہوئے حامیانِ دین اسلام کے لیے ساغر طرب اور اعدائے دین کے لیے محرومی کی دعا مانگی ہے۔ یہاں بھی تخیل کی پرواز بلندی پر ہے۔ برجستہ اور موزوں تشبیہات سے کلام میں زور پیدا کیا گیا ہے اور عجز کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ مثالیں دیکھیے:

میں ہی ہوں آج وہ عالم میں گوہر نایاب کہ جس کے مول سے خالی ہے کیسۂ ایام
پر اس تفاخر بے جا سے مجھ کو کیا حاصل جو دشمنی میں ہے میری یہ چرخ نافرجام
اگر ہوں ماہ، رکھے مجھ کو تیرہ پائے کسوف اگر ہوں مہر، کرے مجھ کو تنگ زیر غمام(۳۹)
بِنائے عیش رکھی میں کہاں کہ صد اندوہ طرح سے سیل کی پہنچے نہ واں گسستہ لجام
شب سیاہ میں زورق شکستہ، بادیہ تند ہے آگے قلزم و پیچھے نہنگِ خون آشام
عدوئے دیں پہ ہو تیرے حرام ساغر عیش حلال جام طرب ہو موالیوں پہ مدام(۴۰)

قصیدہ ہذا کے چاروں اجزا مطلع، تشبیب، گریز اور دعا کمال مہارت سے مربوط کیے گئے ہیں اور قائم کی فکری اپج اس پر مستزاد ہے۔ مبالغہ دائرہ شریعت کے اندر وقوع پذیر ہوا ہے۔ حدود شریعت کی پاسداری کی گئی ہے۔ سیرت النبیؐ کے مضامین مدح کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے نظر آتے ہیں نیز مضامین کا دائرہ وسعت کا حامل ہے۔ دوہرے گریز اور عرضِ حال نے انفرادی رنگ قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ کسوف عطارد، صفرئے لوں، جوفِ تحت، ادغام، سرسام جیسی فلکی و طبی اصطلات نے علمی وقار بخشا ہے۔ صنائع بدائع کا عمدہ استعمال بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ مختصر یہ کہ قائم کا یہ نعتیہ قصیدہ سرا ہے

جانے کے لائق ہے بل کہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حفظ مراتب اور سیرت النبیؐ کے متنوع مضامین کے حوالے سے قائم اپنے استاد سودا سے بازی لے گئے ہیں۔

3- میر محسن تجلی دہلوی: (م:۱۷۹۸ء)

میر محسن تجلی میر تقی میر کے بھانجے اور محمد حسین کلیم کے بیٹے ہیں۔ اُن کے دیوان میں حمد، نعت اور حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کی منقبت میں قصائد موجود ہیں۔ اُن کے دیوان کا قلمی نسخہ مخزونہ پنجاب یونی ورسٹی نادرہ زیدی نے ایم اے کے مقالہ کی صورت میں مرتب کیا ہے(۴۱)

''کلیات میر تجلی'' میں چوالیس اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔ تجلی ایک قادر الکلام شاعر ہیں جس کا اندازہ قصیدے کی بہاریہ تشبیب کی منظر نگاری سے بہ خوبی ہو جاتا ہے۔ تشبیہ، استعارہ، زورِ بیاں اور تخیل کی کارفرمائی درج ذیل اشعار سے مترشح ہے:

رفع ہوا بارے پھر مرغ چمن سے حجاب — دست صبا سے کھلا شاہد گل کا نقاب
دیکھ کے اب تو اماں جوشِ بہار اور سحاب — باغ کی دیوار پر خار بھی سرسبز ہیں
مل رہے ہیں باغ میں موج گل اور موج آب — جوش طراوت کا ہے اتنا بہاراں کے ساتھ
طوق میں قمری کے ہے نالۂ چنگ و رباب — سرو سب ہی خوش لگے نَے کی بھی آواز سے
موج گلوں کی میں ہے غنچہ برنگ حباب(۴۲) — سنبل پُر پیچ و تاب ہو گیا گرداب دار

قصیدے کا گریز عین موزوں ہے۔ شاعر نے کدورت اور غم و اندوہ کے بادل چھٹنے کے بعد باغ کی شگفتگی اور شادابی کا ذکر کیا ہے جس سے اُس کے دل میں باغ ظہور کے گل قدس کی یاد تازہ ہوگئی ہے۔ تشبیب سے گریز کے لیے تلازم خیال کی یہ صورت قابلِ داد ہے اور اس کی تاثیر دو چند ہے:

وہ گل باغ ظہور، گل میں ہے جس سے گلاب(۴۳) — دیکھ کے سبران باغ آ ہی گیا مجھ کو یاد

مدح کے باب میں تجلی نے حضور نبی کریمؐ کی عظمت کے مختلف حوالے پیش کرنے کے بعد اپنے سخن کی عاجزی کا برملا اعتراف کیا ہے۔ فضائل رسولِ کریمؐ میں شاعر نے آنحضرتؐ کو خیر البشر، معنی گنج صواب، پیش روِ انبیا، راہبر اصفیا، صاحبِ وحی و کتاب، مرکز افلاک شافع یوم حساب، شاہد بزم شہود، گوہر فیض انتساب، گہر انتخاب اور تنزہ مآب کے القاب سے یاد کیا ہے۔ یہاں شاعر نے تصوف اور فلسفے کی اصطلاحات برتی ہیں، اس کے علاوہ قرآنی تلمیحات سے حسنِ تعلیل کے مضامین نکالے ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

صورت بحر کرم، معنی گنج صواب — حضرت خیر البشر، سید عالی جناب

مرکز افلاک بود کرۂ ارضِ وجود　　شاہد بزم شہود گوہر فیض انتساب
لیس کمثلی کی نص تم پہ ہووے ہے ثبوت　　تم ہو تنزہ لقب، تم ہو تبشہ خطاب
وہ ترے ہر کام کو جانے ہے کارِ خدا　　نص ''رمیت اذرمیت'' جس نے کرلی انتخاب
بحر ازل اور ابر قطرہ تیرے وصف میں　　جوش محیط دو کون نعت میں تیری سراب
ایسا میں عاجز سخن تس پہ ہو الفت کنے　　پشۂ بے بال و پر ہو سکے کیونکر عقاب(۴۴)

اس قصیدے میں چاند اور سورج کو آنحضرتؐ کے روئے اقدس کی جستجو میں سرگرداں ہونے کا بیان بھی ہے۔ایک جگہ احمد بے میم کا خطاب برتا گیا ہے جو جوش محبت کی علامت کے سوا کچھ نہیں قرار دیا جاسکتا۔اس کے علاوہ حضرت علیؓ اور پنج تن باصفا کی مدح میں اشعار ہیں اور خاتمہ اس دعا پر ہے:

اے صمدِ بے نیاز خاک تجلی پر رحم　　کیونکہ وہ اب تو ہوا خاک رہ بوتراب(۴۵)

میر تجلی دہلوی نے تشبیب ،گریز اور مدح میں زورِ بیاں برقرار رکھا ہے۔ بلند تخیل اور پُر شکوہ اسلوب کا فسوں آخر تک ٹوٹنے نہیں پایا۔مضامین نعت میں فضائل پر زیادہ زور دیا ہے اور استدلالی انداز اختیار کیا ہے۔تشبیب ،استعارہ، حسن تعلیل اور تلمیح سے مرصع یہ قصیدہ عقیدت و محبت کے جذبات سے مملو ہے۔

اس کے علاوہ ایک قصیدہ ''حضرت قدم شریف'' دہلی کی صفت میں ہے جس میں نعتیہ اشعار کا تخیل عروج پر ہے۔ اس میں تشبیب غزلیہ مضامین پر مبنی ہے۔محبوب کی ادائیں اور عشق کی داخلی کیفیات کے بعد گریز کیا ہے۔مطلع سمیت چند اشعار دیکھیے:

جہاں ڈر ہو نہ فتنے کی کمیں کا　　نہ دیکھا کوئی قطعہ سو زمیں کا
ہمارے دل کو ہے شوخی سے کیا کام　　یہ کشتہ ہے نگاہ شرم گیں کا
گئے دونوں جہاں عشق بتاں میں　　نہ دنیا کا ہوا میں اور نہ دیں کا
کہوں اب نعت اس فخر بشر کی　　کہاں تک ذکر اُن کے مہر و کیں کا(۴۶)

گریز کے بعد مدح رسولؐ میں عظمت کے مضامین باندھے ہیں:

قدم واں تم نے مارا ہے کہ جس جا　　نہیں تھا دست رس روح امیںؑ کا
جہاں کی خلق سے با فخر عالم　　تمہی مقصد تھے رب العالمیں کا
جب اُنؐ کا نور تھا آدم کہاں تھا　　نہ تھا مذکور بل کہ ما و طیں کا(۴۷)

میر تجلی دہلوی کے پیش نظر حضور اکرمؐ کی ذاتی صفات ہیں۔انھوں نے خوب صورت القابات کے ذریعے آپؐ کے فضائل قلم بند کیے ہیں۔بس وہ غلو سے اپنا دامن نہیں بچا سکے۔اُن کے اسلوب میں

قصیدے کی شان وشوکت ملتی ہے اور انھوں نے ارکان قصیدہ کو بخوبی نبھایا ہے۔ چھوٹی بحر میں انھوں نے جو روانی اور دل کشی پیدا کی ہے، وہ قابل داد ہے۔

4- محمد روشن جوشش: (م:۱۸۰۱ء)

محمد روشن جوشش ۱۱۵۰ھ (۱۷۳۷ء) کے قریب جسونت رائے ناگر کے ہاں عظیم آباد میں پیدا ہوئے (۴۸) بچپن میں اسلامی تعلیمات کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے۔ سنِ شعور کو پہنچے تو اسلام قبول کرلیا۔ اُن کے دو بھائیوں بھگونت رائے اور محمد عابد میں سے اُن کے بڑے بھائی محمد عابد دل بھی دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ جوشش شاعری میں کس کے شاگرد تھے یہ معلوم نہیں ہوسکا۔(۴۹)

جوشش کا مزاج درویشانہ تھا اور وہ کبر وریا سے کوسوں دُور تھے۔ فنِ موسیقی میں ستارنوازی پر عبور تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے تیراندازی بھی سیکھ رکھی تھی۔ اُن کی وفات ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱) میں ہوئی۔(۵۰)

دیوانِ جوشش میں غزل، رباعی، مخمس، مثنوی، قطعہ کے علاوہ پانچ قصائد موجود ہیں جن میں سے پہلا قصیدہ نعت رسولِ مقبولؐ پر مبنی ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

جو کوئی درگہ عالی کا تیری ہو زوّار   لگے پلک سے پلک پھر نہ اس کی آئنہ وار (۵۱)

قصیدے کا آغاز روضۂ رسولؐ کی منظر کشی سے ہوا ہے جسے جوشش نے بڑی محبت اور لگن کے بعد نادر تشبیہات سے اُجاگر کیا ہے۔ آپؐ کے زینۂ در کو رشکِ پایۂ عرش، آستاں کو سپہر پایہ اور دو میناروں کو نردبان فلک قرار دیتے ہوئے جزئیات نگاری پر بھرپور توجہ صرف کی ہے جو اُن کی حضور نبی کریمؐ سے محبت اور گہری وابستگی کی مظہر ہے۔ الغرض گنبد کی خوب صورتی، قرآنی آیات کے نقش ونگار اور زمینِ صحن مبارک کا بیانیہ بھی اس میں شامل ہے۔ یہ اشعار شکوہ لفظی، ترنم اور روانی کے علاوہ تشبیہ، تکرار، مبالغہ اور تعلیل کے حسن سے بھی مالا مال ہیں۔ مثالیں دیکھیے:

سپہر پایہ ہے وہ آستاں ترا جس میں   ستارہ وار ہیں گل میخ دیدۂ بیدار
کلس، کلس نہیں ہے گنبد منور کا   گتھے ہیں سنچے میں اس کے سبعۂ سیار
نظر نہ ٹھہرے ترے مرقدِ مقدس پر   بہ سانِ طُور سراپا ہے وہ تجلی زار
میں راست باز ہوں یہ بات راست کہتا ہوں   دو نردبانِ فلک اُس کے دونوں ہیں مینار
زمین صحن مبارک یہاں تلک ہے صاف   نگاہ کیجے تو فلس سمک تلک ہو شمار
ظہور نور ترا یوں محیط عالم ہے   کہ جیسے نقطے کے عادی دوائر پُرکار (۵۲)

اس کے بعد جوشش نے حضور اکرمؐ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خیال آفرینی کے حامل اشعار کہے ہیں۔ معجزات کے باب میں شاعر کا خیال ہے کہ آنحضرتؐ کی ہر ادا ہی معجزہ ہے اور اُن معجزات کا شمار ممکن نہیں:

مہندسانِ زمانہ ہزار قصد کریں ۔۔۔ کسی سے ہوئے نہ اعجازِ احمدیؐ کا شمار (۵۳)

سیرت النبیؐ میں شاعر نے آنحضرتؐ کے معجز نوا کلام، جلالت، ابرکرم، سخاوت، تیغ و تیر، بخشش، حلم، شجاعت اور صاحبِ تدبیر ہونے کا ذکر نہایت والہانہ انداز میں کیا ہے۔ مضامین میں حدود شریعت کی پاس داری کی ہے۔ حقیقت نگاری کو تخیل کی آمیزش کے باوجود مجروح نہیں ہونے دیا۔ شعریت کا عنصر موجود ہے جسے دعا کی تاثیر نے سوز و گداز سے آشنا کر دیا ہے۔ قوت اظہار کی کم مائیگی کا احساس شاعر کو اظہار عجز پر مائل کرتا نظر آتا ہے۔ آنحضرتؐ کی عظمت کے چند حوالے ملاحظہ ہوں:

ترا وہ ابر کرم خلق پر ہے سایہ فگن ۔۔۔ بجھا دے آتش دوزخ کو جس کی ایک پھہار
تری سخا کے سبب کیسہ ہر تہی کیسہ ۔۔۔ رکھے ہے ماہ سے ماہی تلک پُر از دینار
یہ معجزہ ہے کہ امی لقب ہو جو کوئی ۔۔۔ اسی پہ علم لدنی کا آخرش ہو مدار
کشایش اس کی ہے تقدیر میں ترے ہاتھوں ۔۔۔ کھلے نہ ناخنِ تدبیر سے جو عقدۂ کار
وہ جرم بخش کہ بخشایش گنہ اُسؐ کی ۔۔۔ زباں پہ آنے نہ دیوے کسی کے استغفار
جو بوئے گلشن خلق اس کی لے نہ جائے نسیم ۔۔۔ نہ مشک بو ہو کبھی ناف آہوئے تاتار (۵۴)

دعا میں اپنے گناہ، روز حشر شمار نہ کرانے کا ذکر ہے اور اسلام کے موافقین کی اقبال مندی اور مخالفوں پہ سایۂ ادبار چھائے رہنے کا بیان ہے۔

جوشش کے قصائد دنیاوی درباروں کے ارباب اختیار کی مدح میں نہیں ہیں۔ اُن کی درویش طبیعت نے انھیں دنیاوی لالچ سے بے نیاز رکھا۔ اُن کے قصائد آنحضرتؐ اور اہلِ بیعت کی منقبت میں ہیں جن میں روانی، صفائی اور شیفتگی کا عنصر نمایاں ہے اور ان میں اسلامی عقائد کی حدود کا بخوبی خیال رکھا گیا ہے۔ ان کے بعض قصائد سودا کی زمینوں میں بھی ہیں جس سے گماں ہوتا ہے کہ وہ سودا کے مقلد ہیں لیکن ڈاکٹر سعادت سعید نے انھیں عشق حقیقی، تصوف اور اخلاق کے موضوعات کی بنا پر ولی کا پیرو قرار دیا ہے۔ جوشش کی مدح پر حقیقت نگاری سے زیادہ تخیل کا غلبہ ہے اور اُن کے تخیل کی پرواز بلندی پر ہے۔ موضوعاتی اعتبار سے انھوں نے زیادہ تر آنحضرتؐ کے فضائل کو موضوع بنایا ہے۔ (۵۵)

5- شیر محمد خان ایمان: (م: ۱۲۲۱ھ/ ۱۸۰۶ء)

شیر محمد خاں ایماؔن حیدر آباد دکن کے استاد شعرا میں سے ہیں۔ ریختی گو شاعر قیس، ملک الشعرا شیخ حفیظ دہلوی اور ماہ لقا بائی چندا اُن کے شاگردوں میں سے ہیں۔ وہ وقائع نگاری اور اخبار گوئی سے منسلک رہے۔ اُن کا سال پیدائش نامعلوم ہے مگر وفات دستیاب ہے۔ ایمان نے ۱۲۲۱ھ (۱۸۰۶ء) میں دار فانی سے رحلت کی۔ (۵۶)

سیدہ ہاشمی مجیب نے ۱۹۸۷ء میں اُن کا کلام ''کلیات ایمان'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ بقول پروفیسر غلام عمر خاں:

> ''ایمان دلی کی معیاری اردو میں شعر کہنے والے اولین شعرائے حیدر آباد میں شمار ہوتے ہیں۔ اپنے زمانے میں وہ استادِ وقت سمجھے جاتے تھے۔۔۔۔ مشکل زمینوں میں شعر کہنا اور رواں اشعار نکالنا، زبان و بیان پر قدرت کا اظہار، معنی آفرینی اور احساس کے مقابلے میں الفاظ پر زور وہ خصوصیات ہیں جو بہ حیثیت مجموعی ان کے اسلوب میں نمایاں ہیں۔'' (۵۷)

ایمان کے کلیات میں اکتیس اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ ہے جس کی تشبیب میں مختلف انداز کے مضامین رقم ہوئے ہیں۔ تشبیب کے ان اشعار کو الگ الگ کریں تو ایک عمدہ غزل سامنے آئے۔ انھوں نے دنیا کی بے ثباتی، جوش عشق، تیرہ بختی، سراپائے محبوب اور اللہ تعالیٰ کی قدرت بیان کی ہے جس میں رفعت خیال، ندرت فکر اور جدت ادا کی خصوصیات نمایاں ہیں۔

ہر چند غرق ہم رہے جوں گوہر آب میں — لیکن کبھو کیا نہیں دامن تر آب میں
حیراں ہوں میں حباب کے ہر دم شعور پر — خانہ خراب باندھے ہے اپنا گھر آب میں
سینہ کی یہ صفا ہے کہ آتا ہے دن نظر — جیسے نظر پڑے ہے کہیں کنکر آب میں
پہنچا تری کی راہ سے آتش میں بے گماں — فرعون کا جو غرق ہوا لشکر آب میں (۵۸)

مدح کا حصہ شاعر کی فکر رسا کا مظہر ہے۔ اس میں سیرت طیبہ کے مضامین ''آب میں'' کی مشکل ردیف سے برآمد کیے گئے ہیں۔ ایک ایک شعر سے جدت ادا اور نازک خیالی مترشح ہے اور اس پر اسلوب کی تازگی دیدنی ہے۔ قصیدے کا مطلع جاندار، گریز موزوں، مدح کا انداز بیاں منفرد اور دعا میں لجاجت ہے۔ ان چیزوں نے قصیدے کو یادگار بنا دیا ہے۔ لطف یہ ہے کہ لفظی شکوہ اور علو فکری کے باوجود

جذبے کی آنچ مدھم نہیں ہونے پائی۔ایمانؔ نے اس دور کے روایتی قصائد میں اپنی راہ خود نکالی ہے۔ان کی استادانہ مہارت اور تازہ فکری کے حامل چند مزید اشعار ملاحظہ ہوں:

جس کے قدم شہود میں رکھتے ہی غیب سے — کسریٰ کا قصر بیٹھ گیا یکسر آب میں
یعنی رسول خاتم و محبوب ذوالجلال — تر سب ملل کا جس نے کیا دفتر آب میں
والیل جس کی زلف کی ہے شان میں نزول — ڈوبا اسی کی شرم سے جا عنبر آب میں
ہوتا ہے آب تیغ رواں اُس کا جس جگہ — مثل حباب بہتے ہیں لاکھوں سر آب میں
یا شافع اممؐ یہ تمنا ہے بعد مرگ — رحمت کے غرق کیجو مجھے یکسر آب میں(۵۹)

6- مظہر علی خان ولاؔ: (م:۱۸۱۶ء)

مظہر علی خان ولاؔ دہلی میں سلیمان علی کے ہاں پیدا ہوئے۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی، وہ نظام الدین ممنون، مصحفیؔ اور طپشؔ کے دائرۂ تلامذہ میں تھے۔ انھوں نے ۱۲، اگست ۱۸۱۶ء کو وفات پائی۔(۶۰)

دیوانِ ولا میں قصائد کی تعداد ۳۵ ہے۔ان میں ایک حمدیہ اور ایک نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔ دیگر قصائد منقبت کے ہیں۔نعتیہ قصیدہ فخریہ تشبیب کا حامل ہے جس میں شاعر نے اپنی سخن دانی کا دعویٰ کیا ہے۔یہ اشعار نادر تشبیہات سے مملو ہیں اور شاعر کی جودتِ طبع کا پتا دیتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سحاب طبع نے میرے یہاں تک کی دُر افشانی — کہ خجلت سے گہر بطنِ صدف میں ہوگئے پانی
جواہر خانۂ عالم میں جوہر طبع کے میری — نظر آئے تو ہو گی دیدۂ بینا کو حیرانی
سخن کے آگے میرے کب زمرد کو ہے سرسبزی — نہ آب وتاب میں الماس کی دیکھی درخشانی(۶۱)

اس کے بعد محبوب کے سراپا اور ہجر میں ایک غزل کہی ہے۔محبوب کی تعریف کو نادانی قرار دیتے ہوئے نعت پاک کی طرف رجوع کیا ہے۔ مدح کا حصّہ شریعت کی حدود کے تابع ہے۔انھوں نے حضور نبی کریمؐ کے ذاتی اوصاف کو موضوع بنایا ہے جس میں آپؐ کی جود وسخا، عدل وعطا، شفاعت، علم وحلم، افضلیت اور بشریت نمایاں ہیں۔

کبھی گفتار نے تیری، کبھی دیدار نے تیرے — سماعت سنگ کو دی، خاک کو دی چشم نورانی
گدا جو تیرے در کا ہے، وہ سمجھے کاہ سے کم تر — اگر دیکھے کسو کے سر پہ اکلیلِ جہاں بانی
ہمم کا تیری شہرہ السنہ پر ہے دو عالم کے — تو ہی ہے رحمت للعالمیںؐ تیرا نہیں ثانی
نہ تنہا روز و شب نہ چرخ کی گردش ترے تابع — سدا ہیں ہفت اختر بھی ترے محکوم فرمانی

فقط نے عدل سے صعوہ اُچک لے باز کی ٹوپی دیت کشتوں کی چاہے گرگ سے بُز بھی بجولانی
کہوں کیا میں جہاں میں وہ سریع السیر ایسا ہے کہ جس کو دیکھ کر بادِ بہاری کو ہے حیرانی (۶۲)

مظہر علی ولاؔ کا نعتیہ قصیدہ وفور عشق سے عبارت ہے۔ انھوں نے ادب احترام اور عجز کے جذبات کو لفظی پیراہن پہنایا ہے۔ اُن کے ہاں انبیا سے تقابل بھی موجود ہے لیکن کہیں بھی افراط وتفریط کی صورت نظر نہیں آتی۔ آنحضرتؐ کی فضیلت اور برتری کا بیان ولاؔ کا مرغوب موضوع ہے۔ وہ آپ ﷺ کو انسانوں میں بے مثل تصور کرتے ہیں۔ دو شعر ملاحظہ ہوں:

کوئی بھی انبیا سے اُسؐ کے رُتبے کو نہیں پہنچا اولوالعزموں میں کوئی بھی نہیں اس کا ہوا ثانی
ہوا جو علت غائی دوعالم کا تو اے سرور! تری خنصر کا رُتبہ پاوے کب مہر سلیمانی (۶۳)

ولاؔ کا شعری اسلوب سادگی کا مظہر ہے۔ اُن کے ہاں فارسی الفاظ وتراکیب مل جاتے ہیں لیکن وہ عام فہم ہیں۔ اُن میں مشکل پسندی نہیں۔ وہ صنائع بدائع کے استعمال سے بخوبی واقف ہیں۔ اُن کے کلام پر مبالغے سے زیادہ واقعیت نگاری کا غلبہ ہے۔ انھوں نے نعتیہ قصیدے کو نعت کے موضوع تک ہی محدود رکھا ہے اور آنحضرتؐ کی فضیلت کے آفاقی پہلوؤں کو پیش نظر رکھا ہے۔ عشق ومحبت اور عجز وانکسار کو محیط لہجہ اُن کے قصیدے کی پہچان ہے۔

7- غلام ہمدانی مصحفی: (م: ۱۸۲۴ء)

غلام ہمدانی مصحفی امروہوی کا تعلق دبستان لکھنو سے ہے۔ وہ انشا اور جرأت کے معاصر ہیں۔ اُن کے آٹھ دواوین مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔ وہ غزل کے علاوہ ایک بلند پایہ قصیدہ نگار بھی ہیں۔ ان کے قصائد کی تعداد چوراسی تک پہنچتی ہے۔ (۶۴)

ڈاکٹر نورالحسن نقوی نے کلیات مصحفی (جلد نہم) میں اُن کے قصائد جمع کر دیے ہیں جن میں ایک حمدیہ اور چار نعتیہ قصیدوں کے علاوہ منقبت حضرت علیؓ پر مشتمل قصائد بھی شامل ہیں۔

مصحفی کا پہلا نعتیہ قصیدہ باون اشعار پر مشتمل ہے۔ تشبیب کے دس اشعار میں ہم عصروں کی زبان دانی کو شدید طنز اور تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ گویا یہ اُن کے عدم اعتراف کے ردعمل کی ایک صورت ہے۔ اصطلاحات شعری وتنقیدی جیسے تعقید، تنافر، نظم طبیعی، ردیف، روی، عروض، ایطائے خفی اور ایطائے جلی کے استعمال نے تشبیب کو نہ صرف رنگ شباب بخشا ہے بل کہ یہی اس کا انفرادی پہلو بھی بن گیا ہے۔ مطلع ہی سے شعروں کی کاٹ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بعضوں کو گماں ہے یہ کہ ہم اہلِ زباں ہیں — دِلّی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہیں
سیفی کے رسالے پہ بِنا ان کی ہے ساری — سو اس کو بھی گھر بیٹھے وہ آپ ہی نگراں ہیں
اک ڈیڑھ ورق پڑھ کے وہ جامی کا رسالہ — کرتے ہیں گھمنڈ اتنا کہ ہم قافیہ داں ہیں
تعقید سے واقف نہ تنافر سے ہیں آگاہ — نہ حرف یہی قافیے کے ورد زباں ہیں(۶۵)

قصیدے کے مطلع کی طرح گریز بھی بندش اور چستی میں یکتا مثال ہے۔ کمال مہارت سے حریفوں کے سامنے تعلّی ظاہر کی ہے اور پھر اسے ثنا خوانی رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا صدقہ قرار دے کر مدح پر آئے ہیں۔ گریز کے شعر دیکھیے:

مجھ کو بھی عروض آتی ہے نے قافیہ چنداں — اک شعر سے گرویدہ مرے پیر و جواں ہیں
سو کیوں نہ ہو، ہوں میں بھی تو ایسے کا ثنا خواں — جس کے لیے مخلوق یہ سب کون و مکاں ہیں(۶۶)

اس کے بعد مدح کے اشعار ہیں۔ ان میں بھی وہی بارعب اور پُرجلال لہجہ جھلکتا ہے جو تشبیب میں ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سراپا، عظمت، تصرف، معاشرتی عدل، شجاعت، معراج اور بت شکنی کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رجز خوانی مرکزی موضوعات ہیں۔ نازک خیالی، نکتہ رسی، رفعت خیال، مبالغہ، رعایت لفظی اور تمثیل نگاری پر تشبیہ، استعارہ اور کنایہ کی خوبیاں مستزاد ہیں۔ تلمیحات میں خسرو، سلاطین کیاں، خطبۂ لولاک، عرشِ معلیٰ، جامی، سایۂ طوبیٰ اور شق القمر سے مضامین اخذ کیے گئے ہیں۔ قصیدے کا روایتی جوش و جذبہ، لفظی شان و شوکت، مضمون آفرینی اور زورِ بیان ہر جگہ موجود ہے۔ اس قصیدے میں قطعہ بند اشعار کافی تعداد میں ہیں جس سے نظم کا تاثر گہرا ہوتا نظر آتا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

معاشرتی عدل:

آوازۂ عدل اس کا گیا جب سے بہ اطراف — سکان زمیں تب سے پُر از امن و اماں ہیں
یاں تک کہ اگر دیکھیے اب گرد رمے کے — خود گرگ لیے لکڑی کھڑے جیسے شباں ہیں(۶۷)

عظمت معراج:

کیا اس کی کہوں میں شب معراج کا عالم — اس شب کے جو منکر ہیں وہ آویں نہ کہاں ہیں
تا ان کو دکھاؤں میں کہ افلاک پہ مرسلؐ — صف باندھے جلو اس کے میں کس طرح رواں ہیں
ہے محو تماشے کا زبس عالم علوی — انجم نہیں یہ دیدۂ نظارگیاں ہیں
مرغانِ اولیٰ الاجنحۂ عرشِ معلیٰ — سیر اُسؐ کی سے افتادۂ اوج طیراں ہیں (۶۸)

سودا سے برتری اور انشاء سے معاصرانہ چشمک میں مصحفی نے اپنی قادر الکلامی پر فخر کا اظہار

کیا ہے مگر یہاں وہ اپنی قوتِ اظہار کو آنحضرت ﷺ کے معجزات کے بیان میں خود کو عاجز محسوس کرتے ہیں۔ آخر میں غلامانِ رسول کریم ﷺ کے لیے سایۂ طوبیٰ کی دعا ہے اور منکرینِ رسالت کے لیے قصیدے کی روایت کے مطابق بد دعا ہے:

دن حشر کے روزی ہو انھیں سایہ طوبیٰ جو سایۂ اعلام محمدؐ میں رواں ہیں
اور جن کو ہے شق القمر اس کے میں تامل جوں ماہ ہو شق سینہ انھوں کا وہ جہاں ہیں (۶۹)

مصحفی نے اپنے دوسرے نعتیہ قصیدے میں ردیف ''گریباں، آستیں، دامن'' کو مسطر، پتھر، نشتر، افسر اور تن اطہر قرار دیتے ہوئے تریسٹھ اشعار نکالے ہیں۔ تشبیب کے اڑتیس اشعار شاعر کے جنون اور بے تابی کی داخلی واردات کے ترجمان ہیں جن میں کہیں محبوب کا سراپا بھی لکھنوی رنگ میں ملتا ہے۔ مطلع سمیت چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جو ہاتھ آتا مرے یکسر گریباں، آستیں، دامن تو تھا سو چاک کے درخور گریباں، آستیں، دامن
ترے شوریدہ سر جو ہیں انھوں نے شکل دریا کی کیا ہے چاک سرتا سر گریباں، آستیں، دامن
اٹھاوے ہے، چڑھاوے ہے سیئے ہے اور دکھاوے ہے ہے اک مدت سے یاں بستر گریباں، آستیں، دامن
وہ چنواتا ہے جب جامہ بنے ہے حق میں عاشق کے چھری، تلوار اور خنجر گریباں، آستیں، دامن

مرے ہاتھوں سے فریادی ہیں تینوں، کیا عجب اس کا
لکھیں دعوے کا گر محضر گریباں، آستیں، دامن (۷۰)

جنوں کا موضوع گریباں، آستیں، دامن کی مناسبت سے عین موزوں ہے۔ مصحفی نے اسی موضوع سے مدح کی طرف گریز بھی کمال مہارت سے کیا ہے:

رفو ناصح سے کب ہو چاک پیراہن کا عاشق کے
مگر سلوائیں آں سرورؐ گریباں، آستیں، دامن
محمدؐ باعثِ ایجاد عالم جس کے جامے کا
سیے ادریس پیغمبر گریباں، آستیں، دامن (۷۱)

مدح میں آنحضرت ﷺ کی رحمت ورافت، جود وسخا، باعث ایجاد عالم، صاحبِ چشمۂ کوثر اور شق القمر کے معجزے کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ کی عنایات اور عظمت کے چند حوالے ملتے ہیں۔ آخر میں مصحفی نے اپنی تردامنی کا اعتراف کیا ہے اور رحمت طلب کر کے اہل تسلیم کی خوش حالی کی دعا کی ہے۔

مدح کے اشعار اگرچہ کم ہیں مگر ندرتِ فکر، بلند تخیل اور رعایت لفظی کی مثالیں یہاں بھی

دستیاب ہیں۔ادب واحترام کی فضا برقرار ہے۔توحید ورسالت میں بھی حد فاصل نظر آتی ہے۔مشکل زمین سے استادانہ مہارت ظاہر ہے۔چند شعر ملاحظہ ہوں:

جو رووے شوق میں اس کے عجب کیا ہے کہ ہو اس کا
بہ رنگ شمع پر گوہر گریباں ، آستیں ، دامن
نسیم لطف گر اس کی چلے اس پر تو گل ہو کر
نکالے غنچہ اخگر گریباں، آستیں، دامن
اگر مہتاب سے مانگے وہ جامہ ووں ہی بن بیونتے
بنے مہتاب کی چادر گریباں ، آستیں، دامن
اگر درکار ہو اس کو قبا تو بن کہے اس کے
بنے جبریلؑ کا شہپر گریباں، آستیں، دامن
جو یاں آل اس کی پر روتا ہے واں اس کا دُھلا دیں گے
بہ آبِ چشمۂ کوثر گریباں ، آستیں، دامن(۷۲)

مصحفی کا تیسرا قصیدہ چھپن شعروں کا ہے جو''انگشت'' کی ردیف لیے ہوئے ہے۔تشبیب میں محبوب سے خطاب ہے اور اس کے سراپا کا بیان کیا گیا ہے۔مبالغہ زوروں پر ہے مثالیہ تشبیہ، تقابل اور حسن تعلیل کا عمدہ استعمال تخیل کی بلند پروازی میں مددگار ہے۔''انزلنا، ارقم، محی الدین، یوسفؑ اور حلاّج کی تلمیحات سے مضمون آفرینی کی گئی ہے۔تشبیب کے چھبیس اشعار ہیں۔مطلع بھی جاندار ہے:

حنا سے ہے یہ تری سرخ اے نگار، انگشت — کہ ہو نہ پنجۂ مرجاں کی زینہار انگشت
فراق مُو کمراں سے میں یہ ہوا باریک — کہ ہو گئیں مری سوزن صفت نزار انگشت
گیا جو کام سے اس کا نہ کر تفحص حال — رکھے نہ نبض پہ مردے کی ہوشیار انگشت
اگر تو خواب میں بے پردہ اس کے آئے صنم — تراشے یوسفؑ مصری ترنج وار انگشت

یہ کس کی خاک پہ تو نے پڑھی تھی ''انزلنا''
جو آج ہے تری اے شوخ پُرغبار انگشت(۷۳)

گریز اس قصیدے کا بھی تشبیب اور مدح میں اس قدر رچا بسا ہوا ہے کہ شاعر کی مہارت کو داد دینا پڑتی ہے۔تشبیب کے آخری شعر کے بعد گریز ملاحظہ ہو:

یہ تیر آہ کے کس کی لگے ہیں گردوں پر — کہ کہکشاں کی ہوئی اتنی رخنہ دار انگشت

بیاں ضرور ہے اب دست و تیغ کا اس کے نکل گئی سپر مہ سے جس کی پار انگشت (۷۴)

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی عظمت، شجاعت، تلوار اور گھوڑے کی برق رفتاری کا بیان ہے جس میں مصحفی کا تخیل اپنے عروج پر ہے۔ مراعات النظیر، تقابل، حسن تعلیل اور نئی تشبیہات کے ساتھ رعایت لفظی کا استعمال دیکھنے میں آیا ہے:

وظیفہ جس کا پڑھے ہے یہ دانۂ شبنم دعا میں جس کی ہے کھولے ہوئے چنار انگشت
کرے ہے دست قضا جب کسی کا عقدہ وا اسی کے ہاتھ سے مانگے ہے مستعار انگشت
کرے جو وصف وہ اس تاج الانبیا کی رقم قلم کی جوں نے نرگس ہو تاج دار انگشت (۷۵)

اب ذرا نبیِ رحمت ﷺ کی تلوار اور انگشت کی مناسبت سے درج ذیل اشعار دیکھیے جو شاعر کی فکری علویت کے آئنہ دار ہیں:

جو اس پہ کر کے وہ معجز سے حرف اُقتل دم پھراوے اپنی ذرا وقتِ کار زار انگشت
ہزار کاسۂ سر صاف ووں ہی اڑ جاویں کرے اشارے میں تیغِ دوسر کا کار انگشت (۷۶)

گھوڑے کی صفت سے عربی قصیدے کی یاد تازہ ہوتی ہے:

سمند تیز رو اپنے کو وہ اگر سرپٹ فضائے دہر میں پھینکے، عدو کے مار انگشت
وہ اتنا جلد پھرے کر کے طے اسے کہ ہنوز شمارِ گام نہ پہنچا ہو تا بہ چار انگشت (۷۷)

دُعا کا انداز سابقہ قصائد کی طرح دوستوں کی دُعا اور دشمنوں کی بددُعا کو محیط ہے:

یہ عرض ہے کہ شفیع امم بہ روزِ جزا نہ نامہ خوانی میں ہوں میری رعشہ دار انگشت
جو دوست ہیں وہ رہیں سایۂ یداللہ میں تنِ عدو پہ کرے کارِ ذوالفقار انگشت (۷۸)

تینتیس اشعار پر مبنی چوتھے نعتیہ قصیدہ کی تشبیب ناصحانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ خطابیہ لہجے میں قاری کو غفلت شعاری اور حرص و ہوس کو ترک کر کے یادِ الٰہی سے لَو لگانے کا درس دیا گیا ہے۔ شبِ تار میں قرآن پاک کو چراغ کرنے کا بیان موجود ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

پرکار وار دور کیے اس نے یوں ہزار اپنی مراد پر نہ پھرا چرخ ہرزہ کار
غافل تو جا کے گور غریباں کی سیر کر ٹوٹی ہوئی پڑی ہیں جہاں سیکڑوں مزار
فکر معاش سے تو کرے اپنا دل تہی رخصت طلب ہو تجھ سے تمنائے روزگار
ہوتی بسر ہے سب کی بہ یک نیم پارہ ناں حرص و ہوا کو چاہے تُو دے جتنا اختیار (۷۹)

گیارہ اشعار کے بعد گریز کا مرحلہ مصحفی نے بڑی چابک دستی سے طے کیا ہے۔ ناصحانہ رنگ سے کب

مدح پر آئے پتا ہی نہیں چلتا۔ یہی مہارت اور خوش سلیقگی یہاں بھی کارفرما ہے۔ گریز کے اشعار دیکھیے:

کچھ غم نہیں جو نامۂ اعمال ہے سیاہ دھووے گا اس کو ابر کرم اس کا ایک بار
یعنی محمدِ عربیؐ شمس والضحیٰ واللیل جس کے گیسوؤں پہ ہو گئی نثار
کیا اس کے معجزوں کا بیاں مجھ سے ہو سکے منہ میں مرے ہے ایک زباں معجزے ہزار (۸۰)

اس کے بعد مصحفی نے اپنے مسلک کی وضاحت کے ساتھ اپنے انسان دوستی کے داخلی جذبوں کا اظہار کیا ہے جن کا خاتمہ حمدیہ اشعار پر ہوا ہے۔ پھر حضور نبی کریمؐ کے نیزے اور ناقہ کی صفت ہے۔ یہیں پر قصیدہ بغیر حسن طلب کے اختتام پذیر ہو گیا ہے:

گر سُنّی کوئی سمجھے مجھے اس کا غم نہیں کس واسطے کہ سُنّی تھے میرے بزرگوار
میں شیعہ اک ہوا تو ہوئی کیا مفاخرت ہونا پڑے ہے یوں بھی تو مطعونِ روزگار
القصہ اس سے کام ہے کیا، ہوں محمدی آگے جو کچھ کہ چاہے کرے لطف کردگار (۸۱)

اس قصیدے کا آغاز جس عمدگی سے ہوا ہے، مدح اور اختتام میں اسی قدر تشنگی دکھائی دیتی ہے۔ باقی قصائد کے مقابلے میں سادہ بیانیہ انداز اپنایا گیا ہے۔ مطلع اور گریز خوب صورت ہیں جب کہ مدح کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا یا مدح پر وہ توجہ نہیں دی گئی جس کی توقع شاعر سے تھی:

رمح نبیؐ کی وصف کو چاہے ہے اب قلم ہو ہو گئی ہے درع فلک جس سے رخنہ دار
آئنہ پوش کی وہ اگر ناف پر لگے نوک اس کی جا کے پشت کے فلکے سے نکلے پار
ناقے کی وصف اس کے مجھے فرض عین ہے یعنی کبھی ہوا جو وہ ماہِ عرب سوار (۸۲)

8- غلام علی راسخ: (م:۱۸۲۴ء)

شیخ غلام علی راسخ اردو کے کہنہ مشق شاعر ہیں۔ اُن کے والد کا نام شیخ محمد فیض تھا۔ راسخ نے اپنے عہد کے مروجہ علوم توجہ سے سیکھے۔ ابتدا میں انھوں نے محمد علی فدوی کو اپنا کلام دکھایا مگر بعد میں میرؔ کی شاگردی اختیار کی۔ نورالحسن ہاشمی کے مطابق:

> ''شیخ غلام علی راسخ، عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۲۱ھ تک کلکتہ، غازی پور، لکھنو اور دہلی میں سیاحت کرتے رہے۔ ۱۲۳۲ھ میں عظیم آباد واپس گئے اور وہاں شعروشاعری کی محفلیں گرم کیں۔ میرؔ کے شاگرد تھے۔ تصوف کا رنگ کلام میں غالب ہے سادگی اور صفائی اُن کا خاص

جوہر ہے۔ ۱۲۳۸ھ میں وفات پائی‘‘ (۸۳)

راسخ نے تقریباً تمام اصناف میں لکھا۔ ڈاکٹر سعادت سعید نے کلیات راسخ مطبوعہ خیر المطابع میں سات قصائد کا ذکر کیا ہے۔ (۸۴) ڈاکٹر شکیب ایاز کے مرتبہ دیوان راسخ عظیم آبادی میں آٹھ قصائد موجود ہیں جن میں انسٹھ اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ بھی شامل ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

اعتدال افسوس گردوں کی طبیعت میں نہیں بس کہ ہے تغیر اس کو گہ چناں گاہے چنیں (۸۵)

تشبیب میں شاعر نے زمانے سے ہنرمند، مخلص اور سچے لوگوں کے اُٹھ جانے کا نوحہ لکھا ہے۔ شاعر کے مطابق اہلِ دانش نام کے رہ گئے ہیں کہیں فہم وذکا دکھائی نہیں دیتی۔ اہل جفر، مہندس اور رمّال بھی پہلے جیسے پیش گو نہیں رہے حتیٰ کہ سجدہ گزار، زاہد و عابد بھی تقویٰ سے خالی ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

گلشنِ عالم کا رنگ، اب اور آتا ہے نظر غنچۂ دل سب کے ہیں مقبوض، خاطر ہے حزیں
گر مہندس سے قمر کا پوچھیے جا کر مقر بولے بعد از صد تامل یوں کہ چرخِ چارمیں
دائرہ میں ہے تحیر کے حصاری نقطہ ساں ہو گئی ہے سست ہر رمال کی عقل متیں
کچھ کا کچھ کہتے ہیں اہلِ جفر گر کچھ پوچھیے حرف بھی ان کے حقیقت میں نہیں ہیں دل نشیں
فیل کو پاک اور بُز کو جیفہ کہتا ہے فقیہ سلب تھی کس فقہ داں کی عقل ایسی پیش ازیں (۸۶)

انسانی زوال کی اس رُوداد کے بعد شاعر نے نعت رسول مقبولؐ کی طرف رجوع کیا ہے اور اس صورتِ حال میں آنحضرتؐ سے استغاثہ و استمداد طلب کی ہے جو سابقہ تشویش کے لحاظ سے عین موزوں ہے۔ مطلع ثانی کے بعد کے یہ اشعار شاعر کے دل کی صدا معلوم ہوتے ہیں اور میرؔ کا سا سوز لیے ہوئے ہیں۔ مثلاً:

خلقِ عالم کا نہیں تیرے سوا کوئی معیں رحم کر عالم پہ اب یا رحمتہ للعالمیں
اے طبیب علتِ ارواح، اے فخر بشرؐ باعثِ ایجادِ عالم ، اے تعین اولیں
عاصیوں کی کس سے ہو اصلاح باطن تجھ سوا ذات سے تیری ہی رکھتے ہیں توقع مجرمیں (۸۷)

اس کے بعد حضور نبی کریمؐ کی عظمت و فضیلت، معراج اور چند معجزات بیان ہوئے ہیں۔ پھر سولہ اشعار کا قطعہ ہے جس میں شاعر نے اپنی داخلی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے عاصی ہونے کا اعتراف کیا ہے اور آپؐ کی شفاعت اور امت کے لیے دردمندی کا دل نشیں مگر حقیقت پسندانہ بیان کر کے ساری اُمیدیں آپؐ سے وابستہ کر دی ہیں۔ چند مثالیں دیکھیے:

رتبۂ اعلیٰ کا تیرے قصر ایسا ہے رفیع جس کے آگے عرش کا ہر بام اسفل ہے کہیں

عین رحمت ہے تو اے انسان عین انبیا   خاک در ہے تیری کحل دیدۂ روح الامیں
ہم سخن تجھ سے طعام زہر آلودہ ہوا   کی عیاں تجھ پر خدا نے دشمنی اہل کیں
سنگ سے باہر نکالا مرغ معجز نے ترے   شق کیا تو نے قمر کو رو بروئے منکریں
ہے نشان نعل برق تیز تگ کا وہ ترے   کہتے ہیں گردوں پہ جس کو ماہِ نو اہل زمیں
میں وہ عاصی ہوں کہ ہوتا گر نہ تو میرا شفیع   کرتے روز حشر مجھ کو پیش خیل فاسقیں
جرم امت سے ہو سر زد عذر خواہی تو کرے   تجھ سوا یہ کس سے ہوا ے عذر خواہ مجرمیں!(۸۸)

اس قصیدے میں راسخ نے اپنے عہد کے انسان کی اخلاقی گراوٹ اور منافقت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ نااہل لوگ ایسے بڑے بڑے مناصب پر براجمان ہیں جو اُن کی اہلیت سے بہت بلند ہیں۔ یہ علامتی انداز اس عہد کی سیاسی وسماجی صورت حال کا واضح عکاس ہونے کے علاوہ برملا طنز بھی ہے۔ایسی باطنی خرابیوں کا مداوا طبیبِ علت ارواحؐ کے اسوۂ حسنہ کے سوا کیا ہوسکتا ہے۔ یہاں مدح کا جواز عین برمحل ہے جو قصیدے کے اجزا کو باہم مربوط کیے ہوئے ہے۔ اسلوب کے حوالے سے روانی وسلاست نمایاں خوبیاں ہیں، پُرسوز لہجہ ان پر مستزاد ہے۔معجزات کے بیان اور تشبیب میں مختلف علوم وفنون کی اصطلاحات شاعر کی وسعت علمی پر دال ہیں۔حقیقت نگاری، جذبے کی شدت اور تڑپ نے بھی قصیدے کو قابلِ توجہ بنادیا ہے۔

9-مرزا سلیمان شکوہ: (م: ۱۸۳۸ء)

مرزا محمد سلیمان شکوہ مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کے چھوٹے بیٹے اور اکبر شاہ ثانی کے بھائی تھے۔ان کے سال ولادت کی معلومات دستیاب نہیں۔(۸۹) دوراندیش اور بہادر آدمی تھے۔اٹھائیس سال لکھنو میں قیام رہا،اس لیے اثنا عشری طریقہ اختیار کرلیا۔آخری وقت آگرے میں گزرا۔ وہیں ۲۴ فروری ۱۸۳۸ء کو انتقال کیا اور سکندرہ میں اکبر بادشاہ کے روضے میں دفن ہوئے (۹۰)

لکھنو میں شہزادہ سلیمان شکوہ کے دربار میں انشا اور مصحفی دونوں کا آنا جانا تھا، دونوں نے شہزادے کی مدح میں قصائد لکھے ہیں۔ جرأت بھی اس دربار کے وظیفہ خوار تھے۔سلیمان شکوہ مشاعروں کے مربی ہونے کے علاوہ خود بھی اردو اور فارسی کے کہنہ مشق شاعر تھے۔انھوں نے کئی اساتذہ سے اصلاح لی۔ بقول ڈاکٹر شاہ عبدالسلام:

> ’’جب تک یہ دلّی میں رہے، شاہ حاتم کو اپنا کلام دکھاتے تھے اور لکھنو آنے کے بعد ولی اللہ محبّ سے اصلاح لینے لگے اور محبّ کی وفات کے بعد پھر مصحفی سے مشورۂ سخن

کرتے تھے۔کبھی کبھی انشا سے بھی اصلاح کے لیے رجوع کرتے تھے۔‘‘(۹۱)

کلیات سلیمان شکوہ میں حمد، نعت، غزل، مثنوی ، قطعہ اور قصیدہ کی اصناف ملتی ہیں۔ اڑتالیس اشعار کا ایک قصیدہ جو حمد، نعت اور منقبت علیؑ پر مبنی ہے، اس میں شامل ہے۔حمد میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، ملکیت، نورانیت اور رزاقیت کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت اور اطاعت گزاروں کے مرتبے کا ذکر کیا ہے۔چھوٹی بحر میں رواں انداز کی جھلک نمایاں ہے۔رندانہ اصطلاحات اور حسن تعلیل کا استعمال بھی دیکھنے میں آیا ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سب کا مالک وہ سب کا صاحب ہے جس کے قبضے میں روح و قالب ہے
قصر فیروزہ فام کے اس کے خاک روبوں میں ذوذوانب ہے
اس کی وحدت کے جام کا ساقی کرۂ خاک درد راسب ہے
یہ جھمکڑا ہے نور کا اس کے ورنہ بدر اک زجاج زایب ہے(۹۲)

مدح میں آنحضرتؐ کی محبوبیت، آلِ پاکؑ کی منقبت اور دین اسلام کے ناسخ ہونے اور نعلین پاک کا ذکر ہے۔یہ اشعار سادہ ہونے کے باوجود شعریت کے حامل ہیں۔جیسے:

دست حق کا محمد عربیؐ خاصہ محبوب اور مصاحب ہے
نقشِ نعلین سے ترے شاہا! ماہ نو روشنی کا طالب ہے
رات تجھ پر نثار ہونے کو چرخ پر مجمع کواکب ہے
وہ ترا دین یا رسول اللہ! ناسخ جملۂ مذاہب ہے(۹۳)

اس کے بعد آٹھ قطعہ بند اشعار بارگاہِ رسالتؐ میں استغاثہ واستمداد کی صورت میں پیش کیے گئے ہیں۔ان میں انگریزوں کو لعین دشمن قرار دیا گیا ہے اور اُن کے تسلط سے نجات کی دعا مانگی گئی ہے۔پھر مطلع ثانی ہے جس میں حضرت علیؑ کو راکب دوش نبیؐ، مظہر العجائب اور ضارب عمرو بن عبدوُد کہہ کر پکارا گیا ہے۔بارگاہِ رسالتؐ میں استغاثہ کے اشعار ملاحظہ ہوں:

تیری آنکھوں کے آگے ہے حاضر وہ جو دونوں جہاں میں غائب ہے
بادشاہا! تسلطِ اعدا سخت از زمرۂ مصائب ہے
ان لعینوں کا حکم دنیا میں لے مشارق سے تا مغارب ہے
دفع کر ان کو از برائے خدا ان کی غارت ہی اب مناسب ہے(۹۴)

یہ قصیدہ سادہ اور رواں اسلوب کا حامل ہے مگر اس میں بعض قوافی مشکل وثقیل ہوگئے ہیں۔

نعت میں جو استغاثہ ہے اس سے مغلیہ عہد میں انگریزی تسلط اور عوام الناس کی پریشانی کا اندازہ بخوبی ہو جاتا ہے۔ مطلع ثانی میں شاعر نے اپنے عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے حضرت علیؑ کو ساقیِ کوثر، احتساب کے دن کا حاکم اور محاسب قرار دیا ہے اور انؓ سے اپنی غلامی کا اظہار کرتے ہوئے تاج وتخت کے حصول کی دعا کی ہے جس سے شاعر کے عقیدے کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ سلیمان شکوہ نے چھوٹی بحر کو عمدگی سے نبھایا ہے۔ حسن تعلیل کی صنعت کے حامل اشعار اُن کی ندرت فکر اور بلند تخیل پر دال ہیں۔ ذوذوانب یعنی دم دار ستارے کی جاروب کشی والے شعر میں جدت اور مشاہدہ کی گہرائی جھلکتی نظر آتی ہے۔

10- کرامت علی شہیدی: (م: ۱۸۴۰ء)

کرامت علی خان شہیدی موضع ہڑیاپور ضلع اناؤ (بریلی) میں غلام رسول خاں کے ہاں پیدا ہوئے جو علم عروض اور ریاضی کے ماہر تھے (۹۵) تاریخ وصال اور پیدائش تا حال تشنۂ تحقیق ہے۔

والد کی معلّمی کے سلسلے میں انھیں لکھنو اور اپنی ملازمت کے لیے دہلی میں رہنے کا موقع ملا۔ اس دوران میں انھوں نے مصحفی کی شاگردی کی اور چند غزلیں شاہ نصیر کو بھی دکھائیں۔ شہیدی نے علم عروض اپنے والد سے پڑھا، وہ اس میں ماہر تھے۔ ''گلشن بے خار'' میں شیفتہ نے شہیدی کا ذکر اچھے لفظوں میں کیا ہے۔

شہیدی حج کے بعد روضۂ رسولؐ پر حاضری کے لیے مدینہ کی طرف محوِ سفر تھے کہ راستے میں بیمار (ہیضہ ہوا) پڑ گئے۔ گنبد خضرا پر نظر پڑی تو (۴ صفر ۱۲۵۲ھ/۱۸۴۰ء) جان جانِ آفرین کے سپرد کی اور اُن کی تمنا پوری ہوئی جس کا ذکر اُن کے قصیدے میں ہے:

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے   قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا (۹۶)

''دیوان شہیدی'' غزل، قطعہ، مثنوی، رباعی، مخمس، فرد اور قصیدہ کی اصناف سے مزین ہے، نعت کے حوالے سے ایک نعتیہ مخمس، دو نعتیہ غزلیات، ایک نعتیہ رباعی، اور تینتیس اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ شہیدی کے کلام کی شان بڑھاتا نظر آتا ہے۔ اصل میں شہیدی کی شہرت کا سارا مدار اسی قصیدے پر ہے۔ اس کا مطلع ملاحظہ ہو:

سر دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمد کا   رقم پیدا کِیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا (۹۷)

یہ مدحیہ قصید لکھنوی شاعری کی روایت کا ترجمان ہے۔ اس میں حسن تعلیل، رعایت لفظی، تلمیح، لف ونشر اور تشبیہ کے ذریعے شہیدی نے اپنے فنی جوہر دکھائے ہیں مگر یہ سب چیزیں دبستان لکھنو

میں عام سی بات ہیں۔قصیدے کی اصل جان شہیدی کا جذبۂ عشق ووارفتگی ہے جس نے اسے سوز وگداز سے متصف کر دیا ہے۔اس بارے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''شہیدی کے ہاں جذبے کی شاعری میں جو رنگ سخن ابھرتا ہے اور تصورِ عشق میں جو عشقِ حقیقی کا رنگ نمایاں ہوتا ہے، وہی دراصل ان کی مقبولیت کا باعث ہے۔''(۹۸)

قصیدے کے آغاز میں مدح میں آنحضرتؐ کے نور، آمد، شرف، سایہ، معراج، بحرِ سرمد، نام نامی، جسم پاک، دست دعا، عطا، شفاعت اور لاثانی ہونے کے باب میں اشعار کہے گئے ہیں جو مذکورہ شعری محاسن کے آئینہ دار ہیں:

عجم میں زلزلہ نوشیرواں کے قصر میں آیا　　عرب میں شور اٹھا جس وقت تیری آمد آمد کا
شب معراج چڑھ کر عرش پر دم میں اُتر آیا　　بیاں اس قلزم معنی کی ہو کیا جذر اور مد کا
بٹیں گے جس گھڑی عشرت کے ساماں بزم جنت میں　　کھلے گا حال امت کو ترے انعام بے حد کا
لب گوہر فشاں وا ہوں گے جب عرضِ شفاعت کو　　تماشا گاہِ محشر میں تکیں گے نیک منھ بد کا
ہوا تجھ سا نہ ہو سکتا ہے، میرا ہے یہی ایماں　　نہ مانوں مسئلہ ہرگز کسی زندیق و مرتد کا(۹۹)

آخری چھے اشعار میں شہیدی نے جس جذب و مستی اور شیفتگی کے ساتھ اپنی داخلی کیفیت بیان کی ہے اس نے بہتوں کے دل مسخر کر لیے ہیں جس کا ادراک شہیدی کو بھی بخوبی ہے، جس کا ذکر انھوں نے اپنی تمناؤں کے اظہار سے پہلے یوں کیا ہے:

تری تعریف سے میری زباں میں آئی ہے تیزی　　صفاہاں تک مسخر ہو گا اس تیغ مہند کا (۱۰۰)

اب ذرا ان تمناؤں کی طرف آتے ہیں جو اخلاص کے سانچے میں ڈھلی ہیں اور موت کی تمنا شرفِ قبولیت کے درجے سے سرفراز ہوئی اور شہیدی کے لیے نام آوری کا سبب ٹھہری، ایک ایک شعر خلوص، سوز اور فدائیت کے جذبے سے سرشار ہے۔مثال ملاحظہ ہو:

ہوئی ہے ہمت عالی مری معراج کی طالب　　میسر ہو طواف اے کاش مجھ کو تیرے مرقد کا
کہیں نزدیک جا کر آستانے پر ملوں آنکھیں　　کبھی گر دُور بیٹھوں، میں کروں نظارہ گنبد کا
تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے　　قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا
خدا منھ چوم لیتا ہے شہیدیؔ کس محبت سے　　زباں پر میری جب بھی نام آتا ہے محمدؐ کا(۱۰۱)

شہیدی کے اس قصیدے میں شعری محاسن اس عہد کے تقاضوں کے مطابق ہیں۔زور بیان

اور رفعت خیال میں اس سے قبل سودا، مصحفی، اور قائم چاند پوری اور بعد میں امیر مینائی، محسن کاکوری اور امام احمد رضا خاں نے عمدہ قصائد لکھے ہیں مگر عشق و محبت اور قبولیت کی خاص گھڑی نے اس قصیدے کی شہرت کو چار چاند لگا دیے ہیں کہ اس زمین میں بہت سے شعرا نے قصائد اور تضامین لکھیں۔

11- میر نظام الدین ممنون دہلوی: (م: ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء)

میر نظام الدین ممنون اپنے عہد کے معروف شاعر اور ملک الشعرا میر قمر الدین منت کے ہاں پیدا ہوئے جو سونی پت کے رہنے والے تھے۔ ممنون نے ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں دہلی میں انتقال کیا۔ تذکرہ نگاروں کے مطابق ممنون نے لگ بھگ اسی سال عمر پائی، یوں اُن کا سال پیدائش ۱۱۸۰ھ / ۱۷۶۶ء برآمد ہوتا ہے۔ (۱۰۲)

ممنون کے والد دلی اور لکھنو آتے جاتے رہے، یہی حال ممنون کا رہا۔ انھوں نے شاعری میں اپنے والد سے اصلاح لی جس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

ممنونؔ اک جہاں کو ہے اپنے سخن سے فیض　　منتؔ کی تربیت سے ہوئے فیض یاب ہم (۱۰۳)

ممنون کے شاگردوں کی تعداد کثیر ہے۔ اکبر شاہ ثانی نے شعر و سخن میں اُن سے استفادہ کیا۔ وہ اپنی مضمون بندی، تازہ فکری، صفائی عبارت اور شگفتہ اسلوب کی بدولت فخر الشعرا کہلائے۔ یہ خطاب اُنھیں شاہ عالم ثانی نے عطا کیا تھا۔

ممنون کے کلیات میں قصائد کی تعداد بتیس ہے جن میں سے تین نعتیہ ہیں۔ پہلا قصیدہ اڑسٹھ اشعار کا نہایت مرصع ہے اور شاعر کی قادر الکلامی پر دلیل ناطق ہے۔ پورے قصیدے میں اول چار چیزوں کا لف ہے اور پھر اُن کے بارے میں الگ الگ معلومات نشر کی گئی ہیں۔ ادائے مطلب کے لیے صنعت اطناب کو وسیلہ بنایا گیا ہے اور اکثر دو شعروں میں بات مکمل ہوئی ہے۔ قصیدے کے سبھی اجزا کا بھرپور اہتمام ملتا ہے۔ تشبیب کے چودہ اشعار محبوب کے سراپا کے بیان میں ہیں۔ پھر اسے بے منفعت اور کار ندانی جان کر نعت کی طرف گریز کیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

نگاہ و غمزہ و ابرو و مژگان جفا کیشاں　　رگ جاں میں، جگر میں، دل میں، سینہ میں رکھیں پنہاں
نخستیں خوں چکاں دشنہ، دوم خنجر بخوں تشنہ　　سوم تیغ بجاں دشمن، چہارم تیر کا پیکاں
مسی آرا لب لعلیں، سمن سا زلف مشک آگیں　　حنا آرا کف سیمیں، جبین صاف زر افشاں
نخستیں لالہ میں سوسن دوم سنبل سر گلشن　　سوم نسریں پہ گل افگن، چہارم صبح پرویں ساں

اگر مضمون چغد و زلف و خط و خال کو باندھا بھلا کیا فائدہ ممنوںؔ ، بھلا کیا منفعت ناداں
نخستیں دودِ چشم دل، دُوم تیرہ کُنِ خاطر سوم تاریکی دین و چہارم ظلمت ایماں (۱۰۴)

پھر مطلع ثانی کے بعد مدح رسول ؐ کا بھرپور بیان ہے جو زیادہ تر مضامین سیرت پر مبنی ہے۔ یہ مضامین آنحضرت ؐ کی تربیت و رضا، عصمت، عفت، عظمت و جلالت، عدل و نصفت اور تصرف و اختیار کو محیط ہیں۔ ادائے مضامین میں حقیقت نگاری سے زیادہ بلند تخیل کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ زورِ بیان زوروں پر ہے۔ تشبیہات کی نادرہ کاری دیدنی ہے۔ ایک ایک تشبیہ بحرِ تخیل میں غوطہ زنی کے بعد کام میں لائی گئی ہے۔ عدل و نصفت کا مضمون جن اشعار میں باندھا ہے وہ سوداؔ کے کلام کو شرماتے نظر آتے ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

ترے اعجاز نصفت سے ، ترے خرق حفاظت سے
سپند و شبنم و سیماب و نفت ، اے عارفِ دوراں
نخستیں مونس مجمر، دوم پہلو نشینِ خور
سوم ہم بستر آذر، چہارم بارِ آتش داں

تری حکمت سے، ہیبت سے، تری طلعت سے ،ہمت سے
مسیح و موسیٰ و یوسف ، خلیل اے دین کے سلطاں!
نخستیں قادرِ احیا، دوم رکھے یدبیضا
سوم باحسنِ دل آرا، چہارم بندۂ احساں

ترے عنصر سے ہے مقروں ، ترے پیکر میں ہے مشحوں
تری طینت میں ہے مملو، تری خلقت میں آمیزاں
نخستیں عصمت ذاتی، دوم صد عفت فطری
سوم قدوسیتِ خلقی، چہارم رحمت رحماں

اشارہ تیرے ابرو کا ، تجلی روئے نیکو کا
تسلسل تارِ گیسو کا، تبسم میں دُرِ دنداں

نخستیں حل کن مشکل ، دوم روشن گر محفل
سوم حبل المتین دیں، چہارم اختر ایماں(۱۰۵)

دعا میں رویت نبیؐ، دارین کی عزت، دم نزع کی راحت اور ختم بر ایمان کی طلب کے علاوہ دشمنان دین کے لیے بددعا کی گئی ہے۔ اس نعت پر شیخ شیرازی، خواجوی کرمانی، جامی اور ساوجی سلمان سے داد کی آرزو اور حقِ نعت ادا نہ کر سکنے کا اعتراف بھی موجود ہے۔ دعا کے یہ اشعار شاعر کے عشق وخلوص کے آئنہ دار ہیں اور سوز وگداز کی کیفیت سے مملو ہیں:

پئے حیدر، پئے زہرا، پئے سبطین دیں آرا روا کرائے مرے مولا! یہ چاروں عرض مدحت خواں
نخستیں ہو تری رویت، دوم دارین کی عزت سوم نزع دم راحت، چہارم ختم بر ایماں(۱۰۶)

یہ قصیدہ بہ اعتبار مضامین شرعی حدود کے تابع ہے تخیل کی بلند پرواز نے اس میں چاشنی پیدا کر دی ہے۔ تشبیب، گریز، مدح اور خاتمہ کے اشعار زور دار ہیں۔ زبان و بیان کا لفظی شکوہ اپنی جگہ لیکن قصیدہ ابہام کے الزام سے پاک ہے۔ تشبیہات کی تازگی، مضامین کی شگفتگی، رعایت لفظی کی موزونیت اور صنائع بدائع کے برمحل استعمال نے قصیدے کو فنی پختگی عطا کی ہے جب کہ دعا میں التجائیہ لہجے کے گداز نے اسے اہل عشق کے لیے گراں قدر تحفہ بنا دیا ہے۔

دوسرا قصیدہ در ''نعت سید المرسلین خاتم النبین محمد مصطفیٰ'' پچھتر اشعار پر مشتمل ہے اور اس میں چار مطالع ہیں۔ مطلع اول ملاحظہ ہو:

بلند طبع نہ ہوں، محو چتر سلطانی برہنگی سر خور پر ہے تاجِ نورانی(۱۰۷)

بارہ شعر تشبیب کے کہہ کر ایک غزل ناتمام چھوڑ کر گریز کیا ہے۔ تشبیب، مشاہدہ اور ناصحانہ مضامین پر مبنی ہے۔ اس میں بلند طبع اور عالی ہمت انسانوں کی صفات کا بیان ہے۔ چند اشعار تشبیب سے دیکھیں:

کر اوس سے عجز کہ ہوں بخت واژگوں بھی راست کہ سرنوشت پہ رہنا فقط ہے نادانی
سجود سے ہو نگیں دار نقش کار درست اگرچہ کج بھی لکھی ہو نوشت پیشانی(۱۰۸)

گریز کے ساتھ محبوب کے سراپا میں غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خجل ہے دیکھ کے اوس کی جبین نورانی رکھے ہے آئنہ جوہر سے چیں بہ پیشانی
سیاہ زلف سے چمکا وہ نورِ رخ یا ہے لباس کعبہ سے پیدا فروغ ایمانی
خدا کے واسطے خود کہہ، بھلا یہ کیا ہے ذکر کہ حسن وعشق بتاں میں نہ کر نوا خوانی(۱۰۹)

مدح رسولؐ کے باب میں آنحضرتؐ کی طلعت ودید، اوج ومرتبے، علم، قرآن، دین، شفاعت، حمایت، سخاوت اور لطف وکرم کے موضوع پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ رفعت تخیل کی مثالیں یہاں بھی دستیاب ہیں۔ تلمیح، تشبیہ، مبالغہ، حسن تعلیل اور رعایت لفظی کے علاوہ تقابل کے ذریعے آپؐ کی عظمت اُجاگر کی گئی ہے۔ آخری بیس اشعار میں شاعر نے عرض حال میں اپنے دل کی سیاہی کا ذکر کرکے شفاعت کا آسرا طلب کیا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کی کٹھن راہوں کا بیان ہے۔ پھر حضرت علیؓ کی منقبت کے بعد دعا ہے۔ حق نعت کی ادائیگی کے بارے میں عجز وانکسار اور چند اشعار مدح وستائش کے ملاحظہ ہوں:

زبانِ ہر سرِ مو تن پہ ہو اگر گویا — بیان ہو نہ ترا شمۂ ثنا خوانی
جمال حق کا جھمکڑا ترے جمال میں ہے — مثال آئنہ مجھ کو یہی ہے حیرانی
نگاہ تیری ہی طلعت پہ کیوں نہ کی اُس نے — جو حق سے تھا ارنی گو کلیم عمرانی
قلم بہ کف نہ گرفتہ و لے قلم کھینچا — ہر ایک دفتر ملت پہ کیا بہ آسانی
سبق نخوانده و جبریل و جوہر گل کو — ترے تلامذہ سے فخر ہے سبق خوانی (۱۱۰)

اس قصیدہ میں عرض حال میں سوز وگداز کی جھلک ملتی ہے۔ عقیدت وعقیدہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ خسرو، داراہ حشمت سلیمانی، امی کنعان، نوح، کلیم عمرانی، زبور کی تلمیحات اور امم نواز رسول، فخر انس وجانی، اکلیل فرق سلطانی اور مثل برگِ کاہ جیسی تراکیب شاعر کے زبان وبیان کی دلکشی کی علامت ہیں۔ ارکانِ قصیدہ کی موزونیت نے اسے فنی لحاظ سے وقعت بخشی ہے۔ ایک سوتیئس اشعار پر مبنی تیسرا قصیدہ یوں شروع ہوتا ہے:

شب میں بیدار سرشام سے تھا صبح تلک — اشک پُرشور سے بھر دیدۂ گریاں میں نمک (۱۱۱)

یہ قصیدہ چار بڑے موضوعات کا حامل ہے۔ پہلا موضوع محبوب کے حسن وجمال کی منظر کشی کو محیط ہے۔ دوسرا وصف بہار میں ہے جس کے بعد مدح رسولؐ کا بیان ہے۔ دعا سے قبل مطلع رابع کہہ کر شاعر نے چھبیس اشعار مناقب علی میں لکھے ہیں۔ سراپائے محبوب کے بیان میں بھرپور قسم کے اڑسٹھ اشعار ملتے ہیں۔ محبوب کا کوئی عضو مدح سے خالی نہیں حتیٰ کہ سینہ، ساق، سرین، ناف اور انگیا تک کو نہیں چھوڑا، تشبیہات وتلمیحات کے ساتھ مثالیہ اور تقابل کی صنعت بھی مستعمل نظر آتی ہے جب کہ مبالغہ اور لف ونشر اس کے علاوہ ہیں۔ یہاں تخیل کی پرواز اور جذبوں کی اٹھان میں تناسب راست ہے۔ محبوب کی تصویر مرتب کرنے میں زور بیان اور شعری قدرت کا پورا پورا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ نادر تشبیہات کے حامل چند اشعار دیکھیے:

چین سے ایک حبش تک تھی عجب سیدھی راہ — مانگ کا خط وہ جبیں سے جو گیا چوٹی تک
وہ صراحِ گلو یا کہ بلوریں فانوس — کہ نظر شعلۂ آواز کی آتی تھی بھڑک

فندقِ دست یہ کہتی کہ نہ دیکھا ہو تو دیکھ شاخِ مرجان پہ یاقوت کا غنچہ اب تک
اللہ اللہ نزاکت کہ کمر پر اُس کی کہیں ہل جاوے جو چوٹی وہیں آجائے لچک (۱۱۲)

سراپائے محبوب کے بعد ُبہاریہ ُغزل ہے جس میں رفعت خیال کا پورا اہتمام ہے۔ زبان وبیان مرصع ہے یہیں ایک ُبہاریہ ُمکالمے میں محبوب کے کہنے پر نعت کی طرف رجوع کیا ہے۔ مثلاً

جوہر بادبہاری میں یہ سیرابی ہے جائے ہے ساغر تصویر سے ہی بادہ چھلک
نغمہ جوں تنگ دہانوں کا کرے دل کو وا دل شگفتہ کرے یوں باغ میں غنچوں کی چٹک
سن کے وہ رشک چمن غنچۂ نرگس کی طرح ہو کے یوں کہنے لگی ناز سے گرم چشمک
یہ مضامین، یہ الفاظ، یہ تالیف، یہ نظم گوش زد گوش زمانے کے نہیں آج تلک
خوردہ بیں چرخ نہ پاوے دہن اس کے کا نشان ماہ خورشید سے ہر چند وہ رکھے عینک
پر یہ پوچھوں ہوں کہ کس واسطے اے فخر سخن! نہیں کہتا ہے تو اب نعت شہ انس وملک (۱۱۳)

مطلع ثالث کے بعد تیرہ اشعار نعت مدح رسولؐ کے لیے وقف کیے ہیں۔ نعت میں آپؐ کے عدل، حکم وتصرف، حسن وجمال، خوشبوئے بدن اور مرتبے کا بیان ہے۔ عدل ونصفت کا مضمون بے حد تازہ اور رنگ تغزل سے بھر پور کہا ہے۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

چشم معشوق ہو جیسے دلِ عاشق پہ دلیر اُسؐ حمایت سے ہے یوں شیر پہ آہو شپرک
گو تری تربیت حکم دکھاوے اعجاز ہے نہ ممکن کہ اٹھے باد سے پھر آگ دہک
آئے خاطر میں نہ کچھ نکہت نسرین بہشت جو مشام آپ کی نگہت سے ذرا جائے مہک
زینۂ اول ایوان مراتب پہ ترے رہرو فکر جو جاوے تو رہے راہ میں تھک (۱۱۴)

مطلع رابع کے بعد حضرت علیؓ کی مدح میں اُن کی شجاعت، شمشیر کی تیزی، دشمنوں پر رعب اور آنحضرتؐ کے نائب ہونے کا ذکر کرتے ہوئے اپنے عقیدے کا اظہار کیا ہے اور خلعت سند میں جنت کے حصول کی دعا مانگی ہے۔

12- حکیم مومن خان مومن: (م:۱۸۵۱ء)

مومن خان مومن ۱۸۰۰ء میں حکیم غلام نبی خان کے ہاں دہلی کے کوچۂ چیلاں میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اُن کے کان میں اذان دی اور محمد دین نام مجوز کیا۔ عربی کی کتابیں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے مدرسہ میں پڑھیں اور فارسی کی تعلیم عبداللہ خاں علوی سے

حاصل کی (۱۱۵)

مومن نے اپنے موروثی پیشے طب کی تعلیم اپنے والد اور چچاؤں سے حاصل کی جن کے نام حکیم غلام حسین خاں اور غلام حیدر خاں ہیں۔اس کے علاوہ وہ علم نجوم اور رمل کے ماہر تھے اور شطرنج، موسیقی، تعویذ نویسی اور عملیات میں بھی دل دچسپی رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان علوم کی اصطلاحات کا برموزوں استعمال مومن کے کلام میں دیکھنے کو ملتا ہے۔مومن عاشقانہ مزاج رکھتے تھے۔اس بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ رقم طراز ہیں:

> ''رنگین طبع، رنگین مزاج، خوش وضع، خوش لباس، کشیدہ قامت، سبزہ رنگ، سر پر لمبے لمبے گھونگروالے بال جن میں ہر وقت انگلیوں سے کنگھی کیا کرتے تھے.....مومن عاشقانہ طبیعت رکھتے تھے، مزاج میں زود مشتعل جذباتیت تھی......آخری عمر میں نماز روزے کے پابند ہو گئے تھے۔(۱۱۶)

بارہ برس کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا، ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لی مگر موزوں طبع ہونے کے باعث جلد ہی خود پر انحصار کرنے لگے۔نواب غلام مصطفیٰ شیفتہ، میر حسین تسکین، سید غلام علی وحشت اور نواب اصغر علی خاں نسیم حکیم مومن کے شاگردوں میں سے ہیں۔

ان کی دوسری شادی خواجہ میر درد کے نواسے کی پوتی کی بیٹی سے ہوئی۔۱۸۵۱ء کو چھت سے گرنے کے باعث واصل بحق ہوئے۔مومن کے اردو کلیات میں غزلیات، فردیات، قطعات، رباعیات، مستزاد، مسمطات، ترجیع بند، ترکیب بند اور مثنویات کے علاوہ نو قصائد شامل ہیں جن میں ایک قصیدہ نعت کا ستانوے اشعار کا ہے۔یہ قصیدہ تین مطالع پر مشتمل ہے جو درج ذیل ہیں:

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس   کہ جیسے صبح شب ہجر، نالہائے خروس
زبان لال کہاں اور مدیح تاج خروس   گرا ہے خاک پہ کیا لعل افسر کاؤس (۱۱۷)
ترے ہے فیض سے ہر قطرہ آبیار مجوس   ترے ہے نور سے ہر ذرہ جلوہ زار شموس(۱۱۸)

قصیدے کی اکتالیس شعروں پر مبنی بہاریہ تشبیب میں نسیم گلشن کے معجز نما اثرات کا ذکر بڑے بھرپور اور مرصع انداز میں کیا ہے۔چمن کے غبار، صفائی، مرغ، سبزہ، بید، شبنم، گل، خاک، داغ لالہ، قبائے گل، سیر، بہار، آب و ہوا، مشاطۂ نسیم اور ہوائے پُر تاثیر کے بیان میں کمال مبالغہ ملتا ہے، تخیل آفرینی اور ندرت فکر کا بے پناہ سیل رواں موجود ہے، اس پر طبی اصطلاحات کے استعمال نے نہ صرف قصیدے کے علمی وقار میں اضافہ کیا ہے بل کہ شعریت کے نئے پہلو بھی اُجاگر کیے ہیں۔ان میں

’’کابوس، صالح الکیموس، ایلاؤس، شاموس، کیلوس، اصل السوس، مغز فلوس، مبطوں اور جالینوس‘‘ طبی اصطلاحات ہیں جب کہ نجوم و رمل میں ’’خواص و عوارض، شکل عروس، شکل حماری، قمر طلعت، دبوس، اجتماع نحوس، طالع منکوس، طلسم ماہ، نقطۂ جاسوس، برجیس، اورزہرہ وخورشید‘‘ نمایاں ہیں۔ مومن نے اس قصیدے میں علم طب، رمل اور نجوم سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ بہار کی اثر آفرینی کا زور مبالغہ کی صنعت میں ظاہر ہوا ہے۔ حسن تعلیل، مراعات النظیر اور تلمیح کے ذریعے بھی منفرد مضامین اخذ کیے گئے ہیں۔ لفظی شکوہ عام قاری کے لیے سریع الفہم نہ سہی مگر قصیدے کی شان وشوکت میں اس کا بڑا عمل دخل ہے۔ یہ بلند تخیل اور لفظی جلالت قصیدے کے روایتی مزاج کے عین مطابق ہے۔ نازک خیالی اور نکتہ رسی کی حامل چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

زہے فریب صفا! خاک بیز ہے گلچیں — پڑے جو وسعت گلزار میں گلوں کے عکوس
چمن کی خاک سے گلگونہ اب بناتے ہیں — شگفتہ تا دمِ رخصت بھی ہو عذارِ عروس
عجب نہیں کہ بسانِ مگس عسل اُگلے — گر ان دنوں ہو کوئی مبتلائے ایلاؤس
قوائے نامیہ کو ناگوار ہے کتنا — کہ ہضم رابعہ محتاج ہو سوئے کیلوس
گر اس بہار کی یعقوبؑ کو ہوا لگ جائے — شمیم جامۂ یوسفؑ کبھی نہ ہو محسوس
ہوائے جنبش اوراق سے ہیں عطر فروش — لغات ورد کہ ہیں ثبت صفحۂ قاموس
فسوں گری دم مشاطۂ نسیم کی دیکھ — کہ مشک نافہ ہوئے غنچہ ہائے زلف عروس(۱۱۹)

مدح کے باب میں مومن نے آنحضرتؐ کے جمال، کمال، مقام، عدل، فیض، عفو، عطا، سخا، جلالت، احتساب، معراج، براق، شمشیر اور نیزے کی صفت میں خوب صورت اشعار نظم کیے ہیں۔ حضور اکرمؐ کو درج ذیل القاب سے یاد کیا ہے:

وہ کون احمد مرسلؐ ، شفیع ہر دوسراؐ — جو خلق کا سبب اور باعثِ معاد نفوس
جہاں مطاع ، شہنشاہِ آفتاب نشاں — فلک سریر و قمر طلعت و ملک ناموس(۱۲۰)

مومن کے ہاں ندرت مضامین کے حامل اشعار کی کمی نہیں۔ ایک ایک شعر پر دل جھوم جھوم اٹھتا ہے۔ قصیدہ کیا ہے، علوفکر کے موتیوں کا خزینہ ہے۔ غزل کے شعر سے حضور اکرمؐ کے عدل کا مضمون کس خوبی سے نکالا ہے، ملاحظہ ہوں:

سیاہ چشموں کو مشکل نگاہِ دزدیدہ — یہ اس کے حفظ سے ہے ملک معدلت محروس(۱۲۱)

جاسوس کے قافیے سے حضور نبی کریمؐ کے عفو ودرگزر کو جس دردمندی اور بے ساختگی سے

بیان کیا ہے، وہ تاثیر سے خالی نہیں:

ہمیشہ عفو ترا طالب گنہ گاراں مدام رحم ترا درد مند کا جاسوس(۱۲۲)

ایسا ہی ایک منفرد خیال اعدائے اسلام کی خرابی اور بدبختی کے بیان میں ہے جس میں ان دشمنوں کو بنی اسرائیل کی ایک منحوس عورت بسوس سے تشبیہ دی گئی ہے جو تین دعاؤں کی قبولیت کے باوجود بدبخت ہی رہی۔ یہ روایت بھلے بہ اعتبار سند کیسی ہو مگر ادائے مطلب کے لیے تلمیح نہایت موزوں ہے۔ شعر دیکھیے:

ترے عدو کی خرابی کا کچھ علاج نہیں نہ ہو قبول دعا سے بھی رفعت بسوس(۱۲۳)

نعتِ نبی کریمؐ کے باب میں چند مزید اشعار ملاحظہ ہوں:

ہے احتساب ترا مانع لباس حریر نہ پھینک دیوے کہیں چرخ اطلس ملبوس
ملا دے گاو زمیں گاو چرخ سے نیزہ بٹھا دے خاک پہ شیر سپہر کو دبوس
اگر کہے مددے یا محمدؐ عربی! صفیر مرگ ہو رستم کو نعرۂ الکوس(۱۲۴)
براقِ اسپ ترا ابروے فرشتہ رکاب کہاں ہو چشم بشر ایسے پاؤں سے محسوس(۱۲۵)

مومن کے اس قصیدے میں تلمیح مبالغہ اور تشبیہ کے علاوہ حسنِ تعلیل کا زیادہ استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔ مومن نے شاعرانہ علت کے ذریعے عمدہ اشعار تخلیق کیے ہیں۔ ذیل میں چند اشعار دیکھیے:

ترے حسود کی نسبت سے جل رہی ہے، نہ کیوں ہجوم شعلہ سے دوزخ مَلے کفِ افسوس
خمیدہ کس لیے، نُہ آسماں بنے تھے بھلا نہ تھا ازل سے جو مد نظر ترا پابوس
ترے خیال سے اصحاب کہف کو ہے یہ چین وگرنہ خواب کہاں اور زمانِ دقیانوس
ظہور میں ہوئی تقدیم انبیا کہ نہ تھا ترے وسادۂ دولت پہ احتمال جلوس(۱۲۶)

دعا سے قبل مومن نے بارگاہِ رسالت میں اپنی دانش مندی، طبی نکتہ رسی، تاثرتعویذ نویسی اور شعروسخن میں طبیعت کی روانی کے باوجود مقدر کی سختی اور زمانے کی ناقدری کا استغاثہ پیش کیا ہے۔ یہاں بھی مومن نے اپنی حالت زار اور تعلّی کے بیان میں بلند تخیل اور مبالغے کا زور برقرار رکھا ہے۔ مثال دیکھیے:

شہاؐ! ستم ہے کہ تیرے مدیح خواں پہ کرے ہزار گونہ ستم روزگارِ نامانوس
کچھ انتہا بھی کواکب کے دور بیجا کی ہمیشہ ہے مرے طالع میں اجتماع نحوس
جفا کو آئے مری دل شکستگی پر رحم بلا کرے مرے احوال زار پر افسوس
ملے ہیں خاک میں کیا کیا مرے فنون و علوم خدا کسی کو نہ دے ایسے طالع منکوس(۱۲۷)

مومن علم طب کے ماہر تھے اور فن ستارہ شناسی میں بھی دست گاہ رکھتے تھے۔ طب اور ستارہ شناسی کے حوالے سے مومن نے کمال شاعرانہ تعلّی کی ہے۔ انھوں نے ایسے عمدہ اشعار نکالے ہیں جن میں فکر کی تازگی اور تخیل کی علویت شامل ہیں۔ مومنؔ اپنی قابلیت کا زوردار اظہار یوں کرتے ہیں:

طبیب وہ ہوں کہ ہو سوز سینۂ بلبل　　نظارۂ رخِ گل فام سے مجھے محسوس
جو ہوں معالج مبطوں تو قابض ارواح　　کرے دعائے رواجِ طریق جالینوس
دوم ہو چارہ گرِ قبض تا بہ دست لئیم　　کیا ہو میں نے جو تجویز وزن مغز فلوس
طلسم ماہ لکھوں گر پئے زباں بستن　　بنائے مہر دہن چرخ نکتۂ جاسوس
یقیں کہ زہرہ و خورشید میں مقابلہ ہو　　پڑھوں جو میں پئے دوری دعائے بدریطوس (۱۲۸)

آخر میں قصیدے کی روایت اور زمانے کے چلن کے بموجب دوستوں کے حق میں دعا ہے اور دشمن کے لیے مایوسی کی بددعا کے اس شعر پر قصیدہ اختتام پذیر ہوا ہے:

مدام پھولے پھلے دوستوں کا نخل مراد　　رہینِ داغ عدو کا رہے دل مایوس (۱۲۹)

مومن خاں مومنؔ غزل کے ساتھ ساتھ قصیدے کا بھی بڑا نام ہے۔ اُن کے قصائد میں جو چیز اُنھیں دیگر قصیدہ نگاروں سے ممتاز کرتی ہے وہ ندرتِ فکر، بلند تخیل اور جدت ادا ہے۔ اگر کہا جائے کہ ندرتِ فکر اور زورِ بیان میں وہ ذوقؔ پر سبقت لے گئے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔

مختصر یہ کہ یہ دور صحیح معنوں میں نعتیہ قصیدے کا باقاعدہ آغاز ہے۔ اگرچہ سلطان علی عادل شاہ ثانی شاہی نعتیہ قصیدے کا نقشِ اوّل ہے لیکن سوداؔ نے فارسی شعرا کا کامیاب تتبع کر کے اسے نئی بنیادیں فراہم کی ہیں۔ اس عہد کی زبان صاف اور نکھری ہوئی ہے اور قصیدے کے جملہ عناصر پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں۔ مبالغہ آرائی، لفظی شوکت، جوش و جلال، علمی شکوہ اور رفعتِ خیال وہ بنیادی عناصر ہیں جو اس عہد کے قصائد کا خاصہ ہیں۔ موضوع میں سیرتِ طیبہ کے ساتھ سراپا مبارک کے مضامین خصوصیت کے ساتھ نظم کیے گئے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

۱۔محمد اکرام،شیخ: رودکوثر:لاہور،ادارہ ثقافت اسلامیہ،۲۰۰۹ءص:۵۹۸

۲۔ایضاً۔ص:۵۹۹

۳۔تبسم کاشمیری،ڈاکٹر:اردوادب کی تاریخ:لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۹ء،ص:۲۳۶

۴۔سعادت سعید،ڈاکٹر:اردوقصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ:مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی:لاہور،پنجاب یونی ورسٹی،ص:۲۴۰۔۲۳۹

۵۔غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر: اردوشاعری کا سیاسی اورسماجی پس منظر: لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء،ص:۵۲۔۵۱

۶۔محمد افضل،میاں:سقوطِ بغداد سے سقوطِ ڈھاکہ تک:لاہور،الفیصل ناشران کتب،بارہشتم،۲۰۰۸ء،ص:۲۹۱

۷۔غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر: اردوشاعری کا سیاسی اورسماجی پس منظر: لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء،ص:۱۲۰

۸۔محمد اکرام شیخ: رودکوثر:لاہور،ادارہ ثقافت اسلامیہ،۲۰۰۹ء،ص:۶۰۲

۹۔جمیل جالبی،ڈاکٹر: تاریخ ادب اُردو،جلددوم:لاہور،مجلس ترقی ادب،۲۰۰۹ء،ص:۶۴۹

۱۰۔رفیع الدین اشفاق،ڈاکٹر:اردو میں نعتیہ شاعری: کراچی،اُردواکیڈمی سندھ،۱۹۷۶ء،ص:۱۸۱

۱۱۔آزاد،ڈاکٹرمحمداسماعیل فتح پوری:اردوشاعری میں نعت(جلداول):لکھنو،نسیم بک ڈپو،۱۹۹۲ء،ص:۲۴۳۔۲۴۲

۱۲۔مصحفی،غلام ہمدانی: تذکرہ ہندی: مرتبہ،مولوی عبدالحق: دہلی،جامع برقی پریس،۱۹۳۳ء،ص:۱۲۵

۱۳۔سحر،ابومحمد،ڈاکٹر: اُردو میں قصیدہ نگاری: دہلی،تخلیق کار پبلشرز،۲۰۱۰ء،ص:۴۷

۱۴۔سودا،مرزامحمد رفیع: کلیات سودا (جلد دوم): مرتبہ ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی، لاہور،مجلس ترقی ادب،۲۰۰۶ء،ص:۳

۱۵۔کلیات خاقانی،مطبع نول کشور،۱۲۹۳ء،ص:۲۵

۱۶۔حفیظ صدیقی،ابوالاعجاز:تفہیم وتحسین شعر:لاہور،سنگت پبلشرز،۲۰۰۶ء ص:۲۸۸

۱۷۔سودا،مرزامحمد رفیع: کلیات سودا (جلد دوم): مرتبہ ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی، لاہور،مجلس ترقی ادب،۲۰۰۶ء،ص:۳ تا۵

۱۸۔ایضاً۔ص:۵تا۷
۱۹۔ظفر احمد صدیقی: اقبال سہیل کا ایک نعتیہ قصیدہ: مشمولہ نعت رنگ، مرتب، سید صبیح الدین رحمانی، کراچی: شمارہ نمبر ۲۶، ۲۰۱۰ء، ص:۲۵۳
۲۰۔سودا، مرزا محمد رفیع: کلیات سودا (جلد دوم): مرتبہ ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۶ء، ص:۸
۲۱۔ایضاً۔ص:۹
۲۲۔ایضاً۔ص:۷تا۹
۲۳۔ایضاً۔ص:۹
۲۴۔ایضاً۔ص:۱۱۔۱۰
۲۵۔ایضاً۔ص:۱۲۔۱۱
۲۶۔ایضاً۔ص:۱۴۔۱۳
۲۷۔ایضاً۔ص:۱۵۔۱۴
۲۸۔ایضاً۔ص:۱۶
۲۹۔ایضاً۔ص:۱۷تا۱۹
۳۰۔ایضاً۔ص:۲۰۔۱۹
۳۱۔آزاد، ڈاکٹر محمد اسماعیل فتح پوری: اردو شاعری میں نعت (جلد اول): لکھنو نسیم بک ڈپو ۱۹۹۲ء، ص:۲۴۵
۳۲۔خلیق انجم: ''قائم چاند پوری'' مشمولہ: قائم چاند پوری حیات وخدمات: شاہد ماہلی (مرتبہ): نئ دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۱ء، ص:۹
۳۳۔ایضاً۔ص:۱۰
۳۴۔قائم چاند پوری: کلیات قائم (جلد دوم): مرتبہ، اقتدا حسن: لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء، ص:۱۴
۳۵۔ایضاً ۔ص:۴۶
۳۶۔: ڈاکٹر محمد اسماعیل نے ''اردو شاعری میں نعت'' جلد اول کے صفحہ ۲۶۰ پر اشعار کی تعداد بہتر بتائی ہے
۳۷۔قائم چاند پوری: کلیات قائم (جلد دوم): مرتبہ، اقتدا حسن: لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء، ص:۸۷تا۸۰
۳۸۔ایضاً۔ص:۸۰ تا ۸۳
۳۹۔☆اصل متن میں ''اگر'' کی جگہ پروف کی غلطی سے ''وگر'' لکھا گیا ہے۔
۴۰۔ایضاً۔ص:۸۴ تا ۸۶
۴۱۔سعادت سعید، ڈاکٹر: ''اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی: لاہور، پنجاب یونی ورسٹی، ص:۳۰۶

۴۲۔نادرہ زیدی:کلیات میر تجلی:مقالہ برائے ایم اے اُردو، پنجاب یونی ورسٹی، ۱۹۶۷ء،ص:۲۶۲۔۲۶۱
۴۳۔ایضاً۔ص:۲۶۲
۴۴۔نقوش رسول نمبر:(جلد دہم):لاہور،ادارہ فروغ اُردو۱۹۸۴ء،ص:۴۳۰
۴۵۔ایضاً۔ص:۴۳۰
☆''کلیات میر تجلی''میں ''اے حمد بے نیاز'' ٹائپ ہوا ہے۔
۴۶۔ایضاً۔ص:۲۶۵ ۴۷۔ایضاً۔ص:۲۶۵
۴۸۔عبدالودود،قاضی: دیوانِ جوشش: دہلی،انجمن ترقی اردو،۱۹۴۱ء،ص:۲۸
۴۹۔ایضاً۔ص:۳۱ ۵۰۔ایضاً۔ص:۳۵
۵۱۔ایضاً۔ص:۲۴۲ ۵۲۔ایضاً۔ص:۲۴۲
۵۳۔ایضاً۔ص:۲۴۳ ۵۴۔ایضاً۔ص:۲۴۳
۵۵۔سعادت سعید،ڈاکٹر:اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی:لاہور، پنجاب یونی ورسٹی،ص:۳۱۱
۵۶۔ایمان،شیر محمد خاں:ایمان سخن:مرتبہ،مولوی سید محمد،حیدرآباد دکن،شمس المطابع،۱۹۳۷ء،ص:۲۳۔۲۲
۵۷۔مجیب،سیدہ ہاشمی(مرتبہ):کلیات ایمان:از شیر محمد خاں ایمان:حیدرآباد،خورشید پریس،۱۹۸۷ء،ص:۸
۵۸۔ایضاً۔ص:۳۳۳ ۵۹۔ایضاً۔ص:۳۳۴
۶۰۔ولا،مظہر علی خان،دیوانِ ولا:مرتبہ،ڈاکٹر عبادت بریلوی؛لاہور،ادارۂ ادب وتنقید،۱۹۸۳ء،ص:۸۴
۶۱۔ایضاً۔ص:۳۲ ۶۲۔ایضاً ۔ص:۳۳
۶۳۔ایضاً۔ص:۳۴
۶۴۔ابوسعید نورالدین، ڈاکٹر: تاریخ ادبیات اردو، (حصہ دوم): لاہور مغربی پاکستان اردو اکیڈمی ۱۹۹۷ء،ص:۲۳۷
☆ڈاکٹر نورالحسن نقوی نے کلیات مصحفی (جلد نہم) کے صفحہ نمبر ۳۰ پر ۸۶ قصائد کا ذکر کیا ہے۔
۶۵۔نورالحسن نقوی،ڈاکٹر:کلیات مصحفی (جلد نہم):لاہور،مجلس ترقی ادب،۱۹۹۹ء،ص:۳۶
۶۶۔ایضاً ۔ص:۳۶ ۶۷۔ایضاً۔ص:۳۶
۶۸۔ایضاً۔ ص:۳۷ ۶۹۔ایضاً۔ص:۳۸
۷۰۔ایضاً ۔ص:۴۰۔۳۹ ۷۱۔ایضاً۔ص:۴۰

۷۲۔ایضاً۔ص:۴۱ ۷۳۔ایضاً۔ص:۴۳۔۴۲

۷۴۔ایضاً۔ص:۴۳ ۷۵۔ایضاً۔ص:۴۳

۷۶۔ایضاً۔ص:۴۳ ۷۷۔ایضاً۔ص:۴۴۔۴۳

۷۸۔ایضاً۔ص:۴۴ ۷۹۔ایضاً ۔ص:۴۵

۸۰۔ایضاً ۔ص:۴۵ ۸۱۔ایضاً۔ص: ۴۵

۸۲۔ایضاً۔ص:۴۶

۸۳۔نورالحسن ہاشمی: دلی کا دبستان شاعری: کراچی ،انجمن ترقی اُردو،۱۹۴۹ء،ص:۲۲۲

۸۴۔سعادت سعید،ڈاکٹر:اردو قصیدہ کا تہذیبی و فنی مطالعہ:مقالہ برائے پی ایچ ڈی:لاہور،پنجاب یونی ورسٹی،ص:۳۶۹

۸۵۔شکیب ایاز،ڈاکٹر: دیوان راسخ عظیم آبادی: پٹنہ،خدا بخش اورینٹل لائبریری،۲۰۰۶ء،ص:۵۵

۸۶۔ایضاً۔ص:۵۵ ۸۷۔ایضاً۔ص:۵۶

۸۸۔ایضاً۔ص:۵۸۔۵۷

۸۹۔سلیمان شکوہ،مرزا: کلیات شہزادہ سلیمان شکوہ: مرتبہ ،ڈاکٹر شاہ عبدالسلام: لکھنؤ، نامی پریس ، ۱۹۸۲ء،ص:۱۹

۹۰۔ایضاً۔ص:۳۱ ۹۱۔ایضاً۔ص:۳۷

۹۲۔ایضاً ۔ص:۲۳۷ ۹۳۔ایضاً۔ص:۲۳۸

۹۴۔ایضاً ۔ص:۲۳۸

۹۵۔جمیل جالبی،ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۴:لاہور،مجلس ترقی ادب،۲۰۱۲ء،ص:۱۴۲۲

۹۶۔شہیدی،کرامت علی: دیوان شہیدی: مرتبہ،سید عامر علی: ملتان،بیکن بکس،۲۰۰۲ء،ص:۳۳

۹۷۔ایضاً ۔ص:۳۳

۹۸۔جمیل جالبی،ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو(ج ۴):لاہور،مجلس ترقی ادب،۲۰۱۲ء،ص:۱۴۲۴

۹۹۔شہیدی،کرامت علی: دیوان شہیدی: مرتبہ،سید عامر علی: ملتان،بیکن بکس،۲۰۰۲ء،ص:۳۳

۱۰۰۔ایضاً ۔ص:۳۳ ۱۰۱۔ایضاً۔ص:۳۳

۱۰۲۔ممنون، میر نظام الدین: کلیات ممنون (جلداول): مرتبہ محمد اکبر الدین صدیقی: حیدرآباد دکن،نیشنل فائن پرنٹنگ پریس،۱۹۷۲ء،ص:۷

۱۰۳۔ایضاً۔ص:۷ ۱۰۴۔ایضاً۔ص:۳۲۔۳۱

۱۰۵۔ایضاً۔ص:۳۲ تا ۳۴ ۱۰۶۔ایضاً۔ص:۳۴

۱۰۷۔ایضاً۔ص:۳۵ ۱۰۸۔ایضاً۔ص:۳۵

۱۰۹۔ایضاً۔ص:۳۶۔۳۵ ۱۱۰۔ایضاً ۔ص:۳۸۔۳۷

۱۱۱۔ممنون، میر نظام الدین: کلیات ممنون (جلد اول): مرتبہ محمد اکبرالدین صدیقی: حیدرآباد دکن، نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۲ء، ص:۳۹

۱۱۲۔ایضاً۔ص:۴۰ تا ۴۲ ۱۱۳۔ایضاً۔ص:۴۳

۱۱۴۔ایضاً۔ص:۴۴

۱۱۵۔آزاد، ڈاکٹر محمد اسماعیل فتح پوری: اردو شاعری میں نعت (جلد اول): لکھنو نسیم بک ڈپو، ۱۹۹۲ء، ص:۲۹۵

۱۱۶۔سید عبداللہ، ڈاکٹر: مقدمہ کلیات مومن: مرتبہ کلب علی خان فائق: لاہور، مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۸ء، ص:۲۶

۱۱۷۔ایضاً ۔ص:۲۹۵ ۱۱۸۔ایضاً ۔ص:۲۹۸

۱۱۹۔ایضاً ۔ص:۲۹۶۔۲۹۵ ۱۲۰۔ایضاً۔ص:۲۹۷

۱۲۱۔ایضاً۔ص:۲۹۷ ۱۲۲۔ایضاً۔ص:۲۹۸

۱۲۳۔ایضاً۔ص:۲۹۸

۱۲۴۔☆ ضیا احمد بدایونی کے مرتب کردہ ''مجموعۂ قصائد مومن'' میں صفحہ ۱۸ پر جب کہ کلب علی خاں کے مرتب کردہ کلیات میں ''صیغر مرگ'' لکھا ہے لیکن یہاں ''صفیر مرگ'' کا استعمال موزوں معلوم ہوتا ہے۔غالب گمان یہ ہے کہ کاتب کے سہو سے ایسا ہوا ہے۔

۱۲۵۔ایضاً۔ص:۲۹۸ ۱۲۶۔ایضاً۔ص:۲۹۹۔۲۹۸

۱۲۷۔ایضاً۔ص:۲۹۹ ۱۲۸۔ایضاً۔ص:۲۹۹

۱۲۹۔ایضاً۔ص:۳۰۰

☆☆☆☆☆

اُردو میں نعتیہ قصیدہ نگاری: تحقیقی وتنقیدی جائزہ

(دورِ سوم: ۱۸۵۸ء تا ۱۹۴۷ء)

سیاسی وتہذیبی منظرنامہ

۱۸۰۳ء میں مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے عملی طور پر حکومت ہند کی باگ ڈور سنبھال لی تھی، بادشاہ کا بس نام باقی تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد وہ بھی جاتا رہا اور ہندوستان براہِ راست حکومت برطانیہ کی عمل داری میں چلا گیا۔ برطانوی سامراج کے بیس منتظموں میں پہلا وائسرائے لارڈ کینگ ۱۸۵۸ء میں ہندوستان آیا۔ یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن پر مختتم ہوا۔ نئی حکومت میں نئے قوانین وضع کیے گئے۔ ہندو بیواؤں کو نکاح کا اختیار دیا گیا۔ ایک قانون کی رُو سے جو مسلمان عیسائیت قبول کرتا، اُس کی وراثت برقرار رکھی جاتی۔ عیسائی مشنری پورے ہندوستان میں پھیل گئے اور اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے لگے۔ اسلام کو فرسودہ، غیر عقلی اور رجعت پسند مذہب قرار دیا گیا۔ مذہب کو تشکیک کی نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ بات یہیں ختم نہیں ہوئی؛ مسلمانوں کی صفوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے مسلمان علما سے جہاد کے خلاف فتوے دلوائے گئے۔ قادنیت کا فتنہ بھی اسی سوچ کی تکمیل کی ایک کڑی ہے۔ مسلمانوں کو اپنے مذہبی احیا کی فکر لاحق ہوئی تو سہارن پور میں دارالعلوم دیو بند، لکھنو میں ندوۃ العلما اور کانپور میں مدرسہ الہیات قائم ہوا۔ اس کے علاوہ منظرالاسلام مدرسہ بریلی کا قیام اہمیت کا حامل ہے۔ مذہب کے تحفظ کا بادل برسا تو ضرور لیکن فرقہ واریت کی جڑی بوٹیوں کی آبیاری اور افزائش بھی اس نے کی۔ ہندو مسلم فسادات نے ہوا پکڑی اور مل کر رہنے والی قومیں باہم دست وگریباں ہونے لگیں۔ شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں ہندوؤں کی مسلم دشمنی پر کمربستہ ہوئیں۔ انگریزوں نے مسلمانوں سے خائف ہوکر انھیں عرصے تک سرکاری نوکریوں سے دور رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو کارِ سرکار میں اپنی ساکھ قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے جب کہ مسلمان بادشاہ، امرا، علما اور سرکردہ لوگ جلاوطن کر دیے گئے۔ بہادر شاہ ظفر، فضل حق خیرآبادی، منیر شکوہ آبادی اور مولانا محمودالحسن نے دیارِ غیر میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ امام بخش صہبائی سمیت کئی محبانِ وطن شہید کر دیے گئے اور شیفتہ وغالب جیسے انسان دوست شاعر بھی مصائب سے دوچار ہوئے۔ الغرض انگریزوں

کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ امتیازی تھا۔ تقسیم ہند تک انگریز ہندو نواز پالیسی پر کاربند رہے۔ ۱۸۶۱ء میں قانون ساز کونسلیں تشکیل دی گئیں جن میں مقامی باشندوں کی شمولیت ضروری سمجھی گئی (۱)

۱۸۶۷ء میں بنارس کے ہندوؤں نے برج بھاشا کو سرکاری زبان کے طور پر رائج کرنے کے لیے تحریک شروع کی۔ آگے چل کر مولوی عبدالحق نے اُردو زبان کی حمایت کا بھرپور مقدمہ لڑا۔ گاندھی کو قائل کرنے کی کوششیں کیں کہ اُردو زبان ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ ورثہ ہے، اسے تعصب کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے مگر سب بے سود نکلا۔ یہ تعصب روز بہ روز زور پکڑتا گیا۔ اُردو کے فروغ کے لیے عبدالحق نے انجمن ترقی اُردو کی بنیاد رکھی۔

مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشی صورت حال دگرگوں تھی۔ ایسے میں سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کی تعلیمی حالت سدھارنے کے لیے میدانِ عمل میں قدم رکھا۔ انھوں نے تعلیم، ادب، مذہب اور سیاست میں اپنے رفقا کی مدد سے قوم کی راہنمائی کی۔ سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام، تہذیب الاخلاق کا اجرا (۱۸۷۰ء)، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور علی گڑھ کالج (۱۸۷۸ء) کی بنیاد اُن کے نمایاں کارنامے ہیں۔ علی گڑھ نے مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دُور کرنے کے لیے حتی الوسع کردار ادا کیا۔ اس بارے میں ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں:

> ''۱۸۷۵ء میں سارے برعظیم میں مسلمان گریجویٹوں کی تعداد صرف بیس جن میں سترہ بی اے اور صرف تین ایم اے، اس کے مقابلے میں ہندو گریجوایٹوں کی تعداد آٹھ سو چھیالیس تھی۔'' (۲)

چند ہی برسوں میں مسلمان گریجوایٹس میں حیران کن اضافہ ہوا۔ ۱۸۹۵ء میں صرف بنگال میں یہ تعداد چار لاکھ نوے ہزار تک پہنچ گئی۔ (۳) سرسید نے مسلمانوں میں قومی تشخص اُجاگر کر کے انھیں اجتماعی سوچ کا جذبہ عطا کیا۔ اس سلسلے میں سرسید کے رفقا محسن الملک، وقارالملک، مولوی ذکاء اللہ، الطاف حسین حالی اور ڈپٹی نذیر احمد نے اُن کا بھرپور ساتھ دیا۔

۱۸۸۵ء میں لارڈ ہیوم نے کانگریس کی بنیاد رکھی۔ کانگرس پورے ہندوستان کے عوام کی نمائندگی کی دعویدار تھی مگر اُس کی مسلم مخالف سوچ نے مسلمانوں کو بیداری کا پیغام دیا۔ انگریز بھی ہندوؤں سے پیچھے نہیں تھے۔ بنگال ایک بڑا صوبہ تھا۔ ۱۹۰۵ء میں انگریزوں نے انتظامی سہولت کے پیش نظر اسے دو صوبوں میں تقسیم کر دیا جس سے مسلم اکثریتی علاقہ الگ ہو جانے سے مسلمانوں کی ترقی کا راستہ نکل آیا۔ کانگرس نے تقسیم کی بھرپور مخالفت کی، یوں مسلمانوں نے الگ سیاسی جماعت کی

ضرورت کومحسوس کیا اور دسمبر ۱۹۰۶ء کو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔(۴)

ہندوؤں کے دباؤ کے تحت ۱۹۱۲ء میں بنگال کی تقسیم کو انگریز حکومت نے منسوخ کر دیا۔ اگلے سال سانحہ مسجد کانپور پیش آیا جس میں مجسٹریٹ ٹائیلر کے حکم پر گولیوں کے چھے سو راؤنڈ چلائے گئے۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق شہدا کی تعداد تین سو اور زخمیوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی (۵)۔ چند برس بعد جلیانوالہ باغ سانحہ رونما ہوا جس نے انگریزی استبداد کی قلعی کھول کر رکھ دی۔

انگریزوں سے مایوس ہو کر مسلم لیگ نے کانگرس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور میثاق لکھنؤ کا معاہدہ طے پا گیا۔ ادھر پہلی جنگ عظیم کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسی دوران شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے ریشمی رومال کی تحریک چلائی۔ ترکی کی شکست کے بعد تحریک خلافت کا آغاز ہوا جس میں مولانا محمد علی جوہر نے دیگر راہنماؤں سے مل کر ترکی کی خلافت کا ادارہ بچانے کی بھرپور کوشش کی۔ گاندھی نے عدم تعاون کی تحریک شروع کی۔ انگریزوں نے مسلم لیگ اور کانگرس کی متفقہ رائے سے قانون سازی کے لیے تجاویز مانگیں جس کے نتیجے میں نہرو رپورٹ سامنے آئی۔

اس عہد میں مسلم لیگ دھڑوں میں بٹی ہوئی تھی۔ قائداعظم نے اس رپورٹ کے جواب میں ۱۹۲۹ء میں چودہ نکات پیش کیے۔ اگلے سال خطبہ الہ آباد (۱۹۳۰ء) میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کے محفوظ مستقبل کے لیے مسلم اکثریتی علاقوں پر مبنی الگ ریاست کا خاکہ پیش کیا۔ مسلم لیگ اور کانگرس کو متفقہ لائحہ عمل اپنانے کے لیے برطانیہ کی برسراقتدار لیبر پارٹی نے گول میز کانفرنسوں کا انعقاد کر کے ایک پلیٹ فارم فراہم کر دیا لیکن (منعقدہ ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء) یہ کانفرنسیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں اور قائداعظم دل برداشتہ ہو کر لندن میں مقیم ہو گئے جنھیں بعد میں اقبال نے خط کے ذریعے واپس آنے کی دعوت دی۔ حکومت برطانیہ نے ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ پیش کیا۔ انتخابات کے نتیجے میں ۱۹۳۷ء میں کانگرس نے حکومت بنائی اور مسلمانوں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیے۔ ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ چھڑنے پر کانگرسی وزرا نے استعفے دیے۔ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے لاہور میں ۲۳ مارچ کو قراردادِ پاکستان پیش کی۔ ۱۹۴۲ء کو مسٹر اسٹیفورڈ کرپس کو نئی تجاویز کے ساتھ حکومت برطانیہ نے ہندوستان بھیجا جسے مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے مسترد کر دیا۔ دسمبر ۱۹۴۵ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے اسمبلی میں مسلمانوں کی تیس کی تیس نشستیں جیت کر ثابت کر دیا کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔(۶)

۱۹۴۶ء میں کابینہ مشن ایک پلان لے کر آیا جو قبولیت سے ہمکنار نہ ہو سکا۔ یہ تحریک آخرکار

۱۴، اگست ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان پر منتج ہوئی۔ تقسیم کے وقت لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ایما پر ریڈ کلف نے فیروز پور، گورداسپور، بٹالہ اور جالندھر کے مسلم اکثریتی علاقے ہندوستان کی جھولی میں ڈال دیے جس سے انڈیا کو کشمیر کا زمینی راستہ دستیاب ہو گیا اور اُس نے کشمیر میں اپنی فوجیں اُتار دیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سیاسی توازن ہندوؤں کے حق میں رہا۔ انھیں ایک عرصہ سے غلامی کی عادت تھی؛ اس لیے انھوں نے بہت جلد خود کو نئی تہذیب کے سانچے میں ڈھال لیا اور جدید تعلیم پر بھرپور توجہ صرف کی۔ اکثریت میں ہونے کے وجہ سے جونہی ہندوؤں کو اپنی طاقت کا اندازہ ہوا، اُن کی مسلم دشمنی سامنے آنے لگی۔ مسلم لیگ مصالحت اور تعاون کی پالیسی پر گامزن رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی حکومت ہندوؤں کے دباؤ اور شدت پسند رویے کی وجہ سے انھیں نوازتی رہی۔ ایسے میں الگ وطن کے حصول کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

انگریزی سامراج کا مقصد یہاں کے خام مال کو اپنی صنعتوں کی بحالی اور پیداواری صلاحیت بڑھانے کے لیے استعمال کرنا تھا انگریز حکومت مقامی صنعتوں کو تباہ کرنے کے درپے تھی۔ بقول تاراچند:

> ''انیسویں صدی کے آخری برسوں میں صنعتی ترقی کے مطالبہ پر برطانیہ کا مزاج آگ کی طرح گرم ہو رہا تھا۔۔۔اس موقع پر بیرون ملک کی بعض مثالوں نے اپنی جانب متوجہ کیا۔ آئرلینڈ کے محبان نے راستہ دکھلا دیا تھا۔۔۔ ہندوستان میں سودیشی (بمعنی اس کے کہ ہمارے اپنے ملک کا تیار کردہ ہو) اور بائیکاٹ کے حربے بطور جواب استعمال کیے گیے۔'' (۷)

معاشی لحاظ سے ہندوستان کی عوام انگریزی عہد میں غربت کی لکیر سے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی۔ مقامی صنعت کی حوصلہ شکنی کی گئی اور زراعت پر لگان اور مال گزاری کے علاوہ خصوصی محاصل لگا دیے گئے۔ ریونیو کا یہ پیسہ مقامی عوام پر خرچ کرنے کے بجائے برطانیہ بھیجا جاتا جس سے فی کس آمدنی انتہائی کم ہو کر رہ گئی۔ ایک اندازے کے مطابق ہندوستان سے **۲۰** ملین پاؤنڈ کی رقم سالانہ برطانیہ بھیجی جاتی تھی۔ (۸)

رمیش دت اٹھارھویں صدی کے اواخر کی ہندوستانی معیشت کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''وہ معاشی خلیج جو ہندوستان اور سلطنت (برطانیوی سامراج) کے دوسرے حصوں کے درمیان حائل ہے ادھر کچھ برسوں میں وسیع تر ہو گئی ہے۔ کناڈا اور دوسری نو آبادیات میں فی کس سالانہ آمدنی ۴۸ پاؤنڈ ہے۔ برطانیہ میں یہ آمدنی

فی کس ۴۲ پاؤنڈ ہے۔ ہندوستان میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق فی کس سالانہ آمدنی ۲ پاؤنڈ ہے۔‘‘(۹)

پاکستان کی معاشی ابتری کے فروغ میں حکمرانوں کی مفاد پرستی اور نااہلی، پے در پے مارشل لا کا نفاذ، پاک بھارت جنگیں، افغانستان کے پناہ گزین اور آئی ایم ایف کے قرضوں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

ادبی منظر نامہ:

۱۸۵۷ء کے بعد اُردو ادب میں نئی تحریکیں نمایاں ہوئیں جن میں انجمن پنجاب کے مناظموں کو خاصی اہمیت حاصل ہے۔ لاہور میں کرنل ہالرائیڈ کے ایما پر مولانا محمد حسین آزاد نے طرح مصرع کی جگہ مختلف موضوعات پر مشاعروں کا آغاز ۱۸۶۷ء میں کیا۔ حالؔی بھی اُن دنوں لاہور میں تھے۔ انھوں نے چار مشاعروں میں حصہ لیا۔ ’’برسات‘‘، ’’امید‘‘، ’’رحم و انصاف‘‘ اور ’’حب وطن‘‘ انھیں مشاعروں کی یادگار ہیں۔(۱۰)

انجمن پنجاب کے ہفتہ وار اجلاسوں میں تنقیدی نشستوں کا بھی آغاز ہوا جو ایک کارنامے سے کم نہیں۔ اس کے ساتھ ہی علی گڑھ تحریک نے بھی ادب کو کافی متاثر کیا۔ ماضی و مستقبل پر تنقیدی نظر ڈالنے والے مردِ درویش سر سید احمد خاں کے افکار نے ادب کا دھارا فرد سے اجتماعیت کی طرف موڑ دیا۔ انھوں نے سچائی و صداقت کو معیار بنا کر ادب کا جائزہ لینے پر زور دیا تو حالؔی کے قلم سے ’’مقدمہ شعر و شاعری‘‘ کا شاہکار سامنے آیا۔ حالؔی نے تصنع، آرائش اور مبالغہ کو شاعری کے لیے زہرِ قاتل قرار دیا اور نیچرل شاعری پر زور دیا۔ انھوں نے ملٹن کی طرح شاعری کی بنیاد اصلیت، سادگی اور جوش پر رکھی۔(۱۱)

اس کے علاوہ حالی نے ’’مدوجزر اسلام‘‘ کے ذریعے جدید شاعری کے لیے سادہ اور عوامی زبان کا بھی اعلان کر دیا، یہ الگ بات ہے کہ اس پر شعرا کی طرف سے شدید ردِ عمل سامنے آیا۔ اس تحریک میں ناول، تاریخ، صحافت اور تنقید کے علاوہ سوانح نگاری کو بھی فروغ ملا۔ اس دور کے ادبی فن پاروں پر مقصدیت کی چھاپ گہری ہے۔ سر سید نے اس تحریک کو ’’مادیت، عقلیت، اجتماعیت اور حقائق نگاری‘‘ کے اصولوں پر استوار کیا۔(۱۲)

۱۹۰۱ء میں رسالہ ’’مخزن‘‘ کے اجرا سے علی گڑھ تحریک کے ردِعمل میں رومانوی شعرا و ادبا سامنے آئے۔ رومانوی ادب میں ٹیگور کی ماورائیت، اقبال کی روایت شکنی اور ابوالکلام آزاد کی انفرادیت قابلِ توجہ ہیں۔(۱۳)

اس کے علاوہ اختر شیرانی، فراق گورکھ پوری ،عظمت اللہ خاں اور حفیظ جالندھری نے شاعری میں اور سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، قاضی عبدالغفار اور حجاب امتیاز علی نے افسانوی ادب میں اس تحریک کو آگے بڑھایا۔ان لوگوں نے جذبے اور وجدان کو مقدم رکھا اور ہیئت کو ثانوی حیثیت دیتے ہوئے روایت سے بغاوت کا اعلان کیا۔فرد کی آزادی ترقی پسندوں کو ایک آنکھ نہ بھائی تو انھوں نے ادب برائے زندگی کا نعرہ لگا کر ۱۹۳۵ء میں ادیب کو مظلوم اور غریب طبقے کے حق میں قلم اُٹھانے کا مشورہ دیا۔''انجمن ترقی پسند مصنفین'' کی پہلی کل ہند کانفرنس ۱۹۳۶ء میں لکھنو میں ہوئی جس کا اعلان نامہ کچھ یوں تھا:

> ''ہندوستانی ادیبوں کا فرض ہے کہ وہ ہندوستانی زندگی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا بھرپور اظہار کریں اور ادب میں سائنسی عقلیت پسندی کو فروغ دیتے ہوئے اس قسم کے اندازِ تنقید کو رواج دیں جس سے خاندان، مذہب، جنس، جنگ اور سماج کے بارے میں رجعت پسندی اور ماضی پرستی کے خیالات کی روک تھام کی جا سکے۔ان کا فرض ہے کہ وہ ایسے رجحانات کی نشو و نما کو روکیں جو فرقہ پرستی، نسلی تعصب اور انسانی استحصال کی حمایت کرتے ہیں۔'' (۱۴)

ترقی پسندوں نے اگرچہ علی گڑھ تحریک کی مقصدیت ، مادیت اور حقیقت نگاری کو اپنایا مگر اُن کا اصل قبلہ روس کا سرخ انقلاب تھا جس کے پیچھے کارل مارکس کا معاشی نظام کارفرما تھا۔اُن لوگوں نے مذہب سے بے زاری کا کھلے بندوں اعلان کیا۔اُن کے نزدیک معاشرتی بقا و امن کا راز اشترا کی نظام ہی میں مضمر ہے۔ترقی پسند شعرا میں فیض، مجاز ، جوش، علی سردار جعفری، ظہیر کاشمیری، احمد ندیم قاسمی، عارف عبدالمتین اور جان نثار اختر نمایاں ہیں۔افسانہ نگاروں میں پریم چند، احمد علی ، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی اور اختر حسین رائے پوری اہم ہیں۔قیام پاکستان کے بعد اس تنظیم پر پابندی عائد ہوئی تو اس سے وابستہ ادیب حلقہ اربابِ ذوق میں شامل ہو گئے۔ترقی پسندوں کی زیادہ تر شاعری نعرے بازی کی نذر ہو کر رہ گئی۔فیضؔ ان کی توانا آواز ہیں اور سب سے نمایاں ہیں۔

حلقہ اربابِ ذوق ۱۹۳۹ء میں قائم ہوا۔ابتدا میں اس کا نام ''بزم داستاں گویاں'' تھا۔اس حلقے میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہوئے جن کے لیے ترقی پسندوں کے ہاں کوئی جگہ نہیں تھی۔حسن عسکری، سعادت حسن منٹو، حسرت موہانی، میرا جی، ناصر کاظمی ، قیوم نظر، مختار صدیقی، منیر نیازی اور ضیا جالندھری

وہ نام ہیں جنھوں نے حلقہ ارباب ذوق کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ افسانوی ادب میں منٹو، الطاف فاطمہ، انتظار حسین اور انور سجاد کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ اس حلقے کا مقصد اردو زبان کی ترویج اور نوجوان نسل میں ادب کے ذوق کی آبیاری کرنا تھا۔ انھوں نے ادب برائے ادب کے نظریے کے تحت ایک بار پھر فرد کی آزادی کو فروغ دیا۔

۱۸۵۷ء کا سال سیاسی اور سماجی انقلاب ہی کا ترجمان نہیں یہ نئی ادبی قدروں کا بھی آئنہ دار ہے۔ مغلیہ سلطنت کے خاتمے کے ساتھ ہی درباری قصائد کا چلن اٹھ گیا اور پھر حالؔی اور امداد امام اثر کی کڑی تنقید نے قصیدے کے شعرا کو آئنہ دکھایا۔ قصیدہ نگاروں کے ممدوحین بدل گئے۔ حضور نبی رحمتؐ کی ذاتِ بابرکات جو قصیدہ نگاری کی اصل اہل تھی، سب کی منظور نظر ٹھہری۔ ساتھ ہی ساتھ اُردو شاعری کی سرپرستی میں حیدرآباد (دکن)، رام پور، بھوپال اور ٹونک کی ریاستیں پیش پیش تھیں تو شعرا نے ان کے والیان کے قصائد کہے۔ شہباز عظیم آبادی نے ''قصیدہ درمدح سرکار عالیہ بھوپال'' لکھا۔ ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم اور ۱۹۲۷ء میں ایڈورڈ ہفتم کی آمد پر ایک مرتبہ پھر درباری قصائد کا بازار گرم ہوا۔ (۱۵)

ان قصیدہ نگاروں میں اسماعیل میرٹھی، علامہ اقبال، شفق عمادی، طالب بنارسی، تلوک چند محروم اور برج موہن کیفی کے نام نمایاں ہیں۔

درباری قصائد کی ان چند مثالوں کے برعکس اس دور کے اُردو قصیدہ نگاروں کی توجہ مذہبی قصائد کی طرف مائل نظر آتی ہے۔ حمد، نعت اور منقبت کے قصائد کثرت سے لکھے گئے۔ یہ قصائد موضوع ،اسلوب اور پیش کش کے لحاظ سے اپنے عہد کے تقاضوں کو پورا کرتے نظر آتے ہیں۔

خصوصی مطالعہ

1- مولوی غلام امام شہید: (م: ۱۸۷۶ء)

مولوی غلام امام امیٹھی میں شاہ غلام محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ فارسی میں مرزا قتیل اور اردو شاعری میں مصحفی سے اصلاح لی اور شہید تخلص کیا۔ آپ کا سال وفات ۱۸۶۷ء ہے۔ (۱۶)

کلیات شہید فارسی، انشائے بہار بے خزاں (مجموعۂ خطوط ومضامین) اور مولد شریف (اُردو) اُن کی یادگار ہیں۔ وہ سرتاپا عشقِ رسولؐ میں سرشار رہتے تھے۔ فدایت کا یہی جوش وجذبہ ان کے نعتیہ کلام کا سرمایۂ افتخار ہے۔ بقول حامد حسن قادری:

''ان کی شیفتگی وفدایت اس درجہ پہنچ گئی تھی کہ بجز نعت شریف لکھنے اور پڑھنے

کے کوئی شغل نہ تھا۔اسی سبب سے مداح نبی وعاشق رسولؐ کے مبارک القاب سے مشہور تھے۔''(۱۷)

غلام امام شہید نے مثنوی، غزل، مخمس، ترجیع بند اور قصیدے کی ہیئت میں نعت لکھی ہے۔اُن کے قصائد تعداد میں دو ہیں۔ پہلا نعتیہ قصیدہ چھیانوے اشعار پر مبنی ہے جس کی تشبیب بہاریہ ہے۔ قصیدے کی مجموعی فضا داستان کا انداز لیے ہوئے ہے۔انھوں نے منظرکشی میں کمال کیا ہے۔چمن کا نقشہ یہ ہے کہ اس میں بلبل نغمہ خواں ہے؛ پھولوں کی خوشبو طرب انگیز ہے؛ عروسان چمن کا جوبن رشک حوران بہشتی ہے؛ سنبل پر زلف مہ وشاں کا گماں ہے، ہر طرف امن وامان ہے، بلبلوں کو صیاد کا کوئی خوف نہیں، ایسے میں شاعر نے گلگشت چمن کے دوران میں ایک دیدہ زیب مکان دیکھا جس کو آراستہ کرنے کے لیے ایک نوجوان حاضر تھا، جو اصل میں حضرت عیسیٰؑ تھے۔شاعر نے حضرت عیسیٰؑ سے دریافت کیا کہ یہ مکان آپؑ کا ہے کیا؟ حضرت عیسیٰؑ نے جواب دیا کہ یہ مکان حضرت محمدؐ کا ہے اور اس کی پاسبانی جبریلؑ کے سپرد ہے۔ میں آپؐ کی آمد کی خبر دینے آیا ہوں۔ یہاں سے مدح کا آغاز ہوا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ مختلف انبیا کی طرف سے براہِ راست کلام میں مدح پیش کی گئی ہے۔ یہ قصیدہ چھوٹی بحر میں ہے اور یہاں وہ مختصر بحر میں کامیاب رہے ہیں۔ الفاظ کا اختصار، اظہارِ خیال میں رکاوٹ بنتا محسوس نہیں ہوتا۔ مختصر بحر میں روانی وسلاست کے ساتھ جذبوں کی آمیزش ہے اور مکالماتی آہنگ نے کہانی پن کی جس فضا کو جنم دیا ہے وہ قابل داد ہے۔ یہ حصہ کسی تمثیلی قصے کی چاشنی لیے ہوئے ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

چمن میں آج کیا شور و فغاں ہے　　کہ گل خنداں ہے بلبل نغمہ خواں ہے
کہا میں عیسیٰؑ گردوں نشیں ہوں　　مکاں میرا چہارم آسماں ہے
یہ گھر میرا نہیں جو تو ہے سمجھا　　ادب سے دور یہ تیرا گماں ہے
تعالیٰ اللہ یہ وہ آستاں ہے　　کہ جبریل اس کا ادنیٰ پاسباں ہے(۱۸)

اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ مالک کون ومکاں، قبلہ گاہِ مقبلاں، مقتدائے مرسلاں، چارۂ بے چارگاں، مدعائے کن فکاں، مونس دل خستگاں، بہارِ باغِ ایجاد اور رنگ و بوئے ہر چمن ہیں اور میں اُنؐ کی آمد کی خبر دینے آیا ہوں اور صرف میں ہی نہیں خضرؑ بھی آنحضرتؐ کی خدمت پر معمور ہیں۔اس کے بعد آپؐ کی عظمت کے اعتراف میں حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰ محو کلام ہوتے ہیں۔اُن کے بیانات سن کر ہاتف نے بھی آپؐ کی ولادت مسعود پر مبارک

باد دیتے ہوئے آپؐ کی عظمت ورفعت پر مہر تصدیق ثبت کی اور مدینے کی زیارت کی دعا مانگی ہے۔حضرت یعقوبؑ کے بیان میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ صورت دیکھ کر کہتا ہے یعقوبؑ مجھے انصاف ہی لازم یہاں ہے
نہیں یوسفؑ کو کچھ احمدؐ سے نسبت مگر فرقِ زمین و آسماں ہے
جو یوسفؑ ہے فقط میرا ہی محبوب تو وہ محبوب خلاقِ جہاں ہے
کہا یوسفؑ نے میں شیدا ہوں اس کا کہ مجھ کو چاہ اس کی حرز جاں ہے(۱۹)

حضور نبی کریمؐ کی محبوبیت نعت کا نمایاں موضوع ہے۔اس بارے میں حضرت موسیٰؑ کا مکالمہ بھی قابل ذکر ہے کہ جس میں انھوں نے اللہ رب العزت سے ''لن ترانی'' کا شکوہ کیا ہے اور جو جواب پایا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:

کلیم اللہ نے پوچھا خدا سے کہ ''ناز لن ترانی ''اب کہاں ہے
برای العین دیکھا مصطفیٰؐ نے جو میری آنکھوں سے اب تک نہاں ہے
ہوا مسند نشینِ عرش ایسا کہ گویا خود مکینِ لامکاں ہے
ندا آئی تعجب کیا ہے موسیٰؑ عیاں ہے یہ ، نہ محتاجِ بیاں ہے
کہ تو عاشق ہے اور معشوق ہے وہ سمجھ لے فرقِ نازک درمیاں ہے(۲۰)

دوسرا ''قصیدہ اُردو مسجع در بحر طویل'' ستائیس اشعار پر مبنی ہے۔اس کی تشبیب بھی بہاریہ ہے۔اس میں بتایا گیا ہے کہ فصل گل توبہ شکن ہے، صبا پیغام وصلِ دل ربا لائی ہے اور زلف سنبل کو سلجھا رہی ہے۔گل وبلبل اور شمشاد کی شوخی اوج پر ہے۔غنچے رشکِ انجم ہیں، ایسے میں سوسن زبانِ حال سے آپؐ کی آمد کی خبر دے رہی ہے۔یہیں ساتویں شعر پر گریز واقع ہوا ہے۔اشعار دیکھیے:

آئی بہار اب ہر چمن ہے بلبل و گل کا وطن دیر و حرم سے نعرہ زن آتے ہیں شیخ و برہمن
زاہد سے کہہ دو یہ سخن ہے فصل گل توبہ شکن گر چاہے عیش جان وتن مے خواروں کا سیکھے چلن

سونگھیں جو پھولوں کی مہک، بے ہوش ہوں حور وملک، دیکھیں جو غنچوں کی چمک جل جائے انجم کی پلک
برق تجلی کی جھلک روز ازل سے اب تلک آ گہ نہ تھا جس سے فلک دیکھیں گے اب سب مرد وزن

شمشاد نے گلزار سے ،گلزار نے گلنار سے، گلنار نے رخسار سے، رخسار نے دیدار سے
دیدار نے گفتار سے، گفتار نے رفتار سے، رفتار نے دلدار سے سیکھا ہے شوخی کا چلن

ہر لالے کا داغ جگر، نرگس کا ہے کحل البصر، سوسن زبانِ حال پر لاتی ہے دل سے یہ خبر
آتا ہے وہ رشکِ قمر جس کی تجلی دیکھ کر زیبا ہے گر تارِ نظر بن جائے سورج کی کرن (۲۱)

مدحِ رسولؐ کا مرکزی موضوع آنحضرتؐ کی ولادت کا ہے جس میں دو پہلو اہم ہیں: ایک صاحبِ مولود کی عظمت اور دوسرا آمد مسعود کے چمن اور اہلِ چمن پر خوش گوار اثرات۔ شہید کے ہاں آپؐ کی آمد کا ذکر آپؐ کے بھرپور تعارف کے ساتھ ملتا ہے۔ انھوں نے تعارف کے لیے آپؐ کے القابات کو خصوصیت کے ساتھ موضوع بنایا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

امی لقب پیدا ہوا، جان طلب پیدا ہوا، والا حسب پیدا ہوا، عالی نسب پیدا ہوا
محبوبِ رب پیدا ہوا، ماہِ طرب پیدا ہوا، شاہ عرب پیدا ہوا، پیدا ہوا یثرب وطن

کیا حسن، کیا رخسار ہے، کیا طرۂ طرار ہے، کیا نرگس بیمار ہے، کیا ابروخم دار ہے
کیا لب ہیں، کیا گفتار ہے، کیا قد ہے، کیا رفتار ہے، کیا جامہ کیا دستار ہے، پوشاک کی دیکھو پھبن

ایام مولود آ گئے، آثار بہبود آ گئے، اوقات محمود آ گئے، اسباب مقصود آ گئے
احیان مسعود آ گئے، اعیان موجود آ گئے، راحت کے دن زود آ گئے، تازہ ہوئے عہد کہن (۲۲)

یہ قصیدہ اپنے زبان و بیان، خوب صورت صوتی آہنگ، تکرارِ لفظی، صنعتِ تجنیس اور صنعت تضاد کا حسین مرقع ہے جسے تلمیح، تشبیہ، مبالغہ اور پیکر تراشی نے دل آویز بنا دیا ہے۔ شہید صنائع بدائع کا عمدہ مذاق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے چھوٹی بڑی دونوں بحریں استعمال کی ہیں اور اُنھیں کامیابی سے نبھایا ہے۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر لکھتے ہیں:

''مولوی غلام امام شہید نے چھوٹی بحر میں صاف، رواں اور پُر زور قصیدے کہے ہیں تو طویل بحر میں مسجع اور رنگین طرز اپنایا ہے۔'' (۲۳)

غلام امام شہید کے نعتیہ قصائد کا بڑا موضوع ولادت اور عظمتِ رسولؐ ہے جسے انھوں نے شیفتگی اور شگفتگی سے اشعار کے پیکر میں ڈھالا ہے۔ وفورِ عشق کے بعد ایک بڑی خصوصیت غنائی لہجہ ہے۔ انھوں نے مترنم بحور میں تکرارِ لفظی سے اپنے کلام کو دل نشین بنا دیا ہے۔ واقعات کا تسلسل، کہانی پن کا انداز اور مکالماتی فضا کے علاوہ پُر بہار مناظر نے اُن کی عظمت کو ایک منفرد اور جدید لہجہ عطا کیا ہے۔

2- مولانا محمد قاسم نانوتوی: (م:۱۸۸۰ء)

مولانا قاسم نانوتوی ۱۸۳۲ء میں سہارن پور (انڈیا) کے قریب ایک گاؤں نانوتہ میں شیخ اسد علی کے ہاں پیدا ہوئے۔ اُن کا شمار دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں ہوتا ہے۔(۲۴) وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف شاملی کے محاذ پر لڑتے ہوئے زخمی بھی ہوئے۔ انھوں نے ۱۵، اپریل ۱۸۸۰ء کو ۴۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور دارالعلوم دیوبند کے شمالی حصے میں دفن ہوئے۔ وہ ایک سچے عاشقِ رسولؐ تھے۔ انھوں نے ساری زندگی گنبدِ خضریٰ کی نسبت کی بدولت ہرا جوتا نہیں پہنا۔(۲۵)

وہ ایک معروف عالم دین ہونے کے علاوہ خوب صورت شاعر بھی ہیں۔ اُن کے قصائد کے مجموعے ''قصائد قاسمی'' میں ایک سو اکاون اشعار کا نعتیہ قصیدہ موجود ہے جو عشقِ رسولؐ کے جذبے سے سرشار ہو کر لکھا گیا ہے۔ اس کی تشبیب بہاریہ ہے جس میں بہار کے چمن پر اثرات اور نشوونما کی خاصیت کا بیان ہے۔ اس کے علاوہ چمن کی نزاکت کا بیان شاعر کی نازک خیالی کا حسین مرقع ہے۔ منظر نگاری کی خوب صورت مثالیں ارزاں وفراواں ہیں۔ گلشن کی زمین بہار کے زیرِ اثر رشکِ فلک بنی ہوئی ہے۔ تشبیب رفعت خیال، نادر تشبیہات اور مبالغے کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

نہ ہوئے نغمہ سرا کس طرح سے بلبلِ زار ــــ کہ آئی ہے نئے سر سے چمن چمن میں بہار
خوشی سے مرغِ چمن ناچ ناچ گاتے ہیں ــــ کفِ ورق سے بجاتے ہیں تالیاں اشجار
سمجھ کے تخمِ بشر کیا عجب جو مُردوں کو ــــ قوائے نامیہ دیں اب کی بار برگ و بار
شرار دانۂ بارود کو لگیں ہیں پھول ــــ عموم فیض بہاری سے آگ ہے گلزار
گرا دیا ہے تلے گل نے بارِ سایہ کو ــــ کہ رنگ و بو کا اُٹھانا بھی تھا اسے دشوار
کمر پہ بارِ گراں بوئے گل، تلے پھسلن ــــ نہ لڑکھڑائے کہاں تک ہوا دم رفتار
کہاں زمین، کہاں یاسمین و لالہ و ورد ــــ فلک بھی گرد ہوا دیکھ کر چمن کی بہار
زمین و چرخ میں ہو کیوں نہ فرق چرخ و زمیں ــــ یہ سب کا بار اُٹھائے وہ سب کے سر پر بار(۲۶)

قاسم نانوتوی کا یہ قصیدہ ندرتِ فکر اور جدتِ ادا کی عمدہ مثال ہے۔ صنائع بدائع کا استادانہ استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔ مطلع، گریز اور مدح کے اشعار باہمی ارتباط کے حامل ہیں۔ ایک ایک شعر تخیل آفرینی کا نمونہ ہے۔ عربی، فارسی پر دست گاہ کے باوجود مولانا کا اسلوب سادہ اور رواں ہے۔ اگر وہ چاہتے تو لفاظی کے جوہر دکھا سکتے تھے مگر انھوں نے سادگی کو ترجیح دی ہے۔ مضامین مدح میں بھی

علمیت سے زیادہ جذبے کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ وہ عالم دین تھے، اُن کے ہاں شریعت کی پاسداری کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے۔ اُنھوں نے انبیائے کرام سے آپؐ کا تقابل کیا ہے جس میں عظمت رسولؐ کے کئی حوالے مضمر ہیں لیکن انھوں نے دیگر انبیا کی توقیر کو بھی مقدم رکھا ہے۔ اس قصیدے کا اختصاصی پہلو شاعر کا والہانہ پن اور اظہار عجز و نیاز ہے۔ شاعر نے اپنے گناہوں کے اعتراف کے پس پردہ امت مسلمہ کی کم کوشی کا نقشہ انتہائی پُر درد اور پُرسوز انداز میں کھینچا ہے۔ ایسے درد بھرے اشعار کسی عاشق رسولؐ ہی کے ہو سکتے ہیں۔ ان میں وارفتگی کا عالم نمایاں ہے اور نیاز مندی کے ساتھ کم مائیگی کا احساس بھی قدم قدم پر شاعر کے دامن گیر نظر آتا ہے۔ دُعا مانگنے کے لیے جس انکسار اور عجز کی ضرورت ہوتی ہے وہ یہاں موجود ہے۔ مدح کے چند اشعار دیکھیے:

برا ہوں، بد ہوں، گنہ گار ہوں پہ تیرا ہوں — ترا کہے ہیں مجھے گو کہ ہوں میں نانجار
لگے ہے تیرے سگ کُو کو میرے نام سے عیب — پہ تیرے نام کا لگنا مجھے ہے عز و وقار
یہ میری جان نکمی سی تھی سو اس کے بھی — پڑے ہیں چرخ و زماں پیچھے مانجھ کر ہتھیار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں — مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ و مار
الٰہی اُسؐ پہ اور اسؐ کی تمام آلؓ پہ بھیج — وہ رحمتیں کہ عدو کر سکے نہ ان کو شمار (۲۷)

قاسم نانوتوی نے اس قصیدے میں عظمت رسولؐ کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ آپؐ کی بزرگی، اوج و کمال اور مراتبِ اعلیٰ شاعر کی آنکھوں میں بسے ہیں۔ فضائل رسولؐ بیان کرتے ہوئے انھوں نے گویا اپنے جذبوں کو زبان دے دی ہے۔ جذبوں کی صداقت اور زبان و بیان کی چاشنی کے حوالے سے یہ اشعار دیکھیے:

بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال — بغیر بندگی کیا ہے لگے جو تجھ کو عار
جمال کو ترے کب پہنچے حسن یوسفؑ کا — وہ دل ربائے زلیخا تو شاہد ستّار
بنا شعاعوں کی جاروب تیرے کوچہ سے مہر — کرے ہے دُور اندھیرے کا روز گرد و غبار
یہ ہے اجابت حق کو تری دعا کا لحاظ — قضاءِ مبرم و مشروط کی سنیں، نہ پکار (۲۸)

قاسم نانوتوی بلاشبہ ایک قادرالکلام شاعر کے روپ میں سامنے آئے ہیں۔ اُن کا نعتیہ کلام اس عہد کے کسی بڑے شاعر سے کم نہیں۔ صنائع بدائع کا عمدہ شعور اُن کے ہاں موجود ہے۔ اس کے علاوہ دین کا فہم و شعور ان کے مضامین نعت کو درجہ استناد پر فائز کرتا ہے۔ اُن کی شاعری خالی لفظوں کا مرکب نہیں بل کہ پُرخلوص جذبوں کا منزہ اظہار ہے جس میں شاعر کا شعور، عاشق کی تڑپ اور ایک اُمتی کا انکسار موجود ہے۔

3- منیر شکوہ آبادی: (م: ۱۸۸۰ء)

منیر شکوہ آبادی کا اصل نام سید محمد اسمٰعیل حسین ہے۔ وہ ۲۳ نومبر ۱۸۱۴ء کو شکوہ آباد ضلع مین پوری میں سید احمد حسین نقوی کے ہاں پیدا ہوئے۔ (۲۹) انھوں نے کچھ عرصہ آگرہ اور پھر لکھنو میں گزارا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے وقت وہ باندہ میں تھے۔ اُن کی تجویز پر نواب باندہ انگریزوں کے خلاف برسر پیکار ہوگئے۔ جنگ کے اختتام پر باندہ پر قبضے کے بعد منیر فرخ آباد چلے گئے۔ ۱۸۵۸ء میں باندہ اور فرخ آباد پر انگریزوں کے قبضے کے بعد اُن پر بغاوت کا مقدمہ چلا۔ شواہد نہ ملنے پر بری کر دیے گئے مگر جلد ہی اُن پر ایک طوائف نواب جان کے قتل کا الزام لگا، وہ روپوش ہو گئے۔ آخر دو سال بعد دھر لیے گئے اور نتیجتاً انھیں کالے پانی (جزائر انڈیمان) بھیج دیا گیا۔ ۱۸۶۵ء تک وہ قید رہے اور وہاں دو سال تک مولانا فضل الحق خیر آبادی سے رفاقت رہی۔ نواب کلب علی خان کی سفارش سے رہا ہوئے۔ (۳۰)

منیر نے ۹، اگست ۱۸۸۰ء کو رام پور میں ہیضہ کے باعث وفات پائی۔ (۳۱) منیؔر نے شاعری میں ناسخ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ (۳۲) بعدازاں رشکؔ سے اصلاح کی راہ ہموار کی۔ (۳۳)

منیر کے تین دواوین ''منتخب العالم، تنویر الاشعار اور نظم منیر'' شائع ہوئے جب کہ دو دیوان چوری ہو گئے جن کا ذکر انھوں نے اپنے ایک قصیدے در نجف میں کیا ہے جب کہ دو دیوان بیچ ڈالے۔ انھوں نے غزل، قصیدہ اور مثنوی کی طرف توجہ کی۔ اُن کی مذہبی مثنوی'' معراج المضامین'' ۱۲ ہزار شعروں کی ہے۔ انھوں نے کل ۲۸ قصائد لکھے۔ (۳۴)

اُن میں سے دو قصیدے نعت پر مبنی ہیں۔ دیگر قصائد، اہل بیت اور آئمہ اطہار کی مدح میں ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے دنیاوی ممدوحین کے بھی قصیدے کہے ہیں۔ انھوں نے اپنے قصائد کو اپنے داخلی و تاریخی احوال کے اظہار کے طور پر بخوبی استعمال کیا ہے۔ اُن کا پہلا نعتیہ قصیدہ جو ایک سو ننانوے اشعار کا ہے اس میں مقدر کی سختی اور زمانے کی شکایت کا بیان موجود ہے، اسے انھوں نے ''فریاد زندانی'' کا نام دیا ہے۔ مطلع یوں ہے:

رخ احباب سے ظاہر ہوا ہے بغض پنہانی — صفائی کی گواہوں میں ہے کاذب صبح پیشانی (۳۵)
نہیں ہے یہ قصیدہ نالۂ مظلوم اسے سمجھو — لقب اس کا یہ ہے پر نام ہے فریاد زندانی (۳۶)

ایک سو تیرہ اشعار کی تشبیب خاص طور پر ہندوستان کی سیاسی بساط کی الٹ پلٹ اور اس کے

نتیجے میں پیدا ہونے والے دگرگوں حالات کے الم ناک بیانیے پر مشتمل ہے۔انھوں نے انگریزوں کی سازشی ذہنیت، اُن کی ہوس پسند طبیعت اور عوام الناس پر مظالم کے علاوہ مغلیہ زوال کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے جس میں طبقۂ امرا کی سہل پسندی اور عیش کوشی سرفہرست ہے۔ دراصل اس عہد میں ہر ایک کو ذاتی مفادات عزیز تھے۔اجتماعی سوچ کا فقدان تھا۔قومی دھارے کی صورت پذیری کی تکمیل ممکن نہ تھی۔انگریزوں نے مذہبی و سیاسی انتشار سے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور اقتدار پر قبضہ کرلیا۔اسی انقلاب کی داستان منیر نے بڑے پُر درد انداز میں بیان کی ہے۔ بقول منیر: کل جو نوکر تھے وہ آج مالک بنے سنگھاسن پر براجمان ہیں، اہل صفا صحبت بد میں ملوث ہیں؛ بہادر مرگ شجاعت پر نوحہ گری کے لیے مرثیہ خوانی سیکھ رہے ہیں،تخت شاہی پر چغد و بوم متمکن ہیں؛ سڑکوں پر وحشت کا راج ہے؛ پریشانی ہر سو دندناتی پھرتی ہے اور فاقہ کشوں کے پیٹ شاہی نعمت خانے کی مانند خالی ہیں۔الغرض منؔیر نے اپنے عہد کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ سبق آموز ہونے کے ساتھ اثر پذیری کی صلاحیت سے مالا مال ہے۔ انھوں نے نادر تشبیہات سے صورت احوال کو جس طرح اُجاگر کیا ہے یہ انھیں کا خاصہ ہے۔اس حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سیہ کاروں کے سر پر افسرِ عزت نظر آئے ۔۔۔ بنے ہیں مرغِ عیسیؑ ان دنوں مرغ سلیمانی
پھنسا ہے موذیوں کے قبضہ میں حسنِ جہاں آرا ۔۔۔ قمر در عقرب ان روزوں بنا ہے ماہ کنعانی
چنے کھانے کو ترسیں صاحبانِ گوہر عالی ۔۔۔ صدف کو دے نوالہ موتیوں کا ابر نیسانی
بنائیں بیڑیاں تلواروں کو تڑوا کے گردوں نے ۔۔۔ کیا اربابِ جوہر کو ہر اک حیلے سے زندانی
بہادر نوحہ گر ہیں ماتم مرگ شجاعت میں ۔۔۔ بجائے نعرۂ شیرانہ سیکھیں مرثیہ خوانی
ہوئے فاقہ کشوں کے پیٹ نعمت خانۂ شاہی ۔۔۔ بنی ہے کیسۂ مفلس درِ دولت کی دربانی
پریشانی کے ٹھیکہ میں ہر اک دربار مجمع ہے ۔۔۔ اجارہ بستیوں کا لے کے خوش پھرتی ہے ویرانی
اگر اس وقت میں ہوتے تو ڈر سے پھینکتے پھرتے ۔۔۔ جناب میرزا خانی، متاع خانخانانی (۳۷)

منؔیر کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے نعتیہ قصیدے کو عصری صورتِ حال سے ہم آہنگ کر کے قصیدے کا کینوس وسیع کیا ہے۔انھیں جنگ آزادی کے بعد کالے پانی بھیج دیا گیا جہاں انھوں نے نہایت کس مپرسی اور بے سروسامانی کے دن گزارے، شدید مشقت اور موسم کی سختیاں جھیلنا پڑیں اور بیماری کی اذیت اس پر مستزاد تھی۔ انھوں نے ذاتی پریشانیوں کے ساتھ جزیرے کے موسم اور جغرافیے کی بھی تصویر پیش کی ہے اور قید و بند کی صعوبتوں کا مرقع بھی۔ چند اشعار دیکھیے جن میں اجتماعی

بدبختی کی داستان کہیں داخلی اور کہیں خارجی احوال سے عبارت ہے:

پھنسا ہے اس طرح مجھ سا مفید خلق مجلس میں
کہ علم کیمیا جیسے دل قاروں میں زندانی
ہوئے ہیں جمع تحت و فوقِ دنیا اس جزیرے میں
بلندی اور پستی کی یہاں دیکھی فراوانی
کرو ارہ کشی یا مٹی کھودو، چکیاں پیسو
اگر ہو جاں بہ لب منہ میں نہ ٹپکائے کوئی پانی
لب شیریں کے بوسوں سے بھی بڑھ کر گڑ کی دقت ہے
نہ پائیں صورت فرہاد اگر سر پھوڑیں زندانی
یہاں ارباب لندن کی بھی رنگت تیرہ ہوتی ہے
بنے مشکی اگر نقرہ دکھائے اپنی جولانی(۳۸)

انھوں نے جزیرہ انڈیمان کا جغرافیائی نقشہ بھی نہایت خوبی سے کھینچا ہے۔ وہاں کی جغرافیائی صورت حال یہ ہے کہ دریا کی لہروں کا شور ہر لمحہ آرام میں خلل انداز ہوتا ہے۔ بارشوں کی کثرت طغیانی برپا کیے رکھتی ہے۔ تند ہواؤں کے سامنے بڑے بڑے تناور درخت ٹھہر نہیں پاتے۔ سانپ اور بچھو کثرت سے ہیں، چینی، برمی اور نصرانی نگران مردار اور خنزیر کھانے کے حریص ہیں۔ موسم شدید گرم ہے کہ بگلے کے انڈے رکھیں تو کوے نکلیں۔ گرمی کے بعد نو ماہ کی برسات ہے اور پھر فصل زمستانی ہے۔ یہاں بیماریاں ساری دنیا سے زیادہ ہیں اور شفا نام کو نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُمت عیسیٰؑ نے شفا کو بھی زنداں میں ڈال دیا ہے۔ مُردوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے ایسے میں دعائیں بھی بے اثر ہو کر رہ گئی ہیں۔ دواؤں کے قحط اور امراض کے مضر اثرات کے ذکر کے بعد دعا ہی بچتی ہے اور منیر نے استغاثہ و دعا بارگاہِ رسالت میں پیش کر کے بڑا خوب صورت گریز کیا ہے۔ دو شعر دیکھیے:

مناجات و دعا و استغاثہ بڑھتے جاتے ہیں نہیں جاتی، نہیں جاتی ، نہیں جاتی پریشانی
پرِ روح الامیں دے طائر فریاد کو یارب! کہ اڑ کر صاف جا پہنچے مدینہ میں بہ آسانی (۳۹)

مدح میں آغاز استغاثہ سے ہوا ہے اور راکب دوشِ پیمبر سے بارگاہِ رسالتؐ میں سفارش کی درخواست کی ہے۔ اس کے بعد روضۂ اقدس کی فضیلت اور عہد نبویؐ کی برکت بیان کی ہے اور پھر آنحضرتؐ کی نورانیت، سخاوت، عدل، سراپا، شفاعت، بخشش وعطا، امت عاصی کی سفارش، رحمت

للعالمینی، امہات المومنین کی پاک دامنی اور معجزات کا بیان ہے۔سایہ مبارک کے بیان میں حسن تعلیل کے ذریعے خاص طور سے منیر نے اپنی فکر کی جولانیاں دکھائی ہیں:

کہوں کیا سایۂ پُرنور کے معدوم ہونے میں ۔۔۔ سبھوں کے توسنِ فکرت نے کی ہے اس میں جولانی
نہ ہوتا جمع یہ سایہ اگر مد امانت میں ۔۔۔ نہ ہوتی خوش سواد اس مرتبہ اقلیم روحانی
سیاہی چشم و زلف حور کی اس کی بدولت ہے ۔۔۔ قلم نے لوح پر لکھے اسی سے حکم ربانی
کلام پاک میں واللیل اسی کو حق نے فرمایا ۔۔۔ امانت ہے قسم کے واسطے یہ ظلِ نورانی
یہی تو پردہ دار عاشق و معشوق ٹھہرا تھا ۔۔۔ شب معراج بن کر کی اسی نے نور افشانی
اسی سایہ نے شاید لے لیا ظل حمایت میں ۔۔۔ کہ طوبیٰ کے ملائک کرتے ہیں اتنی نگہ بانی (۴۰)

اس قصیدہ کے آخر میں منّیر نے اگلے محرم تک اپنی رہائی کی طلب، احباب واقربا وعیال سے ملاقات اور ہندوستان سے حج کی دعا آئمہ اطہار کے وسیلے سے مانگی ہے:

اسی ذلحجہ تک مطلب مرے دل کے عنایت ہوں ۔۔۔ کرے اب کا محرم ہند میں یہ بندۂ جانی
غلام اہلِ بیت آگے تھا میں مشہور پر اب ہوں ۔۔۔ غریب و بےنصیب و بےکس و محتاج و زندانی
منّیر بے حقیقت پر کرو اب رحم یا حضرتؑ! ۔۔۔ کہ فوج انتظار اب سخت کرتی ہے ستم رانی (۴۱)

منیر کا دوسرا قصیدہ ایک سو اکسٹھ اشعار پر مبنی ہے جو مبالغے کی صفت سے مزین ہے اس قصیدے کا آغاز شاعر کے داخلی غم کے ساتھ فلسفۂ حیات وممات کی داستان لیے ہوئے ہے۔شاعر نے مکالمے اور کہانی پن کی تکنیک سے اپنے بیانیے کو تاثیر اور دل کشی بخشی ہے۔ پورا قصیدہ زور بیان اور جوش بیان کا مرقع ہے۔اس کی تشبیب کا آغاز شب غم کی مصیبتوں اور آفتوں کے بیان سے ہوا ہے۔ چند اشعار اندھیرے گھر کے بیان میں ملاحظہ ہوں:

شب گزشتہ ہجوم بلا سے تھا میں دو چار ۔۔۔ نصیب سوتے تھے فتنے ہزاروں تھے بیدار
مہیب رات تھی ایسی کہ بس خدا کی پناہ ۔۔۔ زبان ہر سر مُو پر تھی الاماں کی پکار
نہ لکھ سکے جو اندھیرے میں میری کیفیت ۔۔۔ فرشتے کاندھوں سے گھبرا کے اڑ گئے ناچار
عجب نہیں ہے جو آنکھوں کی راہ بھولے نیند ۔۔۔ اندھیرے گھر میں غش آ آ کے پھر گیا کئی بار
نمود کاہکشاں اس طرح تھی گردوں پر ۔۔۔ کہ جیسے سنگِ سیہ پر ہو چیونٹیوں کی قطار (۴۲)

شب غم کی تاریکی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ مکان گور کا منظر پیش کر رہا تھا جس کے سبب در و دیوار ڈر کے مارے بھاگنے کو تیار کھڑے تھے۔اسی تاریکی کی وجہ سے فرشتے بھی کاندھوں سے اُڑ گئے کہ

وہ احوال لکھنے سے قاصر تھے۔ اس قدر اندھیرا ہے کہ نیند بھی راستہ بھول جائے۔ سانس بھی یہ منظر دیکھ کر سینے میں جا چھپا۔ یہ اندھیرے وادی ایمن پہنچے تو موسیٰؑ نے ید بیضا آنکھوں پر دھر لیے۔ غلاف کعبہ نے سفید لباس کے لیے التجائیں شروع کر دیں۔ شب غم کی بلاؤں کا یہ ہجوم تھمنے میں نہ تھا کہ موت شاعر کو لے جانے کے لیے آن پہنچی تو زندگی اور موت کے درمیان مکالمہ ہوا۔ اسی شب غم میں شاعر نے اپنی بدنصیبی کا بھی کمال نقشہ کھینچا ہے کہ جزئیات کے بیان میں کمی نہیں رہنے دی۔ اسی الم ناک کیفیت میں جب کہ زندگی دردسر بنی ہوئی ہے موت آدھمکتی ہے اور مناظرہ ہستی و مرگ دیکھنے کو ملتا ہے۔

اس مناظرہ میں دونوں نے اپنی اپنی قدر و قیمت واضح کرنے کے لیے اپنی افادیت کے مختلف پہلو بیان کیے ہیں اور دوسرے کی خامیوں کو بے نقاب کیا ہے۔ ہستی نے اپنی برتری کے دعویٰ میں کہا کہ زمین و آسمان اسی کی بدولت قائم ہیں۔ ہستیِ محمدؐ کی اللہ نے قسم کھائی ہے اور حضرت خضرؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت ادریسؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور مہدیِ حقؑ کا نزول اُسی کی بدولت ہے اور اُسی کے دم سے باغِ جہاں میں رنگینی بہار قائم ہے نیز کہا کہ موت کے نصیب میں نشاط نغمہ کی جگہ صفِ ماتم و نوحہ خوانی ہے۔

موت کا جواب بھی لاجواب ہے وہ کہتی ہے کہ اسی کے باعث سب بدکردار، ستم گر اور اشرار پیوند خاک ہیں اور نیک اسی کی وجہ سے زینت فردوس ہیں۔ الغرض یہ مکالمہ خیال آرائی، طرزِ استدلال، برجستگی اور روانی کے اعتبار سے خاصے کی چیز ہے۔ احوال ذات کی عکاسی میں منیرؔ کے تخیل کی پرواز بلند ہے۔ خاص طور پر ''بے کسی'' کی تجسیم کاری کمال کی ہے۔ غم کی یہ منظر نگاری دیکھیے:

بلا رفیق و قلق ہم نشین و غم مہماں ہزاروں آفتیں دربان، فتنہ چوکیدار
سرہانے بیٹھی ہوئی بے کسی لیے رومال کھڑی ہے پائنتی کو یاس جائے خدمت گار
کہیں بچھی تھی دل کشتہ کی صف ماتم کہیں نکلتے تھے تابوت ہائے صبر و قرار
زمانہ بھر کی بلاؤں میں مبتلا تھا میں خفا میں جان سے تھا، جان مجھ سے تھی بے زار
اُدھر تو کھینچتی تھیں سخت جانیاں دامن اِدھر قضا مری لے جانے کے لیے تیار
میں طرفہ رد و بدل تازہ کشمکش میں تھا مرے لیے ہوئی ہستی و مرگ میں تکرار (۴۳)

ہستی کا دعویٰ فضیلت ہے کہ اُس کے دم قدم سے زمین و آسمان قائم ہیں، اس کی بدولت مسیحاؑ و خضرؑ اور ادریسؑ و الیاسؑ کا وقار برقرار ہے، چند اشعار ہستی اور مرگ کے مناظرے سے ملاحظہ ہوں:

مرے طفیل سے قائم ہیں آسمان و زمیں مجھی سے ہیں مہ و خورشید مطلع انوار

خدا نے کھائی قسم ہستی محمدؐ کی تُو کیا ہے عرش سے بھی میں ہوئی بلند وقار
مرے سبب سے خضر راہنمائے عالم ہے مرے سبب سے ہے الیاس صاحبِ آثار
مرے سبب سے ہے فردوس آشیاں ادریسؑ مرے سبب سے مسیحاؑ ہے آسماں سیّار
مرے پیالہ میں آبِ حیات ہے لبریز تری شراب میں مخلوط زہر عقرب و مار(۴۴)

جوابِ مرگ بھی شاعر کی قادرالکلامی اور ندرت فکر کا مظہر ہے۔اس کے چند اشعار دیکھیے :

میں وہ ہوں جس سے لرزتے ہیں سرکشان جہاں میں وہ ہوں جس سے ہیں عاجز ستم گر و اشرار
مرے سبب سے شہیدوں کو ہے حیاتِ ابد مرے سبب سے ہیں پیوند خاک بد کردار
پسند آتی ہے تو کس کو ضعفِ پیری میں کہ اپنی جان سے ہو جاتے ہیں بشر بے زار
ہزاروں قید میں روتے ہیں جان کو تیری مجھے بلاتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ کر ہر بار
بتا جو نزع کی مشکل نہ میں کروں آسان تو تا بہ حشر پڑا تڑپے نیم کشتہ شکار(۴۵)

آگے چل کر موت کہتی ہے کہ میرے شہر میں سبھی انبیا آباد ہیں جن کے دم قدم سے خلد کی رونقیں بحال ہیں۔انھیں میں حبیبؐ خدا بھی ہیں جو شفیع امت ہیں۔یہی اس قصیدے کا گریز ہے اور شاعر کی مہارت اور فکر رسا کی داد دینا پڑتی ہے کہ کس خوب صورتی اور غیر محسوس طریقے سے مدح کی طرف رجوع کیا ہے۔شعر دیکھیے :

پیمبرانِ خدا میرے شہر میں سب ہیں کہ جن کے نقشِ کف پا سے خلد ہے گلزار
خصوصاً اُن میں شہ انبیا حبیبؐ خدا شفیع امت و محبوب ایزد و غفار(۴۶)

منیؔر نے مدح کے حصے میں رسول اکرمؐ کے عشق، عدالت، مسیحائی، معراج اور گردِراہ کے علاوہ براق کی برق رفتاری اور روضۂ اقدس کے مضامین باندھے ہیں جن میں بلند تخیل کی واضح جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔یہاں مبالغہ بھی زوروں پر ہے اور تشبیہ بھی عروج پر ہے۔عدالت کے باب میں کہا گیا شعر ندرت فکر کی عمدہ مثال ہے:

عجب نہیں جو تری وادیِ عدالت میں برائے فصدِ رگ شعلہ آئے نشتر خار(۴۷)

براق کی برق رفتاری پر منیؔر نے سولہ کے قریب اشعار کہے ہیں جن میں چالیس سے زائد تشبیہات بیان ہوئی ہیں۔یہ تشبیہات شاعر کی قادرالکلامی، نازک خیالی اور ندرت فکر کی عمدہ مثال ہیں۔ اردو نعتیہ قصیدہ نگاری میں یہ غالباً اپنی نوعیت کی واحد کاوش ہے جس میں ایک مشبہ کے لیے مشبہ بہ کی اتنی زیادہ مثالیں کام میں لائی گئی ہیں۔لطف کی بات یہ ہے کہ ہر مشبہ بہ کی صفت کو رد کر دیا گیا ہے۔چند شعر

ملاحظہ ہوں:

خیال و وہم و خرد ، فہم و برق و نور نظر — غبار و دود و شجر ، سنگ رہ ، بت و دیوار
شتاب و سرعت و تعجیل و جستجو و تلاش — درنگ و وقفہ و تاخیر و بے خود و بے کار
خدنگ ، وہم و دل و عقل و عمر و روح و حواس — شکستہ خستہ و پا بستہ بے پر و ناچار
شمیم باغ و شرار و غزال و طبع حکیم — پریدہ رنگ و تہ سنگ و بسمل و بیمار
جہات و امکنہ ، غیب و شہادت و ابعاد — خفیف و نادم و حیرت نصیب و بے خود و خوار
مجردات و بسایط ، جواہر و اعراض — عجب میں سکتہ میں درماندہ پشت بر دیوار
زمان و ساعت و اوقات و لحظہ و لمحہ — ضعیف و عاجز و محجوب و سست و حیرت زار
ذرا سی گردش چشم اس کے واسطے مہمیز — سوا لگام کی جنبش سے اس کو قصد سوار(۴۸)

اس کے علاوہ قصیدے میں جنابِ رسولِ کریمؐ کے اسم مبارک،خلق عظیم،شفاعت،شق القمر، جمال پاک،گیسوئے خم دار، چہرۂ انور اور مقام محمود اور وسیلہ کے مضامین ہیں۔سراپا مبارک میں تقابل کی فضا نظر آتی ہے جب کہ محشر میں شفاعتِ رسولؐ کی منظر نگاری میں کہانی پن کا قابلِ داد عنصر موجود ہے۔ چند اشعار مثال میں ملاحظہ ہوں:

خدا سے پائیں گے جس دن مقام محمود آپؐ — خوشی سے عرش کے پہلو میں ہوں گے شکر گزار
کریں گے حمد خدا منبر وسیلہ پر — بھریں گے جیب فصاحت میں گوہر شہوار
خدائے پاک کرے گا حضور کو راضی — کھلیں گے خلق کو معنی احمد مختار
کلید دوزخ و فردوس پائیں گے حق سے — شفاعت آپ کی مقبول ہو گی بے تکرار
رہیں گے خدمت اقدس میں دوستانِ خدا — جو دشمنان خدا ہیں وہ ہوں گے طعمۂ نار(۴۹)

منؔیر نے دعا میں آنحضرتؐ کی زیارت کے بعد حج بیت اللہ کی تمنا کی ہے اور پھر مزارِ حضرت علیؓ پر حاضری کی دعا مانگی ہے۔منؔیر شکوہ آبادی کے نعتیہ قصائد فکری اپج اور جدت و تازگی کے آئنہ دار ہیں۔خاص طور پر ان کی دونوں تشبیبوں میں ندرت فکر کا احساس ملتا ہے۔داخلی کرب کے ساتھ خارجی احوال کے بیان میں انھوں نے نت نئے مناظر تراشے ہیں۔یہی صورتِ ہمیں مدح کے مضامین میں بھی دکھائی دیتی ہے۔عدالتِ رسولؐ میں اُن کا بیان سوؔدا سے کہیں زیادہ نازک خیالی کا حامل ہے۔وہ اُردو قصیدہ کا وہ نمایاں نام ہیں جن کے قصائد کا فارسی کے بلند پایہ شعرا کے قصائد سے بلا جھجک موازنہ کیا جا سکتا ہے۔منؔیر ایک بلند پایہ قصیدہ نگار ہیں۔اُن کے بارے میں ذاکر حسین فاروقی لکھتے ہیں:

''منیر قصائد میں انوری، خاقانی، قاآنی اور ظہیر فارابی کا پہلو دباتے ہیں، منیر کا مقابلہ اگر کیا جاسکتا ہے تو صرف ایران کے نازک خیالوں سے۔''(۵۰)

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ قصیدہ نگار تشبیب میں تو اپنی فکر کی جولانیاں بڑی مہارت سے دکھاتے ہیں مگر مدح کے حصے میں اُن کی جودت طبع کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے لیکن منیؔر کے ساتھ ایسا نہیں۔ وہ قصیدے کے آغاز سے جو معیار تخیل وضع کرتے ہیں آخر تک اسی کو نبھاتے ہیں۔ ایک اور خوبی جو اُن کو دیگر قصیدہ نگاروں سے ممتاز کرتی ہے، وہ ہے اُن کا عصری شعور۔ وہ اپنے عہد کے سیاسی احوال کے چشم دید گواہ تھے۔ انھوں نے اپنی فنی مہارت کو نہ صرف احوال کے بیانیے کے لیے برتا ہے بل کہ مغلیہ حکومت کے زوال کے اسباب و علل کا ناقدانہ جائزہ بھی پیش کیا ہے۔

انھوں نے مدح میں ادب کی فضا کو ملحوظ رکھا ہے شرک کا شائبہ بھی نہیں گزرنے دیا اور نہ ہی انبیا کے تقابل میں کہیں لغزش کھائی ہے۔ مضامین میں سیرت و سراپا کا حسین امتزاج دکھائی پڑتا ہے۔ ادائے مضامین کے لیے صنائع بدائع کے استعمال پر انھیں کمال قدرت حاصل ہے۔ تجنیس، لف ونشر، رعایت لفظی، تعلیل، تضاد، تشبیہ، استعارہ، مبالغہ اور تلمیح کو نہایت روانی سے برتا ہے۔ اُن کے ہاں قرآنی و تاریخی ہر دو طرح کی تلمیحات ملتی ہیں جن میں ''اولی الابصار، جناتِ تحتہا الانھار، نریمان، رستم کیانی، تابوت سکینہ، کحل سلیمانی، مروارید عمانی، ملتانی لوڑی'' نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ موسیقی، طب اور نجوم کی اصطلاحات اُن کی وسعت علمی پر دال ہیں۔ اُن کا لفظی اسلوب قصیدے کے روایتی جلال سے مطابقت رکھتا ہے۔ اُن کے ہاں لفظی شکوہ اور زورِ بیان کے علاوہ بلند تخیل کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ مختصر یہ کہ اُن کے ذکر کے بغیر اُردو نعتیہ قصیدے کی روایت نامکمل ہے انھوں نے نعتیہ قصیدے کو عصری شعور سے ہم آہنگ کر کے اس کے فکری کینوس کو وسعت دی ہے جس کے لیے وہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

4- قربان علی بیگ سالک: (م: ۱۸۸۰ء)

سالک کا خاندان دلی سے حیدرآباد (دکن) چلا گیا۔ وہیں مرزا قربان بیگ سالک دسمبر ۱۸۲۴ء میں مرزا عالم بیگ خان کے ہاں پیدا ہوئے (۵۱) اُن کی تعلیم و تربیت دلّی میں ہوئی کیوں کہ ان کے والد ملازمت ترک کر کے ۱۸۳۰ء میں دلی منتقل ہو گئے تھے۔ ابتدا شاعری میں مومن کی شاگردی اختیار کی۔ اُن کی وفات کے بعد غالب سے اصلاح لینے لگے۔ پھر ایک وقت آیا کہ غالب کے جانشین مانے جانے لگے۔ جنگ آزادی کے بعد حیدرآباد چلے گئے جہاں انھیں کثیر شاگرد میسر آئے۔ آخر چھپن

سال کی عمر میں ۱۸۸۰ء میں معمولی علالت کے بعد اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے (۵۲)

کلیات سالک میں اڑسٹھ اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔ تشبیب میں زمانے کی ستم ظریفی اور تقدیر کی سختی کے بیان میں پچیس اشعار نئے انداز اور مثالوں میں رقم کیے گئے ہیں۔ مطلع ثانی میں ہجر محبوب کے ذکر کے بعد گریز کیا ہے۔ اس کے بعد مدح کی ذیل میں تیس اشعار ہیں جس میں مطلع ثالث بھی شامل ہے۔ مطلع دل آویز ہے اور بعد کی سوگواری صورتِ حال سے میل کھاتا نظر آتا ہے:

قدر انداز چرخ، مَیں نخچیر اب نہیں ہے نجات کی تدبیر
ہوں میں وہ کشتنی کہ ہر سفاک تیز کرتا ہے دم بہ دم شمشیر
جاؤں گر عین موسم گل میں رشکِ ملتاں ہو گرمیِ کشمیر(۵۳)

اس کے بعد محبوب کے وصل کے ثمرات کا بیان کر کے اپنی قسمت کا رونا رویا ہے اور پھر محبوب کے ستم کا شکوہ کیا ہے۔ ذیل کے اشعار دیکھیے:

وہ سمجھتے ہیں غم کو مصنوعی اور آتی نہیں مجھے تقریر
نہ ہوا کوئی عقدہ وا نہ ہوا گھِس گئے میرے ناخن تدبیر(۵۴)

پھر اپنی اس ساری سخن وری کو بے ہودہ تقریر کہہ کر غلطی کا اعتراف کیا ہے اور مدح کی طرف یوں رجوع کیا ہے:

غلطی کی وگرنہ لکھنی تھی نعت شاہنشہ فلک توقیر (۵۵)

مدح میں آنحضرتؐ کی رفعت اور سر بلندی کے بیان میں کیا گیا ہے کہ آپؐ کا نام نامی لوح پر تحریر ہے۔ آپؐ کے معجزے کثیر ہیں۔ فلکِ پیر آپؐ کے خدام میں سے ہے۔ مہر منیر آپؐ کے زیر قدم ہے اور آپؐ کے احباب پر ربِ قدیر کا التفات ہے، اس لیے دنیا کے بادشاہوں سے آپؐ کو تشبیہ دینا غیر موزوں ہے۔ اس کے علاوہ سالک نے آپؐ کی ''شمشیر، نور، سایہ، اختیار، حدیث، احکام اور انبیا پر فضیلت'' کے موضوعات سے عمدہ مضامین اخذ کیے ہیں۔ جیسے:

سن کے تیری حدیث شیریں کو ''ارنی گو'' کی صاف ہو تقریر
تھا سلیماں کے پاس ایک نگیں یاں ہے ہر نکتہ خاتم تسخیر
استواری میں غیرت اجرام قصر احکام کی ترے تعمیر
کیوں ''اناالحق'' سرا کو ٹھہرایا حق سرائی پہ واجب التعزیر
ہاں وہ کہتا '' انالرسول'' اگر تھی سزاوار دار یہ تقصیر

تیرا سایہ زمیں پہ کیوں کہ پڑے جب کہ زیرِ قدم ہو مہر منیر(۵۶)

آخر میں سالک نے دل میں عشقِ نبیؐ جاگزیں ہونے اور بغیر حساب کتاب بخشے جانے کی دعا مانگی ہے نیز حق نعت ادا نہ ہو سکنے کا اعتراف کیا ہے:

میرے عصیاں کہیں نہ پوچھے جائیں روزِ محشر نہ ہو مری تحقیر

نعت تیری بیاں ہو کیا مجھ سے اس قدر کب ہے وسعت تقریر(۵۷)

قصیدے میں مطلع موزوں ہے، تشبیب اور مدح کے اشعار تقریباً برابر ہیں اور دونوں میں برابر زورِ بیان نظر آتا ہے مگر گریز میں چاشنی نہیں۔ رفعت خیال اور مضمون آفرینی کی مثالیں موجود ہیں۔ حسن تعلیل کے حامل اشعار ندرتِ فکر کا عنصر لیے ہوئے ہیں۔ تشبیہ، رعایت لفظی اور تقابل نے کلام میں شگفتگی اور کشش پیدا کر دی ہے۔ ایک آدھ جگہ عمدہ تکرار بھی استعمال ہوئی ہے۔ ''انا الرسول'' والا شعر محل نظر ہے مگر شاعر کی شیفتگی کا مظہر ضرور ہے۔

5-صابر دہلوی: (م:۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء)

قلعہ معلّٰی کے تیموری شہزادے صابر دہلوی کا اصل نام مرزا محمد قادر بخش ہے۔ اُن کے والد کا نام مرزا اکرم بخت ہے۔ وہ ۱۲۲۳ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے (۵۸)۔ انھوں نے حافظ عبدالرحمٰن خان احسانؔ سے اصلاح لی۔ احسانؔ کی وفات کے بعد امام بخش صہبائی سے کسبِ فیض کیا (۵۹)۔ دہلی اُجڑنے کے بعد بنارس میں مقیم ہوئے اور ۱۲۹۹ھ (م:۱۸۸۱ء) میں انتقال کے بعد وہیں دفن ہوئے (۶۰)۔ صابرؔ سے ایک تذکرہ ''گلستانِ سخن'' منسوب ہے۔ اُن کا دیوان ''ریاض صابر'' ۱۳۰۴ھ میں شائع ہوا۔ اس میں تراسی اشعار کا نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔ مطلع ملاحظہ فرمائیں:

نہ حاسدوں کو ملے لذتِ حلال و حرام کہ صورت دہن بے زباں ہے حلقۂ دام (۶۱)

صابرؔ ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔ اس قصیدے میں اُن کا زورِ طبیعت کھل کر سامنے آیا ہے۔ تشبیب کے اشعار شاعر کی داخلی کیفیت اور حکیمانہ افکار کے عکاس ہیں۔ انھوں نے قوتِ مشاہدہ کو کام میں لاتے ہوئے نادر تشبیہات نکالی ہیں۔ اُن کی بلند فکری اُن کے تخلیقی وفور کا پتا دیتی ہے۔ یہاں انداز ناصحانہ میں اُن کی علو فکری کے جوہر نمایاں ہوئے۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

سخن کا مرتبہ کرتی ہے خامشی زائل کھلیں نہ تیغ کے جوہر جو ہو میانِ نیام

نہ قدرِ رتبۂ عالی ہو پست فطرت کو کہ خاک کو نہیں ہوتا کبھی ہوا پہ قیام

دو چند مرتبہ چاہے تو اپنی جنس سے مل — کہ ہوویں ایک سے دو حرف باعثِ ادغام
دنی سے فائدہ ہو سربلند سے تکلیف — ہو آسیا و فلک سے ہزار نسبتِ تام(۶۲)

تشبیب کے بعد صابرؔ نے ایک غزل کہی ہے اور پھر قطعہ بند اشعار شکایتِ فلک کینہ کار کے بیان میں ہیں۔ ان اشعار کو انھوں نے بے کار قرار دیتے ہوئے مدح رسولؐ کی طرف رجوع کیا ہے کہ یہ کام باعث عز و افتخار ہے۔ گریز عین موزوں ہے۔ شعر دیکھیے:

فلک کا شکوہ فقط ژاژ خائی ہے صابر — ضرور کیا ہے یہ بے سودِ محض کرنا کام
تو اس کی مدح طرازی کا فوق حاصل کر — کہ شخص نطق کو ہو تاجِ فخر تیرا کام(۶۳)

مدح رسول کریمؐ میں صابرؔ کی شیفتگی دیدنی ہے اور فکر و تخیل کی بلند پروازی قابلِ داد ہے۔ انھوں نے نکتہ رسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کچھ نئے مضامین بھی اُردو قصیدے کو عطا کیے ہیں۔ ندرت فکر کے ساتھ ندرِت ادا نے اُن کے کلام میں تازگی پیدا کر دی ہے۔ یہی تازہ فکری قاری کے قلب و ذہن کو معطر کرتی نظر آتی ہے۔ چند خوب صورت اشعار دیکھیے جو صابرؔ کی جودت طبع کے غماز ہیں:

پیمبری کا تری ہے وہ رتبۂ عالی — کہ ناز کرتا ہے تقدیر پر خدا کا کلام
تو ہم زبان خدا کا ہے اے رسولؐ خدا — تری زبان میں بھیجا خدا نے اپنا کلام
لگا کے بابِ شفاعت پہ قفل ابجد کا — رقم جنابؐ کے اس پر کیے حروفِ نام
وہ بحرِ نظمِ دو عالم ہے تُو شفیع انامؐ — عروض و صدر ہے تُو حشو ہے زمانہ تمام
وہ کہتے اشھد ان لا الہٰ الا اللہ — جو ہوتے عہد رسالت میں تیرے لچھمن و رام
تمام زیر ہوئے کافرانِ تیرہ دروں — کیا ہے نیزۂ حضرت نے حرف جار کا کام(۶۴)

اس کے علاوہ صابرؔ نے اس قصیدے میں آنحضرتؐ کے عدل و انصاف کو موضوع بنایا ہے اور بتایا ہے کہ آپؐ نے بت پرستی اور شرک کا خاتمہ کیا؛ زمانے سے ظلمت کا نام و نشان دور کیا اور آپؐ نے جہاد کا آغاز کیا۔ آپؐ کی شریعت ایسی ہے کہ اس پر عمل پیرا صحابہ کرامؓ مانند آفتاب روشن ہیں۔

انھوں نے عدم سایۂ مبارک کی خوب صورت علت پیش کی ہے کہ سایہ تاریک ہوتا ہے اور آپؐ سراپا نور ہیں، اس لیے آپؐ کا سایہ قدرت کو منظور نہ ہوا۔ چند اشعار دیکھیے:

ہوا جو سایہ نہ ظاہر سبب یہ ہے اس کا — کہ سائے جتنے ہیں وہ ہیں سیاہ فام تمام
خدا کا نور ہے تُو، نور و تیرگی ضد ہے — نہ تیرگی کا تجھے پیش نور پائے قیام(۶۵)

یہ قصیدہ مضامین کے تنوع اور حفظ مراتب کی پاسداری سے ممیّز ہے۔ اس میں نعت کے

ساتھ آلِ رسولؐ سے عقیدت اور صحابہؓ سے محبت کا اظہار بھی ملتا ہے لیکن مرکزیت نعت ہی کو حاصل ہے۔ شاعر کا آنحضرتؐ سے گہرا قلبی لگاؤ اشعار سے واضح جھلکتا ہے۔ عجز و نیاز مندی کا جذبہ عروج پر ہے۔ آپؐ کی ذات پاک ہی شاعر کو محبوب نہیں، دین اسلام کی سربلندی کی تمنا بھی اس کے دل میں موج زن دکھائی دیتی ہے۔ شاعر نے زارِ روس سے نجات کے ساتھ اسلام کے دائمی قیام کی دعا مانگ کر دین اسلام سے والہانہ پن کا ثبوت تو دیا ہی ہے، اس کے ساتھ عصری شعور کی بھی اطلاع دے دی ہے۔ شعر دیکھیے:

مدام دین محمدؐ کو رکھیو تو قائم	یہ زارِ روس پھرے ناامید اور ناکام
الٰہی یا تو یہ ہو اس جہان سے غارت	مٹا دے اس کا ابھی صفحۂ جہاں سے نام
رہے تو دین محمدؐ میں اس کو داخل کر	مع سپاہ و رعیت ہو داخلِ اسلام(۶۶)

مختصر یہ کہ یہ قصیدہ اپنے موضوعات کے نئے پن، پیش کش کی جدت، طرز بیان کی چاشنی، جذبوں کی صداقت اور تخیل کی رفعت کے باعث اہل ذوق کی تسکین کے سارے سامان رکھتا ہے۔

6- نواب کلب علی خان فائق: (م: ۱۸۸۷ء)

نواب کلب علی خاں بہادر ۱۸۳۲ء میں والیِ ریاست رام پُور سر نواب یوسف علی خان بہادر کے گھر پیدا ہوئے۔ وہ عربی اور فارسی کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ انھیں بے شمار خطابات سے نوازا گیا۔ وہ ۱۸۷۸ء سے اپنی وفات تک ''جان لارنس کونسل'' کے رکن رہے۔ انھوں نے رام پور میں اپنے والد کی قائم کردہ لائبریری میں توسیع کی اور کئی مشہور کلاسیکی شعرا کے کلیات و دواوین مرتب کیے۔ وہ خود بھی اردو فارسی کے اچھے شاعر تھے اور نواب تخلص کرتے تھے۔ اُن کی تخلیقات میں ''دستنبوئے خاقانی، دراۃ الانتخاب، مضامین رفیع، تاج فرخی اور نشید خسروانی'' نمایاں ہیں۔

ان کے شعری دیوان ''نشید خسروانی'' میں اٹھاون اشعار کا ایک نہایت مرصع اور دل کش نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔ یہ فنی اعتبار سے ایک مکمل قصیدہ ہے جس کے تمام عناصر باہمی ارتباط کی خوبی سے مزین ہیں۔ قصیدے کا لفظی شکوہ دیدنی ہے۔ زور بیان اور پُر جوش لہجہ صنائع بدائع کے شستہ مذاق سے ہم آہنگ ہے۔ بہاریہ تشبیب میں زمین و آسمان دونوں قسم کے مناظر بیان ہوئے ہیں۔ گلشن میں بادنسیم کی عطر بیزی، سبزے کی نوخیزی، طیور کی زمزمہ پردازی اور گلوں کی شگفتگی کی منظر نگاری عروج پر ہے۔ یاسمین رشک پروین بنی ہوئی ہے تو گل سوسن نیلم کی کان کا نقشہ پیش کر رہا ہے۔ نواب صاحب کے ہاں

تشبیہات میں تازگی اور نادرہ کاری کا عنصر واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔اس منظرنگاری میں گلستان کی جزئیات پر بھر پور توجہ کی گئی ہے۔خیال کی رفعت اور نزاکت نے چار چاند لگا دیے ہیں۔ بہار کے رنگ اشعار کی صورت میں ملاحظہ ہوں:

جوش پر ہے ان دنوں فصل بہارِ بوستاں چہرۂ ہستی سے ہے کافور کیا رنگ خزاں
سبزۂ نوخیز ہے طوبیٰ و سدرہ کا جواب گل کھلے ہیں یا ستارے آسماں پر ہیں عیاں
چندنی کے پھول ہیں مہتاب پر چشمک فگن عشق پیچاں نے ہیں ڈالی پائے گل میں بیڑیاں
دار بستوں پر طیور نغمہ زن کا ہے ہجوم صحن گلشن میں چکارے کرتے ہیں خوش فعلیاں(۶۷)

گلستان میں پھولوں کی بہار کے ساتھ شاعر نے حسن کی بہار کی منظر کشی بھی خوب خوب کی ہے۔خوب صورت حسینائیں باغ میں جھولا ڈالے،خوشی سے سرشار گیت گانے میں محو ہیں۔انھوں نے ان دوشیزاؤں کی چوڑیوں اور رقص کا بھی نقشہ کھینچا ہے۔ یہاں ہمیں خوب صورت سمعی و بصری پیکر دیکھنے کو ملتے ہیں۔پیکر تراشی کے حامل یہ اشعار غزل کی چاشنی سے بھی مملو ہیں۔مثالیں دیکھیے:

جا بجا ہیں جمگھٹے پریوں کے حوروں کے جماؤ چھیڑ چھاڑ آپس میں آفت کی بلا کی شوخیاں
جھولتے جھولوں میں ہیں مہ طلعتان برق وش ہے ارادہ کافروں کا جا کے چھو لیں آسماں
حلقۂ قوسِ قزح میں کہکشاں ہے جلوہ گر گوری گوری ساعدوں میں سرخ دھانی چوڑیاں
رقص میں زہرہ جبینوں کی ہے چھم چھم کی صدا گھنگھروؤں میں صاف اندازِ فغانِ عاشقاں(۶۸)

شاعر وصف بہار میں محو تھا کہ صدائے ہاتف نے شاعر کو اپنی فکر نکتہ رس کو مدحتِ رسولؐ میں صرف کرنے کی نصیحت کی۔اس گریز کے بعد مدح کا آغاز ہوتا ہے جس میں حضور اکرمؐ کی ذاتی صفات، معجزات،سراپا مبارک،ناقہ،روضہ اور شمشیر کا ذکر نمایاں ہے۔شاعر کے نزدیک حضور نبیِ رحمتؐ بے مثل و یکتا ہیں؛ آپؐ باعث تخلیق کائنات ہیں؛ آپؐ قلزم زخار حلم ہیں؛ آپؐ زمزم علم لدنی ہیں اور صاحب خلق عظیم ہیں۔اس حصّے میں بھی شاعر کے زور بیاں میں کمی نہیں آئی بل کہ تازہ تراکیب اور تازہ فکری اس بات کی غماز ہے کہ شاعر نے یہ اشعار عشقِ رسولؐ میں ڈوب کر لکھے ہیں۔عشق و وارفتگی سے مملو چند اشعار ملاحظہ ہوں:

قلزمِ زخارِ حلم و لنگرِ بحر وقار کشتیِ طوفانِ محشر ، ناخدائے بے کساں
نجمِ یکتائے نبوت، اخترِ برجِ شرف مہر اوجِ اصطفا، بدر سپہر عز و شاں
نورِ نخل بے مثالی ، طُورِ ایمان و یقیں زمزمِ علم لدنی ، کعبۂ امن و اماں

ان کا خلق عام ایسا ہے کہ جس کے فیض سے خارِ سرکش کے لیے ہے دامنِ گل سائباں
بارگاہِ مدح والاؐ سے ہے عالم بہرہ ور چشمۂ لطف وعنایت سے ہے سیراب اک جہاں(۶۹)

شاعر کے اس قصیدے میں حقیقی اور تخیلاتی دونوں طرح کے مضامین شامل ہیں۔ حقیقی مضامین قرآن وحدیث کے معتبر حوالوں سے اخذ کیے گئے ہیں۔ فائق کا اندازِ بیان دعویٰ ودلیل سے مزین ہے۔ اُن کا ایک موضوع آپؐ کی شانِ رسالت ہے۔ اُنھوں نے مقام رسالتؐ کے چند نمایاں پہلو اُجاگر کیے ہیں۔ انھیں آپؐ کے اختیارات کا بھرپور ایقان ہے۔ انھیں اس بات کا بھی بھرپور ادراک ہے کہ آپؐ کی دسترس اور رسائی اہل ایمان کے لیے باعث تقویت ہے تو یہی امر دشمنانِ دین کے لیے قیامت کی گھڑی سے کم نہیں۔ ان میں معجزات وتلمیحات کا بیان مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

سنگریزے دست دُرافشاں میں گویا ہو گئے جنبشِ انگشت سے جاری ہوئی نہرِ رواں
چاند کے ٹکڑے رسالتؐ کے لیے ہیں شاہدین جلوۂ بے سائیگی سے مظہرِ حق ہے عیاں
شمس کی رجعت عدو کو ہے قیامت کی گھڑی بولنا پتھر کا اہلِ کفر کو کوہِ گراں
حضرت حیدرؓ کو دیکھا چشم لطف و مہر سے ہوگیا پل میں رمدآنکھوں سے بےنام ونشاں(۷۰)

حسن طلب میں شاعر نے اپنے امراض کی دوری اور اہلِ اسلام کی جنت میں گلگشت کرنے کی دعا مانگی ہے اور اپنے اس قصیدے کے مقبول ہونے کی خواہش کا بھی اظہار کیا ہے۔ دعا کی خاص بات یہ ہے کہ خطاب جناب رسول کریمؐ سے ہے اور مسیحائی کے لیے شافی امراض اللہ رب العزت، چار یار، اہل بیت، اصحاب عظام اور اولیائے کرام کا وسیلہ دیا ہے۔ قصیدے کی روایت کے مطابق اسلام کے دشمنوں کے لیے رنج ومصیبت میں مبتلا رہنے کی بددعا بھی اس حصّے میں شامل ہے:

یا رسول اللہؐ! صدقہ شافی امراض کا واسطہ اپنی مسیحائی کا اے شاہِ شہاں
از برائے چار یار و اہلِ بیتِ ذی کرم بہر اصحاب عظام و اولیائے ہر زماں
دور ہوں امراض میرے مجھ کو صحت ہو نصیب شہد ناب تندرستی سے رہوں رطب اللساں
امتی ہوں آپؐ کے سیارِ فردوسِ بریں کنجِ تاریک سقر زنداں ہو بہر دشمناں(۷۱)

نواب کلب علی خاں فائق کا یہ قصیدہ عشق رسول پاکؐ کا مظہر ہونے کے علاوہ اُن کے شعری شعور، علمی لیاقت اور قادرالکلامی کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ یہ فکری وفنی لحاظ سے ایک بھرپور قصیدہ ہے جس میں شوکت الفاظ، رفعت خیال، ندرت فکر اور صنائع بدائع کا سلجھا ہوا استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔ دعا میں مناجات کے بجائے بارگاہِ رسالتؐ میں استمداد کا انداز اختیار کیا ہے۔

7-نیاز احمد ہوش بریلوی: (م: ۳ جون ۱۸۹۲ء)

نیاز احمد ہوش بریلی کے رہنے والے تھے۔ روہیل کھنڈ کے سابق والی حافظ الملک نواب رحمت خان کی اولاد سے ہیں۔ وہ ۱۸۳۷ء کو حافظ نیاز محمد خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ جوش بریلوی اور پھر مظفر علی خاں اسیر سے مشورہ سخن کیا۔ اس سے پہلے وہ خلیفہ امیر الدین آزاد سے اصلاح لیتے تھے (۷۲) اُن کی تصانیف میں ''تاریخ روہیل کھنڈ، ترانہ ہوش (مثنوی)، شہادت بے نظیر، فسانہ غرائب، واسوخت ہوش اور کلیات ہوش شامل ہیں۔ اُن کا کلیات اُن کے خلفِ اکبر نواب نثار احمد نے مرتب کیا ہے۔ اس میں حمد، نعت اور منقبت کے قصائد ہیں۔ وہ طویل قصائد لکھتے ہیں جن میں پانچ سات مطلع ہوتے ہیں۔ اُن کا پہلا نعتیہ قصیدہ ''اوجِ بیان'' اڑتالیس جب کہ دوسرا قصیدہ ''قفل ابجد'' ایک سو تیئس اشعار کا ہے اور اس کے پانچ مطلع ہیں۔ ان قصائد کے مطالع یوں ہیں:

عروج اتنا بڑا ہے فضلِ رب سے طبعِ انور کا کہ شک اوجِ مضامیں پر ہے معراج پیمبر کا (۷۳)
کھنچا پُر کارِ کُن سے دائرہ چرخ زبرجد کا ہوا جب جائے مرکز پہلے نقطہ میم احمد کا (۷۴)

نیاز کے قصائد ندرت فکر کی خوبی سے مالا مال ہیں۔ اُن کے ہاں زبان و بیان میں جوش اور جلالت ہے۔ نادر تشبیہات اور بلند تخیل قاری کو دعوت فکر دیتے نظر آتے ہیں۔ اُن کا مطالعہ وسیع ہے اور اُن کے مضامین میں تنوع پایا جاتا ہے۔ اُن کے بارے میں ڈاکٹر سعادت سعید کی رائے دیکھیے:

> ''ان قصائد میں نجوم، علم الکلام، قرآن، تصوف اور بعض دیگر علوم کے حوالے سے بھی بہت کچھ معرض اظہار میں آیا ہے۔ یہ قصائد نیاز احمد ہوش کے علمی قد کی خبر بھی دیتے ہیں اور اس امر کا احساس بھی دلاتے ہیں کہ شاعر کا اسلوب مؤثر اور شگفتہ ہے۔ یہ اسلوب فضا کو بوجھل نہیں ہونے دیتا ہے۔'' (۷۵)

ہوش بریلوی کے قصائد میں چاروں ارکانِ قصیدہ اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہیں۔ اُن کے مطالع پُرزور ہیں۔ گریز بھی عمدہ نبھاتے ہیں۔ تشبیب میں انھوں نے شاعرانہ تعلّی، انسان کے شرف و بزرگی اور انسانوں کی اعمال کے لحاظ سے اقسام جیسے مضامین باندھے ہیں۔ پہلے قصیدے کی تشبیب میں فخریہ اشعار زور بیان اور بلندی فکر کا اعلیٰ نمونہ واقع ہوئے ہیں۔ انھوں نے خود کو ملک معانی کا بادشاہ کہا ہے اور اپنے معنی کو چراغ کعبہ اور بندش کو پوشش کعبہ سے تشبیہ دی ہے۔ ان اشعار میں کمال کا مبالغہ ہے لیکن اس سے بھی بڑا کمال یہ ہے کہ اپنی سخن دانی کو فیضان نعت قرار دے کر مدح کی طرف

رجوع کیا ہے۔ مدح کے آغاز سے قبل انھوں نے اپنی داخلی حقیقت منکشف کر دی ہے کہ اُن کے مزاج میں عاجزی اور تواضع ہے، یہ فخریہ اشعار محض سخن گستری کے لیے تھے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چراغِ کعبۂ معنی ہیں تو بندش پوششِ کعبہ — مرے ہر بیت میں انداز ہے اللہ کے گھر کا
شہ ملکِ معانی ہوں نہیں کس جا عمل میرا — کتاب نظم عالم اک ورق ہے میرے دفتر کا
زمانہ میرے میدان قلم کا ایک کونہ ہے — جسے کہتے ہیں خط استوا ڈورا ہے مسطر کا
یہ پایا رتبۂ فیض آفتابِ نعتِ حضرت سے — کہ میں بھی ایک ذرہ ہوں رسول اللہؐ کے در کا (۷۶)

مدح میں انھوں نے حضور نبی کریمؐ کے سراپا مبارک کا نقشہ بڑی شیفتگی سے کھینچا ہے۔ اس میں انھوں نے تخیل کو مقدم رکھا ہے۔ آپؐ کی قامت، روئے منور، گیسو، مژگان، دُر دنداں، بدن، ناف، کمر، بازو، پسینہ اور قدم مبارک کے بیان میں ہوش بریلوی کی ندرت فکر دیکھنے والی ہے۔ چند شعر دیکھیے:

مثالِ بید قد کو دیکھ کر جب کانپ اٹھے طوبیٰ — تو پھر اے راست بازو! ذکر کیا سرو و صنوبر کا
سوادِ خط میں طور شمع برقِ طُور پیدا ہو — رقم کچھ وصف ہو جائے اگر روئے منور کا
عبث خورشیدِ محشر گرمیاں کرتا ہے اے گردوں — وہ ذرہ بھی نہیں اس آفتاب ذرہ پرور کا
دم آخر جو مژگانِ نبیؐ کا دھیان آ جائے — کھلے فصدِ رگِ عصیاں، کرے وہ کام نشتر کا
کوئی قوت میں بازوئے نبیؐ کا کیا ہو ہم بازو — جگر جب موم ہو جائے قدم رکھنے سے پتھر کا (۷۷)

ہوش کے قصائد پر آمد سے زیادہ آورد کے اثرات ہیں۔ پوری فضا پر نکتہ رسی غالب ہے۔ دعویٰ و دلیل ہے۔ موازنہ و تقابل اور حسن تعلیل کے حامل اشعار کی کثرت اُن کی جودت طبع کی غماز ہے۔ شعر و سخن، قواعد اور نجوم کی اصطلاحات سے علمی شکوہ میں اضافہ ہوا ہے۔ مثالیں دیکھیے:

بسانِ حرف ابجد معنیِ وحدت نہاں رہتے — اگر اس لوحِ عالم پر الف کھنچتا نہ احمدؐ کا
مرے قبضے میں ہے کونین، شاہِ ہر دو عالم ہوں — اشارہ ہے محمدؐ کے یہی میم مشدد کا
خریدارِ متاعِ حُب شہ ہوں نقد دل دے کر — ہے رشکِ مشتری اب نجم میرے بختِ اسعد کا
بڑھے اعداد احمدؐ کے جو آدم سے تو یہ جانا — کہ آٹھوں خلد پر اے مومنو! قبضہ ہے احمدؐ کا (۷۸)

ہوش بریلوی کے قصائد میں سیرت سے زیادہ سراپائے رسولؐ پر توجہ مرکوز کی گئی ہے اور ان پر جذبوں سے زیادہ کہیں زیادہ منطقی استدلال کا غلبہ ہے۔ نعت میں ایک مقام پر غُلو کی کیفیت سے توحید کے تقاضے مجروح ہوئے ہیں۔ آغاز سے آخر تک تخیل کی پرواز بلند سطح پر رہتی ہے۔ سراپائے رسول کریمؐ کا بیان ہوش بریلوی کے خلوص اور محبت کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ اُنھوں نے بنیادی طور پر کلاسیکی روایت کو خوبی سے نبھایا ہے۔

8-امیر مینائی:۔(م:۱۹۰۰ء)

لکھنو سے تعلق رکھنے والے امیر احمد مینائی ۱۸۲۶ء میں کرم احمد مینائی کے ہاں پیدا ہوئے۔ اُن کا سلسلہ نسب شاہ مینا سے ملتا ہے اس لیے قلمی نام امیر مینائی رکھا اور یہی اُن کی پہچان ہے۔شعروسخن میں سید مظفرعلی خاں اسیر لکھنوی کی شاگردی کی اور شاعری میں وہ نام پیدا کیا کہ سینکڑوں تلامذہ اُن سے فیض یاب ہوئے۔وہ رام پور کے نواب یوسف علی خان کے دربار سے وابستہ رہے۔اُن کے انتقال کے بعد نواب کلب علی خاں فائق نے انھیں ملک الشعرا کا خطاب دیا اور خلعت سے نوازا۔ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اُن کی سترہ تصانیف کا ذکر کیا ہے(۷۹)

نعت سے متعلقہ اُن کی تصانیف میں ''محامد خاتم النبینؐ'' نعتیہ مجموعہ ہے۔نعتیہ مثنوی میں نورِ تجلی اور ابرکرم شامل ہیں۔نعتیہ مسدس میں شام ابد، صبح ازل، لیلۃ القدر اور ذکر شاہِ انبیاء کے نام ملتے ہیں جب کہ ''خیابانِ آفرینش'' نثری میلادنامہ ہے۔ان کے مذہبی قصائد کی تعداد پانچ ہے جن میں سے تین نعت پر مشتمل ہیں۔

امیر مینائی اردو نعتیہ قصیدہ نگاری میں اہم مقام پر فائز ہیں۔اُن کے قصائد کے مطالع بہت زوردار اور بھرپور ہیں۔تخیل کی پرواز بلند ہے۔تشبیب میں زورِ بیان دیدنی ہے۔مضمون آفرینی میں انھیں کمال ملکہ حاصل ہے انھوں نے ایک ایک موضوع سے کئی کئی مضامین نکالے ہیں۔ان کے نعتیہ قصائد میں مدح دائرہ نعت سے تجاوز نہیں کرتی۔اُن کے مضامین تاریخی وقرآنی تلمیحات سے مزین ہونے کے علاوہ ندرتِ فکر اور جدتِ ادا کی خوبی سے بھی متصف ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ اُن کی فکر روشِ اعتدال کی حد پار نہیں کرتی۔بقول ڈاکٹر سعادت سعید:

> ''امیر تخیل کے استعمال میں معتدل مزاج تھے۔اُن کے ہاں خیال اور معانی تخیلاتی وادیوں میں گم نہیں ہوتے۔''(۸۰)

اُن کے تخیل کی بلند پروازی میں حسنِ تعلیل کو بہت عمل دخل ہے، علاوہ ازیں رعایتِ لفظی کے حامل اشعار زبان و بیان کی چاشنی سے بھرپور ہیں۔امیر مینائی کا پہلا قصیدہ شہیدی کے مشہور نعتیہ قصیدے کی زمین میں ہے۔شہیدی کے قصیدے کا مطلع یوں ہے:

سر دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت احمدؐ کا ۔۔۔ رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا

ایک سو اٹھائیس اشعار کے اس قصیدے میں تئیس اشعار کی ایک غزل محبوبِ مجازی کے حسن

اور سراپا کے بیان میں ہے، اس کا مطلع دیکھیے:

تفکر امتیازِ جان و جاناں میں کیا حد کا عروض اب تک نہ آیا ہاتھ اس بیت معقد کا(۸۱)

تشبیب کا آغاز تصوف کے فلسفیانہ افکار پر مشتمل ہے۔ بقول امیر مینائی خدا بندے کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہے مگر عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ اُس نور کی تجلی کا مشاہدہ کعبۂ دل میں کیا جا سکتا ہے۔ گو ہر مقصود کے حصول کے لیے عجز و انکسار کا اختیار اور تکبّر سے گریز ضروری ہے جب کہ مجموعی طور پر ناصحانہ رنگ اپنایا گیا ہے۔ اہل صفا کی صفات کے حامل یہ اشعار دیکھیے:

مقام عجز میں آ، رُو سیاہی دُور کر دل کی غضب ہے خانۂ کعبہ میں رہنا مارِ اسود کا

نہ رکھ تاجِ تکبر سر پہ تیرے حق میں سم ہو گا سرِ افعی ہے اس میں ہے جو آویزہ زمرد کا

اطاعت اہلِ دل سے منعموں کی ہو نہیں سکتی زباں چلتی ہے ان کی کاٹ کر رستہ خوشامد کا(۸۲)

اس کے بعد غزل ہے جس میں محبوب کا سراپا عمدہ تشبیہات و استعارات کے ساتھ موجود ہے۔ عارض، زلف، کمر، دہن اور قد کی خوب صورتی کا خوب صورت بیان ہے۔ یہاں لکھنوی شاعری کا رنگ ڈھنگ عروج پر ہے۔ تعلّی میں شاعر نے معنی شناسوں سے خوب داد سمیٹی ہے۔ مبالغے کے باب میں ایک شعر دیکھیے:

کمر کا وصف کرنا صاف حالِ غیب کہنا ہے دہن کی مدح لکھنا کھولنا ہے قفل ابجد کا(۸۳)

گریز کے اشعار برموزوں اور بے ساختہ ہیں جس میں خیر اور شر کے تقابل کا ذکر قابلِ ذکر ہے، اشعار ملاحظہ ہوں:

مگر توصیفِ رخسار و خط و گیسو سے کیا حاصل وظیفہ تھا جو ان بیتوں میں ہوتا وصف احمد کا

ہوئی عبرت مجھے پھیری عناں اسپ طبیعت کی ارادہ بندھ گیا وصفِ جناب خاص سرمد کا

لگا کرنے میں قرآں کی تلاوت پھاڑ کر پوتھی ہوا مسجد میں داخل چھوڑ کر مے خانہ موبد کا(۸۴)

مطلع ثانی سے مدح کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں آنحضرتؐ کے سایہ مبارک، نام نامی، خاکِ مرقد کے وصف میں نئے نئے مضمون نکالے ہیں نیز اس میں شاعر نے اپنی قسمت سے گلہ کیا کہ اسے روضۂ پُرنور کی حاضری سے اب تک دُور کیوں رکھا۔ آخر میں حسانِ عجم کو اپنی تیغِ مہند (ہندی تلوار) کی تیزی دکھائی ہے تو شہیدی کو قصیدے کا ''آئین مجدد'' قرار دیتے ہوئے اپنی زورِ طبع کا بھی ذکر کیا ہے:

کمی اس سے نہیں کی میں نے بھی توصیف حضرت میں
شہیدی گو کہ موجد ہے اس آئینِ مجدد کا(۸۵)

اب ذرا جدت ادا اور مضمون آفرینی کی مثالیں دیکھیں:

زہے خاطر جو دنیا سے بلایا حق نے پاس اپنے رواں ہمراہ قاصد کے کیا ہدیہ خوشامد کا (۸۶)

فلک پر ہوں نہ کیوں کر دیدۂ شمس و قمر روشن لگایا کرتے ہیں آنکھوں میں سرمہ خاکِ مرقد کا (۸۷)

مزید چار مطلعوں کے بعد مدح کا سلسلہ ہے جس میں سراپا نگاری کے ساتھ ذاتِ احمدؐ کے فضائل تلمیحاتی انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ کشتی نوح کا کوہِ جودی پر ٹھہرنا، آتشِ نمرود کا گلزار ہونا، یوسفؑ کو حکومت ملنا، بطن ماہی سے حضرت یونسؑ کا رہا ہونا اور حضرت ایوبؑ کا شفایاب ہونا، آنحضرتؐ کا صدقہ ہے۔ اس کے بعد معجزات میں شق القمر، اشجار کا چلنا، مسندِ رسولؐ کی چوبی لاٹھی کے رونے کا بیان ہے۔ تلمیح، معجزے اور رعایت لفظی کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

بچی طوفاں سے کشتی آ کے ٹھہری کوہِ جودی پر کہا جب نوحؑ نے یا رب بچا صدقہ محمدؐ کا (۸۸)

دلِ انساں کو کیا اس کا گوارا ہو غمِ فرقت کرے نالہ، جگر جب چاک ہو چوبِ مسند کا (۸۹)

اصولِ خمسۂ اسلام جو مشہور ہیں پانچوں مخمس آپ کے دیوانِ ارشاد مؤکد کا (۹۰)

اس کے بعد سات اشعار معراج کے بیان میں ہیں پھر داخلی واردات میں روضے پر حاضری کے وقت مختلف آرزوئیں بیان کر کے نواب کلب علی خان بہادر کی سلامتی اور ثروت مندی طلب کی گئی ہے۔ یہاں عقیدت کے جذبات دیدنی ہیں، سپردگی اور وارفتگی کی کیفیت دل میں اُترنے کی تاثیر سے خالی نہیں۔ اشعار دیکھیے:

سلیقہ گو نہیں دربار کا لیکن توقع ہے
مجاور رحم کھا کر ڈھب بتا دیں گے خوشامد کا
عجب کیا اشک کی صورت گریں حضرت کے قدموں پر
نکل کر پتلیاں ، دونوں کو شوقِ بوسہ ہے حد کا
دعا مانگوں عقیدت سے مجاور سب کہیں آمیں
الہ العالمیں! صدقہ ضریح پاک احمدؐ کا
سلامت رکھ مرے کلبِ علی خانِ بہادر کو
محمدؐ نام جو ہم نام ہے تیرے محمدؐ کا (۹۱)

مجموعی طور پر قصیدہ عشق و عقیدت کے جذبات سے مملو ہے۔ ایک ایک موضوع سے کئی کئی مضامین نکالے گئے ہیں۔ سایہ محمدؐ کی میم اور اسم احمد کی کرامات کے اشعار شاعر کی طبع رسا اور ندرت فکر

کے آئنہ دار ہیں۔صنائع بدائع میں حسنِ تعلیل کا استعمال زوروں پر ہے اسی سے تخیل کی بلند پروازی ممکن ہوئی ہے۔اس کے علاوہ تلمیح ،تکرار، مبالغہ،تقابل، تضاد اور رعایتِ لفظی سے بیان میں زور پیدا کرنے کی کامیاب سعی ملتی ہے۔سب سے بڑی بات یہ کہ الوہیت اور نبوت کے مابین حد فاصل روا رکھی گئی ہے جس سے نعت کی چاشنی پُر کیف اور لطف زا ہوئی ہے۔

دوسرا قصیدہ ایک سو چوبیس اشعار پر مشتمل ہے۔اس کا آغاز حضرت خضرؑ کے ساتھ مکالمے پر مبنی ہے۔ روضۂ اطہر کی خوبی خوب صورت تشبیہات سے نمایاں کی گئی ہے۔معراج پر عرشِ معلیٰ کی پُر متانت و پُر وقار منظر کشی کی گئی ہے جس میں قول محال اور تضاد سے کام لیا گیا ہے۔مطلع کے ساتھ یہ اشعار دیکھیے :

اے خضر! بھول گئی تھی مجھے راہِ تنگ و تاز　　وقت پر آ گئے تم عمر تمھاری ہو دراز
مہرباں خضر ہوئے مجھ سے کہا ’’کون ہے تو‘‘　　کس طرف کا ہے ارادہ ہے کدھر رُوئے نیاز
عرض کی میں نے مسافر ہوں زیارت کا ہے عزم　　کشورِ ہند سے ہوں عازم اقلیم حجاز
حبذا روضہ کہ ہے مرکزِ پُرکار فلک　　حبذا روضہ کہ ہے عرش جہاں پا انداز
سر سے آنکھوں سے جو رکھا درِ دولت پہ قدم　　کبر کے سامنے یوں عجز ہوا نکتہ طراز
کچھ عجب بزم کہ تھی بزم کے اطلاق سے دُور　　عود بے مجمرہ و نغمۂ بے پردۂ ساز(۹۲)

مطلع ثانی میں آنحضرتؐ کے فضائل کا ذکر ہے جن میں آپؐ کی اوّل تخلیق ،لا ثانیت، شفاعت اور سوئے خلد بریں چلے جانے سے نظام جہاں کی برہمی کے مضامین شامل ہیں۔مدح کا زیادہ تر انداز تخیلاتی ہے۔اس میں حضورِ اکرمؐ کے شمائل مبارک کے باب میں شاعر کی نکتہ رسی قابلِ داد ہے۔ اس کے بعد استغاثہ ہے جس میں امن وآشتی کا بیان ہے:

کعبہ رخسار، دو ابروئے خمیدہ قوسیں　　مثل عمر خضرؑ و نوحؑ دو گیسوئے دراز
دیجیے حکم کہ کوتاہ کرے تیغِ غضب　　مثلِ گیسوئے بتاں دست ستم ہو جو دراز
نہ رہے گردشِ ایام کی یہ نیرنگی　　نہ کرے شعبدہ بازی فلک شعبدہ باز(۹۳)

پھر یکے بعد دیگرے دو مطلع ہیں۔ یہاں شاعر نے معجزات اور انبیا کی یاوری کا مضمونِ سابق دہرایا ہے۔پھر زمانے کی سختی کا گلہ کرکے زیارتِ روضہ اور شفاعت طلبی پر قصیدہ ختم کیا ہے:

گرم جس روز کہ ہو محکمۂ روزِ جزا　　کیجیے اپنی شفاعت سے مجھے بھی ممتاز(۹۴)

قصیدہ ہذا کے مطالع دلچسپ اور بھر پور ہیں۔گریز اشعار میں رچا بسا ہوا عین متوازن ہے۔

لفظی شوکت ، تراکیب کی روانی، حسنِ تعلیل اور مضمون آفرینی قصیدے کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ مضامین میں قدرے تکرار دیکھنے میں آئی ہے مگر یہاں بھی طرزِ اسلوب کی تازگی برقرار ہے۔تشبیب میں مکالماتی فضا نے ایک نئے پن کا احساس اُجاگر کیا ہے۔

تیسرا قصیدہ دو مطلعوں کے ساتھ پچپن اشعار کا حامل ہے۔قصیدے کی ردیف ''پھول'' ہے جس کی بدولت پوری فضا معنبر و معطر ہوگئی ہے۔اس ردیف سے نت نئے مضامین نکالنا یقیناً شاعر کی قادرالکلامی اور جودتِ طبع کا نتیجہ ہے:

لائی ہے کیا چمن میں ہر اک شاخسار پھول　　　دکھلا رہے ہیں باغِ جناں کی بہار پھول(۹۵)

شاعر نے آغاز میں بیان کیا ہے کہ پھول صفت پروردگار ہیں، ملکِ حسن کے تاج دار ہیں، دوش بر نسیم بہار ہیں، باغ میں اُن کے دم سے نیرنگی حسن وعشق قائم ہے اور یہ آمد رسولؐ کے انتظار میں دست بستہ قطار میں کھڑے ہیں۔یہی اشعار گریز کے ہیں جو برجستگی اور فطری پن کی عمدہ مثال ہیں:

جتنے درخت ہیں وہ جمائے ہوئے ہیں صف　　　باندھے ہوئے کھڑے ہیں روش پر قطار پھول

پوچھی جو میں نے وجہ تو کہنے لگی نسیم　　　اُس کا ہے انتظار ہیں جس پر نثار پھول(۹۶)

مطلع ثانی کے بعد شمائل مبارک کے حوالے سے اشعار ہیں اور دشمنان دین کی شقی القلبی کے بیان کے بعد شفاعت کی طلب پر قصیدے کا اختتام ہے۔شمائل مبارک کے اشعار شاعر کی ندرت فکر کا نمونہ ہیں:

اس آفتاب رخ سے اگر ہوں دوچار پھول　　　حربا ہوں رنگ بدلیں ابھی بار بار پھول

دستار پر اگر وہ گل کفش طرۃ ہو　　　خورشیدِ آسماں پہ کریں افتخار پھول

اللہ نے دیا ہے یہ اس کو جمالِ پاک　　　سنبل فدا ہے زلف پہ رُخ پر نثار پھول

اللہ کیا دہن ہے کہ باتیں ہیں معجزہ　　　ہوتے ہیں ایک غنچے سے پیدا ہزار پھول(۹۷)

یہ قصیدہ اپنی منفرد ردیف کے ساتھ تازہ اور نئے مضامین کے دریچے وا کرتا نظر آتا ہے۔فنی طور پر تمہید عمدہ ہے، گریز نہایت برمحل اور موزوں ہے اور خاتمہ کے دعائیہ اشعار بھی قصیدے کی خوب صورت تکمیل کرتے نظر آتے ہیں۔امیر مینائی نعتیہ قصیدہ نگاری میں ایک اہم سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔اُن کی قادرالکلامی مسلمہ ہے۔بقول ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں:

''وہ غزل کے استاد سہی لیکن قصیدے میں بھی وہ اردو کے بہترین شعرا میں شمار ہوں گے۔ان کی علمی استعداد، پُرشکوہ الفاظ پر شاندار تمہیدیں اور تشبیب، گریز

اور مناسب دعائیہ سب کا سب اُستادانہ ہے۔"(۹۸)

امیر مینائی نے مضامین میں اعتدال کی روش کو ملحوظ رکھا ہے اُن کے ہاں عشق و وارفتگی کے جذبات نمایاں ہیں۔حسنِ تعلیل، رعایت لفظی، تلمیحاتِ قرآنی اور مفرس تراکیب کے ساتھ محاورات کا برمحل استعمال زبان و بیان کو چار چاند لگائے ہوئے ہے۔تشبیب میں فلسفہ، اخلاق، تعلیّ، مکالمہ اور بہار کے مناظر کا تنوع، گریز کے اشعار کی برجستگی، مدح کا زورِ بیان، سوز و گداز، وارفتگی اور سریع الفہم تشبیہات و استعارات کے ساتھ تخیل کی بلند پروازی نعتیہ قصیدہ نگاری میں انھیں ممتاز مقام پر فائز کرتی ہے۔

9- سخن دہلوی: (م: ۱۹۰۰ء)

خواجہ سید محمد فخر الدین حسین سخن دہلوی ۱۸۳۹ء کو دہلی میں پیدا ہوئے (۹۹)۔۱۸۶۱ء میں وکالت میں سند حاصل کی۔اس کے علاوہ عربی ادب، دینیات اور خطاطی بھی سیکھی (۱۰۰) خود کو غالب کا شاگرد کہتے تھے۔زیادہ عرصہ لکھنو میں گزرا۔ستمبر ۱۹۰۰ء (۱۳۱۸ھ) میں پٹنہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔(۱۰۱)

"دیوان سخن" میں ایک سو چھے اشعار کا قصیدہ ہے جو تین مطلعوں کا حامل ہے۔قصیدے کی تشبیب میں طلوع سحر، سراپائے محبوب اور ہجر کی کلفتوں کے روایتی مضامین ہیں مگر یہ مضامین چونکہ خیالی داستان کی صورت ادا ہوئے ہیں، اس لیے قاری کے لیے تازگی اور دل بستگی کا پورا سامان رکھتے ہیں۔شاعر کا تخیل زوروں پر ہے۔کہانی یوں ہے کہ شاعر سویا ہوا ہے اور علی الصبح ایک حور اسے جگا دیتی ہے جو صورت میں شاعر کے محبوب سے مشابہ ہے۔شاعر نے اس کا سراپا بڑی توجہ سے بیان کیا ہے۔یہ حور دراصل امر ربی ہے جو شاعر کو محبوب کبریا کی مئے محبت پینے کی نصیحت کرتی ہے۔مطلع کے ساتھ چند اشعار دیکھیے:

جہاں سے جب کہ شب تار ہو گئی کافور — سحر نے جلوہ دکھایا فلک پہ پھیلا نور
نظر جو کی سر بالیں تو دیکھتا کیا ہوں — کھڑی ہے ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے اک حور
غضب کا حسن، قیامت کا قد، بلا کی ادا — ستم کا بانکپن، آفت کا انکھڑیوں میں سرور
وہ مانگ نور سے جس کے ہو کہکشاں نادم — وہ زلف جس سے کہ ہو منفعل شبِ دیجور
جبیں وہ مطلع خورشید حسن و زیبائی — کہ جس سے صبح قیامت کا رنگ ہو کافور
یقیں ہے بلبل شیدا کا دم پھڑک جائے — جو دیکھے عارضِ گلگون اس کے وقتِ سرُور

گلوئے صاف میں یوں پان کی عیاں سرخی　　کہ جیسے جام بلوریں میں بادۂ انگور (۱۰۲)

سخن دہلوی کو رندانہ مضامین پر ملکہ حاصل ہے۔ انھوں نے گریز بھی ساقی نامہ سے کیا ہے۔ اُن کے ہاں جوش سے زیادہ ہوش اور زورِ بیان سے زیادہ قدرتِ بیان جلوہ گر ہے۔ اُن کی تشبیہات فطری اور واضح ہیں اور تراکیب میں کہیں ثقالت نہیں۔ پورے قصیدے میں زبان کی صفائی اور روانی کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ اُنھوں نے عربی، فارسی الفاظ پر مشتمل تراکیب ہی نہیں تخلیق کیں بل کہ پورے پورے شعر کہے ہیں جن میں روانی اور شگفتگی کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ یہ اشعار شاعر کی علمی لیاقت کے غماز ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

ہو المنوّر، شمس الضحیٰ ، ابی القاسم　　ہُو المقدس ، بدرالدجیٰ ، ابوالمنصور

بفکر مدحت او چوں زخویشتن رفتم　　برآمد آیتِ طوبیٰ الیک از لبِ حور

فاستجب لدعائی وَ رَبّنَا اغفرلی　　بجاہِ احمدِ مُرسل بحق آیۂ نور(۱۰۳)

یہ قصیدہ ۱۲۸۱ھ (۱۸۶۴ء) میں لکھا گیا۔ قصیدے کے آخر میں شاعر نے اس کی تاریخ یوں نکالی ہے:

دعا کے وقت جو اغفر زبان سے نکلا　　تو اس قصیدے کی تاریخ ہوگئی مسطور (۱۰۴)

سخن دہلوی اپنے عہد کے قصیدہ نگاروں منیر شکوہ آبادی، محسن کاکوروی، امیر مینائی اور نظم طباطبائی کو نہیں پہنچتے مگر انھوں نے زبان و بیان میں اپنا انفرادی رنگ پیدا کیا ہے۔ اُن کے ہاں تخیل کی پرواز اُس دور کے قصائد کی طرح زیادہ بلند نہیں لیکن خلوص اور جذبے کی سچائی نے اُن کے قصیدے کو جاذبیت اور وقار بخشا ہے۔ اُنھوں نے گریز کے بعد ''وہ'' کی ضمیر استعمال کی ہے اور آنحضرتؐ کے فضائل نہایت خوب صورت انداز میں بیان کرتے ہوئے آپؐ کو شمع انجمن معرفت، باعث تکوین عالم، مہر اوج جلالت، ماہ برج جلالت اور قاسم نعیم قصور کے القابات سے یاد کیا ہے اس کے بعد ''وہ کون'' کا استفہامیہ انداز اختیار کر کے آپؐ کا باقاعدہ تعارف نام لے کر کرایا ہے۔ اُن کے ہاں دعا سے قبل داخلی جذبات قلم بند ہوئے ہیں۔ مدح کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ترا جمال ہے نورِ نگاہِ جن و بشر　　ترا غبار کفِ پا ہے کحل دیدۂ خور

تری غلامی کی عظمت سے گرد راہ بلال　　سفیدۂ رخِ خاقان و سرمۂ فغفور

ازل سے تیرے ثنا خواں رہیں گے تا بہ ابد　　تمام حور و ملک ، جن و انس ، وحش و طیور

یہ احتساب ترا مانعِ شراب ہوا　　کہ سرکہ ہوگئی مے خانے میں مے انگور (۱۰۵)

سخن دہلوی کا ایک قصیدہ ''الرشید'' نعت نمبر میں دیا گیا ہے جو صرف مدح کے اشعار پر مبنی ہے۔اس کا مطلع ملاحظہ ہو:

ہوا ہے عشق اے صل علیٰ کس ماہ طلعت کا ۔۔۔ کہ عالم داغِ دل پر ہے مرے مہرِ نبوت کا

اُن کے ہاں قصیدے کے تمام اجزا اپنی تمام تر فنی خوبیوں سمیت موجود ہیں۔تشبیب کا داستانوی انداز دل کشش ہے یہ قصیدہ عشق و وارفتگی کے علاوہ عجز وانکسار کے جذبات کا مظہر ہے۔آغاز سے آخر تک قصیدے کا اسلوب یکساں طور پر شگفتہ اور رواں ہے۔مدح کے موضوعات میں آفاقیت سے زیادہ آنحضرتؐ کی ذاتی صفات کا بیان ہے۔ایک جگہ جوشِ عقیدت میں ''احمد بے میم'' کے الفاظ سے بے اعتدالی کا شکار ہوئے ہیں۔

10- محمد امیر سہارن پوری:

محمد امیر علی سہارن پور میں شیخ محمد شیر علی کے ہاں پیدا ہوئے۔ضلع کرنال کے علاقے کیتھل میں تحصیل دار رہے۔شیخ محمد امیر علی سہارن پور کا مجموعہ ''قصائد محمد امیر'' تین نعتیہ قصائد کا حامل ہے۔اُن کے نعتیہ قصائد مختصر مگر عشقِ رسولؐ سے سرشار ہیں۔پہلا قصیدہ اکتیس اشعار پر مبنی ہے جس کا مطلع یوں ہے:

مرا گھر آج ہے بیت الشرف خورشید خاور کا ۔۔۔ ملا ہے جنت الفردوس سے نقشہ مرے گھر کا (۱۰۶)

قصیدے کا آغاز شاعر نے اپنے گھر کی منظر کشی سے کیا ہے جو جنت الفردوس کا نقشہ پیش کر رہا ہے اور اس میں بہارِ قدس کے گل دستے آرائش کا کام انجام دے رہے ہیں اور حورانِ خلد اور غلمان خوب رُو جلوہ آرا ہیں۔یہ سب اہتمام نعت پیمبر کے لیے ہے۔پھر شاعر نے دوسرا مطلع کہہ کر مدح کا آغاز کیا ہے اور آنحضرتؐ کی ولادت، خورشید کے پلٹنے اور شق القمر کے معجزات کا ذکر کیا ہے۔عدم سایہ مبارک اور نام نامی سے شاعرانہ علت کے حامل خوب صورت مضامین نکالے ہیں جو شاعر کی فکری اپج کے آئنہ دار ہیں۔اس کے علاوہ حضور اکرمؐ کی وسعت علمی، اولیت، فصاحت و بلاغت، عالی نسبی، کفر وشرک کے خاتمے اور قرآنی تلمیحات پر مبنی فضائل کا بیان اس قصیدے میں شامل ہے، آخر میں ساقیِ کوثرؐ سے جام کوثر ملنے کی تمنا کی گئی ہے۔اشعار دیکھیے:

کھلا ہے نَے کھلے گا ایسا گل باغ نبوت میں ۔۔۔ چمن پیرائے کن بھی شیفتہ ہے اس گل تر کا
وہ تیری شہ سواری اور اشہب کی وہ جولانی ۔۔۔ کہ دم میں زیر پا ہفتم طبق تھا چرخ اخضر کا

الم نشرح ہے علم سینۂ اقدس کا اک نکتہ تبحر ہفت قلزم ایک قطرہ تیرے ساغر کا
ہوا شق القمر، نطق الحجر، مشی الشجر ظاہر مس اور لب سے کیا دُکھ دُور برص اور کور اور کر کا
یہ مرغِ دل بھی مرغانِ حرم کے کاش ہو شامل تڑپتا ہے سدا جیوں حال ہو لوٹن کبوتر کا (۱۰۷)

دوسرا قصیدہ تئیس اشعار کا ہے جس میں شاعر نے فخریہ تشبیب کا اہتمام کرتے ہوئے اپنی فضیلت اور فضل و ہنر کا دعویٰ کیا ہے۔ وہ اپنے دعویٰ پر قائم ہے اور اسے جائز سمجھتا ہے اور دلیل پیش کرتا ہے کہ حضور اکرمؐ کی مدح وثنا کی سعادت کا نصیب ہونا فخر وفضیلت کی بات ہے۔ شاعر نے اپنے دعویٰ فخر کی کمال دلیل دی ہے اور کمال مہارت سے آنحضرتؐ کی مدح کی طرف رجوع کیا اور آپؐ کی عظمت وفضیلت کے معتبر حوالے پیش کیے ہیں۔ اگر چہ یہاں قصیدہ سابق کے مضامین کا اعادہ ملتا ہے مگر انداز بیاں اور پیش کش یکسر نئے پن کی حامل ہے۔ مدح کے بعد غزل میں ہجر گزیدہ بسمل کے درد انگیز جذبات کا بیان اور محبوب کا دل کش مرقع خاصے کی چیز ہے۔ یہاں حقیقت ومجاز کے سرحدیں ملتی نظر آتی ہیں۔ عاشق کی بے قراری کا منظر دیدنی ہے۔ آخر میں ایک بار پھر آنحضرتؐ کی شفاعت اور مسیحائی کا ذکر کر کے شاعر نے اپنی دلی مراد بر آنے کی دعا کی ہے۔ قصیدہ کیا ہے شیفتگی ووارفتگی کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔ چند اشعار بشمول مطلع اوّل ملاحظہ ہوں:

آج ہے طبع میری توسنِ جودت پہ سوار ہے زمیں پر کبھی افلاک پہ گرم رفتار
پھول جھڑتے ہیں مرے منہ سے کہو بلبل کو طوطیاں ہاتھ پساریں دم شیریں گفتار
خود ستائی یہ نہیں بل کہ ہے دعویٰ برحق کیوں نہ اس دعویٰ برحق پہ مجھے ہو اصرار
آج میں ایسے شہنشاہ کا ہوں نعت نگار جس کے گلدستۂ لولاک ہے زیبِ دستار
جس کے راقب کا ہے پرچم ورقِ سورۂ فتح تیغ ہے آیتِ نصرت سے جسے جوہر دار
جس کے اشہب کا عناں گیر ہے جبریل امیںؑ جس کے جلوہ کا خدا کو ہوا شوقِ دیدار
مرتبہ جس کا ہے جیوں علم خدا نا محصور اس کی تعریف ہو کس طرح سے محسوب وشمار (۱۰۸)

امیر سہارن پوری کا تیسرا قصیدہ ستائیس شعروں پر مشتمل ہے۔ اس میں انھوں نے ایک ایسے عشق گزیدہ آدمی کی سرگزشت بیان کی ہے جس کا چارہ افلاطون جیسے عقل مند طبیب کے پاس بھی نہیں۔ یہ ایسا عشق ہے جو نہ بلبل وگل جیسا ہے اور نہ شمع و پروانہ کی طرح بل کہ اس کی مثال دی ہی نہیں جا سکتی کیوں کہ شاعر عشق رسول کریمؐ سے فیض یاب ہے جس کی مثال نہیں۔ یہاں مہجوری کی آگ میں جلنے کی کمال منظر نگاری کی گئی۔ مطلع کے ساتھ یہ اشعار دیکھیے:

پٹس سے درد جگر کی ہوں آج ایسا علیل — کہ جس کی چارہ گری کی نہیں ہے کوئی سبیل
یہ سوز سینہ ہے یا طبقۂ جہنم ہے — یہ داغ دل ہے کہ خورشید حشر کا قندیل
تپش تو دل کی ہے اک زلزلہ قیامت کا — جو نالہ ہے وہ ہم آہنگ صورِ اسرافیل (۱۰۹)

یہاں بھی شاعر نے گریز کا مرحلہ حسب سابق خوش اسلوبی اور چابک دستی سے طے کیا ہے۔ مدح کے باب میں انبیا سے موازنہ وتقابل ہے اور نورانیت کے فیضان کا ذکر ہے۔اس کے علاوہ دین اسلام کی تکمیل،شفاعت،مسیحائی اور تخلیق میں اولیت کا بیان ہے۔مثال میں یہ اشعار دیکھیے :

کسی نبی کو ترے سامنے ہو کیونکہ فروغ — طلوع شمس ہے انجم کی نور کی تعلیل
طبیبِ قلب ، دواء الشفاء جملہ علل — رجوع کیوں نہ کروں جب کہ خود ہوں ایسا علیل
بہار دین شگفتہ رہے گی تا بہ ابد — حمل میں مہر نبوت کی ہو چکی تحویل (۱۱۰)

امیر سہارن پوری کے قصائد نعت کی سب سے بڑی خوبی تخیل آفرینی اور عقیدت کا والہانہ اظہار ہے۔عشق ووارفتگی کے جذبات جوبن پر نظر آتے ہیں۔نعت کے موضوعات میں شرعی حدود کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ان کے ہاں مضمون آفرینی کی عمدہ مثالیں دستیاب ہیں۔وہ ایک ہی بات کو کئی ڈھنگ سے بیان کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔اُن کے مطالع بھر پور ہیں اور ہر تشبیب نئے آہنگ سے آشنا ہونے کے علاوہ مدح سے میل کھاتی نظر آتی ہے۔مشکل تراکیب اور پُرشکوہ الفاظ کے باوجود انھوں نے روانی اور ترنم کے عنصر کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔مبالغہ،تضاد،استعارہ،تشبیہ،رعایت لفظی،لف ونشر اور حسن تعلیل کے حامل اشعار اُن کے ہاں شعریت پیدا کرنے والے عناصر ہیں۔ایک بات اور کہ وہ تخیل آفرینی کا جو معیار تشبیب میں اپناتے ہیں پھر اسے آخر تک برقرار رکھتے ہیں۔اُنھوں نے فخریہ تشبیب کو بھی کمال مہارت سے نعت سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔انھیں بلاشبہ تسلیم اور ظہیر دہلوی کے ہم پلہ قرار دیا جا سکتا ہے بل کہ جذبے کی شدت میں وہ دونوں پر سبقت لے گئے ہیں۔

11- محسن کاکوروی:(م:۱۹۰۵ء)

سید محمد محسن کاکوروی ۱۲۴۲ھ میں مولوی حسن بخش کے ہاں کاکوری ضلع لکھنو میں پیدا ہوئے (۱۱۱) محسن کے پاک طینت اور صوفی منش دادا مولوی حسین بخش کی تربیت اور صحبت نے محسن کے دل میں عشقِ رسولؐ کی وہ شمع روشن کر دی کہ نو برس کی عمر میں وہ زیارت رسولؐ سے مشرف ہوئے۔اس سے دو سال قبل وہ حضرت یوسفؑ کی زیارت سے بھی فیض یاب ہوئے۔اصلاح سخن کے حوالے سے

اپنے خالہ زاد ماموں مولوی ہادی علی اشکؔ سے رجوع کیا۔(۱۱۲)

کچھ عرصہ مین پوری میں نظارت کے عہدے پر فائز رہے، پھر وکالت کا امتحان پاس کر کے ۱۸۵۷ء تک آگرہ میں ایک کامیاب وکیل کے طور پر خود کو منوایا۔ جنگ آزادی کے وقت کاکوری چلے گئے مگر حالات بہتر ہونے کے بعد مین پوری میں دوبارہ وکالت شروع کر دی۔ ۱۹۰۵ء میں وہ اسہال کے مرض میں مبتلا ہوئے جو مرض الموت ثابت ہوا اور وہ ۲۴، اپریل ۱۹۰۵ء کو انتقال فرما گئے۔ بقول اسماعیل آزاد:

> ''انتقال سے بارہ چودہ برس پیشتر جیسا کہ مشہور ہے کسی مؤکل نے ان پر جادو کر دیا تھا جس سے ان کے حلق سے پوری آواز نکلنا بند ہو گئی تھی اور ان کو پیشہ وکالت چھوڑنا پڑا تھا۔''(۱۱۳)

محسن کی طبع درویش نے انھیں شاہوں کے قصیدے لکھنے سے باز رکھا؛ ویسے بھی جو جلوۂ رسالت سے بہرہ مند ہو وہ شاہانِ دنیا کے جلوؤں سے کہاں مرعوب ہوتا ہے۔ وہ اپنے ایک نعتیہ قصیدے میں یوں آرزومند ہیں:

یہ ہے خواہش کروں میں عمر بھر تیری ہی مداحی
نہ اُٹھے بوجھ مجھ سے اہل دنیا کی خوشامد کا (۱۱۴)

محسن نے خود کو نعت رسول مقبولؐ کے لیے ہی وقف رکھا۔ ان کے کلیات میں مسدس، مثنوی، رباعی، نعتیہ غزل کے علاوہ پانچ نعتیہ قصائد بھی شامل ہیں۔ پہلا قصیدہ ''گلدستۂ رحمت'' اکاون اشعار پر مبنی ہے جسے محسن نے سولہ برس کی عمر میں ۱۲۵۸ھ میں لکھا۔ اس کا مطلع یوں ہے:

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن   غنچہ ہے نام خدا نافۂ آہوئے ختن (۱۱۵)

اس قصیدے کی تشبیب بہار اور اس کے اثر افزائش کے ذکر پر مبنی ہے۔ غنچے یوں کھلے ہیں گویا آہوئے ختن کے نافے کھلے ہوں۔ باد بہاری نے زمانے کو وہ خرمی بخشی ہے کہ عاشق فرقت محبوب کی شکایت بھول گئے ہیں اور شاعر فکر سخن میں سر جھکانے پر مائل نہیں۔ ایسے میں کسی خوب رُو کی کاکل اور آئینہ رُخ شاعر کی توجہ جذب کرتے نظر آتے ہیں۔ یہیں گریز ہوا ہے۔ نعت کا آغاز استفہامیہ انداز لیے ہوئے ہے۔ آٹھ شعر آنحضرتؐ کی طرف واضح اشارے لیے ہوئے ہیں۔ مثلاً:

آج کس صاحبِ شوکت کی میں تکتا ہوں راہ   کہ فرشتے ہیں اٹھائے مرے در کی چلمن
یاد کرتا ہوں کف پائے مصفا کس کے   روندتا ہوں جو میں پاؤں سے گلوں کا خرمن

یاد آتی ہے مجھے کس کی شمیم اخلاق ہے دم سرد مرا رشکِ نسیم گلشن (۱۱۶)

محسن کا یہ قصیدہ نوعمری کا ہے مگر گریز اس کمال کا ہے کہ بغور مطالعہ ومشاہدہ ہی دکھائی پڑتا ہے۔محمد اسماعیل آزاد لکھتے ہیں کہ ''شاعر نے گریز سے قبل خالص نعت کے کئی اشعار حوالۂ قرطاس کیے ہیں۔'' (۱۱۷)

گریز کے بعد استفہامیہ لہجے میں کنائے کے انداز میں اور صیغہ غائب میں وصف سراپا اور سیرت رسولؐ کا بیان ہے۔قصیدے کے اختتام سے چھے شعر قبل محسن نے آنحضرت سے براہِ راست خطاب کے لیے ایک شعر لکھا ہے جسے محمد اسماعیل آزاد نے گریز سمجھا ہے۔شعر دیکھیے:

اب کئی ڈھب سے ذرا اس کو مخاطب کریے کہ نہیں چین مجھے اے مری طبع روشن
اے محمدؐ ہے بلا شک وہ تری ذات حسن جس کی توصیف میں عالم کی زباں ہے الکن (۱۱۸)

ان اشعار سے قبل نعت کا ایک بھرپور حصہ گزر چکا ہے جس میں آنحضرتؐ کے قد موزوں، دہن مبارک، رُخِ زیبا، عارض، کاکل، ابرو، چشم، بدن، دندان، گردنِ نور اور نورِ مجسم کے علاوہ آپؐ کی پیشوائی، شرعِ متین، عدالت، رسم محبت کا بیان نہایت آب وتاب سے ہوا ہے۔قصیدے میں حسن طلب کا مرحلہ بھی یادجلوۂ رخسار ودہن پر تمام ہوا ہے۔

پہلے سراپا مبارک کے باب میں کہے گئے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں عشق ومحبت کے ساتھ عجز کے جذبات دیدنی ہیں:

سرو کہنا قد موزوں کو نہیں راست کبھی تنگی دل ہے جو کہیے کہ وہ ہے غنچہ دہن
کیا عجب اس رُخ زیبا کی جو توصیف لکھوں ہوں گہر ہائے نقط حضرت یوسف کا ثمن
وصف ابرو میں کوئی بیت لکھوں بسم اللہ چل کے محراب عبادت میں جھکاؤں گردن (۱۱۹)

اب ذرا آنحضرتؐ کی مدح کے دیگر پہلوؤں پر موزوں کیے گئے چند اشعار دیکھیے:

جس کی ہے شرع متیں ناسخ ادیان وملل مثبتِ حق و یقیں کاشفِ ہر شبہ و ظن
تا بہ گردن جو کبھی شیر کا ناخن پہنچے سمجھے تعویذ حفاظت کے لیے اس کو ہرن
اب زمانے میں نہیں رسم عداوت باقی بل کہ ظاہر ہیں عجب انس و محبت کے چلن
سرگیں چشم ہے معشوق کی اس معنی میں شرع نے ڈالی ہے زنجیر بپائے رہزن (۱۲۰)

پورا قصیدہ جذبات عشق سے لبریز ہے۔حدود شرع کی پاسداری ملتی ہے اور انبیا سے تقابل میں بھی حد ادب ملحوظ ہے۔تقابل، تضاد، مبالغہ، شکوہ لفظی اور تخیل کی بلندی نے قصیدے کو فنی لحاظ سے

باوقار مقام عطا کیا ہے۔ مضامین تشبیب عمدہ ہیں، گریز اس قدر موزوں ہے کہ آغاز نعت کی طرف مائل ہونے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ نعت میں استفہامیہ لہجے اور پھر صیغۂ غائب کی ضمیر نے تجسس کی کیفیت پیدا کر دی ہے جس پر افسانوی فضا کا گمان ہوتا ہے۔ سیرتِ طیبہ کے مضامین کم بیان ہوئے مگر جتنے ہیں جاندار ہیں۔

محسن کا دوسرا قصیدہ ''ابیات نعت'' ۱۸۵۷ء میں لکھا گیا۔ ایک سو ایک اشعار کا یہ قصیدہ شہیدی کے معروف قصیدے ''رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کی مد کا'' کی زمین میں ہے۔ محسن کے اس قصیدے پر امیر مینائی نے نعتیہ مخمس نہایت پائے کا تضمین کیا ہے۔ قصیدے کا مطلع ملاحظہ ہو:

مٹانا لوحِ دل سے نقش ناموس اب و جد کا دبستانِ محبت میں سبق تھا مجھ کو ابجد کا (۱۲۱)

قصیدے میں کل چار مطلعے ہیں۔ انیس شعروں کی تشبیب محبوب کی سراپا نگاری، اُس کے ظلم و ستم اور عاشق کی مہجوری کی کیفیت سے عبارت ہے۔ گریز میں محبوب کی خاموشی کو ''دہن ندارد'' کا نتیجہ قرار دیا ہے اور علت یہ بیان کی ہے کہ اگر اس کے دہن ہوتا تو مدح احمدؐ لازم کرتا۔ اشعار دیکھیے:

محل گفتگو میں کیا حسابِ خامشی سمجھیں مگر صفرِ دہانِ تنگ اشارہ ہے ندارد کا
دہن ہوتا تو پھر کرتا نہ کیوں پیمانہ گردانی یہ نقطہ ہو کے مرکز دور میم مدح احمدؐ کا (۱۲۲)

دہن محبوب کی خوب صورتی سے کس خوب صورتی سے نعتِ رسول مقبولؐ کی طرف رجوع کیا ہے! محسوس ہوتا ہے کہ محبوب کی صفت تو بر سبیل تذکرہ تھی جب کہ مقصود اصلیہ وصف محمود احمدؐ ہے۔ نعت کی ذیل میں آنحضرتؐ کے عارض، گیسو، چشم، حسن، ابرو اور کاکل کے علاوہ تیغ، اسم مبارک، فقر، رحمت، مغفرت، توکل، نور، شجاعت اور اخلاق کا ذکر کیا ہے۔ پھر آپؐ کی وفات پر قلم کی مرثیہ خوانی کے بیان کے بعد مطلع ثانی ہے جس کے بعد روضۂ اطہر کی عظمت اور خاکِ مرقد کی قدر و منزلت کے بارے میں اشعار ہیں۔ پھر مطلع ثلاثہ کہہ کر دس بارہ شعر قد اقدس پر موزوں کیے گئے ہیں۔ یہ اشعار مراعات النظیر، تشبیہ، رعایت لفظی اور مبالغہ کے صنائع میں ہیں۔ یہاں کچھ اشعار محسن نے اپنی، اپنے استاد اور اردوئے معلیٰ کی تعلّی میں بھی کہے ہیں۔ اس کے بعد مطلع چہارم ہے جس میں آنحضرتؐ کی تکمیلِ نبوت، تخلیق اولیں، شفاعت اور وسیلہ کے بعد دنیا کی خوشامد سے دوری، عشق اور ایمان کی سلامتی کی دعا پر خاتمہ کیا گیا ہے:

الٰہی پھیل جائے روشنائی میرے نامہ کی بڑھا معلوم ہو لفظِ احد میں میم احمد کا (۱۲۳)

محسن کا یہ قصیدہ تصنع اور بناوٹ کا شکار ہے، اس میں رعایت لفظی کی بھرمار ہے۔ حروف ابجد

کے استعمال کے علاوہ حروف تہجی کے الفاظ جیسے قاف قدم، میم عمر، نون نبوت کو لفظیات کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جس سے قصیدے کی فضا پر آورد کے بادل چھائے نظر آتے ہیں۔ بعض جگہ قصیدے کی نازک خیالی اور علو فکری کے اہتمام کے چکر میں دُور کی کوڑیاں ملائی گئی ہیں جن سے شعر کی موثر تفہیم نہیں ہو پاتی۔ مثال کے طور پر ایک شعر میں ''دوابرو'' کو نون مشدد قرار دیا گیا ہے حالاں کہ ابرو کی شکل نون کے جیسی نہیں ہوتی بل کہ الٹ ہوتی ہے:

سر تاکید منظور خدا ہے لام کاکل سے ہوا اظہار دوابرو سے اک نون مشدد کا (۱۲۴)

رعایت لفظی پر بے تحاشا زور دیا گیا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مہ نو خوب چمکا بدر میں تیغ محمدؐ کا (۱۲۵)

ثریٰ سے ثور تک اک گاؤ تکیہ تیری مسند کا (۱۲۶)

کمند دل رہے، چھوٹے نہ تیری ڈور کا پھندا (۱۲۷)

رہوں خائف تصور کر کے میں دو دال سے دد کا (۱۲۸)

احد اور احمد کی رعایت سے بھی محسن نے نکتہ رسی کی ہے جس میں سراسر شعوری کاوش کو دخل ہے یہاں وہ حد اعتدال سے بھی گزرتے نظر آتے ہیں۔ ان مضامین کے تلازمات عام قاری کی ذہنی سطح سے بلند ہیں اور انھیں اس کا پورا پورا احساس ہے۔ وہ اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کشش جب قادر انداز ازل کا زور دکھلائے کمانِ حا سے چلہ کیوں نہ اترے میم احمدؐ کا

احد کو کیجیے یا احمدؐ بے میم کو سجدہ عجب مشکل ہے مضموں میرے مقصود مرددکا (۱۲۹)

اس سے زیادہ کڑے تلازمات فلکیات کی اصطلاحوں میں ہیں جن میں آسمان کے نو دائرے، کرۂ آتش، فرق فرقد، کوکب دمدار، ستارۂ اوج اور زحل نمایاں ہیں۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان اصطلاحات سے قصیدے کے علمی وقار میں یقیناً اضافہ ہوا ہے اور یہی رجحان اس دور کے قصائد کا طرۂ امتیاز بھی سمجھا جاتا تھا۔

اس قصیدے کا ایک اور کمزور پہلو مضامین میں بے احتیاطی کا ہے جیسے ''ملا نون نبوت سب کو میم عمر کھونے پر'' میں یہ دعویٰ بے بنیاد ٹھہرتا ہے کہ انبیا کو نبوت چالیس برس کے بعد ملی۔ ایک جگہ ایک وضعی قصہ بیان کر دیا ہے کہ آپؐ کی تدفین عمل میں آئی تو زمین لرزنے لگی اور تب یہ لرزش تھمی جب آپؐ کے مرقد پر تعویذ (نام کی تختی) نصب کیا گیا۔ ایک جگہ اپنے شعر کو قرآنِ سخن کہا گیا ہے جب کہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے۔

مجموعی طور پر محسن کے اس قصیدے میں بے ساختگی، شگفتگی و شیرینی کا فقدان ہے۔ لکھنویت کے زیر اثر صنائع بدائع اور رعایت لفظی کے بے جا استعمال نے تفہیم اور تاثیر کے عنصر کو کم کر دیا ہے۔ ادب اور عقیدت کی جھلک ضرور نظر آتی ہے مگر عقیدے میں اعتدال نہیں۔ بقول، سلیم شہزاد:

''ابیات نعت میں نہ صرف شاعرانہ بل کہ عقیدے کا غلو بھی خوب نمایاں ہے۔ بعض من گھڑت روایات کو عقیدے کا مقام دیا گیا ہے اشعار میں مناسبت، رعایت لفظی، تجنیس، تعلیل وغیرہ کی صنعتیں خوب برتی گئی ہیں لیکن ان پر ناسخیت حاوی ہے اور اس لکھنوی شعری اسلوب کو شعریت اور فنی اقدار کے لیے سم قاتل سمجھنا بے جا نہیں۔'' (۱۳۰)

محسن کا تیسرا قصیدہ ''مدیح خیر المرسلین'' ایک سو تینتالیس اشعار پر مشتمل ہے اور اس میں کل چھے مطلع ہیں جن میں دو مطلعے غزلوں کے ہیں۔ یہ قصیدہ اپنی منفرد تشبیب کے باعث، بحث و تکرار کا موضوع رہا ہے کہ اس میں ہندوستانی مذہبی اصطلاحات و رسوم و رواج بھرپور انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ مطلع یوں ہے:

سمت کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل (۱۳۱)

قصیدے میں پہلی غزل کے بعد تقریباً پچھتر اشعار گزرنے پر گریز کی صورت نظر آتی ہے۔ تشبیب کے آغاز کے چوبیس اشعار کا موضوع برسات ہے جو خالص ہندی رنگ میں ہے۔ اس کے بعد ہوا کی تاثیر کا ذکر ہے۔ کاشی یعنی بنارس سے بادل متھرا کی طرف رواں ہے جو گنگا جل کی تاثیر کا حامل ہے اس لیے گوپیاں اور گوکل کی باسی سرو قد حسینائیں گنگا کے بجائے گھر میں ہی محو اشنان ہیں۔ مہابن کے مندر میں بادل تیرتھ یاترا (عبادت) کے لیے اترے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بت پرستی کا اس قدر عمل دخل کعبہ کو پھر سے اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ ابر و برق کی مثال فرنگی عہد کے ناظم پنجاب اور گورنر جنرل بنگال کی سی ہے۔ ابر اس پائے کا برہمن ہے کہ آگ میں پانی لیے ہوئے ہے۔ سری کرشن کے درشن کے لیے گوپیوں کے دل بے کل ہیں۔ میلے میں ہنڈولے کی سواری کے لیے ایک ہجوم اُمڈا آ رہا ہے۔ آسمان نے بھبھوت رما کر (راکھ مل کر) یوں جوگیا بھیس رچایا ہے گویا پربت پر کوئی بیراگی بیٹھا ہو۔ کالے بادلوں کی سیاہی نے ہر طرف وہ اندھیر مچا رکھا ہے کہ نور و تجلی نام کو نہیں:

کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
جانب قبلہ ہوئی ہے یورش ابر سیہ کہیں پھر کعبہ میں قبضہ نہ کریں لات و ہبل

ابرِ پنجاب تلاطم میں ہے اعلیٰ ناظم برق بنگالۂ ظلمت میں گورنر جنرل
دیکھیے ہو گا سری کشن کا کیونکر درشن سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈے اسے لیکر مشعل (۱۳۲)

اس کے بعد گلشن میں بہار اور ہوا کے زیر اثر پھول، پیڑ پودوں کی نشوونما اور طوطیوں اور بلبلوں کے نغمہ زن ہونے کا بیان تشبیہ، استعارے اور مبالغے کے ذریعے ہوا ہے۔ تخیل کی پرواز بلندی پر ہے اور نت نئے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ پھر ''بادل'' کی ردیف میں غزل کے اٹھارہ شعر کہے ہیں جو ہندی فضا میں ڈوبے ہوئے ہیں:

خوب چھایا ہے سرِ گوکل و متھرا بادل رنگ میں آج کنہیا کے ہے ڈوبا بادل
جب تلک برج میں جمنا ہے یہ کھلنے کا نہیں ہے قسم کھائے اٹھائے ہوئے گنگا بادل
دل بے تاب کی ادنیٰ سی چمک ہے بجلی چشم پُر آب کا ہے ایک کرشما بادل
راجہ اندر ہے پری خانۂ مے کا پانی نغمۂ نَے کا سری کشن کنہیا بادل
دیکھتا گر کہیں محسن کی فغاں و زاری نہ گرجتا کبھی ایسا نہ برستا بادل (۱۳۳)

غزل کے بعد محسن نے اپنی داخلی کیفیات سے پردہ اٹھاتے ہوئے اپنی قلبی بے چینی کا اظہار کیا ہے اور ساتھ ہی صداقت وحق کی جستجو میں اپنی آوارگی کا ذکر کر کے یوں گریز کیا ہے:

کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا کوئی مندر نہ بچا اس سے نہ کوئی استل
گرتے پڑتے ہوئے مستانہ کہاں رکھا پاؤں کہ تصور بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل
یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں خرمن برق تجلّی کا لقب ہے بادل
تارِ بارانِ مسلسل ہے ملائک کا درود پے تسبیح خداوند جہاں عزوجل (۱۳۴)

مدح میں آنحضرتؐ کی عظمت کو مختلف القاب کے ذریعے اُجاگر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ آپؐ کا دور تا ابد ہے۔ آپؐ کی افضیلت پر سبھی ادیان و ملل متفق ہیں۔ آپؐ کے پائے مقدس کی خاک عرش بریں کے لیے صندل ہے۔ آپؐ کی عظمت کے سامنے ہر چیز ادنیٰ ہے۔ نعت کے چند اشعار دیکھیے:

اوجِ رفعت کا قمر، نخلِ دو عالم کا ثمر بحرِ وحدت کا گہر، چشمۂ کثرت کا کنول
مہ توحید کی ضو، اوجِ شرف کا مہ نو شمع ایجاد کی لَو، بزم رسالت کا کنول
مرجع روح امیں، زیب دہِ عرش بریں حامی دینِ متیں، ناسخِ ادیان و ملل
سجدۂ شکر میں ہے ناصیۂ عرش بریں خاک سے پائے مقدس کی لگا کر صندل (۱۳۵)

پھر حقیقت ومجاز اور وحدت وکثرت کے صوفیانہ مضامین کے بعد ''بادل'' کی ردیف میں نعتیہ غزل کہی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ کاشی سے چلنے والے بادل نے کعبہ میں مصلیٰ بچھالیا ہے۔اس کے علاوہ رسول اکرمؐ کے رخسار، لبِ جاں بخش، صفتِ دندان مبارک، رسالت، تیغ، روضۂ اطہر، فیاضی وسخاوت کے باب میں عمدہ اشعار ملتے ہیں۔مثالیں ملاحظہ ہوں:

چھوڑ کر مے کدۂ ہند و صنم خانۂ برج آج کعبے میں بچھائے ہے مصلا بادل
رشک سے شعلۂ رخسار کے روتی ہے برق برق کے منہ پہ ہے رکھے ہوئے پلا بادل
دُور پہنچی لبِ جاں بخش نبیؐ کی شہرت سن ذرا کہتے ہیں کیا حضرتِ عیسیٰؑ بادل
محسن اب کیجیے گل زارِ مناجات کی سیر کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل(۱۳۶)

کامیاب قصیدے میں دعا وطلب کے اشعار کا جاندار ہونا ضروری ہے۔محسن نے دعا میں بڑے برجستہ اور دل کو چھو لینے والے اشعار کہے ہیں جو اُن کی فکری اپج کے آئینہ دار ہیں۔شعر دیکھیے:

صف محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مداح ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ یہ غزل
کہیں جبریل اشارہ سے کہ ہاں بسم اللہ سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل(۱۳۷)

محسن کا یہ قصیدہ ہندی واسلامی رنگ کا عکاس ہے۔کاشی، متھرا، گوکل، مہابن، تیرتھ، بیراگی، بڑھوا منگل، اشنان اور گنگا جل کے الفاظ میں مقامی تہذیب زندہ ہوتی نظر آتی ہے جب کہ بطحا، طوبیٰ، کوثر، شب اسریٰ، صل علیٰ، عرشِ معلّٰی، عزرائیلؑ، اسرافیلؑ، جبرائیلؑ، بدر، کعبۂ ابرو، مازاغ بصر اور فردوسِ بریں کے الفاظ اسلامی تہذیب کے نمائندہ ہیں۔بادل کا کعبے میں مصلا بچھانا اسلامی تہذیب کے غلبے کی علامت ہے۔تشبیب میں مقامی عناصر نے قصیدے کو ایک جدت عطا کر دی ہے۔اس بارے میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی رقم طراز ہیں:

> ''ذوق وسودا قصیدہ کے بادشاہ ہیں لیکن ان کی کسی تشبیب میں ایسی جدت اور زور نہیں۔یہ مضامین تشبیہات، استعارات اور خیالات جو خالص ہندوستانی فضا کی پیداوار ہیں، محسن ہی کا حصہ ہیں۔''(۱۳۸)

محسن سے قبل سحر لکھنوی اپنے قصیدہ ''درصفت بہار'' میں اس قسم کی تشبیب کا تجربہ کر چکے تھے مگر نعت میں مقامی عناصر کو سمونا نہایت محتاط اور ہنر مندی کا متقاضی تھا جسے محسن نے نہ صرف بخوبی نبھایا ہے بل کہ اس میں اضافہ کیا ہے۔سحر لکھنوی کے دو شعر ملاحظہ ہوں:

اے ہوا جا کے بنارس سے اڑا لا بادل چاہیے ہندوی سوسن کے لیے گنگا جل

کام کرنے میں ہو بدلی کی اندھیری میں خلل　　باغبانوں کو جو بجلی نہ دکھاوے مشعل (۱۳۹)

محسن کے اس قصیدے کی تشبیب جتنی دل آویز ہے اسی قدر نزاع کا باعث بھی ٹھہری۔ اس پر غیر موزوں اور کفریہ ہونے کے اعتراضات کیے گئے جس کے جواب میں امیر مینائی نے حضرت کعب بن زہیرؓ کے قصیدہ ''بانت سعادُ'' کی مثال پیش کی جس کی تشبیب بھی مشروع نہیں مگر حضرت رسول خداؐ نے اپنی زبان مبارک سے اس کی تحسین فرمائی۔ (۱۴۰)

خود محسن کاکوروی نے ان اعتراضات کے جواب میں اشعار کہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

گو قصیدے سے جدا ابر بہار تشبیب　　فکر کے تازہ و تر کرنے کو ہے مستعمل

پڑھ کے تشبیب مسلماں مع تمہید و گریز　　رجعتِ کفر بایماں کا کرے مسئلہ حل

کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دینِ خدا　　مے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسنِ عمل

مدعا یہ ہے کہ رندوں کی سیہ بختی سے　　ظلمت کفر کا جب دہر میں چھایا بادل

ہوا مبعوث فقط اس کے مٹانے کے لیے　　سیف مسلول خدا، نورِ نبیِ مرسل (۱۴۱)

مجموعی طور پر یہ قصیدہ اپنی انوکھی تشبیب، مشروع مضامین نعت، زور بیان، شوکت الفاظ نادر تشبیہات اور صنائع بدائع کے عمدہ استعمال کی بنا پر سراہے جانے کے لائق ہے۔ مطلع اور دعا کی انفرادیت مسلمہ ہے۔ تشبیب اور مدح کے مضامین میں اسلامی تہذیب کے غلبے کا عقلی جواز موجود ہے۔ فرنگی کونسل، ناظم پنجاب اور گورنر جنرل ظلمت و جبر کی عصری صورت کی طرف اشارہ ہیں۔ موضوعات کی اس کثیر جہتی فضا نے قصیدے کو یادگار بنا دیا ہے

چوہتر اشعار پر مبنی محسن کا چوتھا نعتیہ قصیدہ ''نظم افروز'' ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں لکھا گیا۔ اس کا مطلع ملاحظہ ہو:

ہے منزل اک مہ کنعاں کی قلب زار و مضطر میں　　یہ مہمانِ عزیز اترا ہے کس اجڑے ہوئے گھر میں (۱۴۲)

بارہ شعروں کی تشبیب میں ہجر و وصال کی بے قراری و اشک ریزی کی داخلی کیفیت کے ساتھ محبوب کے سراپا میں اشعار موجود ہیں۔ گریز کا شعر موزوں اور عمدہ ہے:

زمین شعر پر اعلیٰ مضامیں عرش اعظم سے　　چلے آتے ہیں شوق مصرف نعت پیمبر میں (۱۴۳)

مدح کے باب میں آنحضرتؐ کی ولادت، تحمل، شجاعت، سخاوت، شرفِ بنی ہاشم، عبادت و ریاضت، شب معراج، انبیا سے تقابل، شفاعت اور رحمتہ للعالمینی کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد حصول

حبِ پیمبر اور یادِ خدا کے ساتھ قبر میں سونے کی دعا مانگی ہے مگر یہاں قصیدے کا اختتام نہیں ہوتا بل کہ دعا کے بعد بائیس اشعار مزید مدح کے ہیں جن میں رضوان اور جبرائیل سے تعلق، قاب قوسین، اسم مبارک ،تن بے سایہ، حسب نسب، شرافت وکرامت اور انوار کا بیان ہے۔ پھر اصحاب مکرم، آل اطہر، ہیبت عباس وحمزہؓ، تیغ سلمان وابوذرؓ، سبط اکبر واصغرؓ کا ذکر کے بعد آنحضرتؐ کی قدر ومنزلت اور عظمت ورتبے پر اختتام کیا ہے۔نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بسا ہے نالۂ جاں سوز بلبل تک گل تر میں	ہوا عالم معنبر صبحِ میلادِ پیمبر میں
شرف کی پہلی منزل تھی بنی ہاشم کے اختر میں	ہوا ہے اللہ اللہ مطلع انوارِ محبوبی
کہ ساتوں پارچے ٹھیک آئے اس کے جسم اطہر میں	قلم ادریس کا مدحت نگارِ خلعتِ قدسی
کہ آئی ہفت پشتِ آسمانِ پیر چکر میں	جوان ہاشمی کس شان سے بالائے عرش آیا
مچلکہ لے لیا دوزخ کے کارندوں سے محشر میں	عجب کیا گر کہیں حضرتؐ نے امت کی حفاظت کا
جو تیری منزلت، جو قدر ہے سرکارِ داور میں (۱۴۴)	نہیں ہے اور نہ ہوگی اور کے طالع میں قسمت میں

محسن نے مدح کے درمیان میں آنحضرتؐ کی شفاعت کا ذکر کرتے ہوئے طلب کا مرحلے طے کیا ہے اور قصیدے کی فنی تکنیک سے انحراف کرتے ہوئے نئی راہ نکالی ہے۔اُن کی دعا میں تخیل کی کارفرمائی واضح دیکھی جاسکتی ہے۔دعا کے اشعار ملاحظہ ہوں:

کہے کیا خوب طوطی بولتا ہے باغِ سرورؐ میں	یہ نعتِ تازہ سن کر عندلیب شاخ طوبیٰ تک
کہ سو آرام سے یادِ خدا، حُب پیمبرؐ میں	نکیر و منکر آئیں قبر میں میری یہی کہتے
تیمّم کر کے داخل ہوں نماز صبح محشر میں (۱۴۵)	لگا دیں خاک پا ممدوح کی مداح کے منہ میں

یہ قصیدہ ''مدیح خیر المرسلین'' کی نسبت شوخ رنگ کے بجائے دھیمے رنگوں سے عبارت ہے۔ تشبیب زیادہ زوردار نہیں۔اس میں مختلف نوع کی تلمیحات استعمال ہوئی ہیں۔''عطارد، نور علمک مالم تکن تعلم ،عرضیاں بے حکم ہوکر داخل دفتر ہونا، مچلکہ لینا اور مسطر جیسی فلکی ،قرآنی وقانونی اصطلاحات کے باوجود یہ قصیدہ نسبتاً آسان اور عام فہم ہے۔اس میں خطابیہ اور بیانیہ دونوں انداز ملتے ہیں۔حسن تعلیل، تلمیح ،تشبیہ اور مراعات النظیر سے فنی اظہار کی تکمیل کی گئی ہے البتہ عروضی لحاظ سے ''ملے شکر یہ میں اس بت شکن کو خوان صد نعمت'' محل نظر ہے، کتابت کا سہو معلوم ہوتا ہے۔

۱۳۲۲ھ میں لکھا گیا قصیدہ ''انیسِ آخرت''محسن کا پانچواں نعتیہ قصیدہ ہے جو تریسٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔اس کا مطلع یوں ہے:

ازل سے عشق حسن بے نشاں کے روئے تاباں کا لیے صد فتنۂ محشر ہوا مہماں دل و جاں کا (۱۴۶)

تشبیب میں عشق کی آزمائشوں اور اس کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے کہ عشق ایک مقتل ہے، درد بے درماں اس کا مشیر خاص ہے، اہل دل ذوق شہادت سے سرشار ہیں، عشق کی چوٹیں اٹھانا آسان کام نہیں، عاشقوں کے بورے پر سدا آہ وزاری کا منظر دکھائی دیتا ہے اور وصال یار میں خیال رنج فرقت ساتھ رہتا ہے۔ عشق کی صفات کے بعد حضرت ابراہیم کی مثال سے سچے عشق کا نقشہ پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ سب انبیا کو عشق کامل ودیعت کیا گیا ہے تاکہ کفر و شرک کا خاتمہ ہو سکے۔ ادھر کفر وضلالت کی گھٹا دیکھ کر رضوان، حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں۔ یہی اشعار قصیدے کی گریز قرار دیے جا سکتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ضلالت روز افزوں دیکھ کر رضواں ہوا حیراں کہ یہ حالت ہے تو اللہ ہے میرے گلستاں کا
تقاضائے طلب میں یوں ہوا رطب اللساں دل سے گل گلزار قدسی سرو خلت کے خیاباں کا
کہ یارب جلد بھیج اس کو جو اپنے علم وحکمت سے کرے نور یقیں سے دیدہ بینا ہر دل وجاں کا
پکارے چرخ کے چو منزلے سے یوں مسیح آخر وہ دیکھو قبلہ کے رُخ پر ہلال ابروئے ایماں کا
غرض ان مژدہ ہائے جاں فزا کے بعد وقت آیا ظہور مصطفیٰ، فخر رُسل، محبوب یزداں کا (۱۴۷)

مدح کا حصہ بھرپور ہے۔ اس میں آپؐ کے فضائل، آپؐ کی آمد مسعود کی نوید اور آمد کے خوشگوار اثرات کا بیان ہے اور پھر آپؐ کے نور، لاثانیت، ناسخ ادیان، معجزات، تزکیہ وتربیت، انبیا پر فضیلت، علم، فصاحت، شفاعت، رحمت، عطا، مرتبے اور شب معراج کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں ملتا ہے۔ یہ اشعار برجستگی شیرینی اور سوز وگداز کی کیفیت سے مملو ہیں۔ تاریخی وقرآنی تلمیحات اور زبان وبیان کے عمدہ استعمال نے مضامین کی تاثیر کو دوچند کر دیا ہے:

وہ قاتل کفر وظلمت کا، وہ ماحی شرک و بدعت کا وہ حامی اپنی ملت کا وہ ناسخ دیگر ادیاں کا
خمیدہ نخل اعجاز اس کے اثمارِ خوارق سے رسیدہ میوہ اس کی تربیت سے زہد وعرفاں کا
لقب امی و مثل لوح محفوظ اس کے سینے میں بھرا علم اولین و آخریں پیدا و پنہاں کا
فصاحت کلمہ پڑھتی تھی، لب جاں بخش حضرت کا زبانِ شستہ گویا نسخہ تھا اعجاز قرآں کا
شب معراج میں حق نے بلایا اس کو پاس اپنے کیا سو طرح کا پاس اپنے محبوب اپنے مہماں کا
بٹھایا خلوتِ تنزیہہ میں اس کو تن تنہا فرشتہ بھی جہاں پہنچے ملائک کا نہ انساں کا (۱۴۸)

آخر میں دعا کے اشعار شاعر کی شیفتگی اور اجتماعی شعور کے ترجمان ہیں جن میں تاثیر کا عنصر

فراواں ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

الٰہی ! مجھ کو کر ایسا شہید اپنی محبت کا ‏ کہ ہر نوکِ مژہ فوارہ ہو خونِ رگِ جاں کا
وہ لو حبِ محمد مصطفیٰؐ کی گھر کرے دل میں ‏ دو عالم ہو چراغِ کشتہ جس کے طاق نسیاں کا
اسی کا شوق، اسی کی آرزو ہو وقت مردن تک ‏ رہے تاروز محشر سر پہ سایہ اس کے داماں کا
مٹا دے ہند سے نام ونشاں طاعونِ ملعوں کا ‏ کہ یہ کافر ہے دشمن ہر مسلماں نا مسلماں کا(۱۴۹)

ضیا احمد بدایونی کے مطابق:

''ان کی شاعری بلند خیالات اور نادر تشبیہات کا ایک طلسم ہے جسے دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ مضمون آفرینی اور نازک خیالی، عقیدت وارادت ان کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ صنائع وبدائع کی افراط ہے مگر ان کا استعمال نہایت اعلیٰ سلیقے کے ساتھ کیا ہے۔ علمی اشارات بکثرت ہیں اور کافی استعداد کے بغیر کوئی ان کی شاعری سے لطف اندوز نہیں ہوسکتا۔''(۱۵۰)

قصیدے کا مطلع پُر تاثیر ہے، تشبیب اور مدح کے مضامین میں باہمی ربط موجود ہے۔ گریز کے اشعار اگرچہ زیادہ ہیں مگر اس میں کہانی پن کی کیفیت لا جواب ہے۔ مدح کے اشعار مرصع ہونے کے باوجود بے جا تصنع سے پاک ہیں اور شریعت کے تابع ہیں۔ مدح میں سیرت النبیؐ کا پہلو عصری تقاضوں کے عین مطابق ہے اور دعا میں شاعر کی دردمندی اور انسان دوستی کی جھلک نہایت پُر اثر انداز لیے ہوئے ہے۔ پورا قصیدہ پُر درد اور پُر وقار فضا میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔

12-امیر اللہ تسلیم: (م:۱۹۱۱ء)

امیر اللہ تسلیم شاعری میں میرزا اصغر علی خاں نسیم کے شاگرد ہیں۔ وہ ۱۸۱۹ء میں مولوی عبدالصمد کے ہاں فیض آباد کے ایک گاؤں موضع منگلیسی میں پیدا ہوئے۔ اُنھوں نے شاعری کے پانچ دیوان چھوڑے۔ اُنھوں نے غزل اور مثنوی کے علاوہ قصائد بھی لکھے۔ (۱۵۱) ان کے کلیات ''نظم ارجمند'' میں چونتیس اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ بھی ہے جس کا مطلع یوں ہے:

فقر میں تقدیر دیتی ہے لباس اغنیا ‏ جسم عریاں پر اُتو ہوتا ہے نقشِ بوریا(۱۵۲)

تشبیب میں شاعر نے اپنی محرومی اور نارسائی کے حوالے سے اپنے داخلی جذبات قلم بند کیے ہیں۔ الفاظ میں تازگی، تخیل کی بلندی اور فکر کی ندرت کا احساس خوبی بن کر قاری کی توجہ جذب کرتا ہے۔

تشبیہات سے بھی جدت کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔تشبیب کا موضوع اگر چہ شاعر کی ذات ہے مگر شاعر نے اپنی ذات کے حوالے سے تصوف اور عرفان کے چند نکات بیان کیے ہیں جن میں تعلّی بحیثیت انسان کی جھلک بھی ملتی ہے۔مثال میں یہ اشعار دیکھیے :

خاک میں مل کر بھی ہے مجھ کو خیال خسروی جانتا ہوں مور کے سائے کو میں ظل ہما
گھر میں بیٹھا عالم ایجاد کی کرتا ہوں سیر دل مرے پہلو میں ہے آئنہ قدرت نما
میرے اس کے رابطہ ہے صورت مصراع بیت ایک ہیں معنیٰ میں دونوں اور ظاہر میں جدا
سرسری اے شیخ میرے نقش ہستی کو نہ جان قطرۂ ناچیز ہوں لیکن ہوں دریا آشنا (۱۵۳)

تسلیم کا دعویٰ ہے کہ عشق کامل سے خاک کا پتلا نور ہو جاتا ہے اور دلیل میں عشقِ رسولؐ سے منور اپنے قلب وسینہ کو پیش کیا ہے۔اس خوب صورت گریز کے بعد مدح کا آغاز ہوتا ہے۔مدح میں حضور اکرمؐ کی عظمت وکمالات کے حوالے سے معراج، باعث تخلیق کائنات، کوچۂ نبیؐ، زہد وعبادت، علمی استعداد، شاہد قرب خدا اور شیریں سخن جیسے مضامین قلم بند ہوئے ہیں۔اس کے علاوہ آنحضرتؐ کے اخلاق، قلب اطہر اور تلوار کی صفت میں عمدہ اشعار ملتے ہیں:

طے کیے نُہ پردۂ گردوں شب معراج میں جیسے عینک سے گزر جائے نگاہِ تیز پا
معنیِ دو بیتِ عالم یوں سمجھنا چاہیے تھی خبر ذاتِ مقدس، حرفِ کن تھا مبتدا
زندگی بخش دلِ مردہ تھا ہر حرف سخن آب حیواں تھا دہن ، لب موجۂ آبِ بقا
سینۂ حاسد سے پوچھا چاہیے اوجِ کمال سوجگہ سے چاک ہے جس طرح مفلس کی ردا
کیا کہوں ترک ادب ہے ، دل تھا یا کوئی صنم جس کے سائے تک پہنچ سکتی نہ تھی حرص و ہوا
ایک ذات پاک تھی موصوف چار اوصاف سے خضر پی، عیسیٰ نفس، موسیٰ سخن، یوسف لقا (۱۵۴)

تسلیم کے ہاں نعت کے مضامین اس خوش اسلوبی سے بیان ہوئے ہیں کہ وہ افراط کا شکار نہیں ہوئے۔خاص طور پر سیرت طیبہ کے موضوع کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ادب واحترام کی فضا قائم ہے اور تاثیر کی چاشنی سے مملو ہے۔ان کے الفاظ رنگین اور مرصع ہیں، استعارے بلیغ اور زود فہم ہیں اور تشبیہات میں نیا پن موجود ہے۔خاص کر عینک سے نگاہ کے گزرنے کے عمل کا مشاہدہ کرنا اور پھر اُسے تشبیہ میں برتنا قابل داد ہے۔انھوں نے خوش وضع تراکیب استعمال کی ہیں جو بلند آہنگ ہونے کے باوجود روانی پر گراں نہیں گزرتیں۔امیر کا یہ قصیدہ عمدہ مضامین اور پُرشکوہ اسلوب کا حامل ہے۔

13-حالی،مولانا الطاف حسین:(م:۱۹۱۴ء)

شاگردِ غالب ومقلد میر؛مولانا الطاف حسین حالؔی ۱۸۳۷ء میں خواجہ ایزد بخش انصاری کے ہاں پانی پت کے محلّہ انصار میں پیدا ہوئے۔(۱۵۵)

دھیمے مزاج کے شریف النفس انسان تھے۔سرسید احمد خان کے رفقا میں شامل ہوئے،انھیں کی تحریک پر مسدس حالی لکھا۔قیام دہلی میں حالؔی،شیفتہ کے بچوں کے استاد رہے اور یوں سخن میں شیفتہ سے مستفید ہوئے۔جب انجمن پنجاب کے مشاعروں کا آغاز ہوا تو حالؔی پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو لاہور کے دارالترجمہ میں کتابوں کی تصحیح پر تعینات تھے۔اُن کی وفات ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔وہ اُردو کے پہلے باقاعدہ نقاد اور سوانح نگار بھی ہیں۔

وہ شاعری میں جدید طرز کے امام ہیں اور انھوں نے مقدمۂ شعر وشاعری میں اپنے نظریہ شعر کا اعلان کیا اور نیچرل شاعری کا آغاز کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلام جدید کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔دیوانِ حالؔی میں رنگ قدیم وجدید کی حامل غزلیں موجود ہیں۔اس کے علاوہ اس میں قطعات،مرثیے،ترکیب بند،رباعیاں،تاریخیں،متفرق اشعار اور قصیدے ہیں جن میں دو نعتیہ ہیں۔یہ قصائد جوش وجذبے کی کیفیات سے مملو ہیں لیکن ان میں تخیل کی بلند پروازی اور زورِ بیان مفقود ہے۔صالحہ عابد حسین اُن کی قصیدہ نگاری کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''حالی کے قصیدوں میں ہمیں وہ زور اور حسن بیان اور فنی کمال نہیں ملتا جو اُن کی دوسری نظموں میں ہے۔اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس صنف کلام سے انھیں مناسبت ہی نہ تھی۔''(۱۵۶)

غالبؔ کی زمین میں لکھا گیا پہلا نعتیہ قصیدہ مدحیہ ہے جو تینتیس اشعار کا حامل ہے۔اس میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریمؐ کے دشمن کے لیے عذاب الیم ہے اور آپؐ کے محبین امن وعافیت میں ہیں۔آسمان آپؐ کی بارگاہ کے گرد محوطواف ہے۔آپؐ اہلِ نخوت کے مقابل افتخار اور مہمانوں کے لیے انکسار کا رویہ رکھتے ہیں۔آپ ﷺ شفیع خلق،خلقِ عظیم،چارہ گری اور لطف وکرم کی دولت سے مالا مال ہیں۔آپؐ کو جو شرف نصیب ہوا،کلیم ومسیح اُس کے طلب گار ہی رہے اور آپؐ کی شب معراج کی حقیقت تک رسائی شاعر کے بس کی بات نہیں۔آخر میں جنت البقیع میں تدفین کو جنت کے محلات پر ترجیح دی ہے اور آخری سانس تک ذکرِ نبیؐ میں محو رہنے کی آرزو ظاہر کی ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بنے ہیں مدحت سلطان دوجہاں کے لیے ‏ سخن زباں کے لیے اور زباں دہاں کے لیے
وہ پھول جس سے ہوئی سعی باغباں مشکور ‏ رہی نہ آمد و رفتِ چمن خزاں کے لیے
بس اب نہ غول کا کھٹکا نہ راہزن کا خطر ‏ ہوا وہ قافلہ سالار کارواں کے لیے
اسی کا دیں ہے کہ ہے گلشن ہمیشہ بہار ‏ وگرنہ ہر گل و گلزار ہے خزاں کے لیے
اگر بقیع میں گز بھر زمیں میسر آئے ‏ کروں نہ طول امل روضۂ جناں کے لیے
نبیؐ کا نام ہو وردِ زباں ، رہے جب تک ‏ سخن زباں کے لیےاور زباں دہاں کے لیے(۱۵۷)

پچھتر اشعار کا دوسرا قصیدہ فخریہ تشبیب کا حامل ہے جس میں زمانے کی ناقدری کے گلے شکوے کے علاوہ اپنی قادرالکلامی اور بلند شعری مرتبے کے بارے میں فخر وتعلّی کا اظہار کیا گیا ہے۔ مطلع کے ساتھ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میں بھی ہوں حسن طبع پر مغرور ‏ مجھ سے اٹھیں گے اُن کے ناز ضرور
چشمۂ آبِ خضر کی مانند ‏ چشم اہلِ جہاں سے ہوں مستور
ہوں تماشائے شہر نابینا ‏ ہے برابر مرا خفا و ظہور
کون دیکھے مرے چمن کی بہار ‏ مر گیا عندلیبِ نیشاپور
شرح نقطہ کی گر کروں تحریر ‏ تنگ ہو عرصۂ نقوش و سطور
کرنے جاؤں جو حق سے عذرِ گناہ ‏ لے کے آؤں نویدِ عفو قصور
لوں ملائک سے دادِ حسنِ کلام ‏ گر لکھوں نعت سرورِ جمہور(۱۵۸)

نعت کے مضامین کے لیے صرف گیارہ اشعار مختص ہیں جن میں آپ ﷺ کی امت کی خوش بختی ،لب شیریں کلام کی تاثیر،حکم وتصرف اور لطف وقہر کا بیان سیدھے سادے انداز میں ملتا ہے۔اس کے بعد اپنی کم مائیگی اور کوتاہ بینی کے جذبات ہیں اور جیتے مرتے یادِ نبیؐ میں زندگی بسر ہونے کی تمنا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ شہنشاہ ، امتی جس کا ‏ یاں گنہ گار اور وہاں مغفور
لب شیریں کلام سے اس کے ‏ دوست بھی شاد ، غیر بھی مسرور
چرخ کو دے اگر وہ حکم سکوں ‏ ہو غلط نسخۂ سنین و شہور
بات پوچھو تو سوئے چرخ نگاہ ‏ سینہ دیکھو تو علم کا گنجور
طبع غالب ہے اور میں مغلوب ‏ نفس قاہر ہے اور میں مقہور

ہاں مگر کچھ اُمید بندھتی ہے   تیرے زمرے میں گر ہوا محشور
جیتے جی دل میں یاد ہو تیری   مرتے دم لب پہ ہو ترا مذکور(۱۵۹)

حالی نے اس قصیدے کے حاشیے میں لکھا ہے کہ ہم عصروں کی ناقدری کے سبب خود اپنے منہ میاں مٹھو بننے کا خیال آیا تو فخریہ اشعار کہے، غلطی کا احساس ہونے پر نعتیہ اشعار کہہ کر خاتمہ کیا۔(۱۶۰)

حالؔی کے قصائد نعت کے حقیقی مضامین سے عبارت ہیں۔ان میں تخیل کی رنگ آمیزی نام کو نہیں۔مبالغہ کی جگہ حقیقت نگاری اور مرصع طرزِ بیان کی جگہ سادگی نے لے رکھی ہے۔البتہ تعلّی میں ضرور مبالغہ کیا ہے۔حالی کی قصیدہ نگاری اُن کی سوانح عمری کی طرح دھیمے لہجے سے عبارت ہے اور اُس عہد کے نعتیہ قصائد کی صناعی سے میل نہیں کھاتی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اپنی جدید غزل کی سپاٹ سادگی کے برعکس اُن کے نعتیہ قصائد میں جوش و جذبہ نسبتاً زیادہ ہے اور مسدس کے جوش اور سوز و گداز کو اُن کا پورا کلام نہیں پہنچتا۔تعلیل کا حُسن مفقود ہونے کی وجہ سے بیان میں چاشنی نہیں، اوپر سے عشق کی وہ تپش اور سوز بھی نہیں جو مسدس میں دکھائی دیتا ہے۔معلوم ہوتا ہے قصیدہ کا فن حالؔی کے مزاج سے میل نہیں کھاتا دوسرے قصیدے میں شکوہ لفظی اور زورِ بیان تو ہے حقیقت نگاری کے تحت وہ تاثیر بھی ماند پڑتی نظر آتی ہے۔اس بارے میں ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

> ''حالؔی کے مذکورہ بالا اشعار غیر ضروری صناعیوں اور مبالغے سے پاک ہیں اور اس میں سے وہ غیر ضروری معنیٰ آفرینی، رعایت لفظی اور تصنع کا شائبہ نہیں جن کا اس دور کی شعری خصوصیات میں شمار ہوتا تھا۔''(۱۶۱)

حالؔی کے مضامین مشروع ہیں۔تشبیب کا فخریہ لہجہ مدح میں عجز کے قرینے میں ڈھلتا نظر آتا ہے۔یہ اشعار خلوص کے حامل ہیں۔ان میں جذبوں کی تڑپ اور سوز محسوس کیا جا سکتا ہے۔

14-ڈاکٹر احمد حسین مائل:(م:۱۳،اگست،۱۹۱۴ء)

احمد حسین مائل کا تعلق دکن سے ہے۔وہ ۱۲۷۴ھ(۱۸۵۷ء) کو حاجی محمد رضا حسین رضا کے ہاں پیدا ہوئے۔مدرسہ طبابت سرکار عالی سے ڈاکٹری کی سند حاصل کی۔شاعری میں غلام امام شہید کے ہم شیر زاد محمد سرفراز علی وصفی سے اصلاح لی اور جلد ہی خود کامل استاد ہو گئے۔(۱۶۲) اُن کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے ہر صنف سخن میں لکھا اور کمال لکھا۔بقول محی الدین قادری زورؔ:

> ''کلام مائل کی دوسری خصوصیت نہایت ہی سنگلاخ اور مشکل زمینوں میں طبع

آزمائی ہے۔ شاہ نصیر اور ذوق کے بعد اُردو زبان کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر پیدا ہوا ہو جو اس خصوصیت میں مائل کی ہمسری کر سکے۔'' (۱۶۳)

''تحفہ دکن'' ڈاکٹر احمد حسین مائل کا دیوان ہے۔ اس میں انتیس اشعار کا ایک مترنم قصیدہ بحر طویل میں ہے جس کا مطلع یوں ہے:

چمکا ہے کیوں نور اس قدر، روشن ہیں جس سے بام و در جس پر فدا نور سحر جس سے خجل شمس و قمر
ہے کس کی آمد کا اثر، ہوتا ہے کون اب جلوہ گر، ہر گھر تجلی کا ہے گھر، ہر جا ہے موسیٰ کی نظر (۱۶۴)

دوسرا قصیدہ نو اشعار کا ہے اور یہ بھی بحر طویل میں ہے۔ اُس کا مطلع دیکھیے:

باغ میں خندۂ گل، شاخ پہ بلبل کا ہے غل، مست ہیں کل پیتے ہیں مل، آتی ہے آواز بہار
دل ربایانہ ہے، کیا رنگ ہے مستانہ ہے، کیا ڈھنگ ہے گلشن میں عروسانہ ہے انداز بہار (۱۶۵)

دونوں قصائد کی تشبیب بہاریہ ہے۔ ان پر غلام امام شہید کے رنگ سخن کے اثرات واضح ہیں۔ مائل نے بھی بحر طویل میں تکرار کی صنعت کو خوب برتا ہے۔ گلشن کے مناظر انھوں نے بڑی مشاقی سے قلم بند کیے ہیں:

مستانہ چلتی ہے صبا، ہے موج مے، موج ہوا، ہے بوئے گل مستی فزا، ہے شاخ گل محو ادا
قمری ہے سرگرم نوا، ہیں بلبلیں نغمہ سرا، پھولوں کی رنگیں ہے قبا، غنچوں کی مٹھی میں ہے زر

کہتے ہیں شیخ و برہمن، سب کا جدا ہے بانکپن، کپڑوں کی ہے طرفہ پھبن، ہے خوب رُو ہر مرد و زن
آنکھیں ہرن، غنچہ دہن، سیمیں ذقن، شیریں سخن، نازک بدن، گل پیرہن، شفاف تن آئینہ بر (۱۶۶)

انھوں نے گریز موزوں انداز میں کیا ہے۔ آنحضرتؐ کی آمد سے گلشن میں بہار آئی اور آپؐ کا شوخ جلوہ دیکھنے کے لیے کائنات کی ہر چیز بے تاب ہے۔ اسی کیفیت کے آئینہ دار دو اشعار ملاحظہ ہوں:

منہ دیکھنے اس شوخ کا بے چین ہر کوئی ہوا، گل شاخِ گل سے گر پڑا، بلبل ہوئی گل سے خفا
خورشید سے بگڑی ضیا، آئنہ سے روٹھی صفا، پتھر سے لعل بے بہا، دریا سے مرجان و گہر

نظارہ آنکھوں سے خجل، آنکھیں کہیں جائیں نہ مل، ارمانِ جاں میں جاں گسل، ہٹتے ہیں ہو کر متصل
سینہ سے جان مضمحل، نور آنکھ سے عارض سے تل، رگ سے لہو، قالب سے گل، پہلو سے دل، دل سے جگر (۱۶۷)

مدح میں مائل نے آپؐ کی آمد اور کفر کے خاتمے کا ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ کی عظمت کا بیان ہے جس میں انبیا سے تقابل کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ مائل کے نزدیک آپؐ وجہ وجود کائنات

ہونے کے علاوہ امی لقب، فخر رسولان سلف، وحدت نشاں اور عقدہ کشائے کن فکاں ہیں۔ آپؐ پر ایک دنیا فریفتہ ہے۔ آپؐ کا دل کش سراپا شاعر کی توجہ کا مرکز ٹھہرا ہے۔ مدح کے چند اشعار دیکھیے :

کفر اب نہ کیوں بے دم رہے، یہ کیوں نہ مٹی میں ملے، صورت نہ کیوں اس کی چھپے، اب کیوں نہ اس کا سر کٹے
لو پا برہنہ دوڑ کے ، آیا ہے لڑنے کے لیے ، گردوں ہلال و مہر سے باندھے ہوئے تیغ و سپر

ہاتھوں میں غلماں لے کے دف، استادہ ہو کر صف بہ صف، کہتے ہیں آدم کا خلف، اک لعل ہے باقی خذف
آتا ہے لو قرآں بہ کف، فخر رسولان سلف، جو لا مکاں کے اس طرف ،تھا عرش اعظم کے اُدھر

کیا رنگ ہے کیا ڈھنگ ہے، کیا شوخ ہے کیا شنگ، ہے کتنا یہ خوش آہنگ ہے، داؤد بھی دل تنگ ہے
عرش اس کا اک اور نگ ہے جس سے سلیماں دنگ ہے، مٹھی میں گویا سنگ ہے، پڑھتے ہیں لوکلمہ حجر

ظاہر ہوا امی لقب، ظاہر ہوا کل کا سبب، ظاہر ہوا عالی حسب، ظاہر ہوا والا نسب
ظاہر ہوا مہر طرب، ظاہر ہوا ماہ عرب، ظاہر ہوا محبوب رب، وحدت طلب خیرالبشر

غیب آشیاں پیدا ہوا، وحدت نشاں پیدا ہوا، کثرت مکاں پیدا ہوا، راحت رساں پیدا ہوا
شیریں بیاں پیدا ہوا ، شیریں زباں پیدا ہوا، شیریں دہاں پیدا ہوا، پیدا ہوا رشکِ قمر

مژگاں دراز و کج ادا ، آنکھیں سیاہ و پُرضیا ، جن میں دم دید خدا، مازاغ کا سرمہ لگا
ہے قاب قوسین اور کیا ، ہاں غور سے دیکھو ذرا، جب دو کماں ہوں ایک جا، اک دائرہ آئے نظر (۱۶۸)

مائل کا طرز بیان رواں اور شستہ ہے۔ اس میں چاشنی ،غنائیت اور لطافت کا عنصر موجود ہے، انھوں نے دکن میں دبستان دہلی اور لکھنو کے امتزاج سے اپنا جداگانہ رنگ سخن ایجاد کیا۔ اُن کے قصیدے میں عقیدت موجود ہے بعض جگہ جو غلو کا رنگ اختیار کر گئی ہے۔ انھوں نے آنحضرتؐ کے مقام کو اس قدر بڑھا دیا ہے کہ احد اور احمد کے فاصلے ختم کر دیے ہیں۔ اُن کے نزدیک ''خود ہی احد احمد بنا'' ہے۔ یہ رویہ نعت کے تقاضوں کے منافی ہے۔ جہاں تک قصیدے کے لوازمات کا تعلق ہے تو مائل نے عمدہ گریز کے ساتھ مدح کہی ہے اور حاضری کی دعا کے ساتھ قصیدے کا کامیاب اختتام کیا ہے۔

15- حکیم عبدالہادی وفا: (م:۱۹۱۶ء)

حکیم عبدالہادی کا تعلق رام پور سے ہے۔ وہ امیر مینائی کے شاگرد ہیں۔ اُن کا پیشہ طب

ہے۔اُردو، فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہے۔اُن کے کلیات میں ایک نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔اس کے علاوہ سات قصائد میں سے ایک قصیدہ حکیم محمد اجمل خاں کی مدح میں ہے۔انھوں نے ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء میں وفات پائی۔(۱۶۹) وفا کی کلیات ''یادگارِ وفا'' میں موجود نعتیہ قصیدہ اٹھاون اشعار کا ہے۔ اس کا مطلع یوں ہے:

ان دنوں زور پہ ہے طبع سراپا جودت   کود جائے نہ کہیں یہ فلک العرش کی چھت(۱۷۰)

وفا نے تشبیب میں اپنی فکر رسا، موزوں طبیعت، قوت حافظہ، جوش معانی، عقدہ کشائی اور زورِ قلم پر فخر کیا ہے اور ساتھ ہی بتا دیا ہے کہ ان نعمتوں کی عطا آنحضرتؐ کی مداحی کا نتیجہ ہے، یہی گریز ہے جو یقیناً موزوں اور ہم ربط مدح ہے۔شاعر کا تخیل واقعی بلندی کی طرف مائل بہ پرواز ہے۔اس نے نادر تشبیہات، نازک خیالی اور مبالغہ آرائی سے قصیدے کی سطوت کو برقرار رکھا ہے۔لفظی جوش اور نکتہ رسی دیکھنے کے لائق ہے۔مثالیں ملاحظہ ہوں:

قوت فکر ہے یا قوت بالِ جبریل   سرعت ذہن ہے یا نبض پری کی سرعت
بات کہتا ہوں کہ وا ہوتے ہیں صد عقدۂ راز   میرے لب کھلتے ہیں یا کھلتے ہیں قفل حکمت
میری تقدیر میں کیوں کر نہ ہو طرزِ الہام   میری تحریر میں کیوں کر نہ ہو شان و شوکت
کس کا بندہ ہوں مجھے کس کی ہے طاعت منظور   کس کا مداح ہوں، کس کی ہے ثنا و مدحت
کس کا ہے نام زباں پر مری سبحان اللہ   کس کا ہے دھیان مجھے واہ رے میری قسمت
وہ شہنشاہ رسلؐ ، ختم رسلؐ ، فخر رسلؐ   دونوں عالم کا شرف، دونوں جہاں کی عزت(۱۷۱)

وفا کے قصیدے میں زبان و بیان کا جوش اور فخر و تعلّی کا انداز مدح کے حصے میں پہنچتا ہے تو عجز و انکسار اور فدایت میں بدل جاتا ہے۔یہاں بس عقیدت اور محبت کے جذبات نظر آتے ہیں یہ قصیدہ ایک سچے امتی کا خراج تحسین بھی ہے اور ایک عاشق کی نیازمندی کا پیکر بھی۔اس پر طرہ یہ ہے کہ مضامین نعت کا ماخذ قرآن و حدیث کی تعلیمات ٹھہری ہیں۔یہاں شاعر نے نہ صرف فنی تقاضے پورے کیے ہیں بل کہ مستند حوالوں سے فضائل رسول کریمؐ بھی پیش نظر رکھے ہیں۔چند شعر سراپائے رسولؐ میں بھی کہے ہیں جن سے مضامین کا تنوع ظاہر ہوتا ہے۔مدح کے چند اشعار دیکھیے:

آپ نقاشِ حقیقت نے اسے چوم لیا   لوحِ محفوظ پہ کھینچی جو وہ زیبا صورت
قدِ رعنا نہیں گویا الف الحمد کا ہے   خمِ ابرو نہیں قرآن کی ہے اک آیت
نام تیرا خطِ سرنامۂ لولاک لما   حکم تیرا ہمیں اک نقش نگینِ قدرت

رحمتِ حق کو ترے دستِ کرم سے بیعت مغفرت کہتے ہیں جس کو وہ ترے در کی مطیع
دشمنوں پر ترے جاری رہے حکم تبت (۱۷۲) تیری امت کو مبارک ہو عطائے کوثر

مطلع سے مقطع تک قصیدے کی فکری اٹھان میں ہم آہنگی نظر آتی ہے۔اسلوب میں تازگی اور طرز ادا میں جدت کا احساس ملتا ہے۔قادر الکلامی کا اندازہ صنائع بدائع کے عمدہ استعمال سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ قصیدے میں عشق وانکسار کے جذبات کا حسین امتزاج اہل عشق کے لیے باعث تسکین وتقویت ہے۔

16-مولانا احمد رضا خاں بریلوی: (م: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء)

امام احمد رضا خاں بریلوی ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں نقی علی خان کے گھر پیدا ہوئے۔ وہ شاعر کے علاوہ محدث، مترجم اور عالم دین تھے۔انھوں نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا جو''کنز الایمان'' کے نام سے مشہور ہے۔انھیں فقہی مسائل سلجھانے پر عبور حاصل تھا۔ان کا نعتیہ دیوان''حدائق بخشش'' کے نام سے معروف ہے۔ وہ اُردو نعت گوئی کے امام تصور کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے ۲۸، اکتوبر ۱۹۲۱ء کو وفات پائی۔(۱۷۳)

قصیدہ در''تہنیت شادی اسراء'' سڑسٹھ اشعار پر مشتمل مدحیہ قصیدہ ہے جس میں سفر معراج کے آغاز یعنی مکہ مکرمہ سے قاب قوسین کی منزل تک کے حالات وواقعات پوری ترتیب کے ساتھ مفصل بیان ہوئے ہیں۔واقعات میں حقیقت وتخیل کی آمیزش کے ساتھ مذہبی عقیدت اور جذبۂ عشق کا رنگ غالب ہے۔

قصیدہ کیا ہے، آنحضرتؐ کے سفر کی روداد ہے جو مولانا نے علوم دینیہ اور چشم تصور کے زور سے قلم بند کر دی ہے۔ پہلے چھبیس اشعار میں عرش وفرش کی مخلوقات کی وجد آفرین خوشی اور آپؐ کے استقبال کی تیاری کا ذکر ہے۔محاکات نگاری زوروں پر ہے اور زبان وبیان کا لوچ اس پر مستزاد ہے۔ جزئیات پر بھرپور توجہ صرف کی گئی ہے۔پوری فضا جوشِ مسرت سے جھومتی نظر آتی ہے۔مطلع سمیت چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں میں رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر سے نغمات اُٹھ رہے تھے

پہاڑیوں کا وہ حسن تزئیں، وہ اونچی چوٹی وہ ناز وتمکیں
صبا سے سبزہ میں لہریں آئیں دوپٹے دھانی چنے ہوئے تھے
خدا ہی دے صبر جانِ پُرغم، دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولھا بنا رہے تھے
وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے
تجلیِ حق کا سہرا سر پر، صلوٰۃ و تسلیم کی نچھاور
دورویہ قدسی پرے جما کر کھڑے سلامی کے واسطے تھے(۱۷۴)

اس کے بعد سفر معراج کی پہلی منزل مسجد اقصیٰ جو جملہ انبیاء پر آپؐ کی عظمت کی دلیل ہے۔ اس کی عقلی توجیہ یہ ہے کہ آپؐ کو اوّل و آخر ثابت کرنا مشیتِ الٰہی کے پیشِ نظر تھا۔ شعری مثال ملاحظہ ہو:

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سرّ، عیاں ہوں معنیِ اوّل آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے(۱۷۵)

سدرہ سے آگے کا سفر عقل وخرد کو دم بہ خود کرنے کے ساتھ جبریلؑ کو حسرت میں مبتلا کرنے والا تھا۔ اُدھر عرش اعلیٰ مجرے کو جھکا تو بزم بالا کے فرشتے قربان جا رہے تھے۔ ندا آئی کہ موسیٰؑ پر جو راستے بند تھے وہ آج آپؐ کے لیے کشادہ کر دیے گئے ہیں، قدم بڑھائیے۔ یہ منظر کشی مولانا کے خوب صورت تخیل کا مظہر ہے:

بڑھ اے محمدؐ! قریں ہو احمد، قریب آ سرور مجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے
تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی، کہیں تقاضے وصال کے تھے(۱۷۶)

اس کے بعد قصر دنا اور محبّ و محبوب کی ملاقات کی جزئیات کے حوالے سے مولانا کی علمی وفلسفیانہ نکتہ رسی دیدنی ہے۔ واقعہ معراج اپنے اندر حیرت واستعجاب کی عمیق گہرائیاں رکھتا ہے۔ اہل عقل اس کی تعبیر کرنے سے عاجز ہیں۔ عرش معلیٰ کی کیفیات کی طرف مولانا نے کیا خوب توجہ دلائی ہے۔ انھوں نے جو سوالات اُٹھائے ہیں، اس سے اُن کے سائنسی شعور کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ وہ زمان ومکاں کی ماورائی کیفیت کے بیان میں خرد کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے، گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کسے بتائے کدھر گئے تھے
سراغ این و متیٰ کہاں تھا، نشانِ کیف و اِلیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے
محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل
کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے
کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطوتم اول آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے (۱۷۷)

یہ قصیدہ مدحیہ سہی مگر اس کے آغاز میں پوری کائنات کی طرف سے آنحضرتؐ کے استقبال کا جو منظر پیش کیا گیا ہے وہ تشبیب کے لطف سے خالی نہیں۔ مولانا کی ندرت فکر اور فلسفیانہ نکتہ رسی نے اس قصیدے کو ایک اونچی علمی اڑان بخشی ہے اور تشبیہ، استعارے، محاکات نگاری، حسن تعلیل اور زورِ بیان نے اسے فنی لحاظ سے بلند مرتبہ عطا کیا ہے۔ بلاشبہ یہ رفیع الشان نعتیہ قصائد میں سے ایک ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی لکھتے ہیں:

''قصیدہ معراج کا قاری حیران و ششدر ہے کہ فاضل بریلویؒ نے کس علمی وجاہت، عرفانی منزلت اور حسنِ کلام کی قدرت کے ساتھ ان نازک مرحلوں کو عبور کیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کو وہ فکری معراج حاصل تھی جو ان منزلوں کے لیے ضروری تھی۔ اُردو ادب کا قاری ان سڑسٹھ اشعار کو رخ اردو معلیٰ کا نشانِ عظمت نشان خیال کرتا ہے۔'' (۱۷۸)

دوسرا قصیدۂ نور اٹھاون اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ قصیدہ بھی وصفیہ ہے۔ ''نور کا'' ردیف ہے جس نے پورے قصیدے کی فضا کو نورانی بنا دیا ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

صبح طیبہ میں ہوئی ، بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا(۱۷۹)

آنحضرتﷺ کی نورانیت کے متنوع پہلوؤں کا بیان مولانا کی فکری اپج کا آئینہ دار ہے۔ سراپا مبارک کے باب میں رُخ وابرو، عمامہ، بینی، عارض، پسینہ، دل اور تن وسینہ پاک کی نوری جھلک دیکھنے کو ملتی ہے:

تیرے ہی ماتھے رہا اے جان سہرا نور کا   بخت جاگا نور کا ، چمکا ستارا نور کا

رخ ہے قبلہ نور کا ، ابرو ہے کعبہ نور کا — تیرے ہی جانب ہے پانچوں وقت سجدہ نور کا
ہے لواء الحمد پر اُڑتا پھریرا نور کا — بینیِ پُرنور پر رخشاں ہے بُکہ نور کا
لوسیہ کا رو مبارک ہو قبالہ نور کا — مصحفِ عارض پہ ہے خط شفیعہ نور کا
مصحفِ اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا — آب زر بنتا ہے ، عارض پر پسینہ نور کا
تیری صورت کے لیے آیا ہے سورہ نور کا (۱۸۰) — شمع دل ، مشکوٰۃ تن ، سینہ زجاجہ نور کا

آنحضرتؐ کی نورانیت کا یہ عالم ہے کہ خود نور آپؐ کے آگے سجدہ ریز ہے، آپؐ نور کا سایہ ہیں، آپؐ کی مدح میں حوریں نور کا ترانہ گاتی ہیں، شبِ تیرہ کو آپؐ کے نور کا دھڑکا ہے، آپؐ کا نور ناسخ ادیان ہے اور خود نور آپؐ سے نور کی خیرات کا طالب ہے۔ غرض نوریں اشعار کا ایک ایک لفظ ذکرِ رسولؐ سے ضوفشاں ہے۔ مثال دیکھیے:

شام ہی سے تھا شبِ تیرہ کو دھڑکا نور کا — صبح کر دی کفر کی سچا تھا مژدہ نور کا
تم کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجا نور کا — ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا
تاج ور نے کر لیا کچا علاقہ نور کا — نسخ ادیاں کرکے خود قبضہ بٹھایا نور کا
مہر لکھ دے یاں کے ذروں کو مچلکہ نور کا — دیکھ اُن کے ہوتے نازیبا ہے دعویٰ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا (۱۸۱) — تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا

قصیدے کے آخری بارہ اشعار کے علاوہ سارے اشعار ہم قافیہ ہیں۔ پورا قصیدہ رفعت خیال اور زورِ بیان کا مظہر ہے۔ آخر میں براق کی صفت میں کہے گئے اشعار محاکات نگاری کے ہیں اور برجستگی کا نمونہ ہیں۔ زبان و بیان کے حوالے سے محاورات کا بکثرت استعمال دیکھنے میں آیا ہے جن میں باڑا بٹنا، توڑا ہونا، صدقہ لینا، ستارہ چمکنا، دن دونا ہونا، بول بالا ہونا، کلیجا ٹھنڈا ہونا، ماتھے ٹیکا ہونا، آئینہ اندھا کرنا، دل کے کنول کھلنا، انھی قدموں پھرنا، مچلکہ لکھ دینا، بے حکم پر مارنا، دو ورقہ لکھنا اور چار چاند لگانا وغیرہ نمایاں ہیں۔ فنی لحاظ سے انھوں نے تلمیح، لف ونشر، حسن تعلیل، پیکر تراشی اور موازنہ و تقابل سے ادائے مضامین کی صورت نکالی ہے۔ قصیدے کا اختتام دعا پر نہیں جس کا سبب بھی غالباً آخری شعر میں درج ہے:

ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا (۱۸۲) — اے رضا! یہ احمدِ نوری کا فیض نور ہے

قصیدۂ درودیہ مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کا تیسرا قصیدہ ہے جو ساٹھ اشعار پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے اپنے مقالے میں انسٹھ اشعار کا ذکر کیا ہے۔ آغاز میں تین مطلع ہیں:

کعبے کے بدرالدجیٰ تم پہ کروڑوں درود طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود(۱۸۳)

یہ بھی مدحیہ قصیدہ ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر شعر کے پہلے مصرع کے اختتام میں حروفِ تہجی کی ترتیب کا اہتمام کیا گیا ہے نیز ہر مصرع اولیٰ ذوقافیتین ہے جس سے غنائیت کی فضا دو چند ہوگئی ہے۔

قصیدے میں دو بڑے موضوعات ہیں، ایک آپؐ کی عظمت اور دوسرا استمداد۔ پہلے موضوع کے لحاظ سے حضور نبی کریمؐ کے فضائل بیان کرنے کا ہنر آزمایا گیا ہے اور پھر درود بھیج کر اپنی محبت کا اظہار کیا گیا ہے۔ آپؐ کے اوصاف والقاب میں ''بدرالدجیٰ، شمس الضحیٰ، شافع روز جزا، دافعِ جملہ بلا، جان ودل اصفیا، غیث اور غوث، معاذ، عفووغفور، شہید وبصیر، خلاص، رُسل کے امام، قاسمِ رزق، رؤف ورحیم، نوشہِ ملک خدا، نافع ودافع، شافع ورافع، شافی ونافی، کافی ورافی، مظہرحق اور تکیہ گہ بیکساں'' نمایاں ہیں۔ القاب کے علاوہ قرآنی تلمیحات کے ذریعے بھی آپؐ کے اوج وکمال کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

غایت و علت سبب ، بہر جہاں ہو سب تم سے بنا، تم بِنا، تم پہ کروڑوں درود
کیا ہیں جو بے حد ہیں لوث، تم ہو غیث اور غوث چھینٹے میں ہو گا بھلا ، تم پہ کروڑوں درود
تم سے خدا کا ظہور ، اس سے تمہارا ظہور لِمّ ہے یہ وہ ''اِن ہوا'' تم پہ کروڑوں درود
کہنے کو ہیں عام و خاص ایک تمہیں ہو خلاص بند سے کر دو رہا تم پہ کروڑوں درود
تم ہو جواد و کریم ، تم ہو رؤف و رحیم بھیک ہو داتا عطا، تم پہ کروڑوں درود(۱۸۴)

آخری حصہ مولانا کے داخلی جذبات پر مبنی ہے جس میں تردامنی، بےکسی اور حاسدین کے بارے میں استمداد طلبی کا بیان ہے۔ اگرچہ ان اشعار میں انھوں نے اپنے عقیدے کا برملا اظہار کرتے ہوئے مناجات کا انداز اختیار کیا ہے لیکن یہ اشعار سوز وگداز کی تاثیر سے مملو ہیں:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود
گرچہ ہیں بے حد قصور تم ہو عفو و غفور بخش دو جرم و خطا، تم پہ کروڑوں درود(۱۸۵)

اس قصیدے میں ایک امتی، ایک جاں نثار اور ایک عاشق کی التجا کی تپش واضح محسوس کی جا سکتی ہے۔ ادب کی فضا قائم ہے، لفظی نشست وبرخاست موزوں ہے، تجنیس، تضاد، لف ونشر، تعلیل، تلمیح اور تقابل ادائے مضمون کے صنائع بدائع ہیں۔ ''تم پہ کروڑوں درود'' کی تکرار اور ذوقافیتین نے شعر کے صوتی پیرائے کو خوش آہنگ بنا دیا ہے۔ مختصر یہ کہ پورا قصیدہ آپؐ کی عظمت ورفعت کا مرقع ہے۔ استمداد والتجا کے حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ایک طرف اعدائے دین، ایک طرف حاسدین　بندہ ہے تنہا شہا، تم پہ کروڑوں درود
گندے نکمے، کمین، مہنگے ہوں کوڑی کے تین　کون ہمیں پالتا، تم پہ کروڑوں درود
ہم نے خطا میں نہ کی تم نے عطا میں نہ کی　کوئی کمی سرورا! تم پہ کروڑوں درود
کام وہ لے لیجیے، تم کو جو راضی کرے　ٹھیک ہو نام رضا، تم پہ کروڑوں درود (۱۸۶)

مولانا احمد رضا خاں کا قصیدۂ سلامیہ ایک سو انہتر اشعار پر مبنی ہے اور قصیدۂ درود کے رنگ میں وصف و مدح کو محیط ہے۔ مدح کے مضامین میں رسول پاکؐ کی سیرت و سراپا نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ مناقب اہلِ بیت و صحابہؓ کا بیان بھی شامل ہے۔ سیرتِ طیبہ میں آپؐ کی عظمت کے بے شمار حوالے موجود ہیں۔ ان موضوعات میں شفاعت، دست قدرت، ختم رسالت، قاسم کنز رسالت، سیادت، جامعیت، استقامت، رحمت، لہجے کی حلاوت، خطبے، اصابت، شوکت، نصفت بعثت، سادہ طبیعت، علم، عصمت و عفت اور نجابت و سخاوت سرفہرست ہیں۔ لفظی تکرار اور دوسرے قافیے کے استعمال نے اشعار کی موسیقیت کو دوبالا کر دیا ہے نیز سہ لفظی تراکیب کے باوجود سلاست و روانی کا عنصر نمایاں ہے۔ جذبۂ عشقِ رسولؐ کی فراوانی ہے اور برجستگی کلام کی حلاوت و شیرینی کا باعث ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام　شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر　نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
اصل ہر بود و بہبود تخم وجود　قاسم کنز نعمت پہ لاکھوں سلام
مصدرِ مظہریت پہ اظہر درود　مظہر مصدریت پہ لاکھوں سلام
اشک باریِ مژگاں پہ برسے درود　سلکِ درِ شفاعت پہ لاکھوں سلام
الغرض اُن کے ہر مُو پہ لاکھوں سلام　اُن کی ہر خو و خصلت پہ لاکھوں سلام
اُن کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود　اُن کے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام (۱۸۷)

سراپا نگاری کلاسیکی شاعری کا اہم جزو ہے۔ شعرا نے اپنے اپنے محبوب کے خدوخال کو نت نئی تشبیہات سے بیان کیا ہے لیکن حضور اکرمؐ کے سراپا مبارک کو لفظوں میں سمونا مشکل امر ہے، مولانا نے منزہ اور احسن انداز میں آپؐ کے نقوش اُجاگر کیے ہیں۔ اس قصیدے میں آنحضرتؐ کی قامت، سایہ، بھوؤں، آنکھوں، مژگاں، خدوقد، لبوں، دہن، زباں، گلا، شانہ، بازو، کلائیوں، خط و کف، انگلیوں، ساق، صدر، بچپن، رضاعت اور ناخنوں کا ذکر بھرپور انداز میں کیا گیا ہے۔ سراپا کے اشعار تخیلاتی مدح کے حامل ہیں۔ یہ اشعار تشبیہ، تلمیح، استعارہ اور رعایت لفظی کے علاوہ عظمت و جلالت کے متنوع

پہلوؤں سے عبارت ہیں جنھیں پڑھ کر ایمان کی تازگی اور حلاوت دوچند ہو جاتی ہے۔مثالیں دیکھیے :

پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں — ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں — اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
جس کو بارِ دوعالم کی پروا نہیں — ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
کعبۂ دین و ایماں کے دونوں ستون — ساعدینِ رسالت پہ لاکھوں سلام
عید مشکل کشائی کے چمکے ہلال — ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام(۱۸۸)

سراپائے رسولؐ کے بعد گیارہ اشعار اہل بیت کی مدح میں ہیں۔ پھر امہات المومنین ، اصحاب واصحاب بدر واحد،عشرہ مبشرہ،خلفائے راشدین ،آئمہ کرام ،فقہا،اہل طریقت ،حضرت غوث پاک، دیگر قطب وابدال اور اہلِ عبادت واہلِ سنت کے ساتھ اجتماعی خیر خواہی اور دردمندی کا ثبوت دیتے ہوئے سارے مسلمانوں پر سلام بھیجا ہے اور آخر پر اپنے ،اپنے استاد، ماں باپ، بھائی بہن اور اہلِ ولد وعشیرت کی سلامتی کی دعا مانگی ہے:

کاش محشر میں جب اُنؐ کی آمد ہو اور — بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام
مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ، ہاں رضاؔ — مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام(۱۸۹)

17-شہیرمچھلی شہری:(م:۱۹۲۹ء)

سید محمد نوح گھسوہ (موجودہ مچھلی شہر) میں ۱۲۷۳ھ(۱۸۵۶ء) کو پیدا ہوئے۔(۱۹۰) اُن کے والد کا نام سید رعایت علی ہے۔اُنھوں نے منیر شکوہ آبادی کو اپنا کلام دکھایا۔تین دیوان غزلوں کے، ایک دیوان قصائد کا ہے جواب ناپید ہے(۱۹۱) چار پانچ سال کی بیماری کے بعد فالج سے ۱۹۲۹ء میں وفات پائی۔(۱۹۲)

شہیر کے ہاں ''دل'' کی ردیف میں سڑسٹھ اشعار کا خوب صورت قصیدہ موجود ہے جو چار مطلعوں کا حامل ہے۔مطلع اوّل میں موت کو محبت کے روگ کا علاج قرار دیا گیا ہے اور دل کی وسعت کا موازنہ کونین کی وسعت سے کیا گیا ہے۔مطلع اوّل ملاحظہ ہو:

حسن ملیحان ہند ہے نمک خوانِ دل — ہے دہنِ زخم دل صاف نمک دان دل(۱۹۳)

مطلع ثانی کے بعد پندرہ بیس شعروں کی غزل کہی ہے جس میں عاشق کی مہجوری،محبوب کے ظلم وستم،اس کے دام خیال کی اذیت اور وحشت عشق کا بیان ہے۔ یہ اشعار تغزل اور قلبی واردات کی

کیفیات کے بخوبی ترجمان ہیں۔مضمون آفرینی، بلند تخیل اور جدت ادا کی مثالیں اس میں موجود ہیں۔ کہیں کہیں آفاقیت کے مضامین بھی آگئے ہیں۔مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

روح کے ہم راہ ہیں حسرت و ارمان دل — ان کا نکلنا بھی ہے جان نکلنے کے ساتھ
شک ہے تو اُٹھوا نہ لو مجھ سے بھی قرآنِ دل — مصحفِ رخسار کے عشق کا دعویٰ ہے راست
دل سے نکلتا نہیں یوسف زندانِ دل — ایک گھڑی بھی خیال آپ کا جاتا نہیں
بھیس میں آنسو کے ہیں گوہر عمانِ دل — ہجر میں ہے جوش زن، آنکھوں سے دریائے اشک
جب سے کہ عشق بتاں ہو گیا ایوانِ دل — کفر سے مانوس ہے ، دین سے بیزار ہے
سن کے جسے شاد ہو دل سے سخن دانِ دل(۱۹۴) — مطلع موزوں کوئی اور سنا اے شہیر!

شہیر کے ہاں مدح کے مضامین میں بھی اظہار کا سلیقہ موجود ہے جسے ادب وعقیدت نے مزید نکھار بخشا ہے۔آپؐ کی محبت، حمایت، شفاعت اور فضائل کے باب میں دل کی ردیف سے شاعر نے عمدہ اشعار نکالے ہیں۔شاعر کا عقیدہ ہے کہ نبی کریمؐ پر اس کے سب حالات منکشف ہیں اور آپؐ ہی شاعر کے سب دکھوں کا درمان ہیں۔دعا میں شاعر نے غموں سے نجات کی تمنا کی ہے۔چند اشعار دیکھیے:

نور یقیں ہو گیا شمع شبستانِ دل — سرمۂ مازاغ سے دیدۂ باطن کھلے
ہے شہِ دنیا و دیں آپؐ کا خاقانِ دل — داور ہر شش جہت ، مالکِ ارض و سما
خانۂ اللہ ہے آپ کا ایوانِ دل — کعبہ ہو یا لامکاں دونوں سے بڑھ کر یہ ہے
ہاتھ لگایا جہاں ہو گیا درمانِ دل — آپؐ کا دست شفا درد کا میرے دوا
آئنہ ہے آپؐ پر صورتِ ارمانِ دل(۱۹۵) — جانتے ہیں آپؐ سب مطلب مافی الضمیر

شہیر مچھلی شہری کا نعتیہ قصیدہ اگرچہ مشکل ردیف کا حامل ہے مگر اسلوب اس کا دل کش اور فنی مہارتوں سے مزین ہے۔ان کے جذبوں میں خلوص ہے اور دعاؤں میں لجاجت اور عجز ہے۔اُن کا یقین کامل ہے، انھوں نے نعت کے تقاضے بخوبی نبھائے ہیں۔اُن کے طرزِ بیان کی تازگی، زبان کی صفائی، کامل ابلاغ اور جدت ادا نے اُنھیں ممتاز حیثیت عطا کی ہے۔

18- نظم طباطبائی :(م:۱۹۳۳ء)

سید علی حیدر نظم طباطبائی ۱۸نومبر ۱۸۵۳ء کو محلّہ حیدر گنج قدیم (لکھنو) میں سید مصطفیٰ حسین

کے گھر پیدا ہوئے۔ حضرت امام حسنؓ کے پوتے جناب اسمعیلؒ کا لقب طباطبا تھا۔ وہ جناب اسمعیلؒ کی نسبی نسبت سے طباطبائی کہلائے۔(١٩٦)

انھوں نے درسِ نظامی کے علاوہ فارسی، عربی اور انگریزی میں دست گاہ حاصل کی۔١٨٩٠ء میں کتب خانہ آصفیہ کے پہلے مہتمم بنے۔ پھر نظام کالج میں اردو کے پروفیسر کی حیثیت سے کام کیا۔ ١٩١٨ء میں نظم صاحب کو جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ میں خدمات انجام دینے کا موقع ملا۔ یہیں سے اُن کی تحقیقی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔٢٣مئی ١٩٣٣ء کو اُن کا انتقال ہوا اور وہ مرلی دھر باغ کے عقب میں تکیہ موسیٰ شاہ قادری میں دفن ہوئے۔(١٩٧)

نظم طباطبائی کے شاگردوں میں عبدالحلیم شرر، پنڈت رتن ناتھ سرشار، سید ناظر حسین ہوش بلگرامی، مہاراجہ کرشن پرشاد، شہید یار جنگ شہید اور جہاں قدر نیر (داماد واجد علی شاہ) کے نام نمایاں ہیں۔ شاعری میں نظم نے جدید نظم کو بڑھاوا دیا اور ہیئت کے تجربے کیے اور انگریزی تراجم بھی کیے۔ اس کے علاوہ وہ ایک عمدہ مترجم بھی تھے۔ انھوں نے دیوانِ غالب کی شرح بھی لکھی۔ اُن کی نظموں کا مجموعہ ''مجموعۂ نظم'' سات نعتیہ قصائد کا بھی حامل ہے جن کے عنوانات درج ذیل ہیں: ''ذکر بعثت و فتح مکہ، قصیدۂ معراج، ہجرت وغزوہ بدر، ذکر جاہلیہ و جہاد آنحضرتؐ، قصیدہ احزاب، قصیدہ خیبر، قصیدۂ حنین۔''

پہلا قصیدہ ''ذکر بعثت و فتح مکہ'' آنحضرتؐ کی بعثت اور اس کے بعد پیش آمدہ مسائل کے بیان کو محیط ہے۔ بعثت کے بعد آپؐ کے مقام و مرتبے اور معجزات قلم بند کیے گئے ہیں اور پھر کفار کی سرکشی کے باعث مکہ پر لشکر کشی کا احوال رقم کیا گیا ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

کہاں سے کھینچ کر وارفتگی مجھ کو کہاں لائی میں ہوں راز نہفتہ اور جہاں بازار رسوائی (١٩٨)

نظم طباطبائی کی قادرالکلامی مسلمہ ہے۔ وہ جب کوئی پیکر تراشتے ہیں تو جزئیات تک بیان کر دیتے ہیں۔ وہ الفاظ سے ایسا مرقع تیار کرتے ہیں کہ اس میں زندگی کے آثار دکھائی پڑتے ہیں۔ اپنے بیان کی تاثیر دو چند کرنے کے لیے وہ نادر اور دل کش تشبیہات استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ الفاظ کی نشست و برخاست کے فن سے بھی واقف ہیں۔ خوب صورت اور برمحل الفاظ کو نگوں کی طرح جڑنے کا ہنر انھیں آتا ہے۔ اُن کی مدح مشروع ہے اور اُن کا اسلوب محاکاتی ہے۔ اُن کے قصائد میں رزمیہ عناصر کو مرکزیت حاصل ہے۔ جذبہ عشق و فدایت کی فراوانی سے اُن کے قصائد کی تاثیر میں اضافہ کر دیا ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر مومن کی تلوار اور گھوڑے کا جو منظر نظم طباطبائی نے کھینچا ہے اور جس طرح

تلوار کو ابروئے معشوق سے تشبیہ دی ہے وہ کمال کی ہے۔ یہ اشعار تسلسل بیاں، جوش و جذبے، زور بیان اور شاعر کی قوتِ متخیلہ کے علم بردار ہیں۔ مثالیں دیکھیے :

لکھوں ہر تیغ کی خوبی کہ ہر رہوار کی شوخی جو آفت اس نے کی برپا، قیامت اس نے بھی ڈھائی
کرشمے اور اشارے ابروئے معشوق کے اس میں دلِ عاشق کی اس میں بے قراری ناشکیبائی
چلی وہ ناز سے بن کر تو یہ انداز سے تن کر اُڑایا اس نے سر کافر کا اس نے لاش ٹھکرائی
وہ بجلی کی طرح کوندی، یہ شعلہ کی طرح بھڑکا دم پیکار اس نے خون، اس نے خاک برسائی (۱۹۹)

یہ قصیدہ قرآنی تلمیحات اور تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں مرتب ہوا ہے۔ اس کا بیانیہ واقعہ نگاری اور تخیل کی آمیزش سے عبارت ہے۔ اُن کے تخیل کی پرواز بلند ہے۔ انھوں نے تجسیم کاری سے دل فریب پیکر تراشے ہیں۔ وہ رعایت لفظی کا استعمال بھی نہایت عمدگی سے کرتے ہیں۔ انھوں نے ایسے برمحل سمعی و بصری تلازمات پیش کیے ہیں کہ داد دیے بغیر نہیں بنتی۔ ایک ایک شعر زورِ بیان اور ندرت فکر کا حامل ہے۔ مثالیں دیکھیے :

کچھ ایسا بسملوں پر رعب اس میداں میں چھایا تھا کہ دم رکتا ہوا نکلا، اجل ڈرتی ہوئی آئی
گری غش کھا کے سایہ کے برابر دھوپ میداں میں بگولا کی طرح سے گرد اُٹھی اور تیورائی
بفتح و نصرت اجلال مکہ میں ہوئے داخل ہوئی کعبہ کی نور کبریا سے رونق افزائی
ہبل کے کان بہرے ہو گئے تکبیر کے غُل سے جو دیکھا نور، پتلی دیدۂ عزیٰ کی پتھرائی (۲۰۰)

قصیدہ ''ذکر جاہلیہ و جہاد آنحضرتؐ'' میں نظم طباطبائی کا زوردار تخیل، بیانیہ اسلوب اور عمیق مطالعۂ اسلام کھل کر سامنے آیا ہے۔ اس کی تشبیب محسن کاکوروی کے قصیدے ''مدیحِ خیر المرسلینؐ'' کی یاد تازہ کرتی نظر آتی ہے۔ زمین بھی وہی ہے اور ہندی اساطیر کا رنگ ڈھنگ بھی ویسا ہی ہے۔ اس تشبیب میں بڑے مرصع انداز میں بادل، برسات اور باغ کا منظر بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد مطلع ثانی کہا ہے۔ یہاں بادل کی تاریکی زمانے میں ظلمت و بربریت کے استعارے کے طور پر سامنے آئی ہے۔ کشن، ارجن، اندر، کنہیا اور گنگا جل کی ہندی تلمیحات کے علاوہ زرتشت، عزیٰ اور بدھ کے ذریعے مختلف تہذیبوں کی ظلمت اور بداطواری کو بخوبی ظاہر کیا گیا ہے۔ مطلع دیکھیے :

اودی اودی یہ گھٹائیں ہیں کہ لیل الیل بن گئی یا شب دیجور سمٹ کر بادل (۲۰۱)

اسلام سے قبل مظاہر پرستی، بت پرستی اور انسانی تحقیر کی مثالیں دنیا کی ہر بڑی تہذیب میں موجود تھیں۔ شاعر کے مطابق سانپ دیوتا تھا اس لیے محفوظ تھا جب کہ انسانوں کی بلی (بھینٹ) دینا

جائز تھا۔ بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا عام تھا۔ عالمی معاشرے کے درگوں حالات میں جہاد کا حکم آیا تاکہ مذکورہ خباثتوں کی بیخ کنی کی جاسکے۔ چند اشعار دیکھیے:

حکم قیصر کا تھا عالم ہو پرستار صلیب ظلم کسریٰ کا یہ تھا آگ کو پوج، آگ میں جل
ہند و یونان، دمشق و عرب و ایراں میں یہ مذاہب تھے، یہ کردار تھے، یہ علم و عمل
غیرِ شمشیر نہ تھا اور نہ ہے اس کا علاج حکم حق پہنچا کہ باطل کو کریں مستاصل
ان مظالم سے زمانہ کو چھڑانے کے لیے بطن مکہ سے بڑھا نور خدا عزوجل (۲۰۲)

اس کے بعد آنحضرتؐ کی آمد اور تعلیمات سے ظالموں پر طاری ہونے والے لرزہ خیز اثرات کا ذکر ہے۔ اُن کے گھوڑے، تلوار اور کعبہ سے بتوں کی عمل داری کے خاتمے کا ذکر کر کے مطلع ثلاثہ میں براہِ راست خطاب میں نعت کہی ہے۔ نظم طباطبائی کے پیش نظر عربی قصائد یقیناً رہے ہوں گے کہ انھوں نے اسلامی لشکر کے جانثاروں کی تلوار کی صفت نہایت خوبی سے بیان کی ہے۔ وصف سیف میں یہ اشعار دیکھیے جو مبالغے سے مزین ہیں:

اس کا کھنچنا تھا کہ بس روح کھنچی رگ رگ سے اس کا بڑھنا تھا کہ بس کھا گئی دشمن کو اجل
ساتھ دینا تھا روانی میں جو دشوار اس کا کہہ دیا اس سے قیامت نے، میں آتی ہوں تو چل
کبھی عنتر سے ہے پیکار کبھی مرحب سے کبھی عتبہ سے، کبھی عمرو سے ہے ردوبدل (۲۰۳)

قصیدۂ احزاب کا آغاز فریب ہستی موہوم اور نفس کی فریب خوردگی سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے عہد غزل کے خاتمے، اہل سخن کی یاد اور اپنی مرثیہ خوانی کے ساتھ اپنی غفلت شعاری کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ملت کے لیے جان قربان کرنے کو کہا ہے۔ یہی گریز ہے جسے برمحل اور موزوں قرار نہ دینا غیر موزوں ہوگا۔ مطلع اور گریز ملاحظہ ہو:

فریب ہستی موہوم پر ہے نص قرآنی سراب دشت ہے پیاسے سمجھتے ہیں جسے پانی
اگر ہے پاسِ ملت جان کو پہلے تصدق کر نہیں مقبول ہوتا حج نہ ہو جب تک کہ قربانی
ہجوم کفر کی پروا نہ کرتے تھے کبھی حضرتؐ شفیع المذنبیں، شاہِ رسالت، پیک ربانی
چڑھائی غزوۂ احزاب میں سارے عرب کی تھی ہزاروں خوں کے پیاسے تھے ہزاروں دشمن جانی (۲۰۴)

بیانِ خندق کے بعد حضرت علیؑ اور عبدود کے مابین مکالمہ ہے، اس کے قتل کا بیان ہے، حضرت علیؑ کی خوش بختی پر رشک داؤدؑ، سلیمانؑ اور موسیٰؑ کا ذکر ہے، تیغ علیؑ کی ضرب اور سرخ رُوئی کا ذکر ہے اور آخر میں خاتمہ آندھی وطوفان سے ہونے والی بربادی کے ذکر پر کیا گیا ہے۔ اس قصیدے میں بھی

تشبیہ، مبالغہ اور رفعت خیال کے ساتھ تسلسل بیان کی خوبی نمایاں ہے۔ مکالمہ علیؑ کے چند اشعار دیکھیے :

کہا کافر سے دو باتیں ہیں کر ایک اختیار اِن میں بس اب اسلام لا، یا کھینچ لے تیغ صفا ہانی
کہا اس نے کروں میں قتل تم کو سخت مشکل ہے کہا شہؑ نے کروں گا قتل میں تجھ کو بہ آسانی
کمر تک کھل گئے ناگاہ چھاتی کے کواڑ اس کے دو پارہ تھا سر مغرور ، دو ٹکڑے تھی پیشانی
یہ تھی شانِ یداللٰہی کہ شہؑ نے ایک ضربت میں اسے تلوار سے دو کر دیا جس کا نہ تھا ثانی (۲۰۵)

قصیدۂ معراج کے پہلے مطلع کے بائیس اشعار میں بادل کو مجسم انداز میں پیش کیا ہے۔ بادل کی شوریدہ سری، شوخی، جوشِ جنوں اور جلالت کے اظہار کے لیے فیل ابرہہ، نازنیں اور شیر عریں کی تشبیہات اختیار کی گئی ہیں۔ مطلع دیکھیے :

ہے ابر یا دیو سیہ سرشار و مست و خشم گیں خنداں رخ و گریاں مژہ، روشن دل و تیرہ جبیں (۲۰۶)

مطلع ثانی کے بعد معراج کے سفر کی بالترتیب داستان رقم ہوئی ہے جس میں قرآن وحدیث کے حوالوں سے مضامین کو درجۂ استناد تک پہنچایا گیا ہے۔ براق کی آمد، اقصیٰ میں امامت، شراب کی جگہ جامِ شیر کا انتخاب، رف رف کی سواری، جنت کی سیر، نہر شیر ناب وانگبیں اور قوسین کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ نظم طباطبائی نے اللہ تعالیٰ سے ختم المرسلیںؐ کا خطاب ملنے پر معراج کو عظمت انسان کا استعارہ قرار دیا ہے اور آنحضرتؐ کی توحید پرستی کی کاوشوں کو بھی سلام پیش کیا ہے۔ اس قصیدے میں تشبیہ، استعارہ، صنعت تلمیح، تضاد، جمع، لف ونشر کے علاوہ روانی، تسلسل، زور بیان اور منظر کشی کے عمدہ نمونے دستیاب ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

نصف النہار خلد پر اس وقت طالع تھا قمر
جنت کی چاروں ندیاں، شوقِ زیارت میں بڑھیں
اک نہر میں شیریں تھا آب، اک نہر میں تھا شیر ناب
اک نہر میں جاری شراب، اک نہر میں تھا انگبیں
گردوں پہ تھے شاہِ اممؐ ، کہتی تھی رفعت دم بہ دم
ہے آپؐ کے زیر قدم خشک و تر و غث و ثمیں
جو کام احمدؐ نے کیا، وہ کس نبی سے ہو سکا
دنیا میں انساں کو خدا اب کوئی کہنے کا نہیں
مشرک ہوئے سب منفعل ، کافر پشیمان و خجل
منھ سے ہے گر انکار بھی ، دل میں ہیں اپنے شرمگیں (۲۰۷)

تیسرا قصیدہ ''ذکرِ ہجرت و غزوۂ بدر'' کے آغاز میں انسان کو دعوت عمل دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ عالی ہمت لوگ منزل کے حصول کو ممکن بنا کر رہتے ہیں بھلے انھیں کتنی ہی مشکلات کیوں نہ اُٹھانی پڑیں۔ منزل کی اسی جستجو میں دیگر انبیا کی طرح آنحضرتؐ نے بھی ہجرت کا بارِ گراں اٹھایا۔ مطلع اور گریز کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کاٹیے تاچند اک گوشہ میں عمر مستعار سامنے ہے منزلِ مقصود قدم ہیں استوار
ہر زمیں پر چال گردوں کی نہیں ہے ایک سی ہر ہوا میں مختلف ہے گرم و سردِ روز گار
مصر سے موسیٰؑ چلے، کنعاں سے یوسفؑ جس طرح چھوڑ کر اپنا وطن نکلے حبیبؐ کردگار (۲۰۸)

نظم طباطبائی کے مطابق ایک اندھیری رات میں حضور نبی کریمؐ مدینہ کے لیے سرگرمِ سفر ہوئے۔ اس کے بعد سراقہ کا مکالمہ ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ابوسفیان سے اونٹوں کی قطار لینے کا وقت آ گیا ہے۔ وہ نیزے سے وار کرنا چاہتا تھا مگر وہ زمیں پر آ گرا۔ اُٹھ کر پھر تعاقب کیا اور بدارادے سے تلوار نکالی۔ اس بار اس کا گھوڑا زمیں میں دھنس گیا۔ یوں وہ معافی مانگ کر رخصت ہوا۔ اس کے بعد مدینہ آنحضرتؐ کے استقبال کا منظر اور قبائل کے اسلام لانے کا بیان ہے جس پر سیخ پا ہو کر ابوجہل جنگِ بدر پر آمادہ ہوا تھا۔ میدانِ بدر میں مسلمانوں کے شوقِ شہادت اور کافروں کی پسپائی کا منظر بھی شاعر کے زورِ بیان کا مظہر ہے۔ پورا قصیدہ روانی، تسلسل بیان اور نادر تشبیہات کا مرقع ہے۔ یہاں طلوع و غروب کی منظر نگاری میں شاعر نے خوب صورت استعارے اور پُرکشش اور نیچرل تشبیہات سے کام لیا ہے جس سے شاعر کے تخیل کی پرواز کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ تشبیب مختصر مگر موزوں ہے۔ یہی حال گریز کا بھی ہے۔ مدینہ میں استقبال اور معرکۂ بدر پر چند اشعار دیکھیے:

اس طرح آئے دلوں میں جس طرح نورِ یقیں اس طرح اُترے کہ جیسے رحمت پروردگار
دوڑ کر اہلِ یقیں نے آنکھیں قدموں سے ملیں دامن مژگاں سے جھاڑا راہ کا گرد و غبار
نوک میں نیزوں کے عشوے ہیں نگاہ حور کے چھاؤں میں تیغوں کی ہے گلزارِ رضواں کی بہار
بسملوں کی ہچکیوں میں قلقل مینا کا لطف گھنگھروؤں کے بولنے میں شور گل بانگِ ہزار
ہاویہ میں جا رہا ہے کاروانِ مشرکین بن گئی ہے جادۂ راہِ عدم خنجر کی دھار (۲۰۹)

قصیدۂ خیبر کی تشبیب شاعر کی بلند خیالی اور علمی جلالت کی عکاس ہے جس میں عجز اور تعلّی ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں بل کہ حقیقت یہ ہے کہ تعلّی کی روز ریز میں بہتی نظر آتی ہے۔ یہاں شاعر نے اپنی طبع موزوں اور علمی وقار کے بارے میں اظہارِ خیال کیا ہے جس میں ندرتِ فکر کے بے شمار پہلو

موجود ہیں۔مثال کے طور پر خیال آرائی کی لذت پر تحقیقِ علم وفن کو کمال ترجیح دی ہے اور اپنا نظریہ پیش کر دیا ہے کہ تحقیق کا عمل شاعری سے برتر ہے۔اشعار دیکھیے:

زباں جب تک نہ کھولی تھی مجھے آتا نہ تھا باور کہ ہے میرے قلم کی آستیں میں شورش محشر
قلم جب تک اُٹھایا تھا نہ میں نے یہ نہ سمجھا تھا کہ خامہ ہے خطیب بزم معنی انگلیاں منبر
شکار طائر شہرت تھا منظور اور نہ تھا واقف کہ مضموں ہے عقاب اور مصرع برجستہ ہیں شہپر
وقارِ علم روکے تھا مرے زورِ طبیعت کو پسِ کہسار تھی آندھی، نہاں آندھی میں تھا لشکر
یہ مانا میں نے ہے تخیل میں اک طرح کی لذت مگر تحقیق علم وفن میں لذت اُس سے ہے بڑھ کر
جو اس کا جلوہ دل کش ہے تو اس کا روح پرور ہے یہ ہے گلزار ابراہیم وہ بت خانۂ آزر (۲۱۰)

اس قصیدے کا گریز انوکھا ہے، اس میں شاعر نے رعایت لفظی سے کام لیا ہے۔شاعر کہتا ہے کہ بہت سے غزوات قابلِ بیان ہیں لیکن قافیہ تقاضا کر رہا ہے کہ خیبر کی فتح کے واقعات قلم بند کیے جائیں۔شعری مثال دیکھیے:

مواطن ہیں بہت سے جس میں نصرت کبریا نے کی مگر یہ قافیہ کہتا ہے لکھو غزوۂ خیبر (۲۱۱)

نظم طباطبائی احوال خیبر کے باب میں لکھتے ہیں کہ ہجرت کے چھٹے سال خبر ملی کہ خیبر اہلِ فدک کو جنگ پر اپنے حمایتی کے طور پر اُکسا رہے ہیں جس پر حضور نبی کریمؐ نے حضرت علیؓ کو چند اصحاب کے ساتھ تحقیق کے لیے بھیجا۔فدک کے حوالی میں ایک جاسوس حضرت علیؓ کے ہاتھ لگا۔اس کے بعد بنی غطفان، اہل قموص، اہلِ سلالم، وطیح، صعب اور ناعم کے قلعوں میں بھی شورش کی خبر ملی تو لشکر اسلام بہ حکم جنابِ رسولؐ خیبر کی طرف روانہ ہوا اور مقام ''دیدباں'' پر پڑاؤ ڈالا۔یہاں شاعر نے جزئیات نگاری کی طرف بھرپور توجہ دی ہے۔جاسوس کا احوال، مرحب کا سراپا، اس کی دعوت مبارزت، حضرت علیؓ کا جواب اور مرحب کی موت اور اس کے غرور اور کروفر کے خاک میں ملنے کا تفصیلی بیان موجود ہے۔پھر مالِ غنیمت اور جاگیروں کی تقسیم کے بیان کے بعد شاعر نے روزِ محشر آنحضرتؐ کے لوائے حمد میں جگہ پانے کی دعا کی ہے۔چند متفرق اشعار جزئیات کے باب میں ملاحظہ ہوں جن سے شاعر کے علمی وقار کی جھلک بھی واضح ہوتی ہے:

ستاروں کی طرح ان غازیوں نے منزلیں طے کیں حوالی میں فدک کے پہنچے راتوں رات وہ صفدر
مقام دیدباں سے دھوپ بھی نیچے نہ اُتری تھی کہ اُترا عسکرِ اسلام زیرِ قلعۂ خیبر
ہوا وہ باریاب اور دی اُسے شہؐ نے علم داری لگایا آنکھوں میں آب دہن یہ حکم فرما کر

کیے جانا جہاد اس وقت تک اہلِ ضلالت سے کہ سب ایمان لائیں چھوڑ دیں یا قلعہ خیبر
کھلا دروازۂ حصنِ قموص اک پہلواں نکلا شریر و پُر دل و خیرہ کش و سفاک و غارت گر
بہ شکل خود تھا پاس اس کے اک پتھر کئی من کا بجائے خود ظالم سر پہ رکھے تھا وہی پتھر
خدا کی شان ابھی تک قلعہ و لشکر کا مالک تھا اب اس پر گرد کا ہے شامیانہ، گرد کی چادر
بندھا رعب اس قدر کفار پر عبرت ہوئی ایسی فدک قبضہ میں آیا شاہؐ کے بے منت لشکر (۲۱۲)

یہ قصیدہ واقعہ نگاری اور مبارزت کا عمدہ نمونہ ہے، اس میں انگریزی صنف سخن Epic کا سا زورِ بیان، جنگی مناظر، دعوتِ مبارزت، جلال اور نادر تشبیہات موجود ہیں اس کے علاوہ حضرت علیؓ جیسا ہیرو موجود ہے جو غلبہ حق کے لیے مرحب جیسے ولن (villain) کو کیفر کردار تک پہنچاتا ہے۔ یہ قصیدہ Grand Style میں لکھا گیا ہے۔

قصیدہ حنین کی تشبیب بہاریہ ہے جس میں مرغ سحر، شورِ طرب، موجِ صبا، سرو لب جوئے بار اور رگ ابرِ بہار کے ذریعے باغِ دنیا کی رعنائی کا ذکر کرنے کے بعد غزل کہی ہے۔ پھر عالم خواب میں ایک حور کی زبان سے دنیا کی بے ثباتی، انسان کی غفلت شعاری اور جنت کی نعمتوں کا نقشہ پیش کیا ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

کیا اعتدال آج ہے بادِ بہار میں کافورِ صبح سے نفسِ مشک بار میں (۲۱۳)

اب ذرا موعظہ کے باب میں کہے گئے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں خطابیہ انداز میں کمال نصیحت کی گئی ہے:

غفلت میں عمر کٹ گئی آیا تجھے نہ ہوش گزرا شباب نشہ میں پیری خمار میں
ہنگامہ گرم رکھتا ہے کیوں حسرتوں کا تو ایمان کا زیاں نہ ہو اس گیر و دار میں
ہے موردِ زوال و فنا آفتابِ گل پیدا خزاں کی چھاؤں ہے فصلِ بہار میں (۲۱۴)

اس کے بعد مطلع کہا ہے جس کے بعد آنحضرتؐ کی معراج، باعث تخلیقِ کائنات، فخرِ کائنات اور عظمت کے مضامین باندھے ہیں۔ پھر غزوۂ حنین کا ذکر واقعات کی صحت کا خیال رکھتے ہوئے بڑے جوش و جذبے سے کیا ہے۔ بنی ثقیف اور بنی ہوازن بت پرست قبائل تھے جن کی کمان ابن عوف (مالک بن عوف نصری) کے ہاتھ میں تھی وہ عورتوں اور بچوں کو بھی لشکر میں ساتھ لے آیا تاکہ سپاہی میدان سے نہ بھاگیں۔ تنگ درے میں دشمن کی تیر اندازی سے مسلم لشکر کی پسپائی اور جبلہ کی طنزیہ للکار سے لے کر حکمِ نبی کریمؐ پر حضرت عباس کی پکار اور شجاعتِ رسولِ کریمؐ کے سبھی واقعات قصیدے میں

احسن طور سے بیان ہوئے ہیں جس سے نظم طباطبائی کی علمی وسعت اور ذوقِ تحقیق کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

نرغہ زیادہ کرتے تھے جس وقت مشرکین لیتے تھے ہم پناہ نبیؐ کے جوار میں
فرماتے تھے حنین میں تنہا کھڑے ہوئے تھے چند جاں نثار فقط کار زار میں
میں ہوں نبیِ مرسلؐ ، فرزندِ مُطّلِب کذب و دغا کبھی نہیں میرے شعار میں
عباس نے بحکم شہنشاہِ مرسلیںؐ آواز دی کہ گونج گئی کوہسار میں
پسپا جو لوگ ہو گئے تھے سن کے وہ صدا آ پہنچے بہر نصرتِ دیں کار زار میں(۲۱۵)

آخر پر مجاہدوں کے گھوڑوں اور تلوار کی مدح میں منظر نگاری کے عمدہ نمونے ملتے ہیں نیز کفار کی ابتر حالت کا بیان بھی زوروں پر ہے۔ اس فتح کو نظم طباطبائی نے حضور نبی کریمؐ کے معجزات سے تعبیر کیا ہے جو عین حقیقت ہے۔ غزوہ حنین کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے علامہ محمد اظہر فرید شاہ لکھتے ہیں:

''پھر آپؐ نے ایک مٹھی مٹی کی لی اور فرمایا: بُرے ہوئے یہ چہرے۔ پھر یہ مٹی کفار کی طرف پھینک دی۔ پھر فرمایا: قسم ہے ربِ محمدؐ کی انھوں نے شکست کھائی۔''(۲۱۶)

نظم طباطبائی نے قصیدے کے فنی لوازمات احسن انداز میں پورے کیے ہیں۔ اُن کے مطالع جاندار ہیں، تشبیب، گریز اور دُعا کے سبھی مراحل خوبی سے طے کیے ہیں۔ خاص طور پر مدح کے مضامین حدودِ شریعت کے تابع ہیں۔ انھوں نے زیادہ تر مستند اور اہم واقعات سیرت کو موضوع بنایا ہے۔ بقول ڈاکٹر سعادت سعید:

''نظم طباطبائی نے اپنے قصائد میں تاریخی، اخلاقی اور معاشرتی موضوعات کو ترجیح دی۔ وہ تلقین وراہنمائی کے قائل تھے مگر شاعرانہ نزاکتوں اور لطافتوں کو فراموش نہیں کرتے۔ انھوں نے قصیدہ گوئی کے فنی لوازم کو پورے طور پر سامنے رکھا ہے۔ نظم کی تشبیب میں دل نشیں انداز سے اسرار حیات کھلتے ہیں۔ اخلاقی موضوعات کی پہلو داریاں سامنے آتی ہیں۔ وہ گریز بھی بڑے چوکس انداز میں کرتے ہیں۔''(۲۱۷)

19- صفدر علی خان: (م:۱۸۹۳ء)

محمد صفدر علی خان کا تعلق رام پور کے نواب خاندان سے ہے۔ وہ رام پور کے چھٹے نواب محمد

سعید خاں بہادر (متوفی: ۱۸۴۰ء) کے خلف الرشید ہیں۔انھوں نے خوش نویسی، سپاہ گری اور تصویر کشی کی تعلیم حاصل کی جس کا انتظام اُن کے بھائی نواب محمد یوسف علی خان صاحب نے کیا۔انھیں تاریخ، فلسفہ، مذہب، طلسمات اور سیاحت سے بھی دل چسپی تھی۔ جوانی میں ایک پری پیکر سے دل اُلجھا تو شعر وسخن کی طرف مائل ہوئے اور منشی امیر احمد صاحب امیر آفتاب ہند کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا (۲۱۸)۔فنِ معمہ پر ''ارژ نگ صفدر'' شائع ہو چکی ہے۔

انھوں نے قصیدہ، غزل، مثنوی، واسوخت، مخمس، مرثیہ، سلام، رباعی، قطعہ، تاریخ گوئی اور تضمین میں مشق بہم پہنچائی۔کلیات صفدر میں اُن کے قصائد بھی شامل ہیں۔(۲۱۹)

پہلا قصیدہ حمدیہ ہے۔اُن کا قصیدہ دوم در ''نعت سرور کائناتؐ باعث ایجاد موجودات مسمّی بہ مہر نبوت'' اسّی شعروں کو محیط ہے اور اس کی تشبیب فخریہ ہے جس میں اس نے انوری پر سبقت کا دعویٰ کیا ہے نیز یہ کہا ہے کہ وہ پیغمبر سخن ہے اور سارے شعرا اس کے امتی ہیں۔مطلع ملاحظہ ہو:

بزم سخن میں ہم زباں خاک ہو مجھ سے انوری شمع صفت جلے بجھے گل ہو چراغ شاعری (۲۲۰)

اس کے علاوہ صفدر نے رودکی کو اپنے محیط فکر کی ایک موج اور عنصری کو اپنی بیاض کا ایک جزو قرار دیا ہے جب کہ جامی، املی، کمال، قاسم، فطرت اور ظہیر اس کے آگے سرنگوں ہیں اور صائب، حافظ، غنی، طالب، دانش اور حیدر کو شاعری کا درس لینے کا مشورہ دیا ہے۔اس نے خود کو وقت کا خسرو اور سعدی کہا ہے۔گویا خسرو اور سعدی ہی صفدر سے بچ سکے ہیں وگرنہ تو وہ کسی کو خاطر میں نہیں لایا۔اسے ملک سخن کی بادشاہی کا دعویٰ بھی ہے۔اس حوالے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خلقت علم جب ہوئی، ملک کلام جب بسا سب ہوئے میرے امتی مجھ کو ملی پیمبری
خانۂ فکر ہے مرا ملک سخن، میں بادشاہ صفحہ ہے تخت سلطنت، دائرہ تاج قیصری
خسرِوخوش بیاں ہوں میں، سعدی نکتہ داں ہوں میں اور سے اور ہو گیا مرتبۂ سخن وری
حق کے تلامذہ جو ہیں ان میں وحید عصر ہوں ملتی مجھے نبی کے بعد ہوتی اگر پیمبری (۲۲۱)

صفدر کے ہاں محض شاعری کے بارے میں ہی فخر و تعلّی کا رویہ نہیں پایا جاتا بل کہ اس نے منطق، معنی، کشف، فلسفہ، علم لغت اور علم حدیث میں بھی یکتا ہونے کا اظہار کیا ہے اور حکیم آذری، بوعلی، جوہری اور زمخشری پر فضیلت کی لاف زنی بھی کی ہے۔مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

لوذعی زماں ہوں میں، المعی زمن ہوں میں نسخہ نویس ہے مرا ایک حکیم آذری
منطق و معنی و بیاں سب ہیں مری زبان پر کندہ ہے میرے نام پر خاتم نام آوری

علم وحدیث میں کمال فقہ میں ہوں میں بے مثال علم ادب میں بوعلی ، علم لغت میں جوہری
کاشف رازحق ہوں میں ، دعویٰ کشف ہے مجھے کس سے کروں مقابلہ زندہ نہیں زمخشری (۲۲۲)

اس قصیدے کی تشبیب بلاشبہ مبالغے کی عمدہ مثال ہے اور اس میں موازنہ وتقابل سے فخر و برتری کے خوب صورت جواز تلاش کیے ہیں۔ جوش وجذبات اور زور بیان اپنے اوج پر ہے مگر ناہموار، بے ربط اور کمزور گریز کہہ کر شاعر نے تشبیب کا لطف زائل کر دیا ہے۔ پھر مدح کی تمہید باندھنے میں بھی قصیدے کا زور ٹوٹ کر رہ گیا ہے۔ مدح کا اسلوب متوازن ہے۔ کہیں کہیں مضامین کی ندرت دکھائی دے جاتی ہے مگر یہ ندرت قصیدے کا وہ پہلا تاثر قائم نہیں رکھ سکی۔ دعا کے حصے میں ایک بار پھر شاعر کے زبان و بیان میں جوش اور تیزی دیکھنے میں آئی ہے۔ قصیدے کے اسلوب بیان میں اُتار چڑھاؤ کی کیفیت محل نظر ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ شاعر اپنے سخن کی برتری کے دعوے میں ناکام ٹھہرا ہے۔

مدح کے موضوعات میں جناب رسول اکرمؐ کے ذاتی فضائل کا تذکرہ کیا ہے جن میں نور و نبوت، اوج ورفعت کے ساتھ عدل وشفاعت نمایاں ہیں۔ شاعر نے اسلامی تاریخ میں جہاد کے آغاز، صحابہ کرامؓ کی جاں نثاری اور مرتدوں کے انجام کو بھی موضوع بنایا ہے۔ چند اشعار مدح کے حوالے سے ملاحظہ ہوں:

اس شہ خاص و عام کا خوان کرم ہے یہ فلک مہر ہے ایک لنگری، ماہ ہے ایک تشتری
دور میں اس کے اس قدر دختر رز ذلیل ہے توڑ دیا ہے تاک نے رشتۂ مہر مادری
عدل سے اس کے یک قلم ظلم کا نام مٹ گیا عشوہ و غمزہ حسین بھول گئے ستم گری
شافع حشر کا کرم خلق سے کس نے کہہ دیا خشکی زہد پر ہوئی دامنِ تر کو برتری
کون نہیں ہے بہرہ ور، کون نہیں ہے فیض یاب عادت آفتاب ہے شیوۂ ذرہ پروری (۲۲۳)

صفدر رام پوری کو زبان وبیان پر قدرت حاصل ہے۔ وہ شعری محاسن سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اُن کی تشبیب میں لفظی شکوہ اور جوش وجذبے کی فراوانی ہے مگر مدح اور گریز میں ہم آہنگی کا فقدان ذوقِ سلیم پر بارگراں ہے۔ اُن کے ہاں مدح کے مضامین میں حفظ مراتب کا اہتمام نظر آتا ہے۔

20- یکتا امروہوی: (م:۱۹۲۴ء)

سید اتقا حسن تقوی کا تعلق امروہہ سے ہے اور وہ یکتا امروہوی کے قلمی نام سے معروف

ہیں۔ وہ ۱۸۸۱ء میں حکیم مولوی سید مصطفیٰ کے ہاں پیدا ہوئے۔ اُن کا کلیات جون ۲۰۰۹ء میں نعیم میرٹھی نے کراچی سے شائع کیا۔ یکتا کا سالِ وفات ۱۹۲۴ء ہے۔(۲۲۴)

یکتا کے کلیات ''کلامِ یکتا'' میں پانچ نعتیہ قصائد شامل ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے آئمۂ کرام کی مدح میں بھی قصائد لکھے ہیں۔ اُن کے قصائد زیادہ طویل نہیں ہیں۔ سب سے طویل قصیدہ سینتیس اشعار کا ہے۔ ان کے قصائد کے مطالع یوں ہیں:

عید مبعث کا ہے دن، آج خوشی ہے گھر گھر　　جلوہ گر تختِ نبوت پہ ہوئے پیغمبرؐ(۲۲۵)

ماہِ نو کا دور ہے ساقی چلے دورِ شراب　　ہے فقط اس دور پر موقوف دورِ آفتاب

شاد کام و شاد ماں کیوں کر نہ ہوں سب مسلمیں　　آج حکم حق نبیؐ کو ہے پئے تبلیغ دیں

ہوں میں اک خاکسار عہد حقیر　　عاصیوں میں ہوں بے عدیل و نظیر

آج یہ کس مہ نو کی نظر آئی تنویر　　دام الفت میں ہوا طائر دل جس کے اسیر(۲۲۶)

یکتا کے قصائد میں زور بیان، فکری تازگی اور ندرتِ خیال کی صفات نمایاں ہیں۔ انھوں نے قادرالکلامی کا مظاہرہ کیا ہے اور منظر نگاری کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔ اُن کا لہجہ بلند آہنگ ہے۔ حسن تعلیل اور مبالغہ اُن کے مؤثر اور پسندیدہ صنائع ہیں۔ انھوں نے کلاسیکی روایت کو پیش نظر رکھتے ہوئے تشبیب میں ساقی نامہ کا استعمال کیا ہے۔ ایک جگہ ''مہ نو'' کا استعارہ برتا ہے اور استفہامیہ انداز میں آنحضرتؐ کا سراپا دل کش انداز میں بیان کیا ہے۔ جوش و ولولے کے ساتھ لفظی شوکت اور حسن تعلیل و مبالغے کا استعمال دیدنی ہے۔ چند مرصع اشعار دیکھیے:

آج یہ کس مہ نو کی نظر آئی تنویر　　دام الفت میں ہوا طائر دل جس کے اسیر

جل اُٹھا برق تجلی سے گلستان جہاں　　پھول چننے کے لیے چاہیے اب آتش گیر

دن پھرے حسن پرستوں کا ستارہ چمکا　　بخت خفتہ ہوئے بیدار تو جاگی تقدیر

جلوۂ طور کو موسیٰؑ بھی فراموش کریں　　چشم مشتاق سے دیکھیں وہ اگر یہ تنویر

عالم افروز وہ حسن اس کا کہ سبحان اللہ　　بارک اللہ وہ تجلی کہ خجل مہر منیر(۲۲۷)

چوتھے قصیدے کی تشبیب شاعر کے احوال ذات کے بیان کو محیط ہے۔ اس میں اگرچہ انھوں نے ذاتی لغزشوں، کوتاہیوں اور بے عملی کو موضوع بنایا ہے مگر یہ امر امت مسلمہ کی اجتماعی صورتِ حال پر بھی صادق آتا ہے۔ اُن کا یہ احوال سوز و گداز کی تاثیر سے مملو ہے۔ آج کا مسلمان جس طرح دین سے دوری اختیار کرتا جا رہا ہے اس کا نقشہ عمدگی سے ان اشعار میں ملتا ہے، اشعار دیکھیے:

قائل لا الہ الا اللہ شاغلِ شرک ، عاملِ تکفیر(۲۲۸)
کام ہے زہد سے نہ تقویٰ سے پر حمائل ہے سبحۂ تزویر
کچھ نہ صوم و صلوٰۃ سے رغبت ہے گلو گیر نعرۂ تکبیر
یوں خطا پر نگاہ جاتی ہے جیسے چھوٹے کڑے کمان کا تیر
شرحِ حال خراب کیا کیجے ہے مرا بال بال پُر تقصیر(۲۲۹)

یکتا نے آپؐ کے انقلاب اور ذاتی صفات دونوں کو موضوع بنایا ہے۔ آنحضرتؐ کی ہستی انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجی گئی ہے۔ آپؐ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ انسان کے لیے فیض یابی کا سرچشمہ ہے۔ عام انسان ہی نہیں انبیا بھی آپؐ سے فیض یاب ہیں اور ہوں گے۔ آپؐ کے فضائل نہایت وسیع ہیں جن میں سے چند ایک یکتا کے ہاں بہ طور موضوع آئے ہیں۔ انھوں نے حضور نبی کریمؐ کی شفاعت، سخاوت، اخلاق، معراج، بے مثل، تکمیل رسالت، نام نامی، خاک قدم اور عارض ولب کو بڑی عقیدت مندی سے اشعار کی زینت بنایا ہے۔ یہ اوصاف انھوں نے اپنی طرزِ ادا سے شگفتہ وشیریں بنا دیے ہیں۔ اُن کے تخیل کی پرواز بلند ہے اور وہ تشبیہ و تقابل سے اسے مزید رفعت عطا کرتے نظر آتے ہیں۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے جو جدت ادا کے مظہر ہیں:

تیرا ہم پایہ و ہم اوج نہیں کوئی رسول تُوہی دریائے نبوت کا ہے یکتا گوہر(۲۳۰)
انبیا و اوصیا خرمن کے تیرے خوشہ چیں کشت زار رحمت سے تیرے سب ہیں فیض یاب(۲۳۱)
دست کش راحت رسانی سے جو ہو تیرا کرم خلق سے اُٹھ جائے بالکل امن، چین، آرام وخواب(۲۳۲)
غیض تیرا غیض حق، تیرا غضب حق کا غضب انقلاب آئے جہاں میں تُو جو الٹے آستیں (۲۳۳)
کیوں رسالت نہ وہ مکمل ہو جب علیؓ سا ہو مصطفیؐ کا وزیر(۲۳۴)
ایک ہیں احمدؐ و حیدرؓ مگر اتنا ہے فرق یہ امام اور وہ نبیؐ، شاہ ہیں وہ اور یہ وزیر(۲۳۵)

یکتا کے نعتیہ قصائد میں وارفتگی کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ اُن کی عقیدت کے دو رخ ہیں۔ ایک انھوں نے آنحضرتؐ اور دوسرا آپؐ کے گھرانے یعنی حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنؓ و حسینؓ سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ آخری قصیدے میں تو نعت و منقبت ساتھ ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ انھوں نے اپنے عقیدے کے مطابق نعت اور منقبت میں فرق روا رکھا ہے مگر ایک جگہ آنحضرتؐ کی محبت کے جوش میں حدود اللہ کا خیال نہیں رکھا اور صریحاً کفر کیا ہے۔ جو طبیعت پر گراں بار ہے شعر دیکھیے:

تو کہیں معبود ہے، عبدِ حضور ہے تُو کہیں اے زہے شانِ بشر گاہے چناں، گاہے چنیں(۲۳۶)

وہ صنائع بدائع کے استعمال سے بخوبی آگاہ ہیں۔تشبیہ، استعارہ، تضاد، حسن تعلیل، مراعات النظیر، مبالغہ اور تکرار لفظی کی عمدہ مثالیں اُن کے ہاں باآسانی دستیاب ہیں۔انھوں نے سراپا نگاری اور فضائل رسولؐ کو پیش نظر رکھا ہے اس کے ساتھ اہل بیت کی منقبت کو بھی شامل کیا ہے نعت اور منقبت کے تقاضے انھوں نے پورے کیے ہیں مگر حمد و نعت کا فرق ملحوظ نہیں رکھ سکے۔

یکتاؔ نے جس دور میں قصیدے لکھے اُس میں محسن کاکوروی، امام احمد رضا خاں، نظم طباطبائی اور محشر لکھنوی کا طوطی بول رہا تھا۔ وہ ان مشاہیر کو تو نہیں پہنچے لیکن انھوں نے اپنے جاندار اسلوب اور والہانہ پن سے جو قصائد لکھے ہیں وہ قابل توجہ ضرور ہیں۔

21-عالم گیر خان کیف: (م: ۱۹۴۰ء)

عالم گیر خاں کیف محمد آباد ٹونک کے رہنے والے ہیں اور اسد لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ وہ ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔انھوں نے ۱۵ مئی ۱۹۴۰ء کو جھالاواڑ (انڈیا) میں وفات پائی۔ وہ مہاراجہ پاٹن کے دربار میں حافظِ قرآن کے طور پر وابستہ تھے اور روز انھیں دم کیا کرتے تھے۔ان کے دیوان میں ا نسٹھ اشعار کا قصیدہ موجود ہے۔اس کے دو مطلع ہیں اور یہ شہیدی کی زمین میں ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

زباں ناچیز، میں انسان، منھ ناچیز مجھ بد کا بھلا پھر مجھ سے وصف پاک ہو کیونکر محمدؐ کا(۲۳۷)

کیف کے اس قصیدے میں چار نمایاں باتیں ہیں جنھوں نے اسے کیف آور بنا دیا ہے۔

اوّل یہ کہ تشبیب میں عجز و انکسار کا بھرپور اظہار ہے جو شاعر کی داخلی صداقت کو ظاہر کرنے کے علاوہ عشق رسول پاکؐ کا بھی غماز ہے۔ کیف نے صفدر رام پوری کی طرح فخریہ تشبیب نہیں کہی بل کہ عجز و انکسار کو پیشِ نظر رکھا ہے۔انھیں اپنی حیثیت کا بھی علم ہے اور جناب رسولِ کریمؐ کی مدح کا سلیقہ بھی۔اُن کے نزدیک تو فرشتے بھی صفت رسولؐ سے قاصر ہیں۔ نیاز مندی میں ڈوبے چند اشعار دیکھیے:

صفت خورشید عالم تاب کی ذرّہ سے کیا ہو گی غبار اٹھ کر نشاں کیا پائے گا چرخ زبرجد کا
یہ وہ میداں ہے جس میں عالم وسعت بھی تنگی ہے یہ وہ حد ہے کہ جس کو بے حدی سے ربط ہے حد کا
کہاں میں اور کہاں میدان وصف احمد مرسلؐ کہ بام عرش زینہ ہے مقام خاص احمدؐ کا
اسی باعث سے وصف سید لولاک لکھتا ہوں کہ میری مغفرت ہو جائے میں بدکار ہوں حد کا(۲۳۸)

کیف کی گریز بہت شان دار ہے۔انھوں نے اظہار عجز کے بعد اپنی مغفرت کو قصیدہ لکھنے کا جواز ٹھہرایا ہے اور اس کی قبولیت کی دعا سے گریز کر کے مدح کی طرف رجوع کیا ہے۔

قصیدے کی دوسری خصوصیت فضائل رسولِ کریمؐ کا موضوع ہے۔ شاعر نے آنحضرتؐ کے اوج، رفعت، تصرف، وجہ تخلیق، شفاعت، وسیلہ اور نام نامی کے حوالے سے عمدہ مضامین نکالے ہیں۔ یہاں بھی ادب واحترام اور وفورِ عشق ایک ایک شعر سے ٹپکتا نظر آتا ہے۔ یہ قصیدہ سیرت طیبہ کے بیان سے زیادہ شاعر کے جذبات عشق کا ترجمان ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بہ شکل ماہ چمکا دے گا غازہ لطف احمدؐ کا　　ذرا ہونے تو دو محشر، تکیں گے نیک منھ بد کا
تری شان جلی یکساں رہی ہے حاضر و غائب　　کہ تجھ سے پیش تر آیا ہے شہرہ تیری آمد کا
جہاں کی مشکل آساں نام احمد ہی سے ہوتی ہے　　یہی کنجی ہے وہ جو کھولتی ہے قفل مقصد کا
ہمیں دے دے کے جنت یوں کہے گی شان غفاری　　یہ صدقہ ہے محمدؐ کا ، یہ صدقہ ہے محمدؐ کا
فروغ شان کرسی ایک کرسی تیرے ایواں کی　　عروج عرشِ اعظم گاؤ تکیہ تیری مسند کا
مٹے سو بار اور سو بار گر پیدا خدائی ہو　　تو پھر سو بار صدقہ ہو اسی نورِ محمدؐ کا(۲۳۹)

سوم شاعر نے عدم سایہ مبارک کے مضمون میں اپنی جودت طبع کا مظاہرہ کیا ہے۔ حسن تعلیل میں شاعرانہ استدلال کی خوب صورت مثالیں دی ہیں۔ شاعر کے نزدیک حضور نبی کریمؐ اللہ کا سایہ بن کر آئے ہیں اس لیے آپؐ کا سایہ معدوم ہے۔ یہ سایہ اللہ نے حشر میں امت مسلمہ کے لیے اُٹھا رکھا ہے نیز یہ اللہ پاک کو محبوب ہے اس لیے وہ اس سائے کو اپنے پاس رکھنے کا خواہش مند ہے۔ یہ اشعار دیکھیے:

کرے گا حشر میں سایہ سیہ کاران امت پر　　اٹھا رکھا ہے حق نے اس لیے سایہ محمدؐ کا
یہ ظاہر بات ہے سایہ کا سایہ ہو نہیں سکتا　　خدا کا ہے وہ سایہ کیا ہو سایہ اس سہی قد کا

نہ پڑنے دی تری قامت نے پرچھائی بھی شرکت کی
نہ خوش آیا تری یکتائی کو سایہ ترے قد کا(۲۴۰)

چہارم نظریۂ امکان نظیر کا مدلل جواب دیا ہے جو شاہ اسماعیل نے ''تقویۃ الایمان'' میں پیش کیا تھا۔ کیف نے خدالگتی کہی ہے اور اس کا استدلال واضح اور مؤثر ہے۔ یہاں کیف کا لہجہ پُر جوش ہو گیا ہے اور اُنھوں نے مخالفین کو زندیق و مرتد قرار دے دیا ہے۔ اشعار دیکھیے:

جو کہتے ہیں کہ حق ایسے محمدؐ سو بنا ڈالے　　بڑے کاذب ہیں وہ یہ ہے جواب اس قول کے رد کا
خدا نے اُن کو ختم المرسلینؐ ٹھہرا دیا اے دل!　　بھروسہ ہے ہمیں اللہ کے قول مؤکد کا
مبرا ہے خدا ، اے مومنو! وعدہ خلافی سے　　نہ ہو ایمان یہ جس کا وہ بے ایمان ہے حد کا
خدا اور چاہے پھرنا عہد سے ، یہ غیر ممکن ہے　　یہ باعث ہے جو ناممکن ہے پھر ہونا محمدؐ کا(۲۴۱)

یہ قصیدہ فنی تقاضوں پر پورا اُترتا ہے۔عشق ووارفتگی اورسوز وگداز سے مملو ہے۔زبان وبیان میں چاشنی ہے۔صنائع بدائع کے استعمال میں لکھنوی اثرات غالب ہیں۔لفظی شکوہ،ندرتِ فکر،زوربیان اور عجز کا اظہاراسے ایک کامیاب قصیدہ بناتا ہے۔

22-عزیزلکھنوی: (م:۱۹۳۵ء)

عزیزلکھنوی کا اصل نام مرزا محمد ہادی ہے۔وہ۱۸۸۲ءکومرزا محمد علی کے ہاں پیدا ہوئے۔اُن کےغزلیات کے دو دیوان ''گل کدہ'' اور ''انجم کدہ'' اورقصائد کا مجموعہ ''صحیفۂ ولا'' منظرعام پرآچکا ہے۔مشاق لکھنوی کے شاگرد ہیں اُنھوں نے ۲۹ جولائی ۱۹۳۵ءکووفات پائی۔(۲۴۲) اُن کا شماربیسیویں صدی کے ممتاز قصیدہ نگاروں میں ہوتا ہے۔وہ کلاسیکی قصیدہ نگاری کی روایت کے آخری پاسداروں میں سے ہیں۔صحیفۂ ولا میں ساٹھ کے قریب قصائد ہیں جن میں سے نو قصائد نعتیہ ہیں۔نعتیہ قصائد کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

۱۔حسن وعشق: یہ'' قصیدہ بہاریہ نوروز درمکالمۂ حسن وعشق وتخلص بہ نعت حضرت سرور کائناتؐ بہ پیرایۂ تغزل'' (ایک سو اکیس اشعار)

بہار آتے ہی اُن کو ہو گیا ناز خود آرائی　　لہو کچھ بڑھ گیا جب فصد دیوانوں نے کھلوائی (۲۴۳)

اس قصیدے کا آغاز موسم بہار کی رنگینی سے ہوا ہے۔بہار کے مضامین کے لیے رندانہ استعارے بھی کام میں لائے گے ہیں۔اس کے علاوہ حسن وعشق کا مکالمہ ہے جو علامتی رنگ لیے ہوئے ہے۔اس میں حسن کا اندازمحبوبی،عشق کی بے تابی،ہجر کا سوز وگداز،منظرنگاری اور جزئیات نگاری کی مثالیں موجود ہیں۔حقیقت حسن کے بیان میں شاعر نے اپنے عقیدے کا اظہار یوں کیا ہے:

مجھے اتنے دنوں بسمل بنا کر کیا ملا تم کو　　کہا یہ حسن نے اے دشمن ادراک و دانائی
حدیثِ آفرینش میری کچھ معلوم ہے تجھ کو　　بہم اک نور سے پیدا ہوا میں اور مرا بھائی
جگہ دی صلب عبداللہ میں مجھ کو مشیت نے　　ادھر صلب ابوطالب میں حیدر نے جگہ پائی (۲۴۴)

اس قصیدے میں گریز اور دعا کے حصّے مفقود ہیں۔اسلوب شستہ ورواں ہے اور تمثیلی انداز کا حامل ہے۔

۲۔بہار ربیع در جوش موسم: اردی و برخے از حالات ولادت انسان مکمل عین العالم حقیقۃ الحقائق مرأت الصفا محمد مصطفیٰؐ (۸۱۔اشعار)

ہے تا بہ عرش گلستاں کا گوشۂ دستار   کہ سرزمین عراق وعرب سے آئی بہار (۲۴۵)

اس قصیدے کی تشبیب فصل ربیع و بہار کی دل فریبی اور گلشن کی دل کشی کے بیان میں ہے۔ اس کے بعد آمدِ رسولؐ اور دنیا پر اس کے خوش گوار اثرات کا ذکر ہے۔ یہاں تاریخی واقعات وتلمیحات کا عمدہ استعمال قصیدے کو علمی شکوہ عطا کرتا نظر آتا ہے اور زبان وبیان بھی پہلے قصیدے کی نسبت زیادہ مرصع اور رنگین ہے۔ مدح میں منقبت علیؑ بھی شامل ہے اور آخر میں اسلام کی ابدیت کی دعا مانگی گئی ہے۔

۳۔معراجیہ: درمذاق تغزل ونعت ہادی سبل حضرت ختم الرسلؐ (۴۰۔اشعار)

قسمت پہ عزیز اپنی کروں یوں نہ مباہات   کس عربدہ جُو سے ہوئی ہے آج ملاقات (۲۴۶)

اس قصیدے کا آغاز ہجر گزیدہ نامراد عاشق کی فریاد سے ہوتا ہے جو جذبۂ عشق کے اثر کی قسم دے کر حسن سے چند سوالات کرتا ہے۔ پھر چھے، سات اشعار واقعۂ معراج پر ہیں جن میں شاعر نے اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔ اس کے بعد مطلع دوم میں حضورِ اکرمؐ کے حسن تکلم، قامت موزوں، معجزۂ شق القمر، نورانیت اور واقف اسرار جلی وخفی ہونے کے مضامین ہیں۔ قصیدے کا خاتمہ حضور نبی کریمؐ کے نام نامی پر ہوا ہے، اس کے چند اشعار دیکھیے:

ہے قصد بناؤں گا الگ عرش محبت   کرتا ہوں بہم جمع تری راہ کے ذرات
کرتا ہوں ترے نام پہ ختم اپنا قصیدہ   دور صلوٰۃ ہو کہ ہو جوش موالات
محمود و محمدؐ شرف عالم و آدمؑ   میر عرب و میر عجم سید سادات (۲۴۷)

۴۔نویدِ بعثت: (۲۴۔اشعار)

کسی دن رونے والے بھی کوئی تم کو دغا دیں گے   یہ کیا انداز ہے پہلو میں بیٹھیں گے، رُلا دیں گے (۲۴۸)

تشبیب میں محبوب کے ظلم وستم کا ذکر ہے۔ گریز پرزورطبع صرف نہیں کیا گیا ہے۔ مدح میں بشارت دینے والے کی طرف سے بعثت کی نوید سنائی گئی ہے۔ اسلوب نسبتاً سادہ اور رواں ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

نبوت کی قبا بیونتی ہے جو خیاط قدرت نے   وہی پہنا کے تم کو صدر مجلس میں بٹھا دیں گے
کہا اسلام نے تاجِ رسالت سر پہ جب دیکھا   یہی وہ ہیں جو میرے نام کا سکہ بٹھا دیں گے
پڑھے لکھے نہیں ہیں گو مگر یہ یاد رکھنا تم   علوم انبیا کے سیکڑوں دریا بہا دیں گے (۲۴۹)

۵۔سرجوشِ حرا: درحالات بعثت حضرت سرورکائنات (۱۴۲۔اشعار)

حسن اے حسن دل آویز ملاحت والے   ہوش میں آئیں گے ہرگز نہ تیرے متوالے (۲۵۰)

اس میں حضور نبی کریمؐ کی ولادت باسعادت اوراس کے ثمرات کا ذکر کیا گیا ہے۔اس کے بعد بعثت کا بیان ہے کہ جس کے سبب دنیا میں علم وحکمت کے چراغ روشن ہوئے اور ظلمت وجور کے اندھیرے کافور ہوئے۔ دعا کا عنصر اس قصیدے میں مفقود ہے۔اندازِ بیان غزل کی چاشنی لیے ہوئے ہے۔

۶۔**نورہدایت:** درنعت زینت افزائے نہ کاخ افلاک مخاطب بخطاب لولاک خاتم النبین سید المرسلینؐ (۳۵۔اشعار)

نہیں کٹتی شب فرقت لبوں پر گھٹ کے جان آئی کہاں تک اے دل رنجور دعوائے شکیبائی (۲۵۱)

اس قصیدے کے پانچ مطلعے ہیں۔آغاز شب فرقت کی تلخ کامی اور دلِ رنجور کی ناصبوری سے ہوا ہے۔گریز عمدہ ہے اور دعا میں مولوی ناصر حسین کو محفل آرائی کی مبارک باد دی ہے۔مدح میں حضور اکرمؐ کے فضائل اور انبیائے سابق پر آپؐ کے فیضان کا بیان ہے۔اسلوب پُرشکوہ اور زورِ بیان دیدنی ہے۔ یہ ایک مکمل قصیدہ ہے جس کے سارے عناصر موزوں ہیں۔شاعر نے مختلف تلمیحات اور صنائع سے اسے بخوبی مزین کیا ہے۔چند اشعار دیکھیے:

انھیں کے فیض سے ادریس علموں کے ہوئے واضع سلیماں نے کیا حاصل انھیں سے درس دانائی
چمکتا تھا انھیں کا نور پیشانیِ یوسفؑ میں انھیں سے دیدۂ یعقوبؑ نے پائی تھی بینائی
وہ اندھے ہیں جو اس کو گردش گردوں سمجھتے ہیں نثار روضۂ شہ ہو رہا ہے چرخ مینائی (۲۵۲)

۷۔**شمعِ رسالت:** آراستگی عروس مضامین بمدحت رحمتہ للعالمین المخاطب بہ طٰہٰ ویٰسین (۴۸۔اشعار)

اگر دیدار کا ہو شوق کہہ دو جا کے موسیٰ سے لڑائیں کچھ دنوں آنکھیں کسی محو تماشا سے (۲۵۳)

تشبیب میں حسن محبوب کی جستجو اور تمنا کا بیان پیرایۂ تغزل میں واقع ہوا ہے۔اس میں شاعر نے حسن وعشق کی حقیقت بھی اُجاگر کی ہے۔گریز کے اشعار مدح سے باہمی ربط کے حامل ہیں۔اس کے بعد حضور پاکؐ کی صفات ذاتی کے ساتھ سراپا مبارک کے اشعار دل کش اور مترنم انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ندرت فکر، رفعت خیال، مبالغہ آرائی اور حسن تعلیل سے مرصع قصیدہ ہے۔قصیدے کا اختتام اسلام کی سربلندی اور کفر کی تیرگی کے خاتمے کی دعا پر ہوا ہے:

ہے حسن وعشق میں اک اتحاد معنوی باہم برآمد دونوں یہ گوہر ہوئے ہیں ایک دریا سے
مثال ہوش رنگِ چہرۂ تصویر اڑ جائے بیاں ہو ایک شمہ گر نہیب روئے زیبا سے
اگر لے سبحۂ تزویر کوئی عہد میں ان کے جکڑ لے ہتھکڑی بن کر وہ فوراً حکم مولا سے

غبار راہِ حضرت ناز سے اٹھ اُٹھ کے کہتا ہے مجھے نسبت نہیں گلگونۂ رخسار حورا سے
زمیں کو آپؐ کی تعظیم کی اس درجہ عادت تھی بگولے سرو قد اٹھتے ہیں اب تک خاک صحرا سے(۲۵۴)

۸۔ مرات الصفا: درنعت محمد مصطفیؐ (۵۵۔اشعار)

کہاں تک کی ہے اس طول شب فرقت نے غم خواری
جوابِ کاکلِ شب گوں بنی ہے رات اندھیاری(۲۵۵)

قصیدے کا پہلا مطلع شب فرقت میں محبوب اور محبّ کے احوال کے موازنے میں ہے۔کوئی انیس اشعار عاشق کی بے قراری، آہ وزاری اور اختر شماری کے بیان میں ہیں جب کہ محبوب کی محفل طرب، نزاکت اور محوخواب آسایش ہونے کا ذکر بھی ساتھ ہی موجود ہے۔ دوسرے مطلع سے مدح کا آغاز ہوتا ہے جس میں حضور نبی کریمؐ کے جمال، عظمت، فضائل، عدل، معجزات، سایہ مبارک اور اسپ تازی کے حوالے سے اشعار موجود ہیں۔آخر میں شاعر نے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد حضور نبی کریمؐ، روح الامیں اور حوروں کے استقبال کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ یہ قصیدہ ندرت فکر، رفعت خیال اور جدت ادا کا نمونہ ہے اور فنی لوازمات سے ہم آہنگ ہے۔صنائع بدائع کا عمدہ استعمال اور زبان و بیان کے حوالے سے لکھنوی شاعری کی خصوصیات بھی اس میں شامل ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

زلیخا دیکھ لے چشم بصیرت سے جو حسن ان کا نظر یوسفؑ پہ شرع عشق میں ہو پھر گنہ گاری
نہ پائی کوئی رہنے کی جگہ جب عہدِ حضرتؐ میں حسینوں کی نگاہوں میں چھپی جا جا کے عیاری
مٹا دیں صفحۂ ہستی سے حرف ظلم اگر حضرتؐ کریں معشوق خود عاشق کی اپنے ناز برداری
جلا دے آتش برق اس کو مثل پنبہ اک پل میں خلاف مرضی مولا جو برسے ابر آزاری (۲۵۶)

۹۔شارع الاسلام: (۵۲۔اشعار)

نادم ہیں بت کدے کے جلوہ دکھانے والے اے طُورِ دل پہ ہنس کر بجلی گرانے والے(۲۵۷)

تشبیب میں محبوب کے انداز دل ربائی کا بیان ہے۔ مدح میں شاعر نے حضور اکرمؐ کے معاشرے پر انقلاب انگیز اثرات کا ذکر کیا ہے۔اس میں یورپی مورخین، آج کے مغرب زدہ نوجوان اور قرآن پاک کے زندہ معجزہ ہونے کے حوالے سے موجود اشعار شاعر کے تاریخی وعصری شعور کے غماز ہیں:

گہری نظر سے دیکھو تاریخ کو عرب کی تھے کیسے کیسے ظالم فتنے اٹھانے والے
نامی مؤرخوں نے یورپ کے کیا لکھا ہے دیکھیں تو چشم دل پر عینک لگانے والے
قدسی صفت عرب کا وہ اک یتیم بچہ کس طرح لائے ایماں اس پر زمانے والے

تکبیر کی صدا کو دل سے کبھی سنا ہے　مغرب کے فلسفے کا ڈنکا بجانے والے
فاتو بسورۃٍ کا جب اشتہار نکلا　عاجز ہوئے ادب کے دریا بہانے والے (۲۵۸)

عزیزؔ لکھنوی نے قصیدہ نگاری میں رنگ تغزل اور عاشقانہ مضامین کو رواں، سادہ اور شستہ انداز میں بیان کیا ہے۔ عاشقِ مہجور کی کلفتیں، محبوب کی ستم پروری، اس کا انداز محبوبی، گریۂ بے تابی فرقت اور وارداتِ قلبی کا بیان بے ساختہ انداز میں ہوا ہے۔ قصیدہ ''مرات الصفا'' میں شب فرقت کا احوال عاشق ومحبوب کے تقابل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جس میں شوخی وگداز کے ملے جلے جذبات شامل ہیں:

وہاں پھولوں کو رنگ رخ کسی کا کھینچ لایا ہے　یہاں ہے خون دل سے بستر فرقت پہ گل کاری
یہاں ہے نالہ ہائے دل کو شوقِ آسماں گردی　نزاکت کو ادھر آواز سے ہے میری بے زاری
وہاں امروز وفردا وصل کے وعدوں پہ ہوتا ہے　یہاں گن گن کے تارے کٹ رہی ہے زندگی ساری
وہاں وہ چھاؤں میں تاروں کی مست خواب آسائش　یہاں لذت کشِ ایذائے فرقت محو بیداری (۲۵۹)

قصیدے کی تشبیب میں اپنی جودت طبع اور جدت طرازی کے مظاہرے کے لیے نت نئے خیالات اور تکنیکی مہارتیں استعمال کرنا، پرانی روایت ہے۔ مکالمے اور مناظرے کا اہتمام ان میں سے ایک ہے۔ منیر شکوہ آبادی کے ہاں زندگی اور موت کے مابین نزاع وتکرار کا منظر قلم بند ہوا ہے۔ عزیزؔ لکھنوی کے ہم عصر محشرؔ لکھنوی نے ''بہار بے خزاں'' میں گل وبلبل کا مناظرہ پیش کیا ہے۔ عزیزؔ لکھنوی نے ایک پورا قصیدہ ''حسن وعشق'' کے عنوان سے لکھ دیا ہے جس میں آغاز سے آخر تک حسن اور عشق کی کہانی بیان ہوئی ہے جس کے مضامین کو عزیزؔ نے الہامی قرار دیا ہے۔ آغاز میں حسن کی کج ادائی، وعدہ خلافی اور نازش اور عشق کی دیوانگی، بے صبری اور صحرانوردی کا ذکر ہے مگر پھر یہ مناظرہ حسن مجازی اور عشقِ حقیقی کے علامتی رنگ میں آگے بڑھتا ہے۔ یہ مکالماتی نوک جھونک شاعر کے بلند تخیل پر دال ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

کہا یہ حسن نے نازش ہے مجھ پر ماہِ کنعاں کو　کہا یہ عشق نے ہوں زینتِ بزم زلیخائی
کہا یہ عشق نے خوئے فریب وعشوہ ہے تجھ میں　کہا یہ حسن نے ہے تجھ میں خوئے ناشکیبائی
کہا یہ حسن نے تو شکوہ سنج سوزش دل ہے　کہا یہ عشق نے یہ آگ ہے تیری ہی بھڑکائی
کہا یہ عشق نے اے کاش! میں ہوتا نہ یوں رسوا　کہا یہ حسن نے یہ فعل ہے ماضی تمنائی (۲۶۰)

اب ذرا علامتی انداز کے حامل یہ اشعار ملاحظہ ہوں کہ جن میں عشق کی بے قراری پر حسن نے اپنے تسلی بخش تاثرات بیان کیے ہیں:

زبان عشق پر جاری ہوئیں جب یاس کی باتیں　کہا حسن مجازی نے بانداز مسیحائی

نبوت کو مری گزریں گے بارہ سال جب کامل   ملوں گا تجھ سے پھر اک مرتبہ اے میرے شیدائی (۲۶۱)

عزیز کے ہاں پھول، گلشن، بہار، برسات، شب فرقت، شب معراج اور صبح وشام کی منظر کشی کے دل فریب نقشے کھنچے نظر آتے ہیں۔ اُن کے قصیدے ''بہار ربیع'' میں خوب صورت تشبیہات کے ذریعے بہار کی آمد اور تاثیر نمو کا ذکر کیا گیا ہے جس میں شاعر کی قادر الکلامی اور زور بیان کی واضح جھلک دیکھی جا سکتی ہے:

نشاطِ فصل ربیع و بہارِ عام الفیل   بساط سبزہ و گل کارِ دامن کہسار
کہاں ہو کون سے گوشوں میں ہو ذرا نکلو   جہاں ہے قابل نظارہ یا اولیٰ الابصار
میں کیا کہوں سبدِ گل فروش ہے گویا   جہانِ بو قلموں تا بہ وسعتِ انظار
بساط خاک پہ لیتا ہے کروٹیں سبزہ   کہ مست خواب جوانی ابھی ہے فصل بہار (۲۶۲)

رندانہ عناصر کلاسیکی شاعری کا ایک اہم حصّہ ہیں۔ مشاہدۂ حق کی گفت گو بھی بادہ وساغر کے پیرائے میں کی جاتی ہے۔ عزیز کے ہاں بھی ساقی، شراب، مے خانہ، صراحی اور جام صہبائی کی علامات قصیدے کی حسن ودل آویزی بڑھاتی نظر آتی ہیں۔ یہ علامات تشبیب اور مدح دونوں اجزا میں استعمال ہوئی ہیں۔ ''نور ہدایت'' سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مے گل رنگ سے لازم ہے تجھ کو جام پیمائی   پلا دے پھول ساقی دیکھ وہ فصل بہار آئی
نظر ہے ہم سیہ کاروں کی ساقی جوش رحمت پر   خدا کا شکر قبلہ کی طرف کالی گھٹا چھائی
چکھا دے تشنہ کاموں کو جما دے رنگ محفل میں   پلا دے ساقیا! سرجوش ریحانی و حمرائی
بفیض مدح ہو معراج آوازوں کو مستوں کی   سنے صل علیٰ کا شور گوشِ چرخ مینائی (۲۶۳)

عزیز لکھنوی کے قصائد میں منظر نگاری، جزئیات نگاری اور رندانہ مضامین کے علاوہ سراپا نگاری کی بھی عمدہ مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ انھوں نے اپنے اشعار میں حضور اکرمؐ کی سیرت طیبہ، فضائل اور صفات عالیہ کے ساتھ سراپائے رسولؐ کو بھی نظم کیا ہے۔ آپؐ کا تبسم، قامت، گیسو، روئے زیبا، کف پا، رخسار، جمال، چشم سرگیں اور شیریں سخنی شاعر کی توجہ کا مرکز ٹھہری ہے۔ یہ اشعار رفعت خیال، تشبیہ، مبالغہ اور رعایت لفظی کے حامل ہیں اور لکھنوی شعری مزاج کے آئینہ دار ہیں:

کس منھ سے کہوں کیفیت لذت تقریر   واللہ کہ میں وحی سمجھتا ہوں تری بات (۲۶۴)
شمیم زلف عنبر بارِ حضرتؐ عاریت لے کر   رکھی ہے مشک نے تاتار میں دکان عطاری (۲۶۵)
پڑے گر تیرہ رویوں پر ضیائے نقش پا اُن کی   رخ زنگی کرے مہر مبیں کی آئینہ داری (۲۶۶)

نہ رہتا بدر کو کاہیدگی کا خوف ہی بالکل جو کرتا اکتسابِ نور حضرت کے کف پا سے(۲۶۷)

عزیز نے اپنے قصائد میں رواں اسلوب اختیار کیا ہے۔ان کی بحریں مترنم ہیں۔ان کے ہاں زبان سادہ اور شستہ ہے۔تلمیحات قرآنی،اصطلاحات نجوم اور مفرس ومعرب تراکیب بعض جگہ کلام میں علمی شکوہ پیدا کرتی نظر آتی ہیں۔سادہ اور مرصع اسلوب دونوں میں رنگ تغزل کا غلبہ ہے۔اُن کے قصائد کی تشابیب، بہاریہ،متصوفانہ اور عاشقانہ ہیں جن میں مناظر فطرت اور ان کی جزئیات دل آویز انداز میں بیان ہوئی ہیں۔گریز کے اشعار کہیں تو موزوں اور ہم ربط ہیں مگر بعض جگہ کمزور پہلو بھی سامنے آئے ہیں۔بقول ڈاکٹر محمد کمال الدین:

''عزیز کے یہاں سوائے چند گریزوں کے اچھی گریزیں نہیں ملتی ہیں اور انھوں نے گریزوں پر خاطر خواہ توجہ صرف بھی نہیں کی ہے۔''(۲۶۸)

مدح کے حصے میں عزیز لکھنوی کا والہانہ پن دیدنی ہے۔سیرت طیبہ کے ساتھ سراپائے رسولؐ کا بیان انھیں مرغوب ہے۔انبیا سے تقابل اور سبقت کی فضا بھی نظر آتی ہے۔بیان کی ندرت تازگی کا باعث ضرور بنتی ہے مگر جوش عقیدت میں عزیز نے نعت رسولؐ میں منقبت علیؑ کو ضم کر دیا ہے اور بعض جگہ حفظ مراتب بھی مجروح کرتے نظر آتے ہیں۔اُن کی دعائیں مختصر مگر واضح ہیں۔انھوں نے اپنی ذات سے زیادہ اسلام اور اہل اسلام کی سربلندی کے لیے دعائیں مانگی ہیں۔وہ کلاسیکی رنگ سخن کے حامل آخری قصیدہ نگار ہیں جو اپنے منفرد اسلوب اور مذہبی جوش عقیدت کی وجہ سے ہمیشہ یادر کھے جائیں گے۔

23-سید علی حامد سندیلوی:

سید علی حامد ضلع ہردوئی کے قصبہ سندیلہ میں منصفی کے عہدے پر فائز تھے۔اُن کے ذاتی کوائف معلوم نہیں ہو سکے۔اُن کا پانچ سوا ڑسٹھ اشعار کا ''قصیدہ نعتیہ بجواب قاآنیؔ'' ۱۹۱۲ء میں اُن کی حیات میں شائع ہوا۔قاآنی کے قصیدے کا مطلع ''از سروش وحدتم بر گوش ہوش آمد خطاب'' ہے۔قصیدہ نگارانِ اُتر پردیش میں سید علی جواد زیدی نے اس قصیدے کا نام ''دفترِ نعتِ نبیؐ'' بتایا ہے۔(۲۶۹)

سید علی حامد کے قصیدے کے پانچ مطلعے ہیں۔مطلع اوّل میں تشبیب کے اشعار آفاقیت کے حامل ہیں جن میں کائنات کی تخلیق اور مقصد حیات کے حوالے سے اصلاحی نقطۂ نظر اپنایا گیا ہے۔شاعر کا مشاہدہ گہرا ہے اور اسلوب بیان سادگی وروانی سے عبارت ہے۔یہاں مکالماتی فضا کے ساتھ تخیل کی بلند پروازی بھی نظر آتی ہے۔عرفان ربانی کی دعوت دیتے ہوئے تشبیب کے اشعار نعتیہ مضامین کے

لیے موزوں اور مناسب معلوم ہوتے ہیں۔قصیدے کا آغاز استفہامیہ انداز میں ہوا ہے جس میں خالق کائنات، فلسفۂ تخلیق، تخلیق کے مراحل اور تخلیق کے مقاصد کے بارے میں ہاتف غیبی کی طرف سے سوالات پوچھے گئے ہیں۔

شاعر نے زندگی کا گہرا مشاہدہ کیا ہے۔اس نے ناصحانہ انداز اپناتے ہوئے ہاتف کی زبان سے برمحل نصیحتیں بھی کی ہیں۔ ہاتف کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے کائنات تخلیق کی۔انسانی تخلیق میں عناصر اربعہ باد، آتش، خاک اور آب کی یکجائی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہے۔زندگی میں انسان اپنا بچپن نیک و بد کی تمیز کے بغیر گزارتا ہے اور شباب حسنِ ظاہر کی پرستش میں گنوا دیتا ہے۔ بڑھاپے میں معذوری اور ضعف گھیر لیتا ہے، اس لیے ہاتف نے انسان کو نفس پر قابو پانے اور غفلت کا رویہ ترک کرنے کی تلقین کی ہے۔اس کے بعد شاعر نے حمد الٰہی کہی ہے اور پھر کائنات پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ یہاں مقصد تخلیق کا سوال اُٹھایا ہے اور قرآن پاک کے حوالے سے جواب دیا ہے، یہی گریز ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہاتف وحدت نے اک شب یوں کیا مجھ سے خطاب　　خوابِ غفلت میں گزرتا ہے ترا عہدِ شباب
کچھ بھی تجھ کو اپنی خلقت کا سبب معلوم ہے　　کون ہے خالق ترا اس کا بتا ہم کو جواب
کون ہے وہ ذات جو اپنی خدائی میں ہے ایک　　جس کی جانب بھی نہیں ممکن دوئی کا انتساب
سرِ اصل خلق کیا ہے اور یہ عالم ہے کیا؟　　کس کے نور پاک سے ہستی ہوئی ہے بہرہ یاب
مے کدہ وہ کون سا ہے جس سے تو آیا یہاں　　تیرے جام جسم میں کس نے بھری جاں کی شراب
کیا تھا تو، کیا ہو گیا آیا جو اس عالم میں تو　　تا ولادت کتنے اے غافل ہوئے ہیں انقلاب(۲۷۰)

شاعر قاآنی سے متاثر ہے۔اس نے قاآنی کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے قصیدے میں اپنا نظریۂ شعر بھی پیش کیا ہے تا کہ انفرادی رنگ قائم کیا جا سکے۔مثال میں یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

مدحت ان کے رتبے کی شایاں ہے ناممکن مگر　　شعر قاآنی یہ ہے ان کی ثنا میں انتخاب
''سرور عالمؐ ، ابوالقاسم محمدؐ آنکہ چرخ　　باوجود او بود چوں ذرہ پیشِ آفتاب''
سن کے یہ شعرمتیں دل نے مرے مجھ سے کہا　　نظم قاآنی کا اردو میں کہو حامدؔ جواب
گرچہ وہ کامل ہے اپنے طرز میں استاد ہے　　کیا عجب فیض ثنائے شہؐ سے تم ہو کامیاب
شوکت الفاظ و مضموں ہو اسی کے طرز میں　　نظم عالی سے عیاں ہو رفعت ذہن شباب
لیکن اتنا فرق لازم ہے کہ جدت کی ہو دھوم　　صرف ہر جا نظم میں ہوں آیۂ ام الکتاب(۲۷۱)

دوسرے مطلعے کے ایک سوتر پن اشعار میں شاعر نے حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے حضور اکرمؐ کا تفصیلی تقابل پیش کیا ہے۔ یہ تقابل فضائل، تصرف، عظمت، معجزات اور معاشرتی حالات کے حوالے سے کیا گیا ہے جس میں دلائل قرآن وحدیث سے دیے گئے ہیں اور دیگر انبیا کے فضائل کا عظمتِ رسولؐ سے تقابل کر کے آنحضرت کی برتری ثابت کی گئی ہے۔ یہ امر شاعر کے وسعتِ مطالعہ کا عکاس ہے۔ یہاں تشبیہ، تعلیل اور مبالغہ کے علاوہ استفہامیہ تکنیک کا موزوں استعمال نظر آتا ہے۔ تلمیحات میں ''ان ھووحی، انی ذاہب، اسریٰ بعبدہٖ، کیف مدالظل، لن ترانی، من عندہٗ ام الکتاب، رب ھبلی اور بوتراب'' کے ساتھ بے شمار معجزات کا بیان شامل ہے۔ اس حصّے میں دعویٰ ودلیل کا انداز اپنایا گیا ہے، اس کے علاوہ کہانی پن اور روانی کی صفات نمایاں ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

حضرت آدمؑ سے تقابل:

توبۂ آدم کبھی جاتی نہ تا بابِ قبول — گر زباں اُن کی نہ ہوتی اسم شہؐ سے کامیاب
وہ صفی اللہ ہیں پر ہیں یہ محبوبِ خدا — کہیے اب افضل ہیں آدم یا شہِ ختمی مآبؐ (۲۷۲)

موسیٰؑ سے تقابل:

حدِّ معراجِ کلیم اللہ کوہ طور ہے — عرشِ حق ہے منزل اوج شہِ ختمی مآب (۲۷۳)
اس کو موسیٰؑ نے سنا جو نخل سے آئی صدا — عرش پر بے واسطہ تھا حق کا احمدؐ سے خطاب
زورِ دستِ موسویؑ تھے حضرت ہارونؑ اگر — زورِ بازوے شہنشاہِ رسلؐ ہیں بوترابؓ
بہر موسیٰؑ نکلے بارہ چشمے پتھر سے اگر — انگلیوں سے بحر رحمت کی بھی نکلی جوئے آب
واقف اسرار حق تھے مثل ان کے کب کلیم — کب کہا رب نے انھیں من عندہٗ ام الکتاب (۲۷۴)

حضرت سلیمانؑ سے تقابل:

ملک فانی اُنؑ کو بخشا گر خدائے پاک نے — شاہی ملک بقا اِنؐ کو ہوئی ہے دستیاب
بندۂ حکم سلیمانؑ تھے اگر جن و پری — ان کے تابع ہیں ملک اور قدسیِ عرفاں مآب
کہیے ہیں افضل سلیمانؑ یا شہنشاہِ رسلؐ — مثل احمدؐ وہ بھی ہیں کیا شافعِ یوم الحساب (۲۷۵)

حضرت عیسیٰؑ سے تقابل:

نام عیسیٰؑ نام سے خالق کے کب مشتق ہوا — احمدؐ ان کا اسم ہے محمود ہے رب کا خطاب
اُنؐ کو مثل شرع بیضا شرعِ جامع کب ملی — دین کامل کب ہوا مثل محمدؐ دستیاب

ناسخِ ادیانِ سابق کب ہوا دینِ مسیح مثلِ قرآں کب ملی ان کو کوئی جامع کتاب(۲۷۶)

مطلع سوم میں شاعر نے روضۂ رسولؐ اور سیف رسولؐ کی مدح بیان کی ہے۔ روضۂ اطہر آفتاب کی بوسہ گاہ ہے۔اس کا بوسہ سنگ اسود کے بوسے سے زیادہ ثواب کا حامل ہے۔اسے شاعر نے قندیل عرش قرار دیا ہے۔ یہ اشعار جذبۂ عشق کی سرشاری، بلند تخیل اور تشبیہ ومبالغہ کی دل کش صورتیں لیے ہوئے ہیں۔ چند مثالیں دیکھیے:

روضۂ انور سے ہیں ارض وسما سب فیض یاب ہے در محبوبؐ یزداں بوسہ گاہِ آفتاب
بوسۂ باب محمدؐ جب کہ زائر نے لیے بڑھ گیا تقبیل سنگ کعبہ سے اس کا ثواب(۲۷۷)

آنحضرتؐ کی تلوار کی صفت بیان کرتے ہوئے شاعر نے اپنے عقیدے اور عقیدت کا بھی اظہار کیا ہے۔آپؐ کی تلوار قدرت حق کی مظہر ہے۔ یہ دشمنوں کی موت اور مومنین کی کامیابی کی علامت ہے۔ بدر، خیبر، خندق اور نہروان کی جنگ میں یہ فتح وکامرانی کا موجب تھی۔ یہاں بھی شاعر کا تخیل اونچی پرواز کا حامل ہے۔ بعض جگہ شعری اصطلاحات سے مضامین نکالے گئے ہیں۔ان اشعار میں تاریخی حقائق اور شاعر کے تخیل کا امتزاج ملتا ہے:

لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار سیف وسایف کی ثنا میں ہے یہ مصرع انتخاب
کوچۂ زخم گلو سے ہو نکل کر صدقے روح گر لب رنگیں سے لے وہ بوسۂ تار رقاب
مثل تاثیر آنے میں سوئے زمیں افلاک سے سوئے گردوں جانے میں تیر دعائے مستجاب
جاں گداز و دل نواز و سرفراز و کج ادا جس پہ عاشق خود نبیؐ ہیں وہ عروس بے حجاب
حجت قاطع ہے شکل اس کی، ردیف اس کی قضا خانۂ تن پیدلوں کا کیوں نہ ہو بیت خراب
مالک اس کے احمد مختارؐ، صانع ہے خدا ایسی وہ شمشیر ہے سایف ہیں جس کے بوترابؓ(۲۷۸)

مطلع چہارم میں شاعر نے حضور اکرمؐ کے گھوڑے ذوالجناح کی تیز رفتاری، گردن اور پاؤں کی خوب صورتی، نقشِ قدم اور جلد کی نفاست اور رفعت پرواز کا ذکر کیا ہے۔یہی گھوڑا حضرت امام حسینؓ کو بھی پسند تھا اور آنحضرتؐ کے وصال فرمانے کے بعد انھیںؓ کے حصّے میں آیا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اس طرح جاتا ہے تو سوئے فلک اے برق رو! جس طرح آتی ہے گیتی پر شعاع آفتاب
تیرے نقش سم سے ہوتی ہے زمیں رشک فلک لاکھوں چانداس کو ملے، اُس کو ملا اک ماہتاب
تو ہے وہ مرکب کہ راکب ہیں ترے ختم الرسل خسرو دنیائے وحدت، حاکم عرفاں مآب
مصحفِ ناطق محمدؐ سا جو ہوتا تھا سوار رحل بن جاتا تھا تیرا زیں پئے ام الکتاب(۲۷۹)

مطلع پنجم میں شاعر نے حضور اکرمؐ سے براہ راست خطاب کرتے ہوئے آپ کو ''صاحب ام الکتاب، عالم ام الکتاب، سرور اہلِ ولا، خسرو رحمت خطاب، کریم ابن کریم، زور قلب مومناں، طبیب تقم عصیاں اور شفا بخش مریضاں'' کے القاب سے یاد کیا ہے۔ جو عشق و محبت، ندرت فکر اور روانی کی خصوصیات کے حامل ہیں۔ مدح میں بتایا گیا ہے کہ آپؐ نے سابق ادیان منسوخ کر کے اسلام کو آب و تاب دی اور شرک کا خاتمہ کیا۔ اس کے بعد شاعر نے چشم تخیل سے محشر کے دن کا نقشہ پیش کیا ہے۔ حشر میں عرشِ الٰہی کے ساتھ آپؐ مقام مستجاب پر ہوں گے اور آپؐ کے ساتھ حضرت علیؓ اور آئمہ اطہار اور انبیا و سلف ہوں گے۔ سورج سوا نیزے پر ہوگا اور آپؐ اللہ رب العزت کی حمد کے بعد گنہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ شفاعت کا مکالمہ بے ساختہ ہے اور آپؐ کی شان بندگی کا عکاس ہے:

وقت آخر جو کیا تھا مجھ سے وعدہ کر وفا میری امت ہو تری بخشش سے یارب بہرہ یاب
بخش دے ان کی خطائیں، عفو کر ان کے قصور راحم و غافر ہے تو اے مالک یوم الحساب (۲۸۰)

اس کے بعد قصیدہ کے مقبول ہونے، دونوں جہانوں کی آبرو اور حمد و نعت کے لیے وقف رہنے کی دعا مانگی ہے نیز حج کی سعادت، زیارتوں کی تمنا اور مشہد میں تدفین کی آرزو کی ہے۔

حامد سندیلوی کے ہاں قصیدے کے چاروں عناصر باہم مربوط ہیں۔ موضوعات میں قرآن و حدیث کی پاسداری ملتی ہے۔ انبیا کے تقابل میں تنقیص کا پہلو نہیں۔ فلسفہ، فلکیات، قرآن و حدیث کی تلمیحات، تشبیہ، استعارہ مبالغہ اور حسن تعلیل کے علاوہ استفہامیہ انداز کے ذریعے اظہار کی منازل طے کی گئی ہیں۔ شاعر کا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع ہے جس کی بنا پر استدلال میں استناد کی کیفیت در آئی ہے۔ دعویٰ کے ساتھ دلیل کا اہتمام ملتا ہے۔ تخیل کی کارفرمائی اپنے اوج پر ہے اور مفصل انداز اپنا کر کہانی اور مکالمے کی گنجائش پیدا کر لی گئی ہے۔ کہیں کہیں شعری اصطلاحات اور تاریخی تلمیحات سے بھی کام لیا گیا ہے۔ مدح میں سیرت اور سراپا کے علاوہ معجزات کا بیان نمایاں ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ سے منسوبات جیسے آپؐ کی تلوار، روضہ مبارک، مرکب مبارک، اور شہر مدینہ کی صفت میں بھی اشعار ملتے ہیں جن میں شاعر نے اپنی جودت طبع سے نئے نئے تلازمات ڈھونڈ نکالے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ ایک گراں قدر قصیدہ ہے جس کی چاشنی قاری پر دور رس اثرات مرتب کرتی ہے۔

24- کاظم حسین محشر لکھنوی: (م: ۱۹۳۳ء)

مرزا کاظم حسین محشر ۱۶، اکتوبر ۱۸۶۶ء میں لکھنو میں نواب مرزا صاحب کے ہاں پیدا ہوئے۔

انگریزی، عربی اور فارسی میں دست گاہ حاصل کی سید علی محمد صاحب عارف سے اصلاحِ سخن لی۔ شعر و سخن میں متواتر مشق سے جلد ہی اساتذہ میں شمار ہونے لگے۔ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھا۔ ۱۹۱۴ء میں اُن کا ایک دیوان مراد آباد سے واپسی پر ریل کے سفر کے دوران میں چوری ہو گیا۔ (۲۸۱)

اس کے باوجود اُن کی کئی تصنیفات موجود ہیں جن میں خورشیدِ محشر (غزلیں)، آثار محشر (مثنوی)، شفیع محشر (قصائد) ۱۹۲۴ء، آفتاب محشر (قصائد) ۱۹۱۳ء نمایاں ہے۔ (۲۸۲) وہ ایک پُر گو قصیدہ نگار ہیں۔ رفعت خیال اور مرصع و رنگیں اسلوب اُن کی پہچان ہیں۔

محشر کے ہاں نعتیہ قصائد کی تعداد گیارہ ہے۔ انھوں نے ہر قصیدے کو ایک عنوان دیا ہے۔ پہلا قصیدہ ''معراج الکلام'' چونسٹھ اشعار کا حامل ہے۔ تشبیب میں بتایا گیا ہے کہ بتانِ بزمِ حسن خدائی کے دعویدار ہیں۔ انھوں نے فریب ناز اور بے التفاتی سے شانِ کج ادائی کی دکان سجا رکھی ہے۔ فریب کا یہ کاروبار زوروں پر ہے۔ لوگوں کے بارے میں اس نے اپنا مشاہدہ بھی بیان کیا ہے کہ کم شناس لوگ بات کی حقیقت تک رسائی حاصل کیے بغیر ظاہری احوال سے غلط نتائج اخذ کر لیتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کرامات اہلِ باطن کے جو دیکھے کہہ دیا ساحر　　یہی مفہوم ہے شاید حقیقت آشنائی کا
کلام اہل معنی کچھ نہ سمجھے کہہ دیا شاعر　　مٹانے سے جما نقش اور بھی رنگیں نمائی کا
نظر کی وجد اہل ذوق پر، دیوانہ کہہ اٹھے　　کوئی دیوانہ کب باعث ہوا ہے، رہنمائی کا (۲۸۳)

دوسرا قصیدہ ''بہار بے خزاں'' ایک سو دو اشعار کا ہے۔ اس کی تشبیب بہاریہ ہے اور اس میں حسینوں، پھولوں اور چاند تاروں پر بہار کے پُر تاثیر اثرات کے علاوہ گل و بلبل کے مابین مناظرے کا بیان ہے۔ بلبل پھول کو تند ہوا سے بکھرنے، گلچیں کے چننے اور بازار میں بکنے کا طعنہ دیتا ہے۔ جواب میں پھول بلبل کو صیاد اور نشیمن کے تنکوں سے چمن آلودہ کرنے کا الزام دے کر اپنے طبی فوائد اور معشوقوں کے بستر کی زینت بننے پر فخر کا اظہار کرتا ہے اور اپنی خلقت کو آب رخسار پیمبر کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ یوں مدح کا نہایت دل کش آغاز ہوتا ہے۔ ادائے مضامین میں تخیل کو حقیقت نگاری پر ترجیح دی گئی ہے۔ ندرت فکر کی مثالیں بھی دستیاب ہیں۔ چمن کی صفائی، بہار کی قوت نامیہ اور تازگی کے مضامین پر قاسم نانوتوی کے اثرات نظر آتے ہیں۔ مدح کے باب میں بھی شاعر نے زورِ بیان اور نازک خیالی کو کہیں بھی کم نہیں ہونے دیا۔ فنی اعتبار سے بھی محشر ایک پختہ کار شاعر ہیں۔ بقول ڈاکٹر محمد کمال الدین:

''محشر کے قصیدے میں زبان و بیان اور صنائع بدائع کا ستھرا استعمال ہوا ہے۔

ان میں واقعہ نگاری، جزئیات نگاری اور محاکات و تلمیحات کے جواہر ریزے ہر جگہ ملیں گے۔'' (۲۸۴)

محشر نے مضامین نعت میں سیرت طیبہ کے متنوع پہلو اُجاگر کیے ہیں۔ اس کے علاوہ آپؐ کے سراپا مبارک میں لال لب اور لعاب دہن کا ذکر کیا ہے۔ آپؐ کی گفتار میں وہ قوت ہے کہ ایمان کا بیان کریں تو آذر بت تراشی سے توبہ کرلے۔ ایک جگہ آپؐ کی تلوار کا بھرپور نقشہ کھینچا ہے۔ توحید و رسالت میں حد فاصل قائم نظر آتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بہار آئی ہوائیں لے اُڑیں خوشبو گل تر سے — اٹھا صلِ علیٰ کا شور عالم میں ہر اک گھر سے
لعاب اُن کے دہن کا رُوکش اعجاز عیسیٰؑ ہے — رمد کو ایک پل میں جس نے کھویا چشمِ حیدر سے
جو اُن کے لعل لب کی دید میں سرگرم ہو جائے — دھواں بن کر اُڑے سرخی دل یاقوتِ احمر سے
اگر کلک بیاں سے کھینچ دیں تصویر ایماں کی — تو گر جائے کمال بت تراشی چشمِ آذر سے
شجاع ایسی، کیا کون و مکاں کو اپنے قبضے میں — پنہ مانگی اجل نے آپ کی تیغ دو پیکر سے (۲۸۵)

تیسرا قصیدہ ''قندیل عرش'' اناسی اشعار کا ہے۔ تشبیب میں کعبہ کے بتوں کے اوج اور غرور کا ذکر ہے اور محبوب اور روح کے عرفان و اہمیت پر اہلِ عقل کی بحثوں کا ذکر تقابلی انداز میں کیا گیا ہے۔ اسی بحث میں روح پر محبوب کو ترجیح دی ہے کیوں کہ محبوبِ خداؐ کی رسائی عرش معلیٰ تک ہے۔ مدح میں آپؐ کی آمد مسعود پر عمدہ تشبیہات و استعارات اور مختلف القابات کے ذریعے حضرت آمنہؓ کی مسرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ واقعۂ معراج کا بیان ہے جس میں حضرت علیؓ کی مدح بھی ہے۔ اشعار دیکھیے:

بتوں نے دخل بیت اللہ سے معراج پائی ہے — بس اتنے اوج و رفعت پر غرور کبریائی ہے
عروج روح کی بس حد ہے تاویلات معنی تک — ملک کے پر جلیں محبوبؐ کی واں تک رسائی ہے
مبارک آمنہؓ خاتون کو سرمایۂ فطرت — لیے ہیں گود میں بچہ کہ قبضہ میں خدائی ہے
خوشا طالع کہ قرآں غیب کے جزدان سے نکلا — محمدؐ گود میں یا شرحِ علم کبریائی ہے
ہوا روشن جہاں میں صاحب شق القمر آیا — ہنسی بے ساختہ افلاکیوں کے منھ پہ آئی ہے
مہ و خورشید آنکھیں مل رہے ہیں اس کے قدموں پر — کہ جس کا نقشِ پا مرآت حسن رہنمائی ہے (۲۸۶)

چوتھا قصیدہ ''مدینۃ المعانی'' غنائیت کا شہ کار ہے اور اس میں شاعر نے ''سے پوچھو'' کی ردیف احسن انداز میں نبھائی ہے۔ اکتالیس اشعار کا یہ قصیدہ ''ادائے محبوب کی کرشمہ سازی اور فرقت زدہ عشاق کی آہ و زاری'' کے بیان سے آغاز ہوتا ہے۔ گریز میں محبّ و محبوب کے تعلق کی بابت روح

الامیں سے پوچھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ معجزہ شق القمر فراق و وصلت کے استعارے کے طور پر بیان ہوا ہے۔ استفہامیہ طرز نگارش کا کامیاب تجربہ کیا گیا ہے۔ آپؐ کی آمد اور دنیا پر اس کے مثبت اثرات کے بیان میں جو اشعار کہے گئے ہیں، وہ حسن تعلیل، لف ونشر اور تقابل وموازنہ کی عمدہ مثالیں ہیں۔ شعری مثالیں ملاحظہ ہوں:

ادائے محبوب کے کرشمے بتان دیر و حرم سے پوچھو
انھیں بتانے میں ہو تکلف تو اہلِ دل آؤ ہم سے پوچھو
جمال محبوبؐ ہے وہ دلکش کہ ہم نے سجدے میں گرتے دیکھا
ارے یہ فرضی نہیں ہے دعویٰ حرم کے ایک اک صنم سے پوچھو
کسی کے چہرے پہ کیوں ہے رونق، اُڑا ہے کیوں رنگِ رخ کسی کا
امان پائے ہوؤں سے پوچھو، جفائے اہل ستم سے پوچھو
یہی نبیؐ ہے شفیع عالم، یہی نبیؐ ہے ظہیر امت
جناب آدمؑ سے تا بہ عیسیٰ ہر اک کی چشم الم سے پوچھو
پلٹ کے معراج سے جب آئے، نظر کی وسعت بتا رہی تھی
حریم قدرت کے جزو وکل کو جو پوچھنا ہو تو ہم سے پوچھو (۲۸۷)

پانچویں قصیدے کا عنوان ''نعت سرور کائنات، حبیب کبریا جناب محمد مصطفیؐ'' ہے۔ یہ قصیدہ بہاریہ تشبیب کا حامل ہے اور یہ چھیاسی اشعار پر مبنی ہے۔ بہار اپنے جوبن پر ہے۔ اشجار کی خوش قامتی حسینوں کو شرما رہی ہے۔ گل وبلبل میں ربط باطنی ہے۔ معشوق کی تیغ تبسم قتل عام پر مائل ہے۔ اُس کے باوجود بسمل نیم جاں اپنے معشوق کو محبوب یزداں جناب رسول کریمؐ کا واسطہ دے کر مسکرانے کی التجا کرتے ہیں۔ یہاں سے آپؐ کی مدح کا آغاز ہوتا ہے۔ مضامین مدح میں شفاعت، نورانیت، رحمت اللعالمینی، قصر معلیٰ، رسالت اور راہنمائی کا بیان ہے جس کا طرز بیان تخیلاتی ہے اور لفظی شکوہ، رعایت لفظی اور دیگر قصائد کی طرح یہ قصیدہ بھی جوش وجلالت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ بلند پرواز تخیل مبالغے کا حامل ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

بہار آئی جگر ٹھنڈا ہوا، خاک گلستاں کا — برنگِ مرہم کافور ہے ہر قطرہ باراں کا
رطوبت نے کیا ہے موم سے بھی نرم آہن کو — بہت مشکل ہے کٹنا تیغِ قاتل سے رگ جاں کا
ادھر سے بسمل تیغ تبسم ہو کے یہ کہنا — ذرا پھر مسکرا دے واسطہ محبوبِؐ یزداں کا

شفیع المذنبیں کے جب کہ دنیا میں قدم آئے　ہنسا نازِ جہنم پر ہر اک گل باغِ رضواں کا
علوم انبیا ہیں ایک نکتہ علم احمدؐ کے　بھلا ہم رتبہ کب ہوتا ہے قطرہ بحر عماں کا(۲۸۸)

چھٹا قصیدہ ''جذبات روحانی'' اکتالیس اشعار کا ہے۔اس کی تشبیب مختصر ہے۔چودہ اشعار دنیاوی محبوب کی اہمیت اور محبّ کی نظروں میں اس کے مقام کے حوالے سے بیان ہوئے ہیں۔یہ اشعار شاعر کی داخلی واردات کے غماز ہیں اور رنگ عاشقانہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔گریز کا ایک شعر کہا ہے مگر عمدہ اور موزوں ہے۔مدح میں انبیا سے تقابل،معراج،معجزات اور وسیلہ کے مضامین ادا ہوئے ہیں۔ محبوب کا لفظ علامتی رنگ لیے ہوئے ہے۔اس میں حقیقت اور مجاز کے دونوں رنگ جھلکتے نظر آتے ہیں۔''محبوب کا'' کی ردیف کا عمدہ استعمال دیکھنے میں آیا ہے:

جان بھی محبوب کی ، دل اور جگر محبوب کا　عشق کامل ہو تو پھر دیکھو اثر محبوب کا
اس کی چشم عرش پیما پر فدا برق جمال　بے تکلف جو کہ دیکھ آیا ہو گھر محبوب کا
اس کے معراج مقدر پر تصدق دوجہان　جس کے زانو پر شب وصلت ہو سر محبوب کا
چھڑ گئے غیبی فسانے لہجۂ مانوس میں　اب نہ پوچھو شاد ہے دل کس قدر محبوب کا
پھیرے مغرب سے اسے یا اس کے دوٹکڑے کرے　مہر بھی محبوبؐ کا ، قرصِ قمر محبوبؐ کا
حکم فطرت یہ اگر چاہو کہ سب بن جائیں کام　صدق دل سے نام لے لو پیش تر محبوب کا(۲۸۹)

ساتواں قصیدہ ''تصویر محبوب'' باون اشعار کا حامل ہے اور تشبیب میں مہجور عاشق کے صبر وضبط ، بےقراری وتحمل، مساکیت پسندی اور جذبۂ ایثار ومحبت کا بیان ہے۔اس کا رنگ سخن بھی عاشقانہ ہے۔ مدح میں رسول پاکؐ کی آمد کے معجزات، اسلام کے غلبے،شبِ معراج کی فضیلت اور اسلام کے ناسخ ادیان ہونے کے مضامین بیان ہوئے ہیں۔یہاں چند اشعار مجازی رنگ میں ہیں جن پر غزل کے اثرات حاوی ہیں۔زیادہ اشعار روانی اور خیال آفرینی کے علاوہ زبان وبیان کی چاشنی سے مملو ہیں۔رنگ غزل میں مدح کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

وصل کہتے ہیں جسے قوتِ روحانی ہے　آنا پیغام کہ بستر سے جدا ہو جانا
خلوت دوست میں تکلیف بھی ہے راحت نفس　تپشِ قلب کا مانوسِ صدا ہو جانا
راز دارانِ محبت میں ہے غیبی تائید　کہہ کے اسرار دلی عقدہ کشا ہو جانا
شب کی جاگی ہوئی آنکھیں ہیں کہ جام صحت　دیکھنا اور مرضِ غم سے شفا ہو جانا(۲۹۰)

آٹھواں قصیدہ ''معراجِ شوق'' بیالیس اشعار کو محیط ہے۔بڑی بحر نے اسے ترنم بخشا ہے اور

سہ اضافتی و چہار اضافتی تراکیب اور نادر تشبیہات کی کثرت نے قصیدے کے لفظی شکوہ میں اضافہ کر کے اسے مرصع بنا دیا ہے۔ شیرینیِ کلام قابلِ داد ہے۔ قصیدے کی تشبیب عاشق کے جذبۂ شوق کی عکاس ہے۔ واقعۂ معراج کے بیان میں محشر نے عقلی توجیہ سے اس کا جواز پیش کیا ہے کہ معراج کا مقصد آپ کو فضیلت کا ایک اور درجہ عطا کرنا تھا۔ اس میں کہانی پن کا انداز ہے۔ گویا دیوانگی میں فرزانگی کا عنصر اُمڈ آیا ہے۔ اس میں براق کی آمد، رب ذوالجلال کی قربت، راز و نیاز کی باتوں، حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؓ کے نکاح کی نوید اور بارہ اماموں کے جلوے دیکھنے اور مطلع ثانی کے بعد محبّ اور محبوب کی وارداتِ قلبی کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں دعا کا حصہ مفقود ہے۔ اُنھوں نے زیادہ تر قصائد میں دعاؤں کی طرف خاص توجہ صرف نہیں کی۔ چند اشعار دیکھیے:

چلے جو بزم حبیبؐ میں ہم، بڑھا یہ جذبہ دلِ حزیں کا
پلٹ کے سایہ کو یوں نہ دیکھا کہ تھا بھی شکل آشنا کہیں کا
یہ رمز معراج کوئی شے ہے کہ ملنے والے جدا ہی کب ہیں
غرض یہی تھی کہ اہلِ حق میں اک اور درجہ بڑھے یقیں کا
صدائیں حسن کرم کی آئیں کہ اور بڑھ آ حبیبؐ میرے
بحد تکمیل ابھی نہیں ہے ارادہ جذباتِ دل نشیں کا
ہوائے شوق کلام سن کے اڑے تکلف کے پردے آخر
چھڑیں وہ مقبول طبع باتیں اثر بھی جن میں نہ تھا نہیں کا (۲۹۱)

محشر کا نواں قصیدہ سترہ اشعار پر مبنی ہے اور اس کا عنوان ''جذبۂ وصل'' ہے۔ آٹھ شعروں کی تشبیب میں شاعر نے اپنے محبوب سے تنہائی میں ہونے جا رہی ملاقات کا نقشہ پیش کیا ہے جس کے واقعات معراج کی ملاقات سے مماثل ہیں۔ شاعر اپنی ملاقات کو حضور اکرمؐ کی خدمت کا صلہ قرار دیتا ہے۔ باقی اشعار معراج کی رات کی فضیلت کے بیان میں ہیں۔ حسن طلب کا یہاں بھی اہتمام نہیں، البتہ گریز کا استدلال شاعر کی فکری اپج کا آئینہ دار ہے۔ اس قصیدے کا اسلوب سادہ، رواں اور شستہ ہے:

جاتا ہوں سوئے دوست زہے شوقِ ملاقات ۔۔۔ اب دل سے بہت دُور ہیں دنیا کے خیالات
انسان تو کیا ہے نہ فرشتوں کو خبر ہو ۔۔۔ مقصود ہے اس شکل سے خلوت کی ملاقات
آخر کو پہنچ ہی گیا تا عرشِ محبت ۔۔۔ بس جذبۂ دل دیکھ لیے تیرے کرامات
کیوں کر نہ ہو خادم ہوں رسول عربیؐ کا ۔۔۔ کی جس نے کہ معراج میں خالق سے ملاقات (۲۹۲)

دسواں قصیدہ ''ترکِ مجازات'' کے تینتالیس اشعار میں ردیف کی تازگی اور شگفتگی کا عنصر شاعر کی قادرالکلامی کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ یہ ایک مکمل قصیدہ ہے جس میں شاعر نے اپنی ذات کے حوالے سے ہرطرح کے فتنہ وشر سے باز آنے کا عندیہ دیا ہے۔ تشبیب کی مجموعی فضا ناصحانہ ہے۔ مضمون آفرینی اور جدت ادا نے قصیدے کا لطف دوبالا کر دیا ہے۔ حضرت علیؓ کے نائب رسولؐ ہونے کا بیان بھی شامل ہے اور آخر میں شاعر نے نامرادی سے بچنے کی دعا کی ہے:

نہ ہو قابو میں جو ایسے دلِ مضطر سے باز آئے ۔۔۔ جفا پرور، وفا ناآشنا دلبر سے باز آئے
ملا ہم کو وہ پیغمبر کہ جس کی آمد آمد پر ۔۔۔ بتانِ آذری گر کر خدا کے گھر سے باز آئے
وہ پیغمبر کہ جس کا طالعِ اقبال جب چمکا ۔۔۔ تو بندے بندگی خسروِ خاور سے باز آئے
رہے جو عشقِ محبوبِؐ خدا سے اک نفس خالی ۔۔۔ وہ دل ویرانہ ہے ایسے دلِ مضطر سے باز آئے
جو دیکھے نقشِ پا اس بادشاہِؐ دین و دنیا کا ۔۔۔ سکندر آئینے سے آئنہ جوہر سے باز آئے (۲۹۳)

گیارہواں قصیدہ ''لوحِ محفوظ'' بہتّر اشعار کا ہے۔ اس میں شاعر نے سادہ اسلوب اختیار کرتے ہوئے الفت محبوب کے دل میں جاگزیں ہونے کے اثرات اور حسن وعشق کی کرشمہ سازیوں کو اُجاگر کیا ہے۔ مدح کے موضوعات وہی سابقہ ہیں۔ قصیدے کے عناصر موزوں اور مکمل ہیں۔ صنائع بدائع اور مرصع کاری کی شوخیاں مفقود ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

الفت محبوب جب آ کر مکیں ہو جائے گی ۔۔۔ لوحِ محفوظ اپنے دل کی سرزمیں ہو جائے گی
عشق اگر صورت گرِ آدم ہوا صبحِ ازل ۔۔۔ حسن کی شرکت میان ما و طیں ہو جائے گی
عشق اگر موسیٰ کو دوڑائے گا کوہِ طور تک ۔۔۔ حسن کی برق تجلی ہم نشیں ہو جائے گی
عشق میں حسنِ عمل پہنچا جو تا حدِ کمال ۔۔۔ چشمِ دل کو دیدِ ختم المرسلیںؐ ہو جائے گی
کوئی حالت پوچھے تو زہد رسولؐ اللہ کی ۔۔۔ قدرتاً مدحت سرا نان جویں ہو جائے گی (۲۹۴)

محشر لکھنوی ایک قادرالکلام قصیدہ نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے عہد کی روایت کے زیراثر اپنے قصائد میں تشبیب کے مضامین باندھے ہیں۔ اُن کی تشابیب بہاریہ، عاشقانہ، ناصحانہ، رندانہ اور قلبی واردات کے مضامین سے مزین ہیں۔ ایک جگہ انھوں نے حسن وعشق کی امتیازی خصوصیات کا ذکر کیا ہے تو ایک قصیدے میں گل وبلبل کے مناظرے کی فضا باندھی ہے۔ یہی نہیں مختلف موسموں کے رنگیں منظر بھی اُن کے ہاں دستیاب ہیں۔ اُن کا شعری اسلوب دبستان لکھنو کی خصوصیات سے متصف ہے۔ رعایت لفظی، حسن تعلیل، صنعت مبالغہ، لف ونشر اور تشبیہ واستعارے کا سلجھا ہوا استعمال اُن کے ہاں

دیکھا جا سکتا ہے۔ ''بہارِ بے خزاں'' میں مذکورہ صفات کے ساتھ شاعر کا زورِ بیان دیکھنے کے لائق ہے۔ اُن کا مختصر قصیدہ ''جذبۂ وصل'' سترہ اشعار جب کہ طویل قصیدہ ''بہارِ بے خزاں'' ایک سو دو اشعار پر مشتمل ہے۔ ''جذبۂ وصل'' کے علاوہ سبھی قصائد دو مطلعوں پر مبنی ہیں۔ تکنیکی اعتبار سے اُن کے قصائد ایک فارمولا کے تحت لکھے گئے ہیں۔ پہلے مطلع میں تشبیب، گریز اور مدح کے چھے، سات اشعار لاتے ہیں پھر مطلع ثانی کے بعد تازہ دم ہو کر نعت کا قصد کرتے ہیں۔ مضامینِ نعت میں معراج کی تکرار خصوصیت سے آئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنے ندرتِ بیان سے تازگی کی فضا کا اہتمام کر لیتے ہیں۔

محشر لکھنوی گریز کی فنی نزاکتوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ انھوں نے استفہامیہ اور بیانیہ دونوں طرح سے مدح کی طرف رجوع کیا ہے۔ مؤخر الذکر میں گریز اور مدح میں شیر و شکر ہو کر رہ گئے ہیں اس حوالے سے ''لوحِ محفوظ'' سے یہ اشعار دیکھیے جہاں حسن و عشق کے خواص کا تذکرہ چل رہا ہے:

عشق کو رفعت اگر ہو گی حجاب اندر حجاب حسن سے آباد عالم کی زمیں ہو جائے گی
عشق میں حسنِ عمل پہنچا جو تا حدِ کمال چشمِ دل کو دیدِ ختم المرسلینؐ ہو جائے گی (۲۹۵)

محشر کے قصائد میں جذبۂ عشقِ رسول کریمؐ کی فراوانی انھیں صداقت اور خلوص کا عنصر عطا کرتی ہے۔ اُن کی سچائی کا اندازہ اس امر سے بھی ہو جاتا ہے کہ انھوں نے نعت اور منقبت کی حدود کی پاسداری کی ہے۔ انبیائے کرام کے ذکر میں بھی ادب و احترام ملحوظ رکھا ہے۔ محشر نے تشبیب میں اپنے قصائد کو جودتِ فکر اور جذبے کی شدت سے آراستہ کیا ہے اور طرہ یہ ہے کہ مدح میں فکر و جذبے کی اُٹھان کم نہیں ہونے دی بل کہ اس میں اضافہ ہی کیا ہے۔ مدح میں یہ والہانہ پن عشقِ رسول پاکؐ کے بغیر ممکن نہیں۔ مختصر یہ کہ اُن کے عہد کی داخلی شہادت اُن کے کلام میں موجود ہے اُن کے قصائد میں نظام دکن آصف جاہ سابع (میر عثمان علی خان) کے لیے دعا کی گئی ہے جن کا دور ۳۱، اگست ۱۹۱۱ء سے ۱۹۵۶ء کو محیط ہے۔ اُن کے قصائد نعتیہ ادب میں سرمایۂ افتخار ہیں۔

25- مہاراجہ سر کشن پرشاد، شاد: (م: ۱۹۴۰ء)

کشن پرشاد، شاد ۲۸ جنوری ۱۸۶۴ء کو راجہ ہری کشن پرشاد کے ہاں پیدا ہوئے۔ انگریزی، اردو، عربی، فارسی، تلنگی اور مرہٹی میں اچھی دست گاہ رکھتے تھے۔ (۲۹۶) ریاست حیدر آباد میں معین المہام فوج، مدار المہامی اور وزارت عظمیٰ کے عہدوں پر فائز رہے اور راجہ بہادر، راجۂ راجایان، مہاراجہ بہادر اور یمین السلطنت کے خطابات سے نوازے گئے۔

شاعری میں نظم طباطبائی کی شاگردی کی ۔اس کے علاوہ داغ دہلوی سے بھی مستفید ہوئے۔اپنی ایک غزل نظام دکن کو دکھائی اور اُنھیں اُستادی کا شرف بخشا۔اپنے ہاں اکثر ادبی محافل کا انعقاد کروایا کرتے تھے۔اہل علم وادب کا یہ قدر دان ۱۹۴۰ء میں دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔اُن کی کتب کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔اُن کا نعتیہ مجموعہ ''ہدیۂ شادؔ'' کے نام سے ۱۳۲۶ھ میں منظر عام پر آیا۔اس میں نعت،سلام،منقبت اور مخمس کے علاوہ ایک نعتیہ قصیدہ بھی شامل ہے۔مطلع ملاحظہ ہو:

مئے وحدت سے آج ہوں مخمور بادۂ عشق کا ہے دل میں سرور(۲۹۷)

شادؔ سیرت النبیؐ سے بھر پور آگاہی رکھتے تھے۔انھیں اسلام اور صاحب اسلام سے محبت تھی۔اُن کے گھر میں بھی اسلام کے چراغ یقیناً روشن ہوں گے۔مہاراجہ کی سات میں سے چار بیگمات مسلمان تھیں اور اولاد کے نام بھی مسلمانوں کے طرز پر رکھے گئے تھے نیز یہ کہ اُن بیویوں کو برابر درجہ حاصل تھا۔(۲۹۸) گھر کے ماحول اور فطری راست بازی کے باعث نعت کی طرف مائل ہوئے۔اس کے علاوہ خود سیرت النبیؐ کی جاذبیت سب عوامل پر فوقیت کی حامل ہے۔

شادؔ کا قصیدہ ستر اشعار کا ہے جن میں سے ۳۷ شعروں کی تشبیب میں تلاش وجود کا فلسفہ بیان ہوا ہے۔اپنی ذات کے جو پہلو ان پر آشکار ہوئے انھوں نے وہ کھرے سچ کے طور پر پیش کیے ہیں۔ اسے ہم شاعر کی باطنی تصویر کشی کا عنوان دے سکتے ہیں جس میں قید مذہب سے آزادی،حقیقت کی جستجو، وسیع المشربی کے علاوہ انسانی عظمت کے حوالے ملتے ہیں۔کہیں تصوف کا رنگ جھلکتا نظر آتا ہے تو کہیں انسانی نفسیات کے مشاہدے کی بازگشت سنائی دیتی ہے،اُن کی داخلی کیفیات کے غماز یہ اشعار دیکھیے:

قید مذہب کا میں نہیں پابند کعبہ و دیر میں مرا ہے ظہور
حالتِ دل دکھاؤں کچھ اپنی یہی دل سے مجھے بھی ہے منظور
ہوں مسافر وطن کے ہی اندر اپنی خلوت سے میں نہیں ہوں دُور
کہیں خسرو ہوں اور کہیں ہوں وزیر ہوں امانت کا اپنی میں مزدور
کہیں کاشی مقام ہے میرا کہیں کعبہ ہوں ، قبلۂ جمہور(۲۹۹)

مدح کے آغاز میں شاعر نے ایسے القابات برتے ہیں جو آنحضرتؐ کے فضائل پر مبنی ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا گہرا شعور،سادہ ودلکش اسلوب میں اشعار کا حصہ بنتا نظر آتا ہے۔احساس ہوتا ہے کہ یہ اشعار شاعر کے دل کی آواز ہیں۔یہی وجہ ہے کہ شاعر حضور نبی کریمؐ کی غلامی کا دم بھرتا نظر آتا ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

ذات ہے اس کی مظہر غفار کیوں نہ امت اسی کی ہو مغفور
اے زہے رہنمائے ہر دو جہاںؐ جن کی خالق نے سعی کی مشکور
بات ہر اک ہے معجزہ ان کی ہے علوم لدنیہ پہ عبور
ان کا کہنا ہے وحی ما یوحیٰ نہ بناوٹ نہ اس میں کچھ ہے قصور
سارے عالم میں فیض جاری ہے نعمتیں کیونکر اس کی ہوں محصور(۳۰۰)

دعا کے اٹھارہ بیس اشعار میں داخلی کرب ملتا ہے۔ زمانے کی سختیوں اور اپنی مجبوری کے ذکر کے بعد بارگاہِ رسالتؐ میں استمداد کی درخواست پیش کی گئی ہے اور روز محشر امت مسلمہ کے ساتھ اُمتی کی حیثیت سے اپنے حشر ہونے کی دعا مانگی ہے نیز وہ مدینہ میں جینے اور وہیں مرنے کے آرزومند ہیں۔ آخر میں نظام دکن کی شادکامی وکامرانی کے ساتھ اپنی اور نظام کی اولاد کی درازی عمر کی دعا بھی شامل ہے:

ہے یہ امید تجھ سے روز جزا تیرے زمرے میں، میں بھی ہوں محشور
تیرا دیوانہ مجھ کو لوگ کہیں تیرا مجنوں مجھے کریں مشہور
نزع کے وقت تجھ کو دیکھوں میں نام تیرا لبوں پہ ہو مذکور(۳۰۱)

شاؔد کا بارگاہِ رسالتؐ میں یہ خراجِ تحسین شیفتگی اور نیازمندی کے جذبوں سے عبارت ہے۔ زبان وبیان کی صفائی اور شعری مہارتوں کا نکھرا ہوا استعمال قصیدے کے اسلوب کو تازگی عطا کرتا ہے۔

26- سید محمد جعفر قدسی جائسی: (م:۱۹۴۰ء)

مولوی سید جعفر حسین قدسی جائسی اپریل ۱۸۹۱ء میں سید مجتبیٰ حسین عرشی کے ہاں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے والد سے اصلاح لیتے رہے۔ اُن کی وفات کے بعد سید علی تقی صفی لکھنوی کے آگے زانوئے تلمذتہ کیا۔ ۱۶مئی ۱۹۴۰ء کو وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔(۳۰۲)

۱۹۳۵ء میں اُن کا مجموعہ غزل ''آئینہ دل'' منظر عام پر آیا۔ ان کے قصائد کے تین مجموعے ''قصائد قدسی، ارشادِ قدسی اور انفاس قدسی'' اشاعت سے ہم کنار ہوئے ہیں۔ اُن کے قصائد کے مطلع یوں ہیں:

نگاہ ناز کی مشہور عالم ہے جفا کاری دل حسرت زدہ تاچند امید وفاداری(۳۰۳)
نظر سے دُور یا دل سے قریں ہو تمھارے ساتھ دل ہے تم کہیں ہو (۳۰۴)

دکھا اے شاہدِ رعنا تجلا اے رخ زیبا کدھر روپوش ہے للہ دم بھر کے لیے آ جا (۳۰۵)
تڑپتا دیکھ کر مجھ کو فلک بھی ہو گیا مضطر اِدھر رویا کیا میں اور اُدھر ٹوٹا کیے اختر (۳۰۶)

قدسی کے قصائد نعت زیادہ تر عشقیہ تشابیب کے حامل ہیں۔ انھیں ہجر گزیدہ عاشق کے جذبات رقم کرنے پر ملکہ حاصل ہے اور وہ محبوب کے ظلم اور غفلت شعاری کا نقشہ بھی خوب صورت پیش کرتے ہیں البتہ اُن کے ہاں ندرت مضامین اور تازگی کے احساس کا فقدان ہے۔ اس کمی کو انھوں نے زورِ بیان اور جذبات کی منظر کشی سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ داخلی واردات کے حامل درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

سر بالینِ عاشق کون ہے جز بے کسی ہمدم مریض عشق کی ہوتی ہے کیا یوں ہی خبرداری
تغافل کی کوئی حد ہے اثر لیتے نہیں سن کر وہ افسانہ کہ ہر فقرہ ہے جس کا نشتر کاری
نمک پاشِ جراحت ہائے دل شورِ محبت ہے مرے زخموں کو اب ہونے لگی مرہم سے بیزاری
پریشاں اور بھی کرتا ہے دم رک رک کے سینہ میں ہے ضبط آہِ درد انگیز سے اب سخت دشواری (۳۰۷)

ایک اور قصیدے کی تشبیب میں بھی عاشق کی نامرادی اور شب ہجراں کا مضمون ہے۔ مضامین کی یہی یکسانیت محل نظر ہے۔ اسی باعث وہ اپنے معاصرین عزیز، محشر اور نظم کے درجے کو نہیں پہنچ سکے لیکن یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ وہ مضامین یاس و حرماں کو مؤثر پیرائے میں ادا کرنا جانتے ہیں۔ اس میں تکرار اور صنعت جمع کا استعمال انھیں بے حد مرغوب ہے۔ جیسے:

یہ خوبی بخت کی، نفرین کے قابل وفا میری کسی کا ظلم کرنا بھی بہت اچھا، بہت بہتر
نظر میں، آنکھ میں، آئنہ دل میں، تصور میں پری پیکر، قمر منظر، حیا پرور، جفا گستر
ادھر نبضیں جونہی ڈوبیں، ستارے بھی اُدھر ڈوبے پھریں جب پتلیاں، سیارے ثابت ہو گئے یکسر
شب غم کی مطول داستاں کا یہ خلاصہ ہے کہ ساری رات نیند آئی نہ چین آیا مجھے دم بھر (۳۰۸)

اس کے علاوہ اُن کے ہاں تشبیب میں رندانہ مضامین بھی دیکھنے میں آئے ہیں۔ ایک جگہ گریز میں ساغر، مے، ساقی اور مے خانۂ عرفاں کی اصطلاحات کا عمدہ استعمال کیا ہے۔ وہ ساقی سے مخاطب ہو کر یوں کہتے ہیں:

پلا وہ مے کہ جس سے قدرتِ حق کا نظارہ ہو وہ آبِ آتشیں دے، نخلِ ایماں جس سے ہو تازا
وہی مے صیقلِ آئنہ دیں جس سے ہو جائے وہی مے دل سے جو بالکل چھڑا دے زنگ عصیاں کا
پلا جلدی پلا جام سرور انگیز، اے ساقی! مجھے منظور ہے مداحی شاہنشہِ والا (۳۰۹)

فضائل رسولؐ کے علاوہ مدح کے باب میں حقیقی اور تخیلاتی دونوں طرح کے مضامین شامل ہیں۔ معجزات اور تلمیحات کے ذریعے عمدہ مضامین نکالے گئے ہیں۔ اکثر تلمیحات قرآنی ہیں لیکن بعض جگہ ایسی تلمیحات بھی کام میں لائی گئی ہیں کہ جن سے تاریخی حقائق پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ تاریخی وقرآنی تلمیحاتی ملاحظہ ہوں:

زبان دل پہ تھا ''فاصدع بما تومر'' مگر جاری ۔۔۔ مصائب گو بہت تھے تجھ پہ تبلیغ رسالت میں
لب اقدس پہ تیرے ''ماعرفنا'' جب ہوا جاری(۳۱۰) ۔۔۔ ''اولی لابصار'' نے سیکھے قواعد خاکساری کے
یہی ''قوسین اَو اَدنیٰ'' کی منزل میں ضیا گستر(۳۱۱) ۔۔۔ یہی مقصود ''سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ'' کا
سحابِ فیض نے تیرے اسے سیراب فرمایا ۔۔۔ وہ صحرائے ساوہ خشک تھا جو ایک مدت سے
وہ یوں سوکھا کہ خاک اُڑنے لگی تھی صورتِ صحرا(۳۱۲) ۔۔۔ پرستش کرتے تھے کفار جس دریائے ساوہ کی

مضامین نعت میں حضور اکرمؐ کی آمد، انبیاء سے تقابل، وجہ تخلیق، اولین وآخریں نبی اور رحمت للعالمینی نمایاں ہیں۔ قدسی نے آنحضرتؐ کو بڑے احترام کے ساتھ خوب صورت القابات سے یاد کیا ہے۔ یہ القابات اگرچہ بڑی تراکیب کے حامل بھی ہیں مگر روانی کے عنصر سے مالا مال ہیں۔ یہ القابات شاعر کی رسول کریمؐ سے محبت کے غماز ہونے کے علاوہ قصیدے کے اسلوب کو مرصع بناتے ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

صبی کاشف القدرت ، سراپا نور غفاری ۔۔۔ نبی حامی الملت، ولی ماحی البدعت
سفیر منزل عرفاں ، مسیحِ درد آزاری ۔۔۔ وزیرِ قادرِ سبحاں، ظہیر عالم امکاں
منیب محی السنّت ، حبیب ایزد باری(۳۱۳) ۔۔۔ نقیب نغمۂ وحدت ، ادیب نوری الخلقت
شہ خوباں، دُرِ غلطاں ، گلِ خنداں ، مہ انور ۔۔۔ ابوالقاسم محمدؐ رحمۃ للعالمیں احمدؐ
شہنشاہِ رسالتؐ ، مرکز حق ، سایۂ داور ۔۔۔ مجسم نور باری، مصطفیٰؐ اللہ کا پیارا
یہی منذر، یہی صادق، یہی طاہر ، یہی اطہر ۔۔۔ یہی طٰہٰ، یہی یٰسیں ، یہی سید، یہی شاہد
سراج مجلس ایقاں، کفیل شرع دیں پرور (۳۱۴) ۔۔۔ خدیو کشور ایماں ، دلیل جادۂ عرفاں

قدسی کے ہاں نعتیہ قصائد میں پُرسوز عشقیہ تشابیب استعمال ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں بہاریہ اور رندانہ مناظر بھی انھوں نے قادرالکلامی سے پیش کیے ہیں۔ مدح میں حضرت علیؓ اور امام جعفر صادق کے مناقب شامل کر کے انھوں نے اہل بیت سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ نعت اور منقبت کے تقاضے انھوں نے بخوبی نبھائے ہیں۔ اُن کے ہاں نعتیہ مضامین میں حسن تعلیل اور مضمون

آفرینی کی مثالیں زیادہ ہیں جب کہ ندرت فکر اور رفعت خیال کی کمی ہے۔ اُن کا شعری اسلوب اور جوش وجذبہ اوّل تا آخر یکساں تاثیر کا حامل نظر آتا ہے۔ وہ خیال سے زیادہ زبان کی چاشنی اور آراستگی پر مائل نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنے قصائد میں قدیم روش کو برقرار رکھا ہے۔ اُن کے ہاں زورِ بیان، روانی اور زبان و بیان کی شگفتگی نمایاں اوصاف کے طور پر سامنے آئے ہیں۔

27- سید صادق حسین غبار:

سید صادق حسین غبار کے سوانحی حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ ان کے قصائد کا مجموعہ ''قصائد نعتیہ'' ۱۹۱۶ء میں کان پور سے شائع ہوا۔ اس میں سات قصائد ہیں۔ سب سے مختصر قصیدہ تینتیس اشعار کا ہے جب کہ طویل قصیدے کا اشعار کی تعداد چار سو پندرہ ہے۔ پہلا قصیدہ ایک سو چالیس اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے تین مطالع اور دو قطعات ہیں۔ تشبیب میں نعت، داخلی کیفیت کے علاوہ سبزہ، گل، شبنم، ہوا، نرگس اور غنچہ ہائے نوشگفتہ کو آنحضرتؐ کی ولادت کے مژدہ پر مسرور دکھایا گیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

بہار آئی ہے رندو! وقت ہے رندانہ صحبت کا — سنا ہے آج مے خانہ میں ابر آئے گا رحمت کا
عصا ٹیکے کھڑی ہے نرگس بیمار گلشن میں — کہ سب سے پہلے حاصل ہو مجھے دیدار حضرت کا
ہوا باندھی ہے اپنی غنچہ ہائے نوشگفتہ نے — کھلے جاتے ہیں مژدہ پاکے احمد کی ولادت کا (۳۱۵)

مطلع ثانی کے بعد آنحضرتؐ کی افضلیت اور رسولوں پر برتری اور عظمت و رفعت کے مختلف پہلو بیان ہوئے ہیں۔ پھر سفر معراج پر گیارہ اشعار کا قطعہ کہا ہے جس میں واقعات کی ترتیب کا اہتمام ہے۔ قطعہ دوم کے سینتیس اشعار اہلِ بیت کی مدح میں ہیں جن میں شاعر کے عقیدے کی جھلک نمایاں ہے۔ پھر مطلع سوم کے بعد دوبارہ مدحِ رسولؐ کا آغاز کیا ہے اور رسولِ کریمؐ کو مظہر وحدت، اصل خلقت، شاہ یوم الدین، مصدر رحمت، شفیع المذنبین اور امام المرسلین کے القاب سے یاد کر کے دشمنانِ دین کی بربادی اور اطاعت خداوندی کی دعا مانگی گئی ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

ہوئے منسوخ ادیان رسولانِ سلف قطعاً — ہوا جس وقت رائج دینِ حق دنیا میں حضرتؐ کا
انھیں کی گردِ رہ سے آبرو اکسیر نے پائی — غبارِ راہ ان کا سرمہ ہے چشمِ بصیرت کا
خدا قادر ہے لیکن مثل ان کا غیر ممکن ہے — انھیں پر خاتمہ حق نے کیا ہے اپنی صنعت کا
خدا سے کر کے ضد دکھلائی شانِ ناز محبوبی — ہوئے راضی خدا سے لے کے وعدہ عفو امت کا (۳۱۶)

تینتیس اشعار کا دوسرا قصیدہ مدحیہ ہے جس میں زیادہ تر مضامین سابق کی تکرار ہے۔ شاعر کے مطابق لامکاں آنحضرتؐ کی جولاں گاہ کا ایک توشہ ہے اور آفتاب حشر آپؐ کی راہ کا ایک ذرہ ہے۔ آپؐ کی خاک پا روئے آفتاب و ماہ کا غازہ ہے۔ آپؐ کا نام نامی لینے سے رحمت حق شاعر کی تعظیم کرتی ہے اور آپؐ اللہ کی طرح بے مثل و بے ہمتا ہیں۔ الغرض سیرت و عظمت کے کئی حوالے اس قصیدے میں شامل ہیں اور تشبیب بلند تخیل اور روانی کی تاثیر سے مملو ہے۔ مثالیں دیکھیے:

مدح شہؐ سے مل گیا رتبہ گدا کو شاہ کا سایہ افگن چتر ہے طغرائے بسم اللہ کا
خواب و بیداری میں قرب و بعد یکساں ہے نظر دیدنی ہے دیکھنا چشم رسول اللہ کا
ہیں یہ وہ نورِ خدا روشن ہے ان سے عرش و فرش آفتاب حشر اک ذرہ ہے ان کی راہ کا (۳۱۷)

سید صادق حسین غبار کے تیسرے نعتیہ قصیدے کے ایک سو ترانوے اشعار میں تین مطلعے ہیں۔ پہلے مطلع میں انھوں نے محبوب مجازی کی ستم گری اور اپنی بے تابی اور بے چارگی بیان کی ہے لیکن اس بیان کے بعد حالت زار کو جنون عشق قرار دے کر معافی طلب کرتے ہوئے جوش و ہوش کے ساتھ نعت کا آغاز کیا ہے۔ اشعار دیکھیے:

اب کے دل آیا ہے کیا جانیے میرا کس پر کہ مری دل کو خبر ہے نہ مجھے دل کی خبر
کوئی تسکین دل زار کا پہلو تو بتاؤ ہے کوئی شکل قرار دل بے تاب مگر
تم تصور میں بھی آتے نہیں اللہ رے حجاب پھر کہو نکلے گا کیوں کر مرا ارمان نظر
کس سے یہ باتیں ہیں اے بے خودیِ عشق بتا کس سے میں کھول رہا ہوں یہ گلہ کے دفتر (۳۱۸)

مطلع ثانی کے بعد رسول اکرمؐ کی عظمت کا بیان مختلف القاب کے حوالے سے کیا ہے۔ یہ حصہ شاعر کے جوشِ عقیدت اور زور بیان سے بھر پور ہے۔ پھر دس کے قریب قطعہ بند اشعار آنحضرتؐ کے نام نامی کی فضیلت و برکت میں ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ کی توبہ، آتشِ نمرود کی ٹھنڈک، حضرت موسیٰؑ کی تیہہ کی ضلالت سے رہائی، کشتی نوحؑ کی طوفان سے نجات، حضرت ایوبؑ کی شفایابی، حضرت یوسفؑ کی زنداں سے آزادی، حضرت خضر کی راہنمائی، حضرت یونس کی بطن ماہی سے نجات، حضرت عیسیٰؑ کے مردوں کو زندگی دینے اور حضرت سلیمانؑ کی جنات پر حکمرانی کا باعث اسم احمدؐ کا وسیلہ ہی ہے۔ اس کے بعد چند اشعار آپؐ کی محبوبیت، افضلیت، رسالت، تصرف، حکمت اور عفو و درگزر کے بارے میں ہیں۔ مثلاً:

ہیں خدا کے یہ مطیع اور دو عالم کے مطاع بخدا نوعِ بشر میں ہیں یہی خیر بشر

پست فطرت کو ترقی کا اگر حکم یہ دیں　　چرخ ہفتم کو زمیں اٹھ کے لگائے ٹھوکر
عفو امت کے لیے حق سے نہ کیا ضد کی　　لے لیا وعدہ یعطیک تو اُٹھے سرورؐ(۳۱۹)

مطلع ثالث کے بعد سفر معراج کا مفصل بیان ایک سو پندرہ اشعار کو محیط ہے جس کا اجمال یوں ہے کہ رسول اکرمؐ، حضرت ام ہانیؓ کے گھر محوِ خواب ہیں۔ حضرت جبرائیلؑ، حضرت اسرافیلؑ اور حضرت میکائیلؑ کے ساتھ براق کو لائے، اللہ رب العزت نے رضوان کو زینت فردوس کے اہتمام کا کہہ دیا، غلمان اور حور وملک، محوِ آرائش ہو گئے۔ سفر کا آغاز ہوا۔ پہلا پڑاؤ مکہ ٹھہرا، پھر حضور نبی کریمؐ کو موسیٰؑ کے مقام معراج طور سینا کی سیر کرائی گئی۔ اس کے بعد مولد حضرت عیسیٰ اور بیت المقدس گئے۔ وہاں انبیا کی امامت کا شرف آنحضرتؐ کے حصے میں آیا ہفت افلاک کے سفر میں چرخ اول پر حضرت آدمؑ، دوم پر حضرت یحییٰؑ، سوم پر حضرت یوسفؑ، چہارم پر حضرت ادریسؑ، پنجم پر حضرت ہارونؑ، ششم پر حضرت موسیٰؑ اور ہفتم پر حضرت ابراہیمؑ سے آپؐ کی ملاقات ہوئی، آپؐ نے وہاں کے عجائبات دیکھے، فرشتوں نے استقبال کیا۔ اس کے بعد شاعر نے بیت معمور، شجر طوبیٰ، سدرہ اور لامکاں سے قاب قوسین کا ذکر کر کے دو سوال اُٹھائے ہیں اور پھر اُن کے جواب پیش کیے ہیں۔ اس بیانیے میں شاعر نے اپنی مسلکی عقیدے کو مقدم رکھا ہے۔ معراج شریف کی توجیہ یہ پیش کی ہے کہ آپؐ کا مرتبہ بالا ہے، اس لیے آپؐ کو عالم بالا کی سیر کرائی گئی۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

آئی جو پردہ کے اندر سے وہ کس کی تھی صدا　　کس کا وہ ہاتھ تھا جو پردہ سے نکلا باہر
بہر تسکینِ دلِ مضطربِ ختم رسلؐ　　لہجہ میں اُن کے وصیؑ کے ہوا گویا داور
ہاتھ جو نکلا تو در پر وہ اشارہ یہ تھا　　یا نبیؐ! تم ہو نبیؐ اور وصیؑ ہے حیدرؑ
اب سنیں صاحب ادراک و بصیرت یہ راز　　طرفِ گنبد افلاک گئے کیوں سرورؐ
جلوۂ ذات سے کیا فرش زمیں خالی ہے　　کیا مقام اس کا معین ہے کوئی گردوں پر
چوں کہ تھا مرتبۂ سرورِ عالم بالا　　سیر بھی عالم بالا کی ہوئی مد نظر(۳۲۰)

دو سو تیرہ اشعار میں پانچ مطلعوں پر مبنی چوتھے قصیدے کی تشبیب انسان کی تخلیق اور ماقبل تخلیق کے منظر نامے کے بیان کی وجہ سے انفرادیت کی حامل ہے۔ بقول شاعر ازل سے پہلے نہ وقت تھا نہ موسم، نہ شہر تھے نہ ویرانے، نہ مسجد تھی نہ مندر، نہ مذہب تھا نہ شریعت، نہ بیماری نہ صحت اور نہ غم اور نہ خوشی کی کیفیت اور نہ عالم و جاہل کی تمیز تھی۔ پھر اللہ نے ”الست بربکم“ کے اقرار کے بعد جملہ ارواح سے آنحضرتؐ کی نبوت اور حضرت علیؑ کی امامت کا اقرار لیا۔ آدمؑ کو ہند میں اتارا گیا۔ ماہ و سال کی گردش نے

ضعیفی طاری کی اور پھر موت کا سلسلہ چل نکلا۔ پھر ایک دن آیا جب آنحضرتؐ کو رسالت کی ذمہ داری تفویض ہوئی۔ یہ اشعار فکر و فلسفہ کے علاوہ عالم گیریت کے حامل ہیں۔ انھوں نے انسانی زندگی کی ابتدا وارتقا کو مذہب کی روشنی میں احسن طریقے سے بیان کیا ہے۔ فصاحت و بلاغت، زورِ بیان اور تسلسل و روانی کی خوبیاں نمایاں ہیں۔ میثاق وحدت سے پہلے کے چند اشعار دیکھیے:

بیاضِ صبحِ آرام وطن کی جب جھلک پائی — سواد شامِ غربت کی وہیں کالی گھٹا چھائی
لکھا تقدیر کا حرفِ مکرر ہو کے بگڑا ہے — غلط نامے نے میری لوحِ قسمت میں جگہ پائی
کسی کا کوئی مذہب تھا نہ واں کوئی شریعت تھی — سلیمانی نہ داؤدی نہ عیسائی نہ موسائی
نہ یہ مفلس، نہ وہ منعم نہ یہ سائل نہ وہ معطی — نہ یہ شاکی نہ وہ شاکر، نہ گویا تھا نہ گویائی
بہرحال ایک حالت تھی ہر اک کی ایک کیفیت — ہر اک اس بزم نور افزائے قدرت کا تماشائی (۳۲۱)

مطلع ثانی کے بعد ساقی نامہ ہے جس میں حبِ رسولؐ کی مے کا ذکر ہے۔ اسی مے سے سرشار ہو کر انبیا نے برکتیں حاصل کیں جن میں کشتی نوح کا کوہ جودی پر ٹھہرنا اور آتش نمرود کا ٹھنڈا پڑ جانا شامل ہیں۔ یہ مضامین قریب قریب وہی ہیں جو پچھلے قصیدے میں بیان ہو چکے ہیں۔ پھر مطلع ثالث سے آپؐ کی سیرت و افضلیت کے بعد بعثت نبویؐ کے موضوع پر قطعہ بند اشعار ہیں جن میں پھر حضرت علیؓ اور اہلِ بیعتؓ کی فضیلت کا بیان ہے۔ مطلع رابع میں بادۂ عشق نبیؐ کا استعارہ برتا گیا ہے جب کہ مطلع خامس معراج کے بیان میں ہے جس میں سابق انبیا کی معراج کا ذکر کر کے آنحضرتؐ کی برتری ثابت کی گئی ہے۔ خلیل اللہ نے بالائے ہوا، حضرت اسماعیلؑ نے چھری کے نیچے، حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر اور حضرت عیسیٰؑ نے دار پر معراج پائی جب کہ آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے عرش پر اپنا مہمان بنا کر جو شرف بخشا وہ کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔ آخر میں شاعر نے مدینہ میں مرنے کی دعا مانگی ہے۔ پورا قصیدہ روانی اور جوش جلالت کا مظہر ہے۔ افضلیت کے موضوع پر مدح کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ملائک سے عموماً انبیا افضل ہیں رتبہ میں — مگر ہے افضلیت انبیا پر آپؐ نے پائی
امین حق اسی میں دیکھ کر کہتے ہیں وحی حق — کہ ہے لوحِ جبیں آئنہ اسرار یکتائی
جلایا شہؐ نے دین مردۂ حق کو قیامت تک — بھلا دکھلائیں تو عیسیٰؑ یہ اعجاز مسیحائی
بلایا آپؐ کو مشتاق ہو کر عرش پر حق نے — یہ موسیٰؑ تھے کہ جن کو لن ترانی کی صدا آئی (۳۲۲)

یہ قصیدہ فلسفہ، فکر مذہبی، علمی وقار، واقعات کے تسلسل بیان کے علاوہ مکالمہ نگاری اور زورِ بیان کی خوبیوں سے متصف ہے۔

پانچواں قصیدہ چار سو پندرہ اشعار کا حامل ہے۔ اس کے چھ مطلع ہیں اور آنحضرتؐ کی آمدِ مسعود پر بائیس شعروں کی مبارک باد کی غزل اس میں شامل ہے جو الگ ردیف قافیے میں ہے۔ اس قصیدے میں قبل از تخلیق ذات احد کی کیفیت، نورِ محمدیؐ کی تخلیق اور اس نور سے کل عالم کی تخلیق کے ارتقائی مراحل، نورِ نبیؐ کے انتقال اور تقسیم، ولادت کے معجزات اور آمدِ رسولؐ پر دوزخ کی بندش اور جنت کی آراستگی، سیرت طیبہ اور عظمت و رفعت کے بیان کے علاوہ معجزۂ شق صدر کا تفصیلی بیان شعری پیکر میں ڈھلتا نظر آتا ہے مطلع دیکھیے:

محشر راز عدم ہے ہست و بود جسم زار ہر نفس اسرار نفخ صور کا ہے راز دار(۳۲۳)

غبار کے قصائد کی ایک بڑی خوبی کہانی پن کا انداز ہے۔ وہ ایک داستان گو کی طرح بڑے سلیقے سے واقعات کو مرتب کرتے ہیں اور بڑی پُر گوئی سے بیان کرتے ہیں۔ اُن کا بیانیہ حیرت و جستجو کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی چاشنی سے مملو ہے۔ حیرت و استعجاب کا باعث اُن کی وہ ضعیف و غریب روایات ہیں جن کا سہارا لے کر انھوں نے عقیدت میں عقیدے کی آمیزش کی ہے۔ ان واقعات پر ہندی اساطیر کے اثرات نمایاں ہیں۔ ان کی پیش کردہ واقعات کی صحت مشکوک ہے۔ مثال میں تخلیق کائنات کے بارے میں کہے گئے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

اک فرشتہ کو کیا قدرت سے پھر پیدا معاً اپنے سر پر لے لیا کوہ زمیں کا جس نے بار
بعد اس کے اک بڑا پتھر کیا خالق نے خلق پاؤں جس پر اس فرشتے کے ٹکیں، پائے قرار
پھر بڑی اک گائے پیدا کی کہ جس کی پشت پر ٹھیرا وہ سنگ گراں جس پر تھا دنیا بھر کا بار
اک بڑی مچھلی جو پیدا کی تو ٹھیری اُس پہ گائے ٹھیری پانی پر وہ ماہی بزرگ روز گار
بعد اس کے کر دیے خالق نے خلق اک آن میں مہر و ماہ و انجم و تاریکی و لیل و نہار(۳۲۴)

شاعر نے اکثر مقامات پر اپنے موضوع کی جزئیات پر باریک بینی سے زور دیا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ اپنی چشم تخیل سے ایک ایسا منظر تخلیق کرتا ہے جو قاری کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ نورِ نبیؐ کی تفصیل میں شاعر لکھتا ہے کہ بارہ برس تک یہ نور اپنے خالق کے سامنے ایستادہ رہا۔ پھر اس نور سے بارہ حجاب پیدا ہوئے اور وہ نور ہر حجاب میں اسی ہزار سال قیام پذیر رہا۔ پھر صانع نے علم کے بیس دریا بنائے جن میں غوطہ زن ہونے کے بعد جب نورِ نبیؐ باہر نکلا تو ایک لاکھ اسی ہزار نورانی قطرے گرے جن سے رسولانِ کرام کی تخلیق عمل میں آئی۔ یہ نور حضرت آدمؑ اور حضرت شیثؑ سے ہوتا ہوا حضرت عبدالمطلب تک پہنچا تو آگے اس کی دو شاخیں بن گئیں۔ ایک حصہ حضرت عبداللہ اور دوسرا حضرت

ابوطالب کے ہاتھ آیا، یوں محمدؐ اور علیؓ ایک ہی نور کی دو کرنیں ہیں۔ایک نبوت سے اور دوسرا امامت سے سرفراز ہے۔ یہاں عقیدے کا واضح پرچار موجود ہے اور یہی عمل قریب قریب سبھی قصائد میں نظر آتا ہے۔قصیدے کی فضا پر عشق سے زیادہ عقائد،علمیت اور قادرالکلامی کا غلبہ نظر آتا ہے۔جزئیات نگاری کے حوالے سے مطلع ششم کے بعد شق صدر کے واقعہ میں آنحضرتؐ دو روز تک نہیں ملتے اور حضرت حلیمہؓ حضرت عبدالمطلب کو خبر کرتی ہیں۔تلاش شروع ہوتی ہے تو حضرت ابومسعود، ورقہ بن نوفل اور حضرت عقیل راستے میں ایک دشت میں نخل وسبزہ اور چشمہ دیکھتے ہیں جو پہلے وہاں نہیں تھا تو اس سمت بڑھتے ہیں۔وہاں کی منظرنگاری ملاحظہ ہو:

آئے یہ کہہ کر قریب نخل وہ تینوں سوار
آؤ دیکھیں تو سہی شاید کوئی عقدہ کھلے
جس کے چہرہ سے عیاں ہے قدرت پروردگار
دیکھا اک طفل حسیں بیٹھا ہوا ہے چشمہ پر
ڈرتے ڈرتے عرض کی اک نے بعجز وانکسار
اور حیرت بڑھ گئی کانپا ہر اک کا بند بند
امر میں تیرے ہمیں حیرت ہے بے حد وشمار
تو فرشتہ ہے کہ کوئی جن ہے اے طفل حسیں!
جد ہیں عبدالمطلب ہاشم کے پور نامدار
شہؐ نے فرمایا محمد ابن عبداللہ ہوں
تو عرب کا شاہ زادہ ہے ہمارا شہر یار(۳۲۵)
سن کے یہ گھوڑوں سے اُترے سب، کہا اے مرحبا

غبار کے اس قصیدے میں مثنوی کی روانی، رزمیہ کا حسن، ناول کی جزئیات نگاری، ڈرامے کا مکالماتی انداز،غزل کی منظرنگاری موجود ہے جس پر زبان وبیان کی شیرینی مستزاد ہے مگر معنوی سطح پر ان کے بیانات میں تضاد ہے اور ان کی بیان کردہ روایات درجۂ استناد سے کوسوں دُور ہیں۔

مدح رسولؐ کے باب میں کہے گئے اشعار کا زور بیان دیدنی ہے۔تشبیہ، استعارہ، مضمون آفرینی اور رفعت خیال کے حامل اشعار کی بھی کمی نہیں۔ چند اشعار جو شاعر کے مرصع اسلوب سے مزین ہیں، ملاحظہ ہوں:

مرحبا صلی علیٰ اے سید والا تبارؐ! آپؐ ہیں سر دفتر تقدیر فضل کردگار
آپؐ ہیں مصباح بزمِ وحدت خلق آفریں آپؐ ہیں مفتاحِ قفلِ رحمتِ پروردگار
آپ میں آئنہ اسرارِ لولاک لما آپؐ ہیں گنجینۂ انوار ربِ نور و نار
آپؐ کی ہر آرزو ہے آرزوئے رب کل آپؐ کی امید کا ہے اسم ذات امیدوار
آپؐ ہی ہیں ابتدائے آفرینش کا الف آپؐ ہی پر انتہائے خلق کا ہے انحصار
سایۂ حق آپؐ ہیں سایہ میں سایہ ہے محال آپؐ ہیں نورِ خدا پرتو فروزِ نور و نار(۳۲۶)

چھٹا قصیدہ ایک سوپینتیس اشعار کا ہے اور اس میں دو مطلعے اور دو قطعے ہیں پہلے چھیاسٹھ اشعار تشبیب کے ہیں جن میں فرشتوں اور انسانوں کی خصوصیات کا تقابل پیش کر کے انسانوں کی برتری ثابت کی گئی ہے اور اس فضلیت کا سہرا جناب رسول اللہ کے سر رکھا گیا ہے۔ جن کے صدقے یہ کائنات معرض وجود میں آئی۔ آپؐ بلاشبہ سید الرسل اور فخر انبیا ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کہتے ہیں بے زوال جسے روزگار میں ہیں ساکنانِ اوجِ فلک اس دیار میں
تم مبتلا ہوئے نہ کسی حالِ زار میں اے ساکنانِ چرخ بریں تم مزہ میں ہو
الجھے کبھی نہ گیسوئے پُر پیچ و تار میں جھگڑوں سے حسن و عشق کے بے باک و پاک ہو
تم مطمئن ہو حفظِ خدا کے حصار میں گہوارۂ زمین و فلک ڈانواں ڈول ہو
الجھے ہوئے ہیں رنج و غم روزگار میں دیکھو ہمیں کہ رہتے ہیں کن مشکلوں میں ہم
ہم تم سے بڑھ گئے کہیں شان و وقار میں دیکھو ہماری شانِ بزرگی کو غور سے
جس کا نہیں شریک کوئی اقتدار میں (۳۲۷) ہم میں سے انتخاب کیا ایسا اک حبیب

شاعر نے فرشتوں پر برتری کی کئی وجوہات بیان کی ہیں کہ انسان کو نبوت، امامت، نیابت کے علاوہ اللہ کے خلیل، کلیم اور حبیب ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مطلع ثانی کے بعد مدح رسول اکرمؐ ہے جس کے موضوعات میں آپؐ کی نورانیت، اختیار، عز و وقار، برہان کبریا، راہنمائی، حکم رانی، خلق اور وسیلہ کا بیان ہے، پھر قطعہ ہے جس میں کلمۂ توحید کی ترویج کا ذکر ہے۔ اس کے بعد دوسرا قطعہ طویل ہے جس میں معراج کے ذکر کے بعد دعا مانگی گئی ہے جو نظام دکن آصف سابع (میر عثمان علی خان: ۱۸۸۶ء تا ۱۹۶۷ء) کی حکمرانی و حفاظت اور شاعر کی اپنی نجات پر مبنی ہے۔ حضور اکرمؐ کی فضیلت کے حوالے سے مثالیں دیکھیے:

ہیں آپؐ مقتدائے جہاں ہر شعار میں ہیں آپؐ قبلۂ امم و کعبۂ انام
ہیں آپؐ ایک حجتِ حق روزگار میں ہیں آپؐ ایک آیتِ برہان کبریا
کنز خفی ہیں قدرتِ پروردگار میں ہیں آپؐ ایک محرم اسرار اسم ذات
ہے برتری حضورؐ کو عز و وقار میں ہیں آپؐ ایک صدر نشینِ مقامِ قرب
باراں کے قطرے آ نہیں سکتے شمار میں (۳۲۸) احصائے مدح سید عالمؐ محال ہے

ساتواں قصیدہ دو سو باسٹھ اشعار کو محیط ہے اور یہ چار مطلعوں کا حامل ہے۔ تشبیب کا آغاز شاعر نے اپنے شوق کی جنوں انگیزی سے کیا ہے اور اپنی بے مائیگی کو سرمایۂ شاہی سے بہتر کہا ہے۔ پھر

دس اشعار کی غزل کے بعد مطلع ثانی کہا ہے جس میں بلبل اور گل کے درمیان برتری اور افضلیت کا مکالمہ ہے۔ بلبل کو دعویٰ ہے کہ اس کی نغمہ سنجیاں اہلِ گلشن پر اک وجد طاری کر دیتی ہیں اور یہ کہ وہ طاقت پرواز رکھتی ہے جب کہ گل کو گمان ہے کہ وہ حسینوں کے گلے کا ہار بنتا ہے اور معشوقانِ عالم اس کے گجرے بنا کر پہنتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اُس کی خوشبو ایک عالم کو مست کر دیتی ہے جس کا سبب یہ ہے کہ اس میں آبِ رخِ ختم رسلؐ شامل ہے۔ یہی قصیدے کا گریز ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

مرا شوق جنوں انگیز سودا پھر ہے زوروں پر فلک کی طرح پھر پھرنے لگے آنکھوں میں دشت و در
مزا تو ہو اگر سنبل کسی گیسو سے لڑ جائے حسیں آئے ہوئے ہیں گیسوؤں کو پیچ دے دے کر
دلیل دعویٰ بلبل ہے نغمہ سنجیاں اس کی ذرا چہکی ، ہُوا اک وجد طاری اہلِ گلشن پر
یہ دعویٰ گل کا ہے میں اپنی زیبائی میں یکتا ہوں حسینوں کے گلے کا ہار ہوں گہ زینت بستر
سبب یہ ہے مری ہر دل عزیزی اور نکہت کا ہے خلقت میں مری آب رخِ ختم رُسل مضمر
وہی ختم رسلؐ جس کو شہ لولاک کہتے ہیں وہی ختم رُسلؐ جو ہے حبیبِ حضرتِ داور(۳۲۹)

مطلع سوم کے بعد نعت رسول مقبولؐ ہے جس میں شاعر نے زور بیان، شکوہ لفظی اور غنائی اسلوب سے کام لیتے ہوئے آنحضرتؐ کی عظمت کے مختلف پہلو قلم بند کیے ہیں۔ یہ حصہ کافی مرصع اور جوش و جذبے کا حامل ہے۔ اس کے بعد ایک معجزے کا مفصل بیان ہے جس کے سوسوا سو اشعار ہوں گے۔ قصہ یوں ہے کہ ابوجہل اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ اگر آپؐ سچے ہیں تو حضرت نوحؑ کا طوفان، حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دکھایئے کہ جو لوگوں کی بابت خبر دے دیتے تھے کہ آج اس نے کیا کھایا ہے اور اس کے گھر میں کتنا مال ذخیرہ ہے۔ اس کے بعد مطلع در معراج ہے جس میں شاعر کے عقیدہ کے مطابق مضامین سابق کی تکرار ہے جن میں حضرت علیؓ کی شانِ ولایت بھی بیان ہوئی ہے۔ دعا میں نظام الملک آصف جاہ کی باعزت زندگی اور اُن کی اولاد پر سایۂ رحمت بنے رہنے کا ذکر ہے۔ مدح کے حصے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں جو شاعر کی قادر الکلامی کا ثبوت ہیں:

لسان اللہ و روح اللہ و وجہ اللہ و عین اللہ امین اللہ و سیف اللہ ، شان قدرتِ داور
طلوع طالع صبح ازل، معنیِ لفظِ کُن فروغ مطلع شام ابد، ہم مقطع محشر
یہ ہیں رکن رکین بزم قدس قدسیاں منزل یہ ہیں حصن حصین حفظ و اجلال قضا منظر
زمیں پر آسماں ہیں، آسماں پر عرش اعظم ہیں سر عرش معظم پردہ دارِ عظمتِ داور(۳۳۰)

صادق حسین غبار کے قصائد فنی معیار پر پورا اترتے ہیں۔ اُن کی تشابیب تنوع کی حامل

ہیں۔گریز میں بھی جدت اور پختگی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔کہانی پن، مکالمہ اور جزئیات نگاری اُن کے قصائد کی بنیادی صفات ہیں۔لفظی شوکت، جوشِ بیان اور قادرالکلامی کی مثالیں عام دستیاب ہیں۔ مضامین میں ادب واحترام کی فضا قائم ہے۔غلام امام شہید کے ہاں سراپا پرزور ملتا ہے مگر غبار نے سیرت وعظمت رسولؐ کے پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کیا ہے۔اُن کے قصائد میں جہاں عقائد کی کارفرمائی ہے وہ حصہ محلِ نظر ہے۔ جب وہ نبیؐ اور امتیؑ میں مماثلت پر اتر آتے ہیں تو نعت کے تقاضے مجروح ہوتے نظر آتے ہیں۔نعت ومنقبت میں اُن کے بیان کردہ واقعات کی صحت مشکوک ہے انھوں نے کھل کر اپنے عقائد کا پرچار کیا ہے البتہ اُن کی وارفتگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بلاشبہ اُنھوں نے یہ قصائد محبت اور خلوص میں ڈوب کر لکھے ہیں۔

28- نبی بخش نایاب:

منشی نبی بخش شعروسخن میں مضطر دہلوی کے شاگرد ہیں۔ابتدا میں نفر تخلص تھا مگر استاد نے نایاب کردیا۔نایاب ۱۸۷۰ء میں چودھری محمد بخش کے ہاں نکودر ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے (۳۳۱) تصوف کی طرف فطری میلان تھا،اس لیے مولانا سید محمد انور شاہؒ دیوبندی کے ہاتھ پر بیعت کی۔آپ قصبہ نکودر میں میونسپل کمشنر بھی رہے (۳۳۲)۔

پیامِ امن اور دیوانِ نایاب اُن کی تصانیف ہیں۔دیوان نایاب میں دو نعتیہ قصائد ہیں جو شاعر کی قادرالکلامی کا مسلمہ ثبوت ہیں۔پہلا قصیدہ تیئس جب کہ دوسرا اٹھارہ اشعار کا ہے۔اُن کے قصیدے اگرچہ مختصر ہیں لیکن ان میں قصیدے کے سارے لوازمات موجود ہیں۔ان کے مطلع پرزور اور جاذبیت کے حامل ہیں:

میں وہ عاجز کہ میرے حال پہ گردوں گیہاں　دل وہ زخمی کہ دلِ مونس و دشمن لرزاں(۳۳۳)
طشتِ چمن میں لائی جو رکھ کر بہار گل　جوشِ بہار سے جو ہوئے عطر بار گل(۳۳۴)

نایاب کے قصائد میں تشبیب مختصر سہی مگر فکر وتخیل سے بھرپور ہے۔ پہلے قصیدے میں شاعر نے احوال ذات پیش کرتے ہوئے عجز کا اظہار کیا ہے۔انھیں اپنی کم علمی، خطا کوشی اور بے عملی کا اعتراف ہے۔انھیں شاعری پر بھی دعویٰ فن نہیں۔اپنے عیبوں کو دیکھتے ہوئے اگر دل جوئی کی کوئی صورت انھیں نظر آتی ہے تو وہ حضور نبی رحمتؐ کی نگاہ لطف ہے۔ جہاں سے مدح کی طرف رجوع کیا ہے۔اُن کا یہ گریز برمحل اور موزوں ہے:

نہ مجھے خوبیِ اعمال کا دعویٰ اپنی نہ ہے بے عیب میرا داغِ خطا سے داماں
قافیے کی نہ خبر ہے نہ کسی بحر میں دخل ہوں میں اک شاعر بے مغز و سراپا نسیاں
ہاں ہوئی وا نگہ لطف شہ دیںؐ جب سے ہیں میرے دل سے خیالات مکدر پرّاں(۳۳۵)

دوسرے قصیدے کی تشبیب بہاریہ ہے اور منظر نگاری عروج پر ہے۔ اس قصیدے کی خاص بات اس کی مشکل ردیف ہے۔ انھوں نے ''گل'' کی ردیف سے کمال کے مضامین نکالے ہیں۔ اُن کے یہ مضامین زبان و بیان کی چاشنی کے ساتھ تازہ فکری کی بہار لیے ہوئے ہیں۔ گلشن کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر پھر جاتا ہے۔ اشعار دیکھیے:

خوشبو سے شہر و دشت و جبل سب مہک اُٹھے ہر رنگ کا چمن میں ہوا آشکار گل
ہر برگ نغمہ سنج تھا ، ہر غنچہ وجد میں تھے شاخ شاخ جھومتے بے اختیار گل
تھا بلبلوں کے لب پہ ترانہ بہار کا سرمست نشہ میں تھے سر شاخسار گل
حیراں ہوا جو دیکھ کے میں اس نمود کو ناطق کیا چمن میں خدا نے ہزار گل (۳۳۶)

نایاب کے اس قصیدے میں بھی گریز بہت عمدہ اور ہم ربط ہے۔ اُن کی تشابیب موضوع سے مناسبت رکھتی ہیں اور شروع سے آخر تک وہ قصیدے کا تاثر ٹوٹنے نہیں دیتے۔ قصیدے کی مدح عقیدت میں ڈوب کر کہی گئی ہے۔ مدح میں افراط و تفریط نہیں، فدایت کا جذبہ ہے اور خالص نعت کہی ہے۔ آپؐ کے فضائل اور اوج و رفعت کا بیان انھیں زیادہ مرغوب ہے۔ نازک خیالی، بلند آہنگ لہجہ اور ندرت فکر کی خوبیاں اُن کے بلند تخیل کی شاہد ہیں۔ اُن کا اسلوب دل کش ہے اور تازگی کا حامل ہے۔ صنائع بدائع کا مشاقانہ استعمال بھی اُن کے ہاں دیکھنے میں آیا ہے۔ اُن کی دعائیں مختصر مگر شفاعت کی آرزو سے مملو ہیں۔ مختصر طور پر اُن کے قصائد تازہ فکری اور شیفتگی کے مظہر ہیں۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

کس کی ہے شان میں ''لولاک لما'' اے مونس! کون ہے ایسا جو ہے باعثِ ایجادِ جہاں
انگبیں میں یہ حلاوت ہے نہ مصری میں مٹھاس کس کا نام آیا لبوں پر کہ بہم ہیں چسپاں
وہ خداوند نے بخشا ہے تجھے اوجِ کمال کہ نہ خامہ سے رقم ہو نہ زباں سے ہو بیاں(۳۳۷)
تو وہ نبیؐ ہے جس کی ہے ذاتِ خدا انیس ہو کیوں نہ تیرے باغ کا ہر ایک خار گل
باور ہے نام پاک جو زیب دہن کروں پیدا ہو ایک غنچۂ دل سے ہزار گل
ہو قصدِ سیرِ دشت اگر دل میں آپؐ کے روح الامیں پروئے سرِ رہ گزار گل
جو داغِ عشق آپؐ کا لے جائے زیرِ خاک تا حشر ہو نہ اس کا چراغِ مزار گل

عاشق کو ترے دفن کریں گر تہِ تنور خاک لحد کفن میں پروئے ہزار گل(٣٣٨)

نبی بخش نایاؔب کے قصائد میں حقیقت نگاری سے زیادہ تخیلاتی مدح کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ جذبۂ صادقہ نے اُن کے کلام کو وہ تاثیر عطا کردی ہے جو قاری کے دل میں اُتر اُتر جاتی ہے۔ گل کی ردیف میں تخیل کی پرواز نسبتاً بلند ہے اور مدح میں تخیلاتی رنگ غالب ہے۔ عظمتِ رسولؐ، اسم مبارک اور حُبِ رسولؐ کے موضوعات کا بیانیہ جوش و جذبے سے مملو ہے۔

29- فرید مانک پوری:

شاہ فرید الدین عبدالشکور کا تعلق مانک پور (انڈیا) سے ہے۔ فرید مانک پوری کے شعری مجموعے ''فضائل حیدری'' میں مناقب اہل بیت پر مبنی قصائد ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں پانچ نعتیہ قصائد بھی موجود ہیں۔ (٣٣٩) اُن کے عنوانات ''سبحان الذی اسریٰ، ممدوح، خطبۂ وحدت، شعاع نور اور تاج سعادت'' ہیں۔ ان قصائد کے مطالع فلسفیانہ فکر کے حامل ہیں اور بلند تخیل کے غماز ہیں:

فروغِ حسنِ بے حد سے کھلا یہ عشق کا پردا لباسِ مجنوںِ بے خود میں پوشیدہ تھی خود لیلیٰ
دماغ فلسفی کو وحدتِ ذرہ سے ہے چکر کھلے کس طرح سے راز طلسم گنبد بے در
گئی شام عدم اب ہے نمود صبح بیداری مشیت کر رہی ہے خلقت عالم کی تیاری
تھی کشش یہ عشق کی یا حسن تھا ناز آفریں یا شعاعِ نورِ وحدت روحِ ختم المرسلیں
جلوہ افزا تخت مغرب پر ہوا جس دم قمر نذر دی خورشید خاور نے اُسے تیغ و سپر(٣٤٠)

فرید مانک پوری کے ہاں تشبیب میں زیادہ تر فکر و فلسفہ کے عناصر ملتے ہیں۔ پہلے قصیدے میں انھوں نے شب معراج کی شرح کرتے ہوئے جسم اور روح کی ماہیت اور تعلق کو اُجاگر کیا ہے۔ اس کے علاوہ نور محمدی کی حقیقت اور عدم سایہ مبارک کی توجیہ ان کے کلام کا حصہ ہے۔ ایک قصیدے میں فلسفۂ تخلیق کائنات پر انھوں نے روشنی ڈالتے ہوئے اپنا نظریہ واضح کیا ہے کہ کائنات کسی حادثے یا بڑے دھماکے کا نتیجہ نہیں بل کہ اللہ تعالیٰ کی پُر حکمت منصوبہ بندی کا شاہکار ہے۔ انسان کو انھوں نے خالق اکبر کا ایک راز تسلیم کیا ہے۔ وہ اپنے علمی نظریات کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ اُن کے استدلالی طرز بیان کی بدولت قصیدے میں علمی شکوہ تو آجاتا ہے مگر اسلوب کی لطافت ماند پڑتی نظر آتی ہے۔ اسلوب کی تازگی برقرار رہے نہ رہے لیکن فریؔد نے یہ ثابت کردیا ہے کہ صنف قصیدہ فلسفیانہ مسائل کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

ہر اک قوت کا مرجع ہے فقط وہ مبدء اعلیٰ ہے حاصل ارتقا کا ، بازگشتِ منزلِ اُخرا
کثافت جسم انسانی ہے جوہر روحِ ارضی کا شعاعِ نورِ قدرت سے بنا یہ نور کا پتلا
تعلق رکھتے ہیں باطن میں کل اجسام نورانی یہ جسم ظاہری ہے نور ازلی کا فقط پردا
جمال قطرۂ ماء معیں یا جوہر ارضی ہوائے عنصری سے بن گیا پیکر حباب آسا (۳۴۱)

مدح میں فرید مانک پوری نے آنحضرتؐ کے انسانی معاشرے پر مثبت اثرات بیان کیے ہیں۔انسان کو جہل سے نکالنا، کفر وشرک کا خاتمہ اور رمل اور فال سے نجات آپؐ کے تہذیبی کارنامے ہیں علاوہ ازیں آپؐ نے دنیا کو معیشت ، معاشرت ،علم وادب سے محبت اور جہاں داری کے سنہری اصول مرحمت فرمائے اور دنیا کو اخوت اور مساوات سکھا کر احترام انسانیت کا درس دیا۔ان سب کا اعتراف ان قصائد میں شامل ہے۔مثالیں دیکھیے :

مٹا دی الفت جیم جہل سر ہائے جاہل سے بنایا اہل وحدت کا ، ہوئے جاہل کے دو پیکر
مٹایا نام ظلمت کا شعاع امر ربی سے دیا قرآن نورانی ہوئے منسوخ سب دفتر
پڑھایا اک سبق سب کو مساوات و محبت کا مسلماں سب برابر ہیں نہیں ان میں کوئی احقر (۳۴۲)
جہاں میں ضربتِ اِلاّ کا تیری جم گیا سکہ مٹایا قلب ظلمت سے وہ داغِ عذرِ ناداری
مٹا دی کلفتِ باطن شعاع نجم بلغ نے جلادی کاہن ورمّال سب کی دلق مکاری (۳۴۳)

قصیدہ نگاری میں شعرا اپنی جودت طبع کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہیں اور نت نئے مضامین نئے ڈھنگ سے ادا کرتے ہیں۔فریؔد کے ہاں مدح کا رنگ اگر چہ حقیقت نگاری سے عبارت ہے مگر ’’تاج سعادت‘‘ میں اُن کا تخیل پرواز کی بلندی پر ہے۔انھوں نے معراج کے موقع پر سات آسمانوں کا نقشہ فرداً فرداً پیش کیا ہے اور تخیلاتی منظر نگاری کے کمال نمونے پیش کیے ہیں جس سے اُن کی قادرالکلامی بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔آنحضرتؐ کے استقبال کے لیے اللہ رب العزت کا اہتمام اور آسمانوں پر جوش وخروش کا بھرپور نقشہ کھینچا گیا ہے۔مثال دیکھیے :

عالم انوار ہے افلاک اطلس کا سماں عرش کے پہلو میں ہے کرسیِ اعظم جلوہ گر
افلک الافلاک پر چھایا ہے نور بیکراں منتظر ہے جزو نورانی کا وہ رب البشر
ناگہاں عرش معلیٰ سے ہوئی پیدا صدا ہے کہاں حاضر ہو اس جا جبرائیل معتبر
ساتھ میں لے وہ فرشتوں کو مع ساز و برق مائل سوئے زمیں ہو یا شکوہ کروفر
ساکنان طبقۂ اعلیٰ بھی وہ لے ساتھ میں زیب وزینت سے ہوں غلماں اور ملک زریں کمر

آب کوثر کا سبوچہ حور کے ہاتھوں میں ہو　　اور رضواں اپنے دست خاص میں لے طشتِ زر
فوج قدسی باادب ہوں سب پرے باندھے ہوئے　　اور ہوں سردار اُن کے مرسلان خوش نظر
اس طرح جائیں فلک سے وہ حجاز پاک میں　　ہے جہاں محبوبؐ رب العالمیں کا مستقر (۳۴۴)

فرید مانک پوری کے قصائد جوش وجلال کا نمونہ ہیں۔علمی ولفظی شکوہ کے ساتھ جذبے کی شدت اور جوش اُن کے ہاں فراواں ہے۔تاریخی وقرآنی تلمیحات اور استدلالی طرز بیان نے کلام کو سنجیدگی ضرور عطا کی ہے مگر شگفتگی اور لطافت چھین لی ہے۔مدح میں زیادہ تر حقیقت نگاری سے کام لیا ہے۔فکر وفلسفہ تخیل پر حاوی نظر آتا ہے۔''احمد بے میم'' کا مضمون محل نظر ہے۔وہ فرقہ واریت سے کوسوں دُور ہیں۔انھوں نے عمدہ تشبیب وگریز کہے ہیں۔جب وہ تخیل کی وادی میں قدم رکھتے ہیں تو اسلوب بیان میں تازگی اور جوش بڑھ جاتا ہے۔آخر میں دعا ایسی مانگی ہے جو دین اسلام اور اہل اسلام کی فلاح کی ضامن ہے۔اُن کی نعت کی ایک اور خاص بات عشق رسولؐ کا قلبی احساس ہے جو ایک ایک لفظ میں پوشیدہ ہے۔آپؐ کی عظمت کے گوشے جس انداز سے فرید نے اُجاگر کیے ہیں وہ اُن کی والہانہ عقیدت کے مظہر ہیں۔

30-غلام مصطفیٰ عشقی:

غلام مصطفیٰ عشقی کے قصائد عشق ومحبت سے سرشار ہیں۔عشقِ رسولؐ کا جذبہ،اہل بیت سے عقیدت اور صحابہ کرامؓ کا ادب اُن کے قصائد کا مرکزی موضوع ہے۔اُن کے والد منشی محمد سبطین نے عشقی کے دل میں حضور نبی کریمؐ کی محبت بھردی جسے سید افتخار علی شاہ چشتی کی صحبت نے مزید تقویت بخشی۔اُن کے تعارف میں ڈاکٹر محمد کمال الدین لکھتے ہیں:

> ''ابوالولا غلام مصطفیٰ عشقی بیدر دکن کے رہنے والے تھے۔ان کا ایک سلام'' یا شفیع الوریٰ سلام علیک'' یا نبی الوریٰ سلام علیک'' اپنے والہانہ پن اور اثر انگیزی کی وجہ سے الہامی کلام معلوم ہوتا ہے جو دربار رسالت میں مقبول ہے اور حج کے مواقع پر حرمین شریفین میں پڑھا جاتا ہے۔'' (۳۴۵)

اُنھوں نے ''گلزارِ سخن'' کے نام سے تراسی بند کا ایک واسوخت لکھا۔اس کے علاوہ انھوں نے فارسی اور اُردو قصائد،غزلیات،مخمس،مسدس،مثنوی اور رباعیات لکھیں۔اُن کی تخلیقاتِ فارسی میں ''اسرار حقیقی''(عشقیہ)اور''انوار مصطفوی''(نعتیہ دیوان)شامل ہیں جب کہ اُردو میں''الہایات غیبی''

(عشقیہ)، ''خیالات قدسی'' (عشقیہ)، ''محامد محمدیؐ'' (نعتیہ)، ''توصیفات مصطفوی'' (نعتیہ)، ''حمائدِ احمدی'' (نعتیہ)، ''خزینۂ اُخروی'' (نعتیہ) اور ''دیوانِ عشقی'' (نعتیہ) شامل ہیں۔(۳۴۶)

عشقی کے قصائد عشق وجذب کا بے ساختہ اظہار ہیں۔ اُن کا ہر قصیدہ سوسوا سو اشعار پر مشتمل ہے اور متنوع مضامین کا حامل ہے۔ اُن کے ہاں مدحیہ اور تمہیدیہ دونوں قسم کے قصائد ملتے ہیں۔ ''دیوانِ عشقی'' کے دیباچے میں بتایا گیا ہے کہ اُن کے ہر نعتیہ دیوان میں پانچ پانچ قصائد شامل ہیں۔ راقم کو انجمن ترقی اُردو کراچی کی لائبریری سے ''دیوانِ عشقی'' کا سر بریدہ نسخہ دستیاب ہوا ہے جس میں درج ذیل نعتیہ قصائد موجود ہیں:

یاالٰہی! ہے بیاں تیرا بیانِ مصطفیٰؐ بن گیا تیرا ثنا خواں مدح خوانِ مصطفیٰؐ(۳۴۷)

ہو گیا روشن شبستاں گنبدِ دوار کا ذرے ذرے میں ہے عالم مہر کے انوار کا(۳۴۸)

مطلع ہے نور کا کہ ہے روشن تر آفتاب ہے مشرقِ سخن سے نکالے سر آفتاب(۳۴۹)

فاتحِ بابِ سخن مفتاح بسم اللہ ہے گنجِ معنی حمدِ حق نعت رسول اللہ ہے(۳۵۰)

عالم کے طلسمات کا نقشہ ہی نیا ہے ہر شے سے عیاں قدرتِ حق شانِ خدا ہے(۳۵۱)

ڈاکٹر محمد کمال الدین نے عشقی کے ایک اور نعتیہ قصیدے کا ذکر کیا ہے جس کی تشبیب متنوع اشعار پر مبنی ہے:

یارب! مرا خامہ ہے کہ قدرت کا قلم ہے جو لوح کا مضموں ہے، وہ کاغذ پہ رقم ہے

مصباحِ حیا، مصدرِ دیں، مطلعِ عرفاں خورشیدِ زمیں، ماہِ عربؐ شمعِ حرم ہے

مطلوبِ ولی، مقصدِ کل، مطلبِ دارین مقصودِ روا، حامیِ دیں، دافعِ غم ہے

ذی مرتبت و صاحبِ انصاف و عدالت ذی مقدرت و بیخ کنِ ظلم و ستم ہے(۳۵۲)

اس کے علاوہ ''گلدستۂ مصطفویؐ'' معروف بہ اشعارِ عشقی'' میں دوسو چھبیس اشعار کا ایک قصیدہ ''جامع الدعوات'' کے عنوان سے ہے، اس کے دو مطلعے دیکھیے:

بیاں کیا ہو سکے ہم سے تری حمد و ثنا یارب! کہ تیری ذات بے ہمتا ہے بے چون و چرا یارب!

تو اوّل ہے مگر تجھ کو نہیں ہے ابتدا یارب! تو آخر ہے مگر تیری نہیں ہے انتہا یارب!(۳۵۳)

عشقی کا پہلا قصیدہ مدحیہ ہے جس میں آنحضرتؐ کے فضائل، داخلی کیفیات، اہل بیت سے محبت اور معجزات کا بیان ہے۔ اُن کا اسلوب رواں اور دل کش ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

عالمِ دیں، صوفی و عارف یہ سب پاتے ہیں فیض گرم ہے سارے زمانے میں دکانِ مصطفیٰؐ

باعث ایجاد یہ ، وہ خالق ایجاد ہے فرق یہ خالق میں ہے اور درمیانِ مصطفیؐ
انگلیوں سے نہر جاری ہو گئی ، تھا معجزہ سب کو کافی ہو گیا آبِ روانِ مصطفیؐ (٢٥٤)

عشقی بیس پچیس شعروں کی تشبیب کہتے ہیں؛ تشبیب میں اکثر انھوں نے گلشن میں بہار کی آمد کے اثرات بیان کیے ہیں۔ انھوں نے بہار کو استعارہ کے طور پر لیا ہے اور عناصر بہار کی رعایت سے مسلمانوں کے لیے آنحضرتؐ کی رحمت کا نقشہ کھینچا ہے۔ مراعات النظیر کے حامل دو شعر دیکھیے:

گلشن عالم میں پھیلی ہے گل وحدت کی بُو ہے مشام مومناں طبلہ بنا عطار کا
معرفت کا نور آنکھوں میں ہوا ہے جلوہ گر دفتر عرفاں بنا پتا ہے ہر اشجار کا (٣٥٥)

ایک جگہ اپنے جوش عشق اور داغِ دل کا آفتاب سے تقابل کیا ہے۔ ''آفتاب'' کی ردیف سے ایک سو اکتیس کے قریب شعر متنوع مضامین کے نکالنا عشقی کی قادرالکلامی کا ثبوت ہے۔ یہ اشعار تخیل کی بلند پروازی کے حامل ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اُن کی تشبیہات میں نئے پن کے ساتھ ابلاغ کا پورا اہتمام ملتا ہے۔ اُن کا کلام ابہام سے کوسوں دور ہے۔ اس قصیدے کا گریز بھی کمال کا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

ہو گا نہ داغ عشق کو میرے کبھی زوال تشبیہ میں لکھوں میں بھلا کیوں کر آفتاب
ایمان و عشق ، مہر و وفا کا ہے اس میں نور رکھتا ہے مثل دل کے کہاں جوہر آفتاب
ہے قدرتِ خدا کے چمن کی عجب بہار جس میں ہے ایک تازہ گل احمر آفتاب
سوئے گا مست بستر غفلت پہ کب تلک بیدار ہو کہ آ گیا اب سر پر آفتاب
کہہ ساقیِ الست سے اے ساقیِ کریمؐ! دے جامِ آفتاب میں اب بھر کر آفتاب (٣٥٦)

ایک جگہ حمد باری تعالیٰ سے آغاز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت، بڑائی، فضل اور احسانات کا ذکر کیا ہے۔ انھیں احسانات میں مسلمانوں کو آنحضرتؐ کی امت بنانا ہے جو حبیب داور ہے اور رحمت للعالمین ہے۔ پانچویں قصیدے کی تشبیب آنحضرتؐ کی آمد کے بعد زمانے میں امن و آشتی، محبت و ایثار اور عدل و انصاف کی فضا کا خوب صورت منظر نامہ ہے۔ سادگی، سلاست اور روانی کے ترجمان چند اشعار دیکھیے:

بدلی ہے ہوا گلشن ایجاد کی ایسی جو صر صر غم تھی وہی عشرت کی صبا ہے
ہر ایک کو ملتا ہے ثمر مقصدِ دل کا جو نخل تمنا کا ہے، وہ پھولا پھلا ہے
جمتی ہی نہیں لاکھ پڑے گرد کدورت کیا صل علیٰ آئنہ دل کی صفا ہے
ہر چار طرف عالم امکاں میں جو دیکھو شادی و خوشی ، بہجت و تفریح بپا ہے (٣٥٧)

اُن کے قصائد سے مضامین کی وسعت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ یہی امر اُن کے وسیع مطالعہ

اور سرشاری عشقِ رسولؐ کی بھی خبر دیتا ہے۔اُن کے مضامین نعت افراط وتفریط سے بالاتر ہیں۔اُن کے قصائد کا ایک نمایاں وصف جذبۂ عشقِ رسولِ کریمؐ ہے۔اُن کے اشعار میں ایک صوفی کی تڑپ واضح دیکھی جاسکتی ہے۔انھیں عظمتِ رسولؐ کے بنیادی حوالے ازبر ہیں۔انھوں نے آنحضرتؐ کی افضیلت اور برتری کو ہر جگہ پیشِ نظر رکھا ہے اور قرآن وحدیث کو اپنے دلائل کا ماخذ بنایا ہے۔اُن کے ہاں حقیقت نگاری کا غلبہ نظر آتا ہے۔البتہ زبان وبیان میں تخیل کی کارفرمائی اسلوب کو تازگی عطا کرتی ہے:

زیبندہ ترے قد پہ رسالت کی قبا ہے(۳۵۸) اخلاق ترے دیکھ کے کہتے ہیں پیمبر
اور زیب بدن اُن کے عبادت کی عبا ہے(۳۵۹) ہے شکر کا عمّامہ ، تواضع کا ہے طرّہ
ہمراہ لے کے نور کا اک لشکر آفتاب(۳۶۱) جاتا ہے روز شہؐ کی زیارت کے واسطے
مہتاب ہو چراغ نبی ، مجمر آفتاب(۳۶۱) منظور ہو تو آپؐ کے دیوانِ پاک میں
طول کی حاجت نہیں کچھ قصہ بس کوتاہ ہے(۳۶۲) اوّل و افضل ہیں سب سے مصطفیؐ بعد خدا

مدح میں شاعر نے اہل بیت سے بھی محبت کا اظہار کیا ہے۔عشقی کا دوسرا قصیدہ ''انوار کا'' کے ردیف قافیے میں مکمل منقبت علیؓ میں ہے۔اگلے دو قصائد میں بھی نعت کے بعد حضرت علیؓ کے مناقب ہیں لیکن حفظ مراتب کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔طرزِ بیان اور القاب عین موزوں ہیں اور مضامین حقیقی ہیں۔منقبت کے چند اشعار دیکھیے:

قوۃ اللہ ہے، یداللہ ہے، یہ سیف اللہ ہے زورِ بازو سے انھیں کے دینِ احمدؐ ہے قوی
یہ جدھر ہیں ،حق اُدھر ہے، واللہ ہے، باللہ ہے حق علیؓ کے ساتھ ہے، یہ ہے حدیثِ مصطفیؐ
مصطفیٰ بہر مدد ، حاجت روا اللہ ہے(۳۶۳) ڈر نہ عشقی ، ہیں علیؓ مرتضیٰ مشکل کشا

شعر میں مرکزی اہمیت بھلے خیال کو حاصل ہے مگر جب تک اسے خوب صورت لفظی پیکر نہ عطا کیا جائے یہ قابلِ توجہ نہیں ٹھہرتا۔الفاظ کے چناؤ کے بعد جب شاعر انھیں فنی مہارت سے کام میں لاتا ہے تو شعر کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔عشقی کے ہاں خیال کی ندرت اور جذبے کی شدت کے ساتھ طرزِ ادا کی تازگی بھی موجود ہے۔انھوں نے اپنے کلام میں رعایت لفظی، مراعات النظیر ،صنعت عکس، تضاد، تکرار، حسن تعلیل، صنعت جمع اور علم بیان سے جاذبیت کا عنصر پیدا کیا ہے۔اُن کی فنی مہارت کے ثبوت میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

جو شاہِ زمانہ ہے، وہ اس در کا گدا ہے(۳۶۴) اُس در کا گدا جو ہے وہ ہے شاہِ زمانہ
مار مثل مور ہے اور کوہ مثلِ کاہ ہے (۳۶۵) ہمت عالی ہے اُن کی وہ کہ جس کے سامنے

کیا ہی برکت ہے قدوم پاک کی جس کے سبب بن گئی رُوئے زمیں یہ سب عبادت گاہ ہے(۳۶۶)
بے شک نبیؐ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں سب ارض و سما و قطب و مہ و اختر آفتاب (۳۶۷)
جھاڑو کرن کے لے کے نکلتا ہے صبح دم ہے خاکروبِ روضۂ پیغمبرؐ آفتاب(۳۶۸)

31-طالب ملتانی:

طالب ملتانی کا اصل نام خدا بخش ہے۔ وہ ۱۸۶۴ء(۱۲۸۴ھ) میں ملتان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وتربیت ملتان ہی میں حاصل کی۔ شاعری میں انھوں نے جناب شوق نیموی عظیم آبادی سے بذریعہ ڈاک اصلاح لی(۳۶۹)۔ ان کا کلیات 1893ء میں قومی پریس لکھنو سے شائع ہوا۔ ''حدائقِ نعت خوانی'' میں طالب ملتانی کا نعتیہ قصیدہ باون اشعار کو محیط ہے۔ مطلع دیکھیے:

ازل کے روز سے میرا وہ برگشتہ مقدر ہے نہیں آرام اک ساعت برنگ چرخ چکر ہے(۳۷۰)

اس قصیدے کی تشبیب میں انھوں نے اپنے مقدر کی سختی کا موضوع قلم بند کیا ہے۔ اُن کا دل غم وآلام دنیا سے نجات نہیں پا سکا۔ منزل کی جستجو ہے مگر ناکامی کا سامنا ہے۔ انھوں نے رنج و وحشت کا نقشہ بڑے خوب صورت انداز میں کھینچا ہے۔ یہ اشعار رعایت لفظی، پیکر تراشی، تشبیہ و استعارہ اور سوز وگداز سے توانائی حاصل کرتے نظر آتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

حباب آسا ہے کیفیت مری اس بحر ہستی میں مجھے بادِ نفس کی آمد وشد سے بھی اک ڈر ہے
کھلا ہرگز نہ میرا غنچۂ دل موسم گل میں مری دل بستگی پر خندہ زن ہر گل مکرر ہے
تعلق مجھ کو جب سے ہو گیا ہے زلف جاناں سے مجھے ہر دم پریشانی برنگ سنبل تر ہے
میں کیوں کر چین سے سوتا کسی شب ایک ساعت بھی بجائے فرش مدت سے مجھے کانٹوں کا بستر ہے(۳۷۱)

غم واندوہ کی اس کیفیت کا باعث ہجر پیغمبرؐ ہے، وہ پیغمبرؐ جو اُمت عاصی کا شفیع ہے۔ یہیں سے گریز کیا ہے جس میں ارتباط وہم آہنگی موجود ہے۔ گریز کے اشعار دیکھیے:

سنائی ہے جو میں نے آج اپنے غم کی کیفیت حقیقت میں یہ سب افسانۂ ہجر پیمبرؐ ہے
پیمبر وہ محمدؐ نام ہے جس کا دوعالم میں پناہ اُمت عاصی شفیع روز محشر ہے(۳۷۲)

طالب ملتانی خوش عقیدہ شاعر ہیں۔ انھوں نے دینی تقاضوں کے مطابق آنحضرتؐ کے فضائل بیان کیے ہیں۔ اُن کے نزدیک آنحضرتؐ اقلیم رسالت کے شہ باز ہیں؛ امت عاصی پر اللہ کا احسان ہیں؛ کائنات کی تخلیق کا باعث ہیں؛ انبیا کے امام ہیں؛ صاحب معراج ہیں اور آپؐ کی بدولت

دنیا سے ظلمت کا خاتمہ ہوا۔ اُن کے مضامین نعت افراط وتفریط سے پاک ہیں اور آپؐ سے عشق کی داستان لیے ہوئے ہیں۔ فضائل رسولؐ پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہر اک اعلیٰ سے اعلیٰ ہے، ہر اک افضل سے ہے افضل ہر اک اچھے سے اچھا ہے، ہر اک بہتر سے بہتر ہے
اسی نے دُور کی ہے کفر کی ظلمت زمانے سے وہی چرخِ نبوت کا مقرر مہر انور ہے
خدا سے بخشوائے گا وہی ہر ایک عاصی کو لقب اس کا دوعالم میں شفیع روزِ محشر ہے
کیا ہے مجھ کو پیدا ایسے پیغمبرؐ کی امت میں یہی مجھ پر بڑا احسان ذات رب اکبر ہے(۳۷۳)

اُن کے قصیدے میں دعا کا خصوصی اہتمام ہے۔ انھوں نے زمانے میں عیش ونشاط کے چلن قائم رہنے تک اپنے دیوان کی شہرت اور مقبولیت کی دعا مانگی ہے۔ اشعار دیکھیے:

ہے جب تک یہ نشاط وعیش کا عالم زمانے میں خرابات جہاں میں گردش مے دور ساغر ہے
مرا دیوان مقبول شہِ انا فتحنا ہو پڑھے وہ اس کو جو دل دادۂ نعت پیمبرؐ ہے(۳۷۴)

طالب ملتانی کا شعری اسلوب سادگی پر مبنی ہے۔ انھوں نے مشکل تراکیب اور بلند و بانگ الفاظ سے گریز برتا ہے۔ اُن کے ہاں قصیدے کی روایتی جلالت مفقود ہے، البتہ قصیدے کے چاروں عناصر پوری توانائی کے ساتھ موجود ہیں۔ دعا میں بارگاہ الٰہی میں مناجات کے اشعار سے ظاہر ہے کہ وہ توحید ورسالت کے تقاضوں سے آگاہ ہیں۔

32- محمد شرف الدین شرف: (پ: ۲۴ جنوری ۱۸۷۸ء)

سید ابوالفتح محمد شرف الدین شرف الحسینی ۲۱ محرم ۱۲۹۵ھ کو ڈھاکہ میں مولوی سید فقیہ الدین حسین کے گھر پیدا ہوئے۔ اُن کا گھرانہ انگریز سرکار کی نگاہ میں قدر ومنزلت کا حامل تھا۔ انھوں نے بنگالہ کے ایک شاعر سید محمود آزاد سے اصلاح لی۔ (۳۷۵)

شرف کے مجموعے ''گلستان شرف'' میں محسن کاکوروی کی زمین میں پینتالیس اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔ اس کی تشبیب بہاریہ ہے۔ اندازِ بیان بھی رواں اور مرصع ہے۔ چمن کی صفائی، بہار کی قوت نامیہ، سبزۂ مخمل، زمین صندل اور ابر نیساں کے مضامین نازک خیالی، منظر نگاری، تشبیہ کاری اور مبالغہ آرائی کے آئنہ دار ہیں۔ اس کے باوجود اس خوب صورت بہاریہ تشبیب کو محسن کے ساتھ نہیں ملایا جاسکتا۔ بہر حال اس میں اس دور کے قصائد کی سبھی خوبیاں موجود ہیں۔ مطلع سمیت چند اشعار دیکھیے:

مٹ گئی فصل خزاں دیکھ کے اُٹھتا بادل ہو گیا بادِ بہاری کا زمانے میں عمل

کس کی آمد ہے کہ آنکھوں پہ قدم لینے کو دُور تک دشت میں سبزہ کی بچھی ہے مخمل
جگمگاتے ہوئے تارے یہی دیتے ہیں پتا کہ کسی شوخ کا بیٹھک ہے فلک شیش محل
نفس بادِ بہاری کہ دم عیسیٰ ہے زندہ دم بھر میں ہوئے مردے جو تھے دشت وجبل
صحن گلشن میں ہے یہ فرط صفا کا عالم کہ نگاہوں کے قدم پڑتے ہی جاتے ہیں پھسل(۳۷۶)

تشبیب کے بعد پانچ اشعار کی غزل گریز کے طور پر کہی ہے۔ پھر مطلع ثانی اور ثالث میں مدح ہے جس کے آخر میں شفاعت کی دعا مانگی ہے۔ مدح میں آمد مسعود کے معجزات، فضائل رسولِ کریمؐ، دین اسلام اور شاعر کے داخلی جذبوں کا بیان ہے۔ اُن کا لہجہ پُر تاثیر اور زبان صاف اور شستہ ہے۔ صنائع بدائع اور علم بیان کا عمدہ استعمال بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ اُن کے شعری اسلوب کے بارے میں رضا علی وحشت یوں رقم طراز ہیں:

''زبان کی صفائی کے ساتھ لفظوں کی بندش اور ترکیبوں کی چستی کا خیال رکھتے ہیں اور چوں کہ دل والے ہیں کلام میں تاثیر بھی ہے۔ لفاظی سے انھیں پرہیز ہے۔ شعر کی معنوی خوبیوں کی طرف اُن کی طبیعت کا میلان ہے اور نہایت ہی پُر لطف انداز میں اپنے خیالات رنگین کا اظہار کرتے ہیں۔''(۳۷۷)

شرف کی زبان کی چاشنی اور بیان کی دل کشی نے روایتی مضامین کو بھی تازگی عطا کر دی ہے۔ مثالیں دیکھیے:

سرمۂ خاک قدم نے ترے اے نورِ قدم! چشم عالم سے کیا دُور ضلالت کا سُبل
نام تیرا ہے کلیدِ درِ گنجِ اوصاف تو محمدؐ تجھے زیبا ہیں محامد کے حُلل
تیری نوبت ہے اذاں خانۂ ایزد درگاہ حکم ہے تیرا حِکَم، نطق ہے وحی منزل
ہے اطاعت ترے فرماں کی اطاعت حق کی چلتی ہے تیرے اشارے پہ کل آفاق کی کل
قبلۂ اہلِ نظر دونوں جہاں کے سرورؐ میرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل(۳۷۸)

شرف کے ہاں قصیدہ نگاری کا مکمل شعور دیکھنے میں آیا ہے۔ اُن کی قادرالکلامی میں کوئی دو رائے نہیں۔ اسلوب کی جاذبیت اور بیان وبدیع اُن کی نمایاں صفات ہیں۔

33- مرزا عزیز فیضانی: (م:۳۰ جون ۱۹۴۵ء)

مرزا عزیز فیضانی، مولانا مودودی کے عقیدت مندوں میں سے ہیں اور ایک مذہبی گھرانے

سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ مرزا شیر عالم کے ہاں دارا پور میں ۲۱ مئی ۱۹۰۰ء کو پیدا ہوئے۔(۳۷۹) عزیز فیضانی کا کلام ان کے بیٹے ڈاکٹر مرزا محمد بیگ نے اُن کی وفات (۳ جون ۱۹۴۵ء) کے پچیس تیس برس بعد ''متاعِ عزیز'' کے نام سے چھپوایا۔ اس میں ''قصیدہ عزیز'' موجود ہے جس کا مطلع یوں ہے:

لائے ساقی مے یثرب سے دو ساغر بھر کر　　کم نہ ہو جائے کہیں ذوق ثنائے دلبر(۳۸۰)

سو سے زائد اشعار کے اس قصیدے میں عزیز نے پانچ اشعار کی مختصر تشبیب میں انسان کی افضلیت بیان کرنے کے بعد مدح کی طرف رجوع کیا ہے۔ یہ قصیدہ عشق و محبت کے جذبات کا بے ساختہ اظہار ہے اور اس عشق کو توانائی ہجر کے گداز نے عطا کی ہے۔ دعا کے حصہ سے مہجوری کے جذبات پر مبنی اشعار ملاحظہ ہوں جن سے شاعر کی تڑپ عیاں ہے:

دیدۂ تر کو جو روضے کی زیارت ہو نصیب　　موتیوں کی ترے مرقد پہ چڑھائے چادر
دل غم ہجر سے چھلنی ہے ، جو یثرب پہنچے　　لے بلائیں وہ ترے روضے کی جالی بن کر
نعت کاغذ پہ، تڑپ دل میں، سرشک آنکھوں میں　　نذر دربار میں لایا ہے عزیزؔ مضطر(۳۸۱)

یہ قصیدہ موضوعات کے لحاظ سے تنوع رکھتا ہے۔ شاعر کا مطالعہ وسیع ہے اور جذبات عقیدت وافر ہیں۔ سو میں سے نوے سے زائد اشعار میں مدحِ رسولؐ بیان ہوئی ہے۔ آنحضرتؐ کا خلق، عظمت، سیرت ، سیاست، توحید، معراج، معجزات، حسن سلوک، تحمل، عفو و درگزر، مساوات، انصاف اور رحمت و رافت جیسی صفات شاعر کی توجہ کا مرکز ٹھہری ہیں۔ آپؐ کی تعلیمات، انقلاب اور مناقب صحابہ ان پر مستزاد ہیں۔ عزیز کے ایک ایک شعر میں اُن کا دل دھڑکتا نظر آتا ہے۔ اگرچہ اُن کا خطاب براہِ راست ہے لیکن عقیدت میں کمی نہیں آنے پائی۔ زورِ بیان اور جوشِ عقیدت سے مملو چند اشعار دیکھیے:

تو رسولِ عربی، تو دو جہاں کا والی　　تو امام رسل اور شافع روز محشر
سید و رہبر و سرتاج و امیر کونین　　بندہ و عاشق و محبوب خدائے برتر
خُلق بنیاد تری ، خُلق بھی پھر خلق عظیم　　نام رحمت ترا، رحمت بھی وہ جو ہے سب پر
خُلق و حلم و کرم و صدق و صفا کا پتلا　　غیرت و جرأت و اخلاص و حیا کا پیکر
حامی و مونس و غم خوار و انیس عشاق　　داروئے درد جگر ، راحت قلب مضطر(۳۸۲)

عزیز فیضانی نے مدح میں حقیقت نگاری کو مقدم رکھا ہے۔ اُن کے ہاں مبالغے پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔ جہاں انھوں نے آنحضرتؐ کی صفات بیان کی ہیں، دلائل سے انھیں ثابت بھی کیا ہے۔ یوں اُن کے کلام میں استناد کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے کچھ سوال اُٹھائے ہیں

اور پھر خود ہی ان کا جواب بھی دیا ہے۔ یہ مدلل انداز بیان انھیں ایک جداگانہ اسلوب عطا کرتا ہے۔ یہاں وہ صنفِ نعت کے ایک نقاد کے رُوپ میں سامنے آئے ہیں۔اُن کے نزدیک نعتیہ شاعری محمود ہے کیوں کہ یہ سچائی پر مبنی ہے۔ مدح رسولؐ وصف کائنات ہے اور یہ مبالغے سے پاک بھی ہے۔انھوں نے ذیل کے اشعار میں اس کا جواز یوں پیش کیا ہے:

شاعر و واعظ و صوفی و ادیب و منشی تیری توصیف میں ہر اک نے دکھائے جوہر
اس پہ پھر لطف کہ تعریف غلو سے خالی نہ خوشامد کے خیالات نہ کچھ خواہشِ زر
نہ کوئی قصہ خیالی ، نہ کہانی فرضی نہ کوئی جھوٹ کی باتیں نہ خیال بے پر
خوبیاں تیری جو کرتے ہیں بیاں اہل بیاں تجھ میں موجود ہیں سب بل کہ ہیں ان سے بڑھ کر
کون بے فائدہ کرتا ہے کسی کی تعریف اس کو ممدوح میں جب تک نہ ملے کوئی ہنر (۳۸۳)

آنحضرتؐ کی شان محبوبیت کے کیا کہنے کہ آپؐ خالق کائنات اور اہلِ ایمان سب کو محبوب ہیں۔شاعر نے آپؐ کی محبوبیت کا تقابل اہل دنیا کے راہنماؤں سے کیا ہے اور دنیا کو حقیقت کا آئینہ دکھایا ہے کہ دنیا میں جتنے جان نثار اور چاہنے والے آپؐ کے ہیں، کسی اور کے نہیں۔اس کے ساتھ ہی انھوں نے اہلِ عشق کے احوال کی بھی حقیقی ترجمانی کی ہے:

جتنے عشاق ہوئے ہیں ترے، ہوں گے اور ہیں اتنے سب راہنماؤں کے نہ ہوں گے مل کر
جس نے پایا ہے مزا مہر و محبت کا تری اس کو محبوب ہے تو جان و جہاں سے بڑھ کر
تو ہے وہ شمع کہ پروانہ ہے جس کا عالم تو وہ خورشید ہے ، خورشید بھی ہے جس کا قمر
تو وہ محبوب ہے جس پر ہیں فدا ارض و سما جس کو دل دینے میں ایماں ہے تو وہ ہے دلبر
تجھ کو سمجھے ہیں خدا سے بھی زیادہ محبوب کیف الفت میں گئے ہیں ترے عشاق کدھر (۳۸۴)

عزیز فیضانی کے قصیدے کے موضوعات کا دائرہ وسیع ہے۔ اسلام اور صاحب اسلام کی سیرت کے مطالعہ نے ان موضوعات کو استناد بخشا ہے۔مناقب صحابہؓ میں بھی ان کا انداز بیاں نعت کے پیرائے سے ہم آہنگ رہتا ہے۔ وہ توحید و رسالت کے تقاضوں سے بخوبی واقف ہیں اور اس کی پاسداری اس قصیدے میں نظر آتی ہے۔اُن کا اسلوب سادگی، روانی اور زورِ بیاں کا حامل ہے جسے حقیقت نگاری نے چار چاند لگا دیے ہیں۔انھیں شعری تلازمات پر عبور حاصل ہے اور صنائع میں صنعت جمع کی عمدہ مثالیں اُن کے ہاں عام دستیاب ہیں۔اُن کے کلام کی روح جذبۂ عشق ہے جسے وہ الفاظ کی زبان دینے میں یقیناً کامیاب ہوئے ہیں۔اس قصیدے کو پڑھ کر دل میں عشق کے جذبے جاگ اٹھتے

ہیں جو شاعر کی صداقت کے غماز ہیں۔

34-شاطر مدراسی: (م:۱۹۴۳ء)

شاطر مدراسی کا اصل نام نواب محمد عبدالرحمان ہے۔ وہ مدراس میں مولوی عبدالغنی خان امیر کے ہاں پیدا ہوئے۔ پیشے کے لحاظ سے مدرس تھے۔ اُن کے قصائد کے کئی مجموعے منظر عام پر آئے۔ ان میں ''گلدستہ شاطر مدراسی، قصیدہ اعجازِ سخن، اعجازِ عشق اور ضمیمہ اعجازِ عشق'' شامل ہیں۔ اُن کا ایک قصیدہ ''اعجازِ عشق'' تیرہ سو چھیانوے شعروں پر مشتمل ہے۔ اس کی وجہ شہرت اس کے فلسفیانہ موضوعات ہیں۔ اس قصیدے کو اگر فلسفے کی عہد بہ عہد تاریخ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس میں انھوں نے نہایت سادگی اور عام فہم انداز میں فلسفے کے پیچیدہ نکات بیان کر دیے ہیں۔ انھوں نے اسلام کے سماجی، ملّی اور اُخروی زندگی کے فلسفے کو تمام فلسفوں سے موازنے کے بعد فوقیت دی ہے۔ اُن کا طرزِ استدلال اور وسعت علمی اہل نقد و نظر سے بے پناہ داد پا چکا ہے۔ انھیں ''لسان الحکمت'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ چونکہ انھوں نے اسلام کی حقانیت کو موضوع بنایا ہے اس لیے اس میں نعت کے مضامین بھی آ گئے ہیں۔ ''اعجازِ عشق'' کا مطلع دیکھیے:

سونے والوں کو عدم سے کھینچ کر لاتا ہے یار　　طرفہ شوخی یہ ہے سر پہ ان کے رکھ دیتا ہے بار(۳۸۵)

اسی قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں آنحضرتؐ کے اوصاف و عظمت کے حوالے موجود ہیں:

روز افزوں ہے زمیں پر عقل انساں کی بہار　　مقصد تخلیق احمدؐ ہو رہا ہے آشکار

زندگی میں کاش! اسپنسر پہ کھلتا راز وحی　　ماننا پڑتا اُسے اسلام کو بے اختیار

علم ادریسی جدا ہے، علم تدریسی جدا　　اللہ اللہ امی و ام الکتاب و ریگ زار(۳۸۶)

اس کے علاوہ اُن کے دو نعتیہ قصائد بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ یہ قصائد زبان و بیان کی چاشنی، زور بیان اور قدیم رنگ سخن کے حامل ہیں۔ ایک قصیدے کی تشبیب میں ہجر گزیدہ عاشق کے احوال اور دم نزع محبوب سے ملنے کی تڑپ اور بے قراری کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نوحہ خوانی، دل سوزی اور آہ و فغاں کا نقشہ کھینچنے میں شاعر کو قدرت حاصل ہے۔ اس میں محبوب کے حسن کی شوخی کے مقابل عشق کی شوریدہ سری کو پیش کیا گیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

دیکھ لی ہجر میں ساقی کے، مری نوحہ گری　　آج گرمائے گی پہلو مرا شیشہ کی پری

دل جلوں کا ہے ترے دم سے کلیجہ ٹھنڈا رکھے اللہ سلامت تجھے داغ جگری
نزع میں بھی مجھے اک پردہ نشیں کی ہے تلاش راز افشا کیے دیتی ہے پریشاں نظری
آبرو پر تری پھر جائے گا پانی اے ابر جوش پر آئے گی جس دم مری آنکھوں کی تری(۳۸۷)

دوسرے قصیدے کی تشبیب بہاریہ ہے جس میں مرغان چمن کے زمزمے ہیں، قوتِ نامیہ کی معجزہ کاری ہے، بادِ نسیم کی تجسیم کاری ہے اور سبزۂ باغ کے جوبن کا بیان مرصع اور رنگین پیرائے میں کیا گیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

کالی کالی وہ گھٹائیں ،وہ ہوائیں ٹھنڈی آج پیران کہن سال بھی ہے توبہ شکن
ٹپکی پڑتی ہے رگ ابر بہاری سے شراب چھیڑتے ہیں اسے گا گا کے جو مرغان چمن
قوت نامیہ کا اب کے ہے کچھ اور ہی رنگ سبزۂ باغ کو دعویٰ ہے کہ ہوں سرو چمن
گل شاداب پہ ہے عارض عذرا کی بہار سنبل باغ پہ ہے کاکل لیلیٰ کی پھبن(۳۸۸)

انھوں نے مدح میں آنحضرتؐ کی سیرت طیبہ اور عظمت ورفعت کے پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔ اُن کے ہاں حفظ مراتب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بلند آہنگ لہجہ اور نازک خیالی کا عنصر تشبیب کی طرح مدح کے مضامین میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

رحمتِ عام کے باعث ہے تری نام وری تیرے قربان میں، اے شافعِ جرم بشری
ناخنِ فکر سے حل کر دیے عقدے سارے سامنے تیرے ہے مانند بدیہی نظری
علتِ غائیِ ایجادِ دو عالم تری ذات معنوی اس میں فضائل ہیں بھرے اور صوری
جلوہ گر سینہ میں ہے داغ محبت تیرا اس کی گرمی ہے میرے جسم کی رگ رگ میں بھری(۳۸۹)

شاطر مدراسی کا شعری اسلوب زورِ بیان اور قصیدے کے روایتی شکوہ لفظی سے عبارت ہے جس میں علم بیان کا عمدہ استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔ اس میں رعایت لفظی، تضاد، تقابل اور مبالغہ آرائی سے مضمون آفرینی کی صورتیں پیدا کی گئی ہیں۔ وہ الفاظ کی رعایت سے مضمون میں تاثیر اور تازگی بھر دیتے ہیں۔ ''اعجازِ عشق'' میں اگرچہ فکر وفلسفہ ساتھ ساتھ چلتے ہیں مگر پھر بھی ابلاغ میں کمی نہیں آنے دی۔ اُن کی قادرالکلامی اور جوش بیان اُن کے قصائد کی نمایاں صفات کے طور پر سامنے آئی ہیں۔

35- نظام الدین نظامی: (م: ۱۹۴۷ء)

نظامی بدایونی ۱۸۷۲ء میں پیدا ہوئے ، وہ نسبی طور پر صدیقی ہیں۔ اُن کے والد کا نام

فخر الدین صدیقی ہے۔ نظامی نے اخبار ذوالقرنین نکالا اور نظامی پریس کا آغاز کیا۔ شاعری میں بے خود دہلوی اور حالی سے مستفید ہوئے۔ بے شمار کتابیں مرتب کیں۔ اُنھوں نے ۸ جون ۱۹۴۷ء کو وفات پائی۔ اُن کا مجموعہ ''تجلیات سخن'' نعتیہ قصائد سے مرصع ہے۔ وہ ''نبی خانہ بدایوں'' میں میلا دالنبیؐ کے موقعہ پر ہر سال ایک نظم پڑھا کرتے تھے۔ یہی گیارہ نظمیں اصل میں اُن کے نعتیہ قصائد ہیں جن کے مطالع درج ذیل ہیں:

جسے ہم دیکھتے ہیں آج محو شادمانی ہے — مۓ عشرت کا نشہ ہے کہ، چہرہ ارغوانی ہے(۳۹۰)
ہم ہیں اور رات دن کی ہے آفت — ہم ہیں اور اپنی گردشِ قسمت(۳۹۱)
دلوں میں ہے اک جوش، لب پر ہیں نالے — نبیؐ خانہ میں آئے ہیں درد والے(۳۹۲)
گھٹا گھنگھور تھی اُمڈے ہوئے تھے جہل کے بادل — اندھیرا چھا رہا تھا ہر طرف کفر وضلالت کا(۳۹۳)
نظامی خیر تو ہے گھر سے کیوں نکلے ہو تم باہر — تمھارے پاؤں کی زنجیر بھی کیا بن گئی چکر(۳۹۴)
کیا ہوئی وہ شان و شوکت کیا ہوا بخت جواں — مٹ گیا دور ترقی ساز وساماں ہیں کہاں(۳۹۵)
یہ دہر میں ہے تقاضائے گردشِ ایام — نمودِ صبح سے ہو جلوہ ریز رحمت عام(۳۹۶)
پایا کبھی نہ منزل مقصود کا نشاں — آوارہ گردیوں میں ہوئی عمر رائیگاں (۳۹۷)
وہی محفل ہے، وہی ہم ہیں، وہی منظر ہے — بارک اللہ کہ پھر جشن نبیؐ کے گھر ہے(۳۹۸)
آیا ہے مہ مولد، ہے جوشِ سخن دانی — عشاقِ نبی خانہ، ہیں محوِ غزل خوانی(۳۹۹)
سبب کیا ہے نبی خانے میں ہے کیوں محفل آرائی — فضائے قدس کا جلوہ بھی ہے جس کا تماشائی(۴۰۰)

یہ قصائد چوں کہ میلا دالنبیؐ کی محفل میں پیش کرنے کے لیے لکھے گئے ہیں، اس لیے ان کی تشابیب میں آنحضرتؐ کی آمد کے خوش گوار اثرات اور آمد رسولؐ سے پہلے دم توڑتی انسانیت کا بیان موجود ہے۔ اس کے علاوہ اُن کے ہاں عہد موجود کے مسلمانوں کی بے کسی کے ماتم اور ''نبی خانہ'' کے خدام کی مہمان نوازی، محفل کی آرائش وزیبائش، جوش مسرت اور وفورِ عشق کے جذبات نظر آتے ہیں۔ انھوں نے عشقیہ مضامین سے احتراز کیا ہے اور جودت طبع اور شاعرانہ خلاقی کے جوہر دکھانے کے بجائے مقصدیت کو پیش نظر رکھا ہے۔ مقصدیت کا غلبہ بعض جگہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ تین چار اشعار میں ہی تشبیب نمٹا دیتے ہیں۔

اُنھوں نے بار بار اپنے عقیدے کا اظہار کیا ہے کہ محفل میلاد میں آنحضرتؐ خود تشریف لاتے ہیں۔ میلاد کی محفل کی تیاری کے حوالے سے نظامی نے منظر نگاری پر بھی خاطر خواہ توجہ دی ہے۔

چند اشعار دیکھیے:

کہیں گل ہائے رنگیں ہیں کہیں خوش رنگ گل دستے در و دیوار پر پھبتا ہے کیسا کاغذی زیور
اگر کی بتیوں سے ہے معطر انجمن ساری دل سوزاں کو ٹھنڈک دیتی ہے لوبان سے مجمر
تنا ہے شامیانہ سر پہ الطافِ الٰہی کا یہ جلوہ بزم اقدس کا ہے یا ہے خلد کا منظر
مبارک ہو تمھیں اے حاضرینِ محفل اقدس! حجابِ قدس کے پردے کھلیں گے تم پہ سرتاسر(۴۰۱)

اُن کے قصائد بیس سے تیس چالیس شعروں پر مبنی ہیں، اس لیے اُن کے گریز بھی مختصر ہی ہوتے ہیں یہ ضرور ہے کہ وہ قصیدے کے فنی لوازمات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اُن کے گریز مختصر مگر بے ساختہ، رواں اور ہم ربط ہیں۔ ایک قصیدے سے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

یہ ہے بزم میلاد اُن کی جنھوں نے توحّد کے سانچے میں انسان ڈھالے
پڑی دہر میں شور وحدت سے ہل چل تزلزل میں آئے کلیسا، شوالے
چلے اس طرح بادِ عرفاں کے جھونکے کہ اُڑتے پھرے فلسفے کے رسالے(۴۰۲)

مدح میں نظامی بدایونی نے حضور اکرمؐ کی آمد اور اصلاح معاشرہ کے پہلوؤں پر زیادہ زور دیا ہے۔ آنحضرتؐ کی آمد مبارک سے بت پرستی اور جہل کا خاتمہ ہوا۔ حسد، نفاق اور ظلم کی اسلامی معاشرے میں جگہ نہ رہی اور عدل کا دور دورہ ہوا۔ آپؐ نے فقر اور سادگی کو زندگی کے چلن کے طور پر اختیار کیا۔ آپؐ کی تشریف آوری کو نظامی وقت کا اولین تقاضا قرار دیتے ہیں اور آپؐ کا لایا ہوا ہمہ جہت انقلاب ،انسانیت کے دکھوں کا مداوا ہے۔ مثالیں دیکھیے:

زبان پاک سے نکلی صدائے آزادی رہا قفس نہ گرفتاریاں ، نہ حلقۂ دام
سیاسیات میں بے مثل آپؐ کی رائیں معاملات میں بے لوث آپؐ کے احکام
صفائے روح تھی وحدت پرستیِ ملت بقائے امن تھا، آئین و عدل کا انجام
نہ فرش ہائے مکلّف نہ پردۂ رنگیں نہ گھر میں کوئی سجاوٹ نہ رونق در و بام
نہ تاج و تخت کی پروا نہ حاجتِ درباں مگر تھے زیر نگیں قوم کے صغار و عظام
دکھائی شان حکومت گلیم پوشی میں نہ تھی نمائش کسریٰ نہ شوکت بہرام
یہ تھا حضورؐ کی آمد کا مقصد اعظم کہ دیں تمام خدائی کو دعوت اسلام(۴۰۳)

نظامی نے نعتیہ قصیدہ نگاری کو محض اظہار عقیدت کے وسیلے کے طور پر نہیں لیا بل کہ اس سے انھوں نے سیرت طیبہ کے پرچار اور اسلام کی اشاعت کا کام بھی لیا ہے۔ ان کا مقصد اسلام کی سچی تصویر دنیا

کے سامنے پیش کرنا ہے۔ اُن کی مقصدیت کا دوسرا پہلو امت مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی پر گہری تشویش کا اظہار ہے جس کے ذریعے وہ مسلمانوں میں اصلاح نفس کا جذبہ بیدار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے زوال خوردہ حال اور تاب ناک ماضی دونوں کا مکمل شعور رکھتے ہیں۔ یہاں وہ ایک ہمدرد ملت اور نباض فطرت کے روپ میں سامنے آئے ہیں اُن کے یہ اشعار دردمندی اور سوز و گداز کے مظہر ہیں۔

ہم ایک تماشا ہیں عالم ہے تماشائی نیرنگی عبرت ہے انداز پریشانی
یا غم کدہ یکسر ہے محروم شعاعوں سے یا مہر و مہ گردوں کرتے تھے نگہ بانی
وہ مرتبہ حاصل تھا ہم خاک نشینوں کو نظروں میں نہ جچتی تھی کچھ شوکت ساسانی
اک بات سمجھتے تھے ہم دبدبہ کسریٰ کا اک کھیل سمجھتے تھے اورنگ سلیمانی
قائم ہے نہ وہ شوکت باقی ہے نہ وہ ہمت ہر چیز گنوا بیٹھے ہم واہ رے نادانی (۴۰۴)

نظامی کے قصائد میں مسلمانوں کی زبوں حالی کے پیش نظر بارگاہِ رسالتؐ میں استغاثہ و استمداد کا رُجحان نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ مدح اور دعا میں حضور نبی کریمؐ سے اُمت مسلمہ کے عروج کی درخواست کرتے ہیں:

اے ماہر خفی و جلی ، خاصۂ خدا عرفاں کی روح ، باب حقیقت کے پاسباں
اے بےکسوں کے یار، غریبوں کے چارہ ساز سن لیجیے خدا کے لیے غم کی داستاں
کل تک ہرا بھرا تھا جو اسلام کا چمن اغیار آج اس پہ گراتے ہیں بجلیاں
بندہ نواز اس پہ کرم کی ہو اک نظر مائل ہو زندگی کی طرف قوم نیم جاں
ساماں وہ غیب سے ہوں کہ باطل کو ہو شکست توحید کا زمانے میں سکہ ہو پھر رواں (۴۰۵)

نظامی صاحب کے ہاں واقعہ نگاری کا عمل بھی نظر آتا ہے۔ ایک قصیدے میں انھوں نے آنحضرتؐ کی ہجرت کو موضوع بناتے ہوئے مدینہ میں استقبال، مسجد قبا و مسجد نبوی کی تعمیر اور اس تعمیر میں آپؐ کے اینٹ پتھر اُٹھانے کے سبھی واقعات نظم کیے ہیں اور ایک اور قصیدے ''اعلانِ نبوت'' میں فاران کی چوٹی پر کفار مکہ کو دعوت اسلام کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس دعوت میں شاعر نے کفار کے ساتھ آنحضرتؐ کا برمحل اور موزوں مکالمہ بھی اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے۔

نظامی کے قصائد سادہ اسلوب کے حامل ہیں۔ اُن کے ہاں مقصدیت غالب ہے۔ اُن کے ہاں رفعت خیال، حسن تعلیل اور مبالغہ آرائی کی تلاش بے سود ہے۔ انھوں نے واقعیت نگاری کو ترجیح دی ہے اور جذبے کی صداقت اور طرز بیان کی چاشنی سے اپنے قصائد کو مرصع کیا ہے۔

دیگر قصیدہ نگار

1- بہادر شاہ ظفر: (م: ۱۸۶۲ء)

سراج الدین بہادر شاہ ظفر ہندوستان میں مغلیہ حکومت کے آخری تاج دار ۲۸ شعبان ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ء) کو منگل کے دن شاہ عالم کے دوسرے بیٹے مرزا اکبر شاہ کے محل میں مسماۃ لال بائی ایک ہندو نژاد عورت کے بطن سے پیدا ہوئے۔(۴۰۶)

۱۸۳۷ء میں تخت نشین ہوئے تو انگریزوں کی عمل داری پورے ہندوستان میں مستحکم ہو چکی تھی۔ گردشِ زمانہ نے بے بسی اور بے چارگی کی تصویر بنا دیا تو تصوف کی طرف مائل ہوئے۔ اس کا اظہار اُن کے کلام سے بھی مترشح ہے۔ شعر و سخن میں ذوق سے مستفید تھے۔ ذوق کی وفات (۱۸۵۴ء) کے بعد اصلاح کا فریضہ غالب کے سپرد ہوا لیکن جلد ہی یہ سلسلہ جنگ آزادی کے باعث موقوف ہو گیا۔ انگریزوں نے انھیں رنگون میں قید کر دیا جہاں چھے سو روپے ماہوار پر گزران ٹھہری۔ یہیں ۱۸۶۲ء میں اُن کی وفات ہوئی۔(۴۰۷)

بہادر شاہ ظفر کے کلیات میں ایک نعتیہ قصیدہ بھی شامل ہے جس کا مطلع یوں ہے:

اے سرور دو کون ، شہنشاہِ ذوالکرم ــــ سرخیل مرسلین و شفاعت گرِ اُمم (۴۰۸)

یہ مدحیہ قصیدہ حضور نبی کریمؐ کے فضائل کے باب میں ظفر کے والہانہ جذبات کا اظہار ہے۔ قصیدے میں انبیا پر فوقیت، وجہ تخلیق آدم، روضہ اقدس کا ارم سے تقابل، رسالت میں اولیت، اسم مبارک کی برکت، نور وجود کا ظہور، کفر کا خاتمہ اور رُخ والشّمس اور گیسوئے واللیل کے موضوعات بیان ہوئے ہیں۔ تشبیہ، تلمیح، حسن تعلیل اور رعایت لفظی کے پیرائے میں لکھے ہوئے اشعار میں عقیدت اور شیفتگی کا عنصر نمایاں ہے:

بھرتا اگر خدا نہ محبت کا تیری دم ــــ ہوتا کبھی نہ قالب آدم میں نفخ روح
تھا شمہ تیرے خلق کا وہ اے علو شیم ــــ کرتا تھا جس سے مردہ کو زندہ دم مسیح
اس واسطے عزیز جہاں ہو گیا درم ــــ کرتا تھا تیرے اسم مبارک کو دل پہ نقش
تیرے ہوا ہے جاہ کا برپا جہاں علم ــــ جو کچھ سوائے عرش وہ سب اس کے سایہ میں
کیونکر نہ چاک اپنا گریباں کرے قلم ــــ محروم تیرے دست مبارک سے رہ گیا
دندانِ سین ارہ کشاں ہو سر ستم (۴۰۹) ــــ انصاف تیرا دیوے جو داد ستم کشاں

آخر میں بہادر شاہ ظفر نے عجز کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آئینہ ضمیر سے غبارِ غم کو دُور کرنے کی دعا مانگی ہے۔ مجموعی طور پر قصیدہ اوصاف نبی کریمؐ کا بیانیہ ہے جس میں وارفتگی کا احساس تاثیر سے خالی نہیں۔ دعا کا حصہ داخلی جذبات کا آئینہ دار ہے۔ مدینہ کی حاضری سے محرومی کا احساس شاعر کے داخلی کرب کے اظہار کے طور پر سامنے آیا ہے۔

2- مہدی علی ذکی: (م:۱۸۶۵ء)

ذکی ایک قادر الکلام قصیدہ گو شاعر ہیں۔ مشکل ردیفوں کو آسانی سے نبھانا جانتے ہیں۔ انھوں نے مذہبی وغیر مذہبی دونوں طرح کے قصائد لکھے۔ اُن کے غیر مذہبی قصائد آصف الدولہ کی مدح میں ہیں۔ ڈاکٹر سعادت سعید نے اُن کے ملک الشعرا ہونے کا ذکر کیا ہے۔(۴۱۰)۔ وہ ذکی کے تعارف میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''مہدی علی خاں ذکی (م:۱۸۶۵ء) مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ عمر کا زیادہ حصہ لکھنو میں گزارا۔ علمائے فرنگی محل سے تحصیل علم کی۔ فن تاریخ میں ماہر تھے۔ سعادت خاں ناصر نے ذکی کو تاریخ کے علاوہ علم معما میں بھی استاد لکھا ہے۔''(۴۱۱)

''کلیات ذکی'' میں ایک قصیدہ حمد، ایک نعت اور ایک منقبت علیؑ پر مشتمل ہے۔ یہ نعتیہ قصیدہ اکاون اشعار کا ہے اور اس کے آخر میں پانچ اشعار قطعۂ تاریخ کے الگ ہیں جن سے ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۸ء) کا سال برآمد ہوتا ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

رقم کرے جو سخن کے مری کتاب قلم لکھے بجائے ورق داغ آفتاب قلم(۴۱۲)

تشبیب میں ذکی نے فخریہ مضامین باندھے ہیں۔ انھیں اپنے زورِ قلم اور جوش کلام پر ناز ہے۔ ''قلم'' کی ردیف سے انھوں نے نت نئے مضامین نکالے ہیں جس پر اُن کی جودت طبع اور نکتہ رسی کی داد دینا پڑتی ہے۔ فخریہ تشبیب کے مضمون کے بعد کا دوسرا مضمون شاعر کی سیہ بختی کا ہے اس بارے میں اُن کے تخیل کی پرواز بلند ہے اور انھوں نے مبالغے سے مضامین کی تاثیر دوچند کر دی ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

دکھائی ہم نے جو صورت کشی معانی کی گرائے مانی و بہزاد نے شتاب قلم
سواد خط سے تجلی ہو نور کی پیدا اٹھائے چہرۂ مطلب سے گر نقاب قلم
ہماری شعلہ زبانی کا سیکھ کر انداز زبان شمع کو دینے لگا جواب قلم
میں وہ شکستہ، دل خستہ، جان شیدا ہوں کہ لکھ سکے نہ مری حالت خراب قلم

وہ کس طرح نہ چلے سرنگوں کہ لیتا ہے ہمارے بخت سے تعلیم انقلاب قلم (۴۱۳)

یہ قصیدہ رفعت خیال اور ندرت بیان کا مظہر ضرور ہے لیکن اس میں مدحِ رسولؐ کے صرف چار شعر موجود ہیں۔ اس کے بعد آنحضرتؐ اور حضرت علیؓ کے وسیلے سے ذکی نے غموں سے نجات اور نامۂ حساب قلم زد کرنے کی دعا مانگی ہے۔ انھیں تاریخ گوئی پر ملکہ حاصل ہے۔ انھوں نے فارسی میں پانچ شعر قطعہ تاریخ کے کہے ہیں اور یہ دعویٰ کیا ہے:

ہر ایک مصرعہ برجستہ ہو، جدا تاریخ کرے شمار تو ہو دل سے کامیاب قلم (۴۱۴)

ذکی کے نعتیہ مضامین فضائل رسول کریمؐ کے حامل ہیں۔ انھیں آنحضرتؐ کی شفاعت پر بھروسہ ہے۔ انداز نعت ملاحظہ ہو:

وہی ہے باعث ایجاد خلق ختم رسلؐ کہ جس کی ذات کو لکھتا ہے لاجواب قلم
تُو وہ مقرب ذات الہٰ ہے کہ لکھے غبار راہ کو تیرے فلک جناب قلم
ہر ایک صفحہ بنے آفتاب عالم نور کرے رقم جو ترے وصف کی کتاب قلم
زہے نصیب ذکی وہ شفیع محشر اگر ترے گناہوں پہ کھینچے دم حساب قلم (۴۱۵)

یہ قصیدہ ذکی کی قادرالکلامی کا غماز ہے۔ اس کے عناصر میں تشبیب کے اشعار کافی زیادہ ہیں؛ گریز کمزور ہے؛ مدح کا حصہ بہت کم ہے اور مدح کی تشنگی کا احساس شدید ہے جب کہ قصیدے کا غالب حصہ شاعر کی خودنمائی اور شاعرانہ تعلّی پر مبنی ہے۔

3- شمس فیض: (م:۱۸۶۶ء)

حافظ میر شمس الدین محمد فیض دکن کے مسلم الثبوت شاعر تھے۔ محی الدین قادری زور نے اُن کے کلام کا انتخاب ''فیض سخن'' کے نام سے کیا ہے۔ انھوں نے پانچ نعتیہ قصائد کے منتخب اشعار پیش کیے ہیں جب کہ لئیق صلاح نے فیض کے اُردو، فارسی کے پندرہ قصائد کا ذکر کیا ہے۔ (۴۱۶)

فیض کے نعتیہ قصائد آنحضرتؐ کی ذاتی صفات اور رسالت کے محاسن سے مزین ہیں۔ اُن کے کلام میں شیفتگی اور والہانہ پن ہے۔ اس کے علاوہ انھیں سراپائے رسولؐ کا بیان مرغوب ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

ہے رُوئے محمدؐ گل خندانِ رسالت ہے گیسو و خط سنبل و ریحانِ رسالت
اس حسن سے خوبی سے کسی سے بھی نہ ہوتا جو تم سے ہوا ہے سروسامانِ رسالت (۴۱۷)
کروں جان و دل کو فدائے محمدؐ جو دیکھوں رخِ باصفائے محمدؐ

دلیل مبیں مَن رَآنی ہے اس پر　　لقائے خدا ہے لقائے محمدؐ(۴۱۸)
کعبۂ مقصود ہے روئے رسولؐ　　قبلۂ عالم ہے ابروئے رسولؐ
راس آئے گی مدینہ کی ہوا　　ہے مجھے سودائے گیسوئے رسولؐ(۴۱۹)
قبلۂ اربابِ دیں ہے روئے خیرالمرسلینؐ　　طاق بیت اللہ ہے ابروئے خیرالمرسلینؐ
عارض پُر نور کا خاکہ ہے خورشید سحر　　صبح صادق ہے غبار کوئے خیرالمرسلینؐ (۴۲۰)
مدت سے مرے سر میں ہے سودائے مدینہ　　اللہ دکھا دے کہیں صحرائے مدینہ
بھولے بھی رکھوں پاؤں نہ گلزارِ ارم میں　　تھوڑی سی بھی ہاتھ آئے مگر جائے مدینہ(۴۲۱)
کافروں کے ہاتھ سے گرنے میں کچھ باقی نہ تھا　　دینِ ابراہیم کو تم نے سنبھالا یارسولؐ (۴۲۲)
پانی نہ پیوں گا میں کبھی اپنے وطن میں　　ہم دست جو نہ ہو گا سر و سامانِ مدینہ

4-لطف علی خاں لطف بریلوی:(م:۱۸۸۱ء)

لطف علی خاں بریلی کے محلّہ سودگراں میں پیدا ہوئے۔اُن کے دیوان میں ایک سراپا مبارک موجود ہے جو قصیدے کی ہیئت میں ہے۔اسے مدحیہ قصیدہ کہہ سکتے ہیں۔اس میں نازک خیالی،مبالغہ اورنادر تشبیہات موجود ہیں۔مطلع ملاحظہ ہو:

مری وہ فکر رسا ہے وہ ہوں طبیعت دار　　ازل کے روز سے لکھتا ہوں نعت کے اشعار(۴۲۳)

لطف بریلوی نے سراپا مبارک کے بیان میں حضورا کرمؐ کی زلفِ مقدس پر خصوصی توجہ صرف کی ہے۔وہ نت نئی تشبیہات کے ساتھ اپنی فکر رسا کے جوہر دکھاتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

سنو حضور کے اب زلف مشک بار کے وصف　　جو اس کو سنبل جنت لکھوں تو ہے بے کار
خطا ہے مشک ختن سے جو اس کو دوں تشبیہ　　قصور ہے جو لکھوں رشک نافۂ تاتار
وہ زلف جس کو شب قدر لکھتے ہیں شعرا　　وہ زلف جس کے مقابل بلا ہے ہر شب تار
وہ زلف جس نے کہ لو بخشی مشک جنت کو　　وہ زلف جس سے معطر ہے خلد کا گلزار
اسی کی شان میں واللیل کا ہوا ہے نزول　　اسی کو دیکھ کر اسلام لائے ہیں کفار(۴۲۴)

5-عیش،حکیم آغا جان: (م:۱۸۷۴ء)

عیش دہلوی ۱۷۷۹ء کے قریب دہلی میں پیدا ہوئے۔وہ بہادر شاہ ظفر کے بیٹے شاہ رخ مرزا کے معالج تھے۔انھوں نے ۲۶ جون ۱۸۷۴ء کو وفات پائی۔(۴۲۵)

اُن کے کلیات میں ایک مدحیہ قصیدہ ہے۔اس کا اسلوب شستہ و رواں ہے۔اس میں قرآنی تلمیحات ہیں اور شاعر نے خطابیہ انداز اپنایا ہے۔عجز کی فضا بھی اس میں نمایاں ہے:

یا شفیعِ روزِ محشر! ، یا شفیع المذنبینؐ! یا انیس عاصیاں، یا عذر خواہِ مجرمیں!
ہو سکے تعریف تیری کس سے ، یا خیر البشرؐ! ہے تو شاہِ دو جہاںؐ محبوبِ رب العالمیں (۴۲۶)

6-راقم دہلوی: (م:۱۹۱۰ء)

مرزا قمر الدین خاں، مرزا غالب کے نواسے ہیں۔اُن کے مجموعے ''مرقع نعت'' میں اُن کا معراجیہ قصیدہ موجود ہے۔سو اشعار سے زائد یہ قصیدہ سہل ممتنع میں ہے اور تشبیب کے بغیر ہے۔اس میں تسلسل بیان اور مکالمہ نگاری کا بھی استعمال ہوا ہے۔ ہیئت میں یہ قصیدہ ہے مگر طرزِ بیان اور لطف مثنوی کا سا ہے یعنی سادگی ، روانی ،سلاست اور منظر نگاری سے مرصع ہے۔معراج کے واقعات مستند ہیں اور احتیاط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔عبد و معبود کا فرق ملحوظ ہے۔حقیقت نگاری کا عنصر غالب ہے۔کہیں کہیں تخیل کی رنگ آمیزی بھی نظر آتی ہے۔راقم کو منظر کشی پر عبور حاصل ہے:

سنا راقم صفات شاہ دیں سے زباں دھو کر گلاب و مشک چیں سے
وہاں بہر نثارِ فرق حوریں بھرے داماں کھڑی تھیں یاسمیں سے
فقط امت کی بخشش چاہتا ہوں جناب داورِ دنیا و دیں سے
ندا آئی کہ اے محبوبؐ! میرے نہ کہہ اس طرح روئے شرگیں سے (۴۲۷)

7-اشرف علی گلشن آبادی: (م:۱۳۲۳ھ)

اصل نام سید عبد المفتاح ہے۔اُن کے دیوان ''اشرف الاشعار'' میں نعت و منقبت کے قصائد موجود ہیں۔اُن کے سبھی قصائد خطابیہ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ یہ قصائد بیس پچیس شعروں کو محیط ہیں البتہ ترجمہ قصیدہ بردہ شریف ایک سو اٹھاسی اشعار کا ہے۔بقول ڈاکٹر سعادت سعید:

> ''اشرف علی کو صنعت حرفین سے خاص شغف ہے۔صنعت حرفین میں قصیدہ کے ہر شعر کے آغاز اور اختتام میں کسی خاص حرف لانے کا اہتمام ہوتا ہے۔'' (۴۲۸)

اُن کے نعتیہ قصائد کے مطالع دیکھیے:

الحمد اللہ بول کر لکھتا ہوں نعت مصطفیٰؐ حق نے نبی کے نور سے پیدا کیا ارض و سما
سلطان ارض و آسماں حضرت محمد مصطفیٰؐ مختار ہر دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰؐ

جب احد نے نور احمدؐ کا بنایا ابتدا حامد و محمود و احید نام عبداللہ رکھا(۴۲۹)

8-شوق نیموی:(م:۱۹۰۰ء)

مولانا محمد ظہیر احسن شوق نیموی کے دیوان ''نظم سحر ساز'' میں ایک نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔ وہ پٹنہ کے ایک گاؤں نیمی میں ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ وہ بیک وقت مذہبی اسکالر، شعر وسخن کے ماہر اور شاعر تھے۔ ''اصلاح مع ایضاح'' اصلاح سخن کی اصطلاحات پر مبنی کتابچہ اُن کی علمیت پر دال ہے۔ شوق نیموی کے قصائد میں زبان و بیان کی پختگی اور خیالات کی روایتی شان دیدنی ہے۔ اُن کے نعتیہ قصیدے کا مطلع یوں ہے:

اللہ رے یہ جلوۂ حسن و جمالِ عید چمکا برنگ ابروئے خوباں ہلالِ عید(۴۳۰)

9-سید ظفر مہدی اثیم:(م:۱۹۰۲ء)

اثیم کا ایک مجموعہ ''روض الصادقین'' ہے جس میں ایک نعتیہ قصیدہ ہے۔ آنحضرتؐ کے فضائل کا شرعی شعور رکھتے ہیں۔ علی جواد زیدی نے اُن کے چند اشعار نقل کیے ہیں:

زبان خامہ نوک زباں پر مدح ہے اس کی کہ در وصفش بود یک مصرع تنزیل رحمانی
نہیں ممکن کہ تیرا مثل ہو پھر دہر میں پیدا اگر صد بار بند و نقشِ نو ایں دارِ امکانی(۴۳۱)

10-مجروح، میر مہدی حسین:(م:۱۹۰۳ء)

غالب کے شاگرد میر مہدی حسین مجروح ۱۸۳۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے(۴۳۲) ۱۸۵۷ء میں دہلی کی بربادی کے بعد پانی پت میں حالی کے محلّہ انصاریاں میں جا بسے۔ ۱۸۸۰ء میں دوبارہ دہلی آمد ہوئی۔ آخری عمر میں بینائی جاتی رہی، اسی عالم میں ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء کو وفات پائی اور قدم شریف دہلی کے صدر دروازے کے باہر فصیل کے متصل جنوب میں دفن ہوئے۔(۴۳۳)

اُن کے دیوان کا نام ''مظہر معانی'' ہے۔ دیوان مجروح میں ایک خوب صورت قصیدہ، ''درنعت سید المرسلین، رحمتہ للعالمین، حضرت محمد مصطفےٰؐ'' انتیس اشعار کا ہے۔ یہ قصیدہ شہیدی کی زمین میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کی عظمت و رفعت، فضیلت اور آپؐ کے اجداد اور آل پاک کی اقبال مندی قصیدے کا مرکزی موضوع ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ کے قد، زلف، سایہ، خال وخد، مسند و منبر، نور، اسم مبارک، روئے اقدس اور لاثانی ہونے کا بیان ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

تعالیٰ اللہ ہوا قرب خدا بھی اور اس حد کا کہ تھا قوسین سے نزدیک تر زانو محمدؐ کا
خدا نے سب سے افضل تر کیا اسلاف کو تیرے خلیل اللہ القاب ہمایوں تھا ترے جد کا
تولد ہوتے ہی حق سے طلب کی بخششِ امت ادا ہوتا ہے کس سے شکر اس الطاف بے حد کا
خدا نے ناسخ ہر دیں کیا ہے آپؐ کے دیں کو نہ کیوں محکوم اک عالم ہو اس حکم مجدد کا
کیا اللہ نے مانند اپنے بے مثال اس کو ہوا ہے اور نہ اب ہوگا کوئی ثانی محمدؐ کا (۴۳۴)

مجروح کے اس قصیدے میں جدت ادا بھی ہے اور مضمون آفرینی کا عنصر بھی۔ صنائع بدائع کی چاشنی اور قرآنی و تاریخی تلمیحات سے فکر تازہ کے چراغ روشن ہوتے نظر آتے ہیں۔ زبان و بیان میں لوچ اور کشش موجود ہے۔ شعر کو چیستان نہیں بنایا گیا بل کہ قاری کے لیے ابلاغ کا پورا اہتمام ملتا ہے۔ مجروح کا اسلوب مصحفی اور مومن کی سی مشکل پسندی سے دُور ہے۔ طرّہ یہ ہے کہ سادہ طرزِ بیان میں بھی شعریت کا عنصر فراواں ہے۔ اس سلسلہ میں انھیں حسنِ تعلیل، تقابل، لف ونشر اور مراعات النظیر کا استعمال مرغوب ہے۔ مثال میں یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

گل تر اور شمشاد جناں دونوں کو دیکھا ہے نہ یہ ہم سر ہے اس قد کا نہ وہ ہم شکل اس خد کا
نہ پھر فرط ادب سے پاؤں کوئی خاک پر رکھتا اگر پڑتا زمیں پر سایہ اس سروِ سہی قد کا
درِ اقدس پہ ہے دن رات مجھ کو شغلِ جاروبی نہ برہم زن کہیں دارا ہو اس عیش مخلد کا
درِ والا پہ آتے ہیں سماجت کر کے درباں کی فرشتوں نے طریقہ مجھ سے سیکھا ہے خوشامد کا
دل سر بستہ کو میرے سمجھ تو قفل ابجد کا اگر کھلتا ہے تو اسم مبارک ہی کے حرفوں سے (۴۳۵)

آخر میں پانچ اشعار کا ایک قطعہ ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ نعت گوئی کی بدولت ہند کی زبان کو عربی فارسی کا سا لطف ملا ہے اور یقیناً اصفہانی اس میں مشق سخن کرتا اگر اس پر زبان دہلی کے جوہر آشکار ہو جاتے۔ اس کے بعد شہیدی کی طرح روضہ مبارک کے سامنے مرنے کی آرزو کا بیان ہے:

زبان ہند کو وقعت وہ بخشی تیری مدحت نے کلام فرس و تازی میں بڑھا ہے لطف جس حد کا
زباں دہلی کی سر مشقِ سخن ہو اصفہانی کو اگر کھل جائے جوہر ان پہ اس تیغ مہند کا
تمنا ہے شہیدی کی طرح مجروح کو مولا! دم مردن ہو نظارہ میسر تیرے مرقد کا (۴۳۶)

اس قصیدے میں سیرت رسولؐ، سراپائے رسول کے ساتھ شاعر کی داخلی واردات کو بھی عمل دخل ہے جس سے نہ صرف ایک مہجور عاشق کے جذبات عیاں ہوئے ہیں بل کہ ایک موضوعاتی تنوع بھی وقوع پذیر ہوا ہے۔ ادب کی فضا، مضامین نعت کی پابندی اور شائستہ اسلوب نے اس قصیدے کو منفرد اور

یادگار جہتیں عطا کی ہیں۔

11- ظہیر دہلوی: (م:۱۹۱۱ء)

سید محمد ظہیر الدین خاں ادبی حلقوں میں ظہیر دہلوی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔اُن کے والد سید جلال الدین حیدر خطاطی میں بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔ظہیر ۱۸۳۵ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ وہ بہادر شاہ ظفر کے دربار میں داروغہ ماہی مراتب کے عہدے پر فائز تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد انھوں نے رام پور، جے پور، ٹونک اور حیدرآباد میں زندگی بسر کی اور ۱۷ربیع الاوّل، ۱۳۲۹ھ بمطابق، مارچ ۱۹۱۱ء میں حیدرآباد میں وفات پائی۔(۴۳۷) شاعری میں ذوق کے شاگرد ہیں۔ چار شعری دیوان اُن کی یادگار ہیں۔دیوان ظہیر جلد اوّل میں ایک سو دو اشعار کا ایک قصیدہ حمد و نعت اور مناقب اہل بیت وصحابہ کبارؓ موجود ہے۔مطلع ملاحظہ ہو:

زہے کرامتِ توحید ایزد غفّار زبان خامۂ معجز رقم ہے گوہر بار(۴۳۸)

حمد باری تعالیٰ میں اٹھائیس اشعار کہے ہیں جن میں اسماء الحسنٰی کے حوالے سے عظمت الٰہی آشکار کی گئی ہے۔ وہ بادشاہ، وہ دستگیر، وہ حکمران اور وہ تاجور کے خطابات سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات واحسانات گنواتے ہوئے نعت کی طرف بڑی عمدگی سے یوں گریز کیا ہے:

وہ بادشاہ کہ جس کا پیامبر ہے رسولؐ رسولؐ وہ کہ رسولوں کا سرور و سردارؐ(۴۳۹)

مدح میں بمشکل سترہ شعر کہے ہیں لیکن یہ اشعار زور بیان کا عمدہ نمونہ ہیں۔تراکیب سے علمیت جھلکتی نظر آتی ہے مگر قادرالکلامی کے باوجود جذبے کا رچاؤ مدھم ہے۔مرصع اور رنگین بیانی میں جذبہ کی شدت ماند پڑتی نظر آتی ہے۔ جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے تو آنحضرتؐ کی شفاعت، محبوبیت، نورانیت، ختم نبوت، معراج کی عظمت اور امام الانبیا کے حوالے سے اشعار کہے ہیں۔نور نبیؐ اور انبیا کے تعلق سے حسن تعلیل کا عمدہ استعمال کیا ہے۔

یہ قصیدہ حمد، نعت اور مناقب، صحابہ کرامؓ پر مشتمل ہے اور اس میں حضرت فاطمۃ الزہرؓا کا توصیفی بیان بھی شامل ہے۔شاعر کا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر ایک صفت میں حفظ مراتب کا بھرپور خیال رکھا ہے جس سے شاعر کی خوش عقیدگی واضح ہوتی ہے۔اس قصیدے کا اسلوب پُرشکوہ ہے اور اس میں صنعت جمع، تشبیہ، استعارہ اور تلمیحات کا موزوں استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔مشکل تراکیب کے باوجود روانی کا عنصر فراواں ہے۔آخر میں بارگاہِ رسالت میں استغاثہ پیش کرتے ہوئے زمانے کی ناقدری کا

گلہ کیا ہے اور پھر بارگاہِ الٰہ میں مناجات کے ذریعے مغفرت طلب کی ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

اصول عالم ایجاد سیدِ لولاکؐ شفیع روز قیامت ، قسیم جنت دتار
ظہور نور مجرد نتیجہ ایجاد شہودِ جلوۂ مستور مظہر الانوار
فروغ عرش مبیں، زیب مسند قوسین سوارِ عرصۂ اوحیٰ ، شہِ براق سوار
نہ صلب نوح میں گر ہو وہ گوہر مکنوں تو غرق کشتیِ نوحِ نجیؑ ہو سو سو بار
گر اس کا نورِ جہاں گیر آب پاش نہ ہو نہ ہو وہ آتش سوزاں خلیل پر گلزار(۴۴۰)

ظہیر دہلوی ایک پُرگو شاعر ہیں۔ انھوں نے مضامین نعت میں آپؐ کے فضائل وفضیلت کو اُجاگر کیا ہے۔ آپؐ کی عظمت کے نورانی پہلو ظہیر کے پیشِ نظر ہیں۔ اس قصیدے کا نمایاں وصف حفظ مراتب کی پاسداری اور اعتدال کی روش ہے۔

12-ابراہیم آزاد: (م: ۸ جون ۱۹۴۷ء)

محمد ابراہیم آزاد ۲۵ فروری ۱۸۶۸ء کو منشی نبی بخش کے ہاں حسین پور ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے اور اُن کا نام غلام باری رکھا گیا۔ ۱۸۹۷ء سے بیکانیر میں وکالت کا آغاز کیا۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۱ء تک بیکانیر کورٹ میں چیف جج رہے۔ بیکانیر آنے کے بعد شاعری کا سلسلہ شروع ہوا۔ منشی عبدالشکور خاں برقؔ کو ابتدا میں کلام دکھایا جب کہ بعد میں بے خود دہلوی کی باقاعدہ شاگردی اختیار کی۔ ۱۳۲۱ھ میں حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب نقشبندی سجادہ نشین علی پور سیداں سیالکوٹ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تو عشقیہ شاعری چھوڑ کر حمد و نعت کی طرف مائل ہوئے۔(۴۴۱) اُنھوں نے بیکانیر (انڈیا) میں ۱۸رجب ۱۳۶۶ھ بمطابق ۸ جون ۱۹۴۷ء کو وفات پائی اور بیکانیر ہی میں دفن ہوئے۔

آزاد کو اُن کے مرشدِ گرامی نے باقاعدہ سندِ خلافت عطا کی تھی اور مرشد کے ہاں (علی پور سیداں) سالانہ جلسہ انوار الصوفیہ میں انھیں اپنا کلام پیش کرنے کا موقع فراہم ہوتا رہا۔ یہ کلام اُن کے دیوان کے حصہ دوم میں شامل ہے اور اس میں ان کے پانچ قصائد بھی موجود ہیں۔ اُن کے یہ قصائد ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۵ء کے دوران میں لکھے گئے۔ اُن کے قصائد کے مطالع یوں ہیں:

کیوں فرض نہ بندے پہ ہو حمد اپنے خدا کی دل اس کا عطیہ ہے زباں اس نے عطا کی (۴۴۲)
مجھ سا ناچیز ہو اور اس سے ہو مدحت تیری اللہ اللہ تری شان یہ قدرت تری(۴۴۳)
یارب وہ کرم تیرا ہو وہ تیری عطا ہو جو حرف زباں سے مری نکلے وہ ثنا ہو(۴۴۴)

یارب تری نیرنگی قدرت کو دکھا کے آئنہ حیرت رہے حیرت مری چھا کے(۴۴۵)
یارب ترے بندوں کو تری حمد سنا کر میں وجد میں لے آؤں یہ توفیق عطا کر(۴۴۶)

آزاد کی قصیدہ گوئی راہِ طریقت پر گامزن ایک سالکِ صادق کے داخلی جذبوں کی داستان ہے۔ وہ حسن و عشق کی شاعری کو فسق و فجور مانتے ہیں، اس لیے وہ تشبیب کی جگہ حمد باری تعالیٰ سے آغاز کرتے ہیں۔ اُن کے قصائد کا اپنا ایک الگ انداز ہے۔ اُن کے پہلا قصیدہ تین جب کہ باقی چاروں قصائد چار مطلعوں کے حامل ہیں۔ حفظ مراتب کی پاسداری کرتے ہوئے وہ پہلے مطلع میں حمد اور دوسرے میں نعت کہتے ہیں۔ اس کے بعد کے دو مطلعوں میں اُن کے ہاں زیادہ تر ''شانِ طریقت، شانِ شیخ، رموز عرفان باری تعالیٰ، شجرہ شریف سلسلہ نقشبندیہ، اہل جلسہ کی تہنیت، آداب مراقبہ اور رجوع شیخ'' کے مضامین ادا ہوئے ہیں۔ انھوں نے مضامین نعت میں حضور اکرمؐ سے والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ آپؐ کی عظمت، محبوبیت اور نورانیت کا بیان انھیں زیادہ مرغوب ہے۔ اُن کے ہاں ناصحانہ رنگ غالب ہے۔ عجز و انکسار کے جذبات بھی ہیں۔ ایک قصیدے میں آپؐ کو ''نور'' کے لقب سے یاد کیا گیا ہے اور آپؐ کے انقلاب کے نمایاں پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے جن میں انصاف کی فراہمی، وراثت میں بیٹیوں کا حق، شکر اور صبر و رضا کی تعلیم شامل ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اُس نور کا کیا وصف بیاں کوئی کرے گا کیا کوئی بتائے گا کہ کیا کیا کِیا آ کے
اس نور نے انصاف کو روشن کیا آ کر نابود کیا ظلم کو انصاف دکھا کے
اس نور نے بیواؤں کی توقیر بڑھائی اس طبقے کو انسانوں میں شامل کیا آ کے
اس نور نے دُختر کو بھی محروم نہ رکھا توریث میں بھائی سے اُسے حصہ دلا کے
اس نور نے فرمایا ترے کام بُرے ہیں یہ کام نہیں ہوتے ہیں مردانِ خدا کے
اس نور نے دی صبر کی اور شکر کی تعلیم فرمایا کہ بندے رہو تسلیم و رضا کے(۴۴۷)

یہ مضامین عام فہم اور سادہ انداز میں کہے گئے ہیں تا کہ دعوت و تبلیغ کے مقاصد پورے ہو سکیں اور ادائے مطلب کے ابلاغ میں سہولت رہے۔ اُن کے اسلوب میں روانی اور قادر الکلامی کی جھلک واضح ملتی ہے مگر روایتی قصیدے کا شکوہ اور صنائع بدائع کا استعمال مفقود ہے۔ آزاد کے ہاں تشبیب کے حصّے پر دانستہ توجہ نہیں دی گئی البتہ باقی تمام عناصر یعنی گریز، مدح اور دعا موجود ہیں۔ مدح میں سیرت رسولِ پاکؐ اور فضائل کا بیان پیش کیا گیا ہے۔ جذبۂ عشقِ رسول کریمؐ، اصلاحِ نفس، مقصدیت اور فضیلتِ رسولؐ کے موضوعات حفظِ مراتب کی پاس داری اور رواں اسلوب کے ساتھ بیان

ہوئے ہیں اور یہی اُن کے قصائد کی نمایاں صفات بھی ہیں۔

13- مولوی عبداللطیف:

''دیوانِ لطیف'' میں ایک قصیدہ بہتّر شعروں کا شہیدی کی زمین میں ہے اور اس کے دو مطلع ہیں۔ مطلع اولیٰ ملاحظہ ہو:

جھکا سجدے میں سرفرطِ ادب سے خامہ و ید کا ہوا عزم رقم جس دم خدا کی حمد بے حد کا (۴۴۸)

پہلا مطلع اکیس شعروں کے ساتھ حمدیہ مضامین کا حامل ہے۔ لطیف قادری نے اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور قدرتِ کاملہ کو اسلامی و تاریخی تلمیحات سے مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ اور حضرت یونسؑ کو بچالیا اور فرعون اور قارون کو انجام سے دوچار کر کے اپنی قدرت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس ذات واحد کے ساتھ تثلیث کا عقیدہ رکھنا شیطان ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ شاعر کے نزدیک اللہ کی تعریف کے حساب کے لیے اعداد کم ہیں۔ اُس کی تعریف کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ دو شعر دیکھیے:

قلم کو دو زباں اس واسطے حق نے عطا کی ہیں کہ اک سے حمد لکھے، دوسرے سے وصف احمدؐ کا
مبّرا خلعت تشبیہ سے ذات الٰہی ہے منزہ استعارہ سے ہے اوصاف اس مجد کا (۴۴۹)

دوسرے مطلع سے گریز کیا ہے اور پھر مدح لکھی ہے۔ انداز کلاسیکی ہے اور مضامین میں فضائل رسولؐ اور سراپائے رسولؐ کا انتخاب کیا گیا ہے۔ سایہ مبارک نہ ہونے کا مضمون حسن تعلیل سے مزین ہے۔ اس کے علاوہ موازنہ اور مبالغہ کے ذریعے بھی شاعرانہ مہارت کا اظہار دیکھنے میں آیا ہے۔ دیگر مضامین میں اطاعتِ رسولؐ، شفاعت کی امید، غلامی پر فخر، فضل و کرم اور افضلیت شامل ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

بجا ہے سر بہ سجدہ آج ہونا خامہ و ید کا کہ میں اوصاف کرتا ہوں رقم حضرت محمدؐ کا
نبیؐ کے روئے تاباں سے بھلا کیا شمس کو نسبت کہ یہ جاروب کش ہے آپؐ ہی کے پاک مرقد کا
خضر کے ساتھ جا ظلمات تک کی خاک بھی چھانی نہ ہاتھ آیا مگر مضمون گیسوئے محمدؐ کا
یہ مانا ہم نے اے واعظ بشر تھے سرورِ عالمؐ ولیکن یہ بیاں کیجے کہ سایہ کیوں نہ تھا قد کا
نہ پیدا ہو کوئی اللہ کے محبوب کا ہم سر نہ تھا اس واسطے سایہ رسولؐ اللہ کے قد کا (۴۵۰)

لطیف قادری کے ہاں قصیدے کے چاروں عناصر موجود ہیں۔ دعا میں اللہ کی غفاری اور نبی کریمؐ کی شفاعت کے باعث عصیاں سے بے خوف ہونے اور قصیدے کی مقبولیت کا بیان ہے۔ مضامینِ نعت میں حفظ مراتب کی پاسداری ملتی ہے۔ ان کا شعری اسلوب سنجیدہ، مدلل اور پُر وقار ہے۔

14- محمد حسین فقیر:

اُن کے کلیات میں ''دیوانِ فقیر، مثنوی نالۂ فقیر، مناجات فقیر، عرض حاجات فقیر، سراپائے رسول اکرمؐ اور نور نظر اہلِ نیاز ذکر حسن وخوبی نماز'' شامل ہیں۔ یہ کلیات ۱۸۷۴ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ محمد حسین فقیر کے دیوان ''سفینۂ عشق مدینہ'' میں اسّی اشعار کا نعتیہ قصیدہ ملتا ہے جو آٹھ مطلعوں پر مشتمل ہے۔ مطلع اوّل یوں ہے:

ملا میرے قلم کو حسن بسم اللہ کی مد کا ہوا جب عزم حمد کبریا و نعتِ احمدؐ کا(۴۵۱)

یہ ایک مدحیہ قصیدہ ہے جس میں شاعر کی فکر رسا کی پرواز بلند ہے۔ اشعار میں حسن تعلیل اور رعایت لفظی کا عمدہ استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔ فقیر کا اسلوب عجز و نیاز مندی اور خلوص کا مظہر ہے۔ مضامین کا تنوع، فکر کی ندرت، بیان کا جوش اور شعور نعت کا اہتمام اسے قابلِ توجہ بناتے ہیں:

یہ کس کی چشم اسود کر گئی ہجرت مدینے کو کہ جس کا منتظر اب تک ہے دیدہ سنگ اسود کا
بجھایا اک نظر میں التہابِ آتشِ دل کو وہ برجِ سبز نے چھینٹا دیا آبِ زمرد کا(۴۵۲)

انھیں اسلامی تعلیمات کا لحاظ ہے، اس لیے وہ شرعی تقاضوں کی پاسداری کرتے نظر آتے ہیں۔ یہی نہیں بل کہ اُن کے ہاں نعتیہ مضامین میں غلُو اور غلط روایات پر تنقید کا رُجحان بھی ملتا ہے۔ ایک جگہ وہ نعت کے ناقد کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ اُنھوں نے احد اور احمد کے فرق کو ملحوظ رکھنے کی نصیحت کی ہے۔ اس کے علاوہ ایک جگہ شہیدی کے ایک شعر پر گرفت کی ہے کہ جس میں خدا کے قصیدہ گو کے منھ چوم لینے کا ذکر ہے۔ اُن کے نزدیک اللہ رب العزت کی ذات منھ چومنے سے پاک ہے۔ وہ اپنا نظریہ نعت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''انا عرب بلا عینٍ'' جو کہتے ہیں حدیث اس کو
معاذاللہ! بہتاں ہے ، نہیں یہ قول احمد کا (۴۵۳)
جو کہتے ہیں ''عرب بے عین کا ہوں میں'' حدیث اُنؐ کی
شعار بد ہے ، یہ شیوہ ہے ہر بد دین کا ، بد کا (۴۵۴)
ہمیں افراط سے ، تفریط سے ، اطرا سے، نفرت ہے
کہ مسلک ہے ہمارا اعتدال مدح احمدؐ کا(۴۵۵)
احد میں اور احمدؐ میں جو عینیت کے قائل ہیں
مسلماں کا عقیدہ ہے یہ اُن کا یا کہ مرتد کا(۴۵۶)

خدا منہ چومنے سے پاک ہے اور کہتے ہیں شاعر
خدا منہ چوم لیتا ہے جو نام آتا ہے احمدؐ کا (۴۵۷)

فقیر کے ہاں عشق ومحبت کے جذبات ہیں، عجز وانکسار کا اظہار ہے، کہیں کہیں تعلّی بھی ہے لیکن لاف زنی میں نہیں آتی۔ ان کا لہجہ جوشیلا ہو جاتا ہے خاص کر اس وقت جب وہ مشرک اور بدعتی شعرا سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اس قصیدے کی نمایاں خصوصیت حمد ونعت کے تقاضوں کی محافظت کے اصول وضع کرنا ہے۔ فقیر نے آدابِ نعت بیان کیے ہیں اور غلُو سے بھرپور مضامین کی نشان دہی کرنے کے بعد انھیں کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ اُن کا جذبۂ اصلاح اور تڑپ دیدنی ہے۔

15- آثم، حضور احمد خان:

حضور احمد خان آثم بریلی میں مولوی محمد جعفر کے ہاں پیدا ہوئے۔ وہ نیاز احمد خان ہوش بریلوی کے شاگرد ہیں۔ بقول لالہ سری رام، وہ امیر مینائی کے شاگرد تھے البتہ ابتدائی کلام ہوش بریلوی کو بھی دکھایا تھا۔ ۱۸۹۱ء میں کلکتہ جا کر تجارت سے وابستہ ہو گئے تھے۔ (۴۵۸) اُن کا دیوان ''منظور حق'' کے عنوان سے ۱۸۸۶ء میں شائع ہوا۔ اس میں چھے نعتیہ قصائد ہیں جن کے مطالع یوں ہیں:

لکھوں میں نعت احمد میں جو مطلع اپنے دیواں کا ۔۔۔ تو ہو کیوں کر نہ خامے کی زباں پر شکر یزداں کا (۴۵۹)
نصب ہے خانۂ دل پر علم اللہ کی مد کا ۔۔۔ نہ ہو گا دخل اس میں حشر تک شیطان مرتد کا (۴۶۰)
مرے سر پر رہے سایہ الٰہی تیری رحمت کا ۔۔۔ کہ دامن حشر میں ہاتھ آئے احمدؐ کی شفاعت کا (۴۶۱)
ازل سے میں تو عاشق ہوں نبیؐ کے روئے انور کا ۔۔۔ مجھے کچھ ڈر نہیں ہے گرمی خورشید محشر کا (۴۶۲)
دشت مدحت میں بھرے جست جو آہوئے قلم ۔۔۔ پھر تو شرمندہ نظر آئیں غزالان حرم (۴۶۳)
کام ہے پیرویِ شرعِ جنابِ مرسلؐ ۔۔۔ اہلِ اسلام ہوں، کیوں ہو مرے ایماں میں خلل (۴۶۴)

آثم کے قصائد ندرتِ فکر اور جدتِ ادا کے حامل ہیں۔ اُن کے اسلوب میں شگفتگی ہے اور صنائع بدائع کا مشاقانہ استعمال اُن کے کلاسیکی مزاج کا آئینہ دار ہے۔ اُن کا کلام صنعت جمع، مبالغہ، حسن تعلیل اور رعایت لفظی سے مزین ہے۔ انھوں نے تشبیب کا اہتمام کیے بغیر قصائد لکھے ہیں۔ اُن کے ہاں آنحضرتؐ کے ساتھ عقیدت کا گہرا احساس موجود ہے۔ اس کے علاوہ مدینے کی عظمت، وہاں کی حاضری اور دیارِ رسولؐ میں مرنے کی تمنا کے مضامین ہیں۔ سراپائے رسولؐ کا بیان کلاسیکی دور کے قصائد کا طرۂ امتیاز ہے۔ آثم کے ہاں سراپا مبارک کے حوالے سے ندرتِ فکر کے اشعار کی کمی نہیں۔

لبِ خوش رنگِ محمدؐ کی رقم ہے مدحت کیوں نہ دیوان پہ ہو میرے سنہری جدول
مدحت گیسو احمدؐ مجھے منظور جو ہو تو سیاہی کی جگہ مشک کیا جائے کھرل
دُر دندان محمدؐ کی جو کرتا ہوں ثنا قالب نور میں مضموں کے گہر جاتے ہیں ڈھل(۴۶۵)

16- سید شاہ کمال الدین:

سید شاہ کمال الدین کے ''کلیات مخزن العرفان کامل'' حصہ دوم میں ایک سو چھیاسی اشعار کا نعتیہ قصیدہ موجود ہے جس میں آنحضرتؐ کے خصائص کی چار اقسام بیان ہوئی ہیں۔ مطلع دیکھیے:

رسولؐ حق کے خصائص چار قسم اوپر علیہ افضل صلوۃ خالق اکبر(۴۶۶)

اس قصیدے میں اوّل اُن باتوں کا ذکر ہے جو آنحضرتؐ پر فرض تھیں جیسے نماز چاشت، وتر، تہجد، مسواک اور قربانی، دوم یہ کہ آپؐ کی آل پر صدقہ وزکوۃ لینا حرام ہے۔ سوم مباح باتوں کا بیان ہے جیسے چار خواتین سے زیادہ نکاح میں لانا وغیرہ، چہارم نبی کریمؐ کے فضائل جن میں معجزات، درجات اور دیگر خصائص کا ذکر شامل ہے۔ مثالیں دیکھیے:

نماز چاشت و وتر و تہجد و مسواک دگر دو رکعت سنت بوقت فجر وسحر(۴۶۷)
حرام تھا شہ مرسلؐ پہ مالِ کفارت اسی روش صدقات وزکوۃ نقرہ وزر(۴۶۸)
چہار زن پہ زیادہ نکاح ان کو مباح بغیر مہر بدون شہود کر باور(۴۶۹)
غنیمت انؐ کی بھی اُمت اپر حلال ہوئی کہ اس سے تھا امم سلف کو منع وحذر(۴۷۰)

یہ قصیدہ شاعر کی وسعت علمی کا مظہر ہے۔ اُس نے نبی کریمؐ کے خصائصِ ذاتی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ فرض، حرام اور مباح افعال کے عنوانات باندھ کر چار پانچ اشعار میں ذکر کیا گیا ہے۔ باقی اشعار دیگر فضائل کے باب میں لکھے گئے ہیں۔ یہاں شاعر کو چاشنی، ندرتِ بیان اور بلند تخیل سے زیادہ علمی ابلاغ سے سروکار نظر آتا ہے، سادہ بیانیہ ہے جس میں خلوص، صداقت اور والہانہ پن موجود ہے۔ اُنھوں نے آپؐ کی تخلیق سے جوانی کے مراحل اور دوران میں وقوع پذیر ہونے والے معجزات کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شاعر کے نزدیک آپؐ کی تخلیق سب سے پہلے ہوئی؛ آپؐ پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی؛ آپؐ ناف بریدہ پیدا ہوئے؛ آپؐ کا پسینہ خوش بُو دار تھا اور آپؐ کے قلبِ اطہر کو جنت کے پانی سے مصفا کیا گیا تھا۔ اسی طرح وہ سوانح رسول کریمؐ کو دلکش انداز میں موضوع بناتے ہوئے آگے بڑھتے نظر آتے ہیں۔ اُن کا شعری اسلوب وارفتگی اور شگفتگی کا مظہر ہے جس سے جذبۂ عشقِ رسولؐ نے عطر بیز بنا دیا ہے۔

17-ہادی حسن نایاب:

حکیم محمد ہادی حسن خان کے ''دیوان نایاب'' میں اٹھاون اشعار کا ایک نا تمام نعتیہ قصید ہ موجود ہے۔امیر مینائی نے ہادی حسن نایاب کے دیوان کی اشاعت پر قطعہ تاریخ کہا ہے۔اس میں تین مطلع ہیں۔دوسرے مطلع کے بعد غزل کہی ہے۔گریز کے بعد مدح کا حصّہ مفقود ہے۔اس کی تشبیب بہاریہ اور رندانہ ہے اور اس میں شاعر کی قادرالکلامی ،منظر نگاری رفعت خیال اور بلند بانگ لہجے کی جھلکیاں واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہیں۔مطلع دیکھیے :

گدگدایا ہے جو مستی نے حیا ہے بیکل کیا تعجب ہے کہ شرما کے کہیں جائے نکل(۴۷۱)

کیوں نہ ہر شوخ کو پھر کہیے مجسم برسات جگنوافشاں ہے، کمر بجلی ہے، گیسو بادل(۴۷۲)

مے جو پینی ہے تو پی بادۂ عرفاں نادان شعر کہنا ہے تو کہہ نعت رسولِ اکملؐ (۴۷۳)

نایاب کی تشبیب رفعتِ خیال اور زبان و بیان کی چاشنی سے بھرپور ہے لیکن نعت کا حصہ نہیں ہے جو تشنگی کا باعث ہے۔وہ نعت لکھتے تو نعتیہ ادب میں یقیناً ایک خوب صورت قصیدے کا اضافہ ہو جاتا۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ مدح کا حصہ لکھنے کی مہلت ہی میسر نہیں آئی۔

18-عبدالمجید خاں پیلی بھیتی:

عبدالمجید کا ایک نعتیہ قصیدہ محسن کاکوروی کی زمین میں ہے اور یہ چونسٹھ اشعار پر مبنی ہے۔ اسے محسن کا کامیاب تتبع قرار دیا جاسکتا ہے۔مطلع دیکھیے :

دل کے دل ساتھ لیے کعبے سے آیا بادل آب زمزم کے دھرے کاندھے پہ ہر دَل بادل(۴۷۴)

19-اصغر گونڈوی:(۱۸۸۴ء تا ۲۹نومبر ۱۹۳۶ء)

اصغر کا متولد ضلع گورکھ پور ہے۔والد ملازمت کے سلسلے میں گونڈہ رہے،اس لیے وہ گونڈوی مشہور ہوگئے۔وہ ۱۸۵۴ء میں پیدا ہوئے۔امیر اللہ تسلیم کی شاگردی کی۔اُن کا جھکاؤ تصوف کی طرف ہے۔اُنھوں نے ۲۹نومبر ۱۹۳۶ء میں الہ آباد میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔(۴۷۵)

اصغر گونڈوی کے مجموعے ''نشاط روح'' میں ایک نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔اگرچہ اس پر نعت کا عنوان ہے مگر اس میں قصیدے کے سارے عناصر موجود ہیں۔اکیس اشعار کا یہ قصیدہ تشبیب میں عشق کی کیفیات کی فلسفیانہ توجیہات پر مبنی ہے۔اس کے علاوہ اس میں شاعر کے داخلی جذبات بھی موجود

ہیں۔انھوں نے توحید و رسالت کے عرفان پر صوفیانہ نظر ڈالی ہے۔عظمتِ رسولؐ کا دل نشیں اظہار اُن کے ہاں موجود ہے جس میں عشق و مستی کا وفور بھی ملتا ہے:

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود جز ایں کہ لطف خلش ہائے نالۂ بے سود
وہ راز خلقت ہستی ، وہ معنیِ کونین وہ جانِ حسن ازل، وہ بہارِ صبحِ وجود
صبائے حسن کا ادنیٰ سا یہ کرشمہ ہے چمک گئی ہے شبستان غیب و بزمِ شہود
نگاہ ناز میں پنہاں ہیں نکتہ ہائے فنا چھپا ہے خنجر ابرو میں رمز ''لاموجود''(۴۷۶)

20-اثر لکھنوی:

جعفر علی خاں اثر لکھنوی شعر و سخن میں عزیز لکھنوی سے مستفیض ہیں۔ڈاکٹر محمد کمال الدین نے اُن کے غیر مطبوعہ نعتیہ قصائد کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ مدحِ رسولؐ سے منقبت کو الگ رکھتے ہیں۔اُن کی زیادہ تر تشبیب عشقیہ ہیں جن پر متفرق مضامین ہونے کی بنا پر غزل کا گماں ہوتا ہے۔ایک نعتیہ قصیدے کی تشبیب کے چند شعر دیکھیے:

رنگ شکستہ پر نہ جا، شور وہ میرے دل میں ہے قرب ہزار جبرائیل نالۂ بے اثر میں ہے
میرے مذاق عشق میں ننگ ہے غیر کا خیال تو ہی مری نظر میں تھا، تو ہی مری نظر میں ہے
دولت خضر مل گئی ، دل ہے غنی، نگاہ سیر صولت صد سکندری عشق برہنہ سر میں ہے(۴۷۷)

21-جان محمد سنی:

جان محمد سنی کا کلام ''دیوان سنی'' کے نام سے بمبئی سے ۱۲۹۲ھ میں طبع ہوا ہے۔اُنھوں نے آپؐ کے مختلف معجزات کو منظوم پیرائے میں ڈھالا ہے۔معجزات کا یہ بیان قصیدے کی ہیئت میں ہے۔اس کے علاوہ ایک قصیدہ آنحضرتؐ کی وفات کے بارے میں ہے جس کا مطلع درج ذیل ہے:

میں اب حسن نیت سے سجدے میں جا کروں دل سے توصیف یارِ خدا(۴۷۸)

22-رنج میرٹھی:

حکیم فصیح الدین رنج میرٹھی ؛ غالبؔ کے تلامذہ میں سے ہیں۔انھوں نے اُردو شاعرات کا اولین تذکرہ مرتب کیا۔اُن کا مختصر نعتیہ کلام ''گلشن نعت'' کے نام سے شائع ہوا۔راقم کو اُن کا کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔اُن کا کلیات ''مخزن الفصاحت'' ایک سو اٹھائیس صفحات کو محیط ہے۔ڈاکٹر راحت

ابرار نے کلیاتِ رنج میں چھے قصائد کا ذکر کیا ہے۔ان میں سے دو قصائد نواب کلب علی خان فائق کی مدح میں ہیں جب کہ دو قصیدے نعت میں ہیں۔چند اشعار دیکھیے :

مجھے کچھ وصف لکھنا ہے حبیب پاک سبحاں کا بجا ہے گر بنے مسطر مری ہر اک رگِ جاں کا
تمنا ہے تری مجلس میں پہنچوں شاہ عالی جاہؐ! کہ جس دم تفرقہ ہو جائے میرے جسم سے جاں کا
قصیدہ لکھ کے شان پاک میں حضرتؐ کی لایا ہوں عنایت جائزہ میں کیجیے گلزار رضواں کا(۴۷۹)

23-صوفی محمد جمیل الرحمٰن:(م:۱۳۴۳ھ)

صوفی محمد جمیل الرحمٰن کے مجموعے ''قبالۂ بخشش'' میں مدحیہ قصائد موجود ہیں۔اُن کا کلام مولانا احمد رضا خان کے رنگ میں ہے اور انھی سے بیعت ہیں۔اُس میں وفور عشق اور سوز محبت کا عنصر نمایاں ہے۔اُن کا اسلوب شستہ و رواں ہے۔مثال میں یہ اشعار دیکھیے :

دو عالم میں روشن ہے اِکا تمھارا ہوا لا مکاں تک اُجالا تمھارا
کسی جا ہے طٰہٰ و یسٰیں کہیں پر لقب ہے سراجاً منیراً تمھارا(۴۸۰)

24-مرزا عبداللہ بیگ ہوش:

اُن کے مجموعے ''قصائد ہوش'' میں مدحیہ قصائد ملتے ہیں۔یہ سات سے دس شعروں کو محیط ہیں:

محمدؐ کا کوئی ثانی نہیں ہے فلک پر ہے نہ بالائے زمیں ہے(۴۸۱)

25-محمد اسماعیل مغموم:

محمد اسماعیل مغموم کا تعلق مدراس سے ہے۔''کلیاتِ مغموم'' میں انتالیس شعروں کا ایک مدحیہ قصیدہ ہے جو حاضری و حضوری کی تمنا، ہجر کے سوز اور داخلی جذبوں کے اظہار سے مزین ہے۔یہ قصیدہ تنسیق الصفات کا شاہکار ہے۔اس کے اشعار کے دوسرے مصرع میں مغموم نے تین چیزیں جمع کی ہیں اور ہر ایک کے ساتھ اس کی صنعت بیان کی ہے۔مثال دیکھیے :

ہجر نبیؐ میں صبر کا دامن ہے تار تار زخمی جگر ہے، سوختہ دل، سینہ داغدار
شیدا ہوں اس پہ جو ہے نبوت کا تاج دارؐ امی لقب ، حبیب خدا، شاہِ ذی وقارؐ
گر اک نگاہ روضۂ اطہرؐ کو دیکھ لوں قربان دل ہو ، سر ہو فدا اور جاں نثار
دیکھوں مرے نبیؐ کا جو روضہ تو ہو حصول آنکھوں کو نور، دل کو طرب ، جان کو قرار(۴۸۲)

اس کے علاوہ نعتیہ قصیدہ نگاری میں جن شعرا کے نام آتے ہیں اُن میں مظفرعلی اسیر، نیاز احمد ہوش (م:۱۸۹۲ء)، حیدرعلی فاضل سندیلوی (م:۱۸۰۷ء)، رحمت علی طپش، مولوی امداد علی حیدرآبادی، نقدعلی ایجاد، رحمت خاں والہ (م:۱۸۳۴ء)، محمد احسن علی رسوا، فیض الحسن سہارن پوری، امداد حسین صغیر، مولوی میر محمد حسین فرحت بریلوی، مولوی مہدی شیدا کاکوروی، الہ داد طالب شبراتی، آغاز جان احسن، شیر خاں چابک سوار، قادر بادشاہ، عزیز صفی پوری، محمد ہادی، طالق ہمدانی، میر طالب حسین خاک (م:۱۸۹۰ء) منشی اطہر علی اطہر (م:۱۹۰۹ء)، محمد عمر وفا، نواب سید امجد علی خان، بہادر قیصر، ممتاز الدین ممتاز، محمد سعید الدین کامل، محمد رزاق کلامی، محمد نعیم الدین شاہ، نواب مردان علی خاں رعنا، محمد امین، محمد شفیع ناصر، محمد رضواں علی رضواں، میر عباس علی عالی، بادشاہ محی الدین شاہ، برہان، محمد رسول بھائی اور حاجی عبداللہ آشفتہ، اشتیاق احمد مشتاق، شرف النسا بیگم اور طاہرہ بیگم طاہرہ شامل ہیں۔

۱۸۵۷ء کے بعد درباری قصیدہ تقریباً ختم ہوگیا لیکن اس کی جگہ نعتیہ قصیدہ پہلے سے زیادہ زور وشور سے لکھا جانے لگا۔ اس عہد میں سیاسی انقلاب نے ہر صنفِ سخن کو متاثر کیا۔ منیر شکوہ آبادی نے دلی کے زوال اور کالے پانی کی سزا کے اپنے احوال رقم کر کے نعتیہ قصیدے کو روحِ عصر سے بخوبی مزین کیا لیکن افسوس بعد میں کوئی شاعر اس روش پر گامزن نہیں ہوا۔ اس دور میں قصیدے کا اسلوب تو قدیم ہی رہا مگر سیرتِ طیبہؐ کے موضوعات کی گہرائی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

☆☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

ا۔عبدالسلام خورشید،ڈاکٹر/روشن آراراؤ،ڈاکٹر: تاریخ تحریک پاکستان: اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء،ص:۳۸

۲۔ایضاً۔ ص:۴۹ ۳۔ایضاً۔ص:۵۰

۴۔ایضاً۔ص:۱۱۹ ۵۔ایضاً۔ص:۱۴۳

۶۔ایضاً۔ص:۲۵۵

۷۔تاراچند: تاریخ تحریک آزادی ہند (جلد:۳): مترجم عدیل عباسی: نئی دہلی، ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۵ء ص:۱۲۱

۸۔رمیش دت: ہندوستان کی معاشی تاریخ (جلد:۲): مترجم غلام ربانی تاباں: نئی دہلی، ترقی اُردو بورڈ، ۱۹۷۹ء،ص:۱۳

۹۔ایضاً۔ص:۶

۱۰۔انور سدید، ڈاکٹر: اردو ادب کی تحریکیں: کراچی، انجمن ترقی اُردو، ۲۰۱۰ء،ص:۳۷۱

۱۱۔حالی، الطاف حسین، مولانا: مقدمۂ شعروشاعری: مرتبہ، ڈاکٹر وحید قریشی: اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۵ء،ص:۱۱۲

۱۲۔سید محمد عبداللہ، ڈاکٹر: سرسید احمد خان اور اُن کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی وفکری جائزہ: لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء،ص:۱۹۱

۱۳۔محمد حسن، ڈاکٹر: اُردو ادب میں رومانوی تحریک: لکھنو، تنویر پریس، ۱۹۵۵ء،ص:۲۲

۱۴۔جاوید اختر: ''اُردو ادب میں ترقی پسند تحریک'' مشمولہ ''اردو ادب کی ترقی پسند تحریک از احمد پراچہ: لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۱۰ء،ص:۴۴

۱۵۔محمد کمال الدین، ڈاکٹر: بیسویں صدی میں اُردو قصیدہ نگاری: مئوناتھ بھنجن، نکھار پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء،ص:۲۸۵

۱۶۔محمد اسماعیل آزاد، ڈاکٹر: اردو شاعری میں نعت (جلد اول): کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۸ء،ص:۳۱۲

۱۷۔حامد حسن قادری: داستان تاریخ اردو: آگرہ، برقی پریس، ۱۹۴۱ء، ص: ۲۴۹
۱۸۔غلام امام شہید: قصائد نعتیہ: مرتبہ محمد عبدالرحمٰن: کانپور، مطبع نظامی، ۱۲۸۲ھ، ص: ۴ تا ۶
۱۹۔ایضاً۔ص: ۷ ۲۰۔ایضاً۔ص: ۷
۲۱۔ایضاً۔ص: ۲۰۔۱۹ ۲۲۔ایضاً۔ص: ۲۰ تا ۲۲
۲۳۔ابومحمد سحر، ڈاکٹر: اُردو میں قصیدہ نگاری: دہلی، تخلیق کار پبلشرز، ۲۰۱۰ء، ص: ۱۸۲
۲۴۔محمد اسماعیل آزاد، ڈاکٹر: اردو شاعری میں نعت (جلد اول): کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۸ء، ص: ۲۴۹
☆ دارالعلوم دیوبند ۳۱ مئی ۱۸۶۶ء ضلع سہارن پور کے قصبے دیوبند کی مسجد چھتہ میں قائم ہوا مولانا محمود الحسن، شبیر احمد عثمانی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا حسین احمد مدنی اور علامہ سید انور شاہ کاشمیری اسی ادارے سے فیض یاب ہیں۔
۲۵۔محمد اسماعیل آزاد، ڈاکٹر: اردو شاعری میں نعت (جلد اول): کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۸ء، ص: ۲۵۰
۲۶۔قاسم نانوتوی، محمد: قصائد قاسمی: دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۰۹ھ، ص: ۲ تا ۴
۲۷۔ایضاً۔ص: ۵ تا ۸ ۲۸۔ایضاً۔ص: ۵ تا ۸
۲۹۔محمد اسماعیل آزاد، ڈاکٹر: اردو شاعری میں نعت (جلد اول): کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۸ء، ص: ۳۰۳
۳۰۔سعادت سعید، ڈاکٹر: اردو قصیدہ کا تہذیبی و فنی مطالعہ: مقالہ برائے پی ایچ ڈی، لاہور، پنجاب یونی ورسٹی، ص: ۴۲۷
☆ ڈاکٹر اسماعیل آزاد نے لکھا ہے کہ منیر کی رہائی نواب یوسف علی خاں کی کوششوں سے عمل میں آئی۔
۳۱۔محمد اسماعیل آزاد، ڈاکٹر: اردو شاعری میں نعت (جلد اول): کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۸ء، ص: ۲۰۴
۳۲۔سعادت سعید، ڈاکٹر: اردو قصیدہ کا تہذیبی و فنی مطالعہ: مقالہ برائے پی ایچ ڈی، لاہور، پنجاب یونی ورسٹی، ص: ۴۲۷
۳۳۔ریاض الدین: انتخاب کلام منیر شکوہ آبادی: لکھنو، اُتر پردیش اکادمی، ۱۹۸۲ء، ص: ۷
☆ ڈاکٹر زہرہ یاسمین کے مطابق؛ منیر نے دبیر کی شاگردی کی اور استاد کے تخلص کی صوتی مناسبت سے اپنا تخلص منیر رکھ لیا۔ زہرہ بیگم یاسمین، ڈاکٹر: منیر شکوہ آبادی، سوانح، حیات و کلام پر تبصرہ: لکھنو، نسیم بکڈپو، ۱۹۷۰ء ص: ۱۸۰
۳۴۔محمد اسماعیل آزاد، ڈاکٹر: اردو شاعری میں نعت (جلد اول): کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۸ء، ص: ۳۰۴
☆ ریاض الدین نے ''انتخاب کلام منیر'' میں ۲۹ قصائد کا ذکر کیا ہے

۳۵۔منیر شکوہ آبادی: کلیات منیر: لکھنو: مطبع ثمر ہند: ۱۲۹۶ھ (۱۸۵۳ء)، ص:۸

۳۶۔ایضاً۔ص:۱۶ ۳۷۔ایضاً ۔ص:۱۰۔۹

۳۸ایضاً۔ص:۱۱تا۱۳ ۳۹ایضاً۔ ص:۱۳

۴۰۔ایضاً۔ص:۱۵ ۴۱۔ایضاً۔ص:۱۸

۴۲۔ایضاً ۔ص:۱۸ ۴۳۔ایضاً۔ص:۲۰۔۱۹

۴۴۔ایضاً۔ص:۲۰ ۴۵۔ایضاً ۔ص:۲۱

۴۶۔ایضاً ۔ص:۲۲ ۴۷۔ایضاً ۔ص:۲۲

۴۸۔ایضاً۔ص:۲۳۔۲۲ ۴۹۔ایضاً ۔ص:۲۴

۵۰۔ذاکر حسین فاروقی :منیر شکوہ آبادی: مشمولہ ہفت روزہ ''تنقید'' بمبئی: وسیم انصاری لکھنوی (مدیر) شمارہ نمبر۳۔۲۔۱، ۲۶، جنوری ۱۹۶۲ء، ص:۶

۵۱۔فائق، کلب علی خان، نواب: حیاتِ سالک: مشمولہ: کلیات سالک از قربان علی بیگ سالک: لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، ص:۲۸

۵۲۔ایضاً ۔ص:۲۸

۵۳۔سالک، قربان علی بیگ: کلیات سالک: مرتبہ کلب علی خاں فائق: لاہور، مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، ص:۸۲۔۸۱ ۵۴۔ایضاً۔ص:۸۴

۵۵۔ایضاً۔ص: ۸۴ ۵۶۔ایضاً۔ص:۸۷۔۸۶

۵۷۔ایضاً۔ص:۸۸

۵۸۔صابر دہلوی، قادر بخش: ریاض صابر: حیدرآباد دکن، مطبع اخبار آصفی، ۱۳۰۴ھ، ص:۱۲

۵۹۔صابر دہلوی، قادر بخش: گلستان سخن (حصہ اوّل): مرتبہ: خلیل الرحمٰن داؤدی، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، ص:۲۷

۶۰۔صابر دہلوی، قادر بخش: ریاض صابر: حیدرآباد دکن، مطبع اخبار آصفی، ۱۳۰۴ھ، ص:۶

۶۱۔ایضاً۔ص:۲۷۵ ۶۲۔ایضاً۔ص:۲۷۶

۶۳۔ایضاً۔ص:۲۷۷ ۶۴۔ایضاً۔ص:۲۷۹۔۲۷۸

۶۵۔ایضاً ۔ص:۲۷۹ ۶۶۔ایضاً۔ص:۲۸۱۔۲۸۰

۶۷۔نواب کلب علی خان فائق: نشید خسروانی: تاج المطابع، ۱۲۹۱ھ، ص:۲۶۸۔۲۶۷

۶۸۔ایضاً ۔ص:۲۶۹۔۲۶۸ ۶۹۔ایضاً۔ص:۲۶۹ تا ۲۷۲

۷۰۔ایضاً ۔ص:۲۷۲ ۷۱۔ایضاً۔ص:۲۷۲۔۲۷۳

۷۲۔یوسفی،خورشیداحمدخاں:خم خانۂ جاوید(جلد ششم):اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،۱۹۹۰ء،ص:۴۷۷

۷۳۔ہوش،نیازاحمد بریلوی:کلیات ہوش:مرتبہ،نثاراحمد:لکھنو،مطبع گلشن فیض،۱۳۱۳ھ،ص:۴

۷۴۔ایضاً۔ص:۶

۷۵۔سعادت سعید،ڈاکٹر:اُردوقصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ:مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو،پنجاب یونی ورسٹی،لاہور،ص:۴۴۳

۷۶۔ہوش،نیازاحمد بریلوی:کلیات ہوش:مرتبہ،نثاراحمد:لکھنو،مطبع گلشن فیض،۱۳۱۳ھ،ص:۴

۷۷۔ایضاً۔ص:۵ ۷۸۔ایضاً۔ص:۱۰تا۱۲

۷۹۔رفیع الدین اشفاق،ڈاکٹر:اردو میں نعتیہ شاعری:کراچی،اُردواکیڈمی سندھ،۱۹۷۶ء،ص:۲۸۷

۸۰۔سعادت سعید،ڈاکٹر:اُردوقصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ:مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو،پنجاب یونی ورسٹی،لاہور،ص:۴۴۹

۸۱۔امیر مینائی:محامد خاتم النبینؐ:کراچی،پیراماؤنٹ پبلشنگ انٹرپرائز،۲۰۱۰ء،ص:۹۰

۸۲۔ایضاً۔ص:۹۰۔۹۱ ۸۳۔ایضاً۔ص:۹۲

۸۴۔ایضاً۔ص:۹۲ ۸۵۔ایضاً۔ص:۹۳

۸۶۔ایضاً۔ص:۹۲

☆ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اپنے مقالے صفحہ۲۹۳پراس شعر کواعتدال سے متجاوز قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں ''خوشامد'' کے لفظ کے لغوی معنی میں توجیہ ہوسکتی ہے لیکن احتیاط کے خلاف ضرور ہے

۸۷۔ایضاً۔ص:۹۲ ۸۸۔ایضاً۔ص:۹۴

۸۹۔ایضاً ۔ص:۹۵ ۹۰۔ایضاً ۔ص:۹۴

۹۱۔ایضاً۔ص:۹۶ ۹۲۔ایضاً۔ص:۱۰۰تا۱۰۲

۹۳۔ایضاً۔ص:۱۰۲۔۱۰۳ ۹۴۔ایضاً ۔ص:۱۰۵

۹۵۔ایضاً ۔ص:۱۰۹ ۹۶۔ایضاً ۔ص:۱۱۰

۹۷۔ایضاً ۔ص:۱۱۱

۹۸۔غلام مصطفیٰ خان،ڈاکٹر:امیر مینائی کے قصائد میں نعتیہ رنگ:مشمولہ نعت رنگ(حمد نمبر)،شمارہ نمبر

۷، اگست ۱۹۹۹ء کراچی، ص: ۱۱۵
۹۹۔ محمد سمیع الحق: سخن دہلوی۔ حیات اور کارنامے: پٹنہ، تاج بک ڈپو، ۱۹۸۱ء، ص: ۱۴
۱۰۰۔ ایضاً۔ ص: ۲۶ ۱۰۱۔ ایضاً۔ ص: ۱۹
۱۰۲۔ سخن دہلوی: دیوان سخن دہلوی: لکھنؤ، مطبع نول کشور، ۱۸۸۶ء، ص: ۱۳۔ ۱۲
۱۰۳۔ ایضاً۔ ص: ۱۶ تا ۱۸ ۱۰۴۔ ایضاً۔ ص: ۱۸
۱۰۵۔ ایضاً۔ ص: ۱۶
۱۰۶۔ محمد امیر سہارن پوری: قصائد محمد امیر: م ن، مطبع احمدی، ۱۸۶۱ء، ص: ۳
۱۰۷۔ ایضاً۔ ص: ۴ ۱۰۸۔ ایضاً۔ ص: ۶۔ ۵
۱۰۹۔ ایضاً۔ ص: ۷ ۱۱۰۔ ایضاً ۔ص: ۸
۱۱۱۔ رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر: اردو میں نعتیہ شاعری: کراچی، اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۶ء، ص: ۳۱۱
۱۱۲۔ محمد اسماعیل آزاد: اردو شاعری میں نعت (جلد اول): لکھنو، نسیم بک پیلس، ۱۹۹۲ء، ص: ۳۷۳
۱۱۳۔ ایضاً۔ ص: ۳۷۴
۱۱۴۔ محسن کاکوروی: کلیات نعت محسن کاکوروی: مرتبہ محمد نور الحسن: لکھنو، اُتر پردیش اکادمی، ۱۹۸۲ء، ص: ۴۸
۱۱۵۔ ایضاً۔ ص: ۳۲ ۱۱۶۔ ایضاً۔ ص: ۳۳
۱۱۷۔ محمد اسماعیل آزاد: اردو شاعری میں نعت (جلد اول): لکھنو، نسیم بک پیلس، ۱۹۹۲ء، ص: ۳۸۰
۱۱۸۔ محسن کاکوروی: کلیات نعت محسن کاکوروی: مرتبہ محمد نور الحسن: لکھنو، اُتر پردیش اکادمی، ۱۹۸۲ء، ص: ۳۴
۱۱۹۔ ایضاً۔ ص: ۳۳ ۱۲۰۔ ایضاً۔ ص: ۳۴
۱۲۱۔ ایضاً۔ ص: ۴۸ ۱۲۲۔ ایضاً۔ ص: ۵۳
۱۲۳۔ ایضاً۔ ص: ۱۷ ۱۲۴۔ ایضاً۔ ص: ۵۵
۱۲۵۔ ایضاً۔ ص: ۵۷ ۱۲۶۔ ایضاً۔ ص: ۶۸
۱۲۷۔ ایضاً۔ ص: ۶۹ ۱۲۸۔ ایضاً۔ ص: ۶۹
۱۲۹۔ ایضاً۔ ص: ۵۶
۱۳۰۔ سلیم شہزاد: کلام محسن کاکوروی ایک تنقیدی مطالعہ: مشمولہ ''نعت رنگ، مرتب سید صبیح الدین رحمانی، شمارہ ۲۷، کراچی، دسمبر ۲۰۱۷ء، ص: ۲۵۸
۱۳۱۔ محسن کاکوروی: کلیات نعت محسن کاکوروی: مرتبہ محمد نور الحسن: لکھنو، اُتر پردیش اکادمی، ۱۹۸۲ء، ص: ۹۵

۱۳۲۔ایضاً۔ص:۹۵تا ۹۹
۱۳۳۔ایضاً۔ص:۱۰۴ تا ۱۰۸
۱۳۴۔ایضاً۔ص:۱۱۰ تا ۱۱۱
۱۳۵۔ایضاً۔ص:۱۱۳ تا ۱۱۵
۱۳۶۔ایضاً۔ص:۱۱۸ تا ۱۲۱
۱۳۷۔ایضاً۔ص:۱۲۳
۱۳۸۔ابواللیث صدیقی،ڈاکٹر :لکھنو کا دبستان شاعری :علی گڑھ،شعبہ اُردو،مسلم یونی ورسٹی،۱۹۴۴ء،
ص:۳۲۳۔۳۲۲
۱۳۹۔اُم ہانی اشرف:اردوقصائدکا سماجیاتی مطالعہ:علی گڑھی،ایجوکیشنل بک ہاؤس،۱۹۹۹ء،ص:۲۲۱
۱۴۰۔محسن کاکوروی:کلیات نعت محسن کاکوروی:مرتبہ محمد نورالحسن:لکھنو،اُترپردیش اکادمی،۱۹۸۲ء،ص:۹۳
۱۴۱۔ایضاً۔ص:۹۴
۱۴۲۔ایضاً۔ص:۲۰۷
۱۴۳۔ایضاً۔ص:۲۰۷
۱۴۴۔ایضاً۔ص:۲۰۸ تا۲۱۰
۱۴۵۔ایضاً۔ص:۲۰۹
۱۴۶۔ایضاً۔ص:۲۱۱
۱۴۷۔ایضاً۔ص:۲۱۲
۱۴۸۔ایضاً۔ص:۲۱۳
۱۴۹۔ایضاً۔ص:۲۱۴۔۲۱۳
۱۵۰۔ضیا احمد بدایونی:محسن کاکوروی بطور قصیدہ نگار:مشمولہ ''نعت رنگ،مرتب سید صبیح الدین رحمانی،
شمارہ ۲۷،کراچی،دسمبر ۲۰۱۷ء،ص:۲۵۸
۱۵۱۔نظیر لدھیانوی:تذکرہ شعرائے اُردو:لاہور،عشرت پبلشنگ ہاؤس،۱۹۵۳ء،ص:۲۰۳۔۲۰۲
۱۵۲۔تسلیم،امیر اللہ:کلیات امیر اللہ تسلیم:لکھنو،مطبع منشی نول کشور،۱۲۸۸ھ،ص:۴
۱۵۳۔ایضاً۔ص:۵۔۴
۱۵۴۔ایضاً۔ص:۶۔۵
۱۵۵۔صالحہ عابد حسین:یادگار حالی:نئی دہلی،انجمن ترقی اُردو،۱۹۸۶ء،ص:۲۴
۱۵۶۔ایضاً۔ص:۲۰۴
۱۵۷۔حالی،الطاف حسین،مولانا:دیوانِ حالی:لاہور،نذیر سنز پبلشرز،۱۹۹۲ء،ص:۱۵۰تا۱۵۲
۱۵۸۔ایضاً۔ص:۱۵۹ تا ۱۶۱
۱۵۹۔ایضاً۔ص:۱۶۳۔۱۶۲
۱۶۰۔ایضاً۔ص:۱۵۹
۱۶۱۔ریاض مجید،ڈاکٹر:اُردو میں نعت گوئی:لاہور،اقبال اکادمی،۱۹۹۰ء،ص:۴۰۱
۱۶۲۔زور،محی الدین قادری،ڈاکٹر:بادۂ سخن:دکن،اعظم اسٹیم پریس،۱۹۳۵ء،ص:۱۸۔۱۷
۱۶۳۔ایضاً۔ص:۲۳

۱۶۴۔ مائل، احمد حسین، ڈاکٹر: تحفۂ دکن: آگرہ، مطبع مفید عام، ۱۸۹۷ء، ص:۱۴

۱۶۵۔ ایضاً۔ص: ۱۷ ۱۶۶۔ ایضاً۔ص:۱۴

۱۶۷۔ ایضاً۔ص:۱۴ ۱۶۸۔ ایضاً۔ص:۱۴تا۱۶

۱۶۹۔ شکیب، شبیر علی خاں: رام پور کا دبستانِ شاعری: رام پور، رام پور رضا لائبریری، ۱۹۹۹ء، ص:۴۲۱

☆ ڈاکٹر سعادت سعید نے ''اُردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ'' میں صفحہ نمبر ۵۰۷ پر اُن کا سالِ وفات ۱۹۱۵ء لکھا ہے۔

۱۷۰۔ وفا، عبدالہادی: یادگارِ وفا: رام پور، جلیل سعید منزل، ۱۳۴۲ھ، ص:۱۲

۱۷۱۔ ایضاً۔ص:۱۳۔۱۲ ۱۷۲۔ ایضاً۔ص:۱۴۔۱۳

۱۷۳۔ محمد عبدالمبین قادری: امام احمد رضا اور اُن کی تعلیمات: مالیگاؤں، نوری مشن، ۲۰۰۷ء، ص:۲

۱۷۴۔ احمد رضا خاں، مولانا: حدائقِ بخشش: لاہور، پروگیسو بکس ۲۰۱۱ء، ص:۱۱۶تا۱۱۸

۱۷۵۔ ایضاً۔ص:۱۱۹ ۱۷۶۔ ایضاً۔ص:۱۲۰

۱۷۷۔ ایضاً۔ص:۱۲۰تا۱۲۲

۱۷۸۔ محمد اسحاق قریشی، ڈاکٹر: مولانا احمد رضا خان کی اردو نعتیہ شاعری: نعت رنگ۔۱۸، مرتب: سید صبیح رحمانی، کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء، ص:۶۱

۱۷۹۔ احمد رضا خاں، مولانا: حدائقِ بخشش: لاہور، پروگیسو بکس ۲۰۱۱ء، ص:۱۲۸

۱۸۰۔ ایضاً۔ص:۱۲۸ ۱۸۱۔ ایضاً۔ص:۱۲۹

۱۸۲۔ ایضاً۔ص:۱۳۰ ۱۸۳۔ ایضاً۔ص:۱۴۰

۱۸۴۔ ایضاً۔ص:۱۴۱۔۱۴۰ ۱۸۵۔ ایضاً۔ص:۱۴۰

۱۸۶۔ ایضاً۔ص:۱۴۲ ۱۸۷۔ ایضاً۔ص:۱۵۵ تا ۱۶۰

۱۸۸۔ ایضاً۔ص:۱۵۸۔۱۵۷ ۱۸۹۔ ایضاً۔ص:۱۶۲

۱۹۰۔ شہیر مچھلی شہری: خیابانِ ترنم: الہ آباد، جامعہ اصلاحیہ عثمانیہ، ۱۳۵۴ھ، ص:۲

۱۹۱۔ ایضاً۔ص:۹ ۱۹۲۔ ایضاً۔ص:۱۰

۱۹۳۔ ایضاً۔ص:۱ ۱۹۴۔ ایضاً ص:۳۔۲

۱۹۵۔ ایضاً۔ص:۵۔۴

۱۹۶۔ محسن حیدر آبادی، سید محمد حسین: نظم طباطبائی۔ ایک تعارف: مشمولہ: نظم طباطبائی (جز و اول): مرتبہ،

سید امیر حسن/ محترمہ قمر حسن، حیدر آباد، حیدری پرنٹرس، س ن: ص: ۵

۱۹۷۔ اشرف رفیع، ڈاکٹر: نظم طبا طبائی، حیات اور کارناموں کا تنقیدی مطالعہ، حیدر آباد، دکن، الیاس ٹریڈرس پبلشرز، ۱۹۷۳، ص: ۶۰

۱۹۸۔ امیر حسن، سید: نظم طباطبائی (جز واوّل): حیدر آباد، رضوی پرنٹرس، س ن، ص: ۲۳

۱۹۹۔ ایضاً۔ ص: ۳۲

۲۰۰۔ ایضاً۔ ص: ۳۳

۲۰۱۔ ایضاً۔ ص: ۴۵

۲۰۲۔ ایضاً۔ ص: ۴۸۔۴۷

۲۰۳۔ ایضاً۔ ص: ۵۰

۲۰۴۔ ایضاً۔ ص: ۵۵

۲۰۵۔ ایضاً۔ ص: ۵۶

۲۰۶۔ ایضاً۔ ص: ۳۳

۲۰۷۔ ایضاً۔ ص: ۳۶۔۳۵

۲۰۸۔ ایضاً۔ ص: ۳۸۔۳۷

۲۰۹۔ ایضاً۔ ص: ۴۲تا۴۵

۲۱۰۔ ایضاً۔ ص: ۵۸تا۶۰

۲۱۱۔ ایضاً۔ ص: ۴۰

۲۱۲۔ ایضاً۔ ص: ۴۵تا۶۰

۲۱۳۔ ایضاً۔ ص: ۶۷

۲۱۴۔ ایضاً۔ ص: ۷۰۔۶۹

۲۱۵۔ ایضاً۔ ص: ۷۴۔۷۳

۲۱۶۔ محمد اظہر فرید شاہ، علامہ: غزوات وسرایا: ساہیوال، فریدیہ پبلشرز، ۲۰۱۸ء، ص: ۴۹۸

۲۱۷۔ سعادت سعید، ڈاکٹر: اُردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، ص: ۵۳۸

۲۱۸۔ محمد صفدر علی خان: کلیات صفدر: لکھنو، مطبع نول کشور، ۱۹۰۱ء، ص: ۱تا۵

۲۱۹۔ ☆ اُن کے قصائد ''سبعہ سیارہ'' کے عنوان سے ۱۳۰۹ھ میں شائع ہوئے

۲۲۰۔ ایضاً۔ ص: ۵۰۵

۲۲۱۔ ایضاً۔ ص: ۵۰۵ تا ۵۰۷

۲۲۲۔ ایضاً۔ ص: ۵۰۶

۲۲۳۔ ایضاً۔ ص: ۵۰۸

۲۲۴۔ منظر عارفی: کراچی کا دبستانِ نعت: کراچی، نعت ریسرچ سنٹر ۲۰۱۶ء، ص: ۵۸۱

۲۲۵۔ یکتا امروہوی: کلام یکتا: مرتبہ، نعیم میرٹھی: کراچی، رائٹرز بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۹ء، ص: ۳۷

☆ پہلے مطلع میں ''عیدٗ'' کی جگہ ''عید'' اور گھر گھر کی جگہ ''گہر گہر'' چھپا ہے یہ پروف کی غلطی ہے اور قدیم املا کا انداز ہے۔

۲۲۶۔ ایضاً۔ ص: ۳۷ تا ۵۳

۲۲۷۔ ایضاً۔ ص: ۵۴۔۵۳

۲۲۸۔☆ اصل متن میں ''عامل وتکفیر'' درج ہے جو معنوی طور سے درست نہیں۔

۲۲۹۔ایضاً۔ص:۴۸۔۴۷ ۲۳۰۔ایضاً۔ص:۳۷

۲۳۱۔ایضاً۔ص:۴۱ ۲۳۲۔ایضاً۔ص:۴۲

۲۳۳۔ایضاً۔ص:۴۶ ۲۳۴۔ایضاً۔ص:۵۲

۲۳۵۔ایضاً۔ص:۵۵ ۲۳۶۔ایضاً۔ص:۴۵

۲۳۷۔کیف، عالم گیر خاں: وسیلۂ شفاعت: آگرہ، انوار محمدیؐ، ۱۳۲۸ھ، ص:۲

۲۳۸۔ایضاً۔ص:۲ ۲۳۹۔ایضاً۔ص:۴۔۳

۲۴۰۔ایضاً۔ص:۴ ۲۴۱۔ایضاً۔ص:۵

۲۴۲۔حیات لکھنوی: اوراقِ عزیز: دہلی، عزیز لکھنوی یادگار کمیٹی، ۱۹۹۹ء، ص:۷

۲۴۳۔عزیز لکھنوی: صحیفہ ولا: الٰہ آباد، کتابستان، س ن، ص:۱

۲۴۴۔ایضاً۔ص:۶ ۲۴۵۔ایضاً۔ص:۱۰

۲۴۶۔ایضاً۔ص:۱۶ ۲۴۷۔ایضاً۔ص:۱۹

۲۴۸۔ایضاً۔ص:۲۰ ۲۴۹۔ایضاً۔ص:۲۱

۲۵۰۔ایضاً۔ص:۲۲ ۲۵۱۔ایضاً۔ص:۲۵

۲۵۲۔ایضاً۔ص:۲۷ ۲۵۳۔ایضاً۔ص:۲۸

۲۵۴۔ایضاً۔ص:۲۹ تا ۳۱ ۲۵۵۔ایضاً۔ص:۳۲

۲۵۶۔ایضاً۔ص:۳۵۔۳۴ ۲۵۷۔ایضاً۔ص:۳۶

۲۵۸۔ایضاً۔ص:۳۸۔۳۷ ۲۵۹۔ایضاً۔ص:۳۳

۲۶۰۔ایضاً۔ص:۴ ۲۶۱۔ایضاً۔ص:۶

۲۶۲۔ایضاً۔ص: ۱۰ ۲۶۳۔ایضاً۔ص: ۲۶

۲۶۴۔ایضاً۔ص: ۱۹ ۲۶۵۔ایضاً۔ص: ۳۴

۲۶۶۔ایضاً۔ص: ۳۴ ۲۶۷۔ایضاً۔ص: ۳۰

۲۶۸۔محمد کمال الدین، ڈاکٹر: بیسویں صدی میں اردو قصیدہ نگاری: مئو ناتھ بھنجن: نکھار پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء، ص:۹۶

۲۶۹۔علی جواد زیدی: قصیدہ نگاران اتر پردیش: لکھنو، اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۳ء، ص:۱۴۸

۲۷۰۔علی حامد،سید:قصیدہ نعتیہ:ہردوئی،مقبول المطابع پریس،۱۹۱۲ء ص:۶ تا ۸
۲۷۱۔ایضاً۔ص:۱۲ ۲۷۲۔ایضاً۔ص:۱۴
۲۷۳۔ایضاً۔ص:۱۶ ۲۷۴۔ایضاً۔ص:۱۷۔۱۶
۲۷۵۔ایضاً۔ص:۱۹۔۱۸ ۲۷۶۔ایضاً۔ص:۱۹
۲۷۷۔ایضاً۔ص:۲۲۔۲۱ ۲۷۸۔ایضاً۔ص:۲۴۔۲۳
۲۷۹۔ایضاً۔ص:۲۶۔۲۵ ۲۸۰۔ایضاً۔ص:۳۰
۲۸۱۔محشر،کاظم حسین:خورشید محشر:لکھنو،نورالمطابع،۱۹۱۹ء ص:۷
۲۸۲۔ایضاً۔ص:۱۵
☆آغا اشہر لکھنوی نے خورشید محشر کے دیباچہ میں ''احسن القصائد'' کا بھی ذکر کیا ہے
۲۸۳۔محشر،کاظم حسین لکھنوی:آفتاب محشر:لکھنو،معیار پریس رستم نگر،۱۹۱۹ء،ص:۳
۲۸۴۔محمد کمال الدین،ڈاکٹر:بیسویں صدی میں اردو قصیدہ نگاری:مئو ناتھ بھنجن:نکھار پبلی کیشنز،
۱۹۸۵ء،ص:۱۵۴
۲۸۵۔محشر،کاظم حسین لکھنوی:آفتاب محشر:لکھنو،معیار پریس رستم نگر،۱۹۱۹ء،ص:۶ تا ۱۳
۲۸۶۔محشر،کاظم لکھنوی:شفیع محشر:لکھنو،نظامی پریس،۱۹۲۴ء،ص:۲۔۱
۲۸۷۔ایضاً۔ص:۶۔۵ ۲۸۸۔ایضاً۔ص:۷ تا ۹
۲۸۹۔ایضاً۔ص:۱۰ تا ۱۱ ۲۹۰۔ایضاً۔ص:۱۴
۲۹۱۔ایضاً۔ص:۱۴ تا ۱۶ ۲۹۲۔ایضاً۔ص:۱۶
۲۹۳۔ایضاً۔ص:۱۸۔۱۷ ۲۹۴۔ایضاً۔ص:۱۹ تا ۲۱
۲۹۵۔ایضاً۔ص:۲۰
۲۹۶۔رفیع الدین اشفاق،ڈاکٹر:اُردو میں نعتیہ شاعری:کراچی،اُردو اکیڈمی سندھ،۱۹۷۶ء،ص:۴۹۰
۲۹۷۔شاد،کشن پرشاد،مہاراجہ:ہدیۂ شاد:حیدرآباد،محبوب پریس،۱۳۱۷ھ،ص:۱۶۷
۲۹۸۔حبیب ضیا،ڈاکٹر:مہاراجہ سرکشن پرشاد،شادؔ حیات اور ادبی خدمات:حیدرآباد،دائرہ پریس چھتہ
بازار،۱۹۷۸ء،ص:۲۷
۲۹۹۔شاد،کشن پرشاد،مہاراجہ:ہدیۂ شاد:حیدرآباد،محبوب پریس،۱۳۱۷ھ،ص:۱۶۸ تا ۱۷۰
۳۰۰۔ایضاً۔ص:۱۷۲۔۱۷۱ ۳۰۱۔ایضاً۔ص:۱۷۴۔۱۷۳

۳۰۲۔علی جوادزیدی:قصیدہ نگارانِ اتر پردیش:لکھنو،اتر پردیش اردو اکادمی،بارِدوم،۱۹۸۳ء،ص:۲۵۴
۳۰۳۔قدسی جائسی،محمد جعفر،سید: قصائدقدسی: آگرہ،شمسی پریس،س ن،ص:۱
۳۰۴۔ایضاً۔ص:۲ ۳۰۵۔ایضاً۔ص:۴
۳۰۶۔قدسی جائسی،محمد جعفر،سید:ارشادقدسی: مرتبہ،مہر جائسی:الہٰ آباد،اکبر پریس،س ن،ص:۱
۳۰۷۔قدسی جائسی،محمد جعفر،سید: قصائدقدسی: آگرہ،شمسی پریس،س ن،ص:۱
۳۰۸۔قدسی جائسی،محمد جعفر،سید:ارشادقدسی: مرتبہ،مہر جائسی:الہٰ آباد،اکبر پریس،س ن،ص:۱
۳۰۹۔قدسی جائسی،محمد جعفر،سید: قصائدقدسی: آگرہ،شمسی پریس،س ن،ص:۶
۳۱۰۔ایضا۔ص:۲
۳۱۱۔قدسی جائسی،محمد جعفر،سید:ارشادقدسی: مرتبہ،مہر جائسی:الہٰ آباد،اکبر پریس،س ن،ص:۴
۳۱۲۔قدسی جائسی،محمد جعفر،سید: قصائدقدسی: آگرہ،شمسی پریس،س ن،ص:۶
۳۱۳۔ایضا۔ص:۲
۳۱۴۔قدسی جائسی،محمد جعفر،سید:ارشادقدسی: مرتبہ،مہر جائسی:الہٰ آباد،اکبر پریس،س ن،ص:۳۔۲
۳۱۵۔غبار،سید صادق حسین: قصائدنعتیہ: کان پور،نامی پریس،۱۹۱۶ء،ص:۳،۲
۳۱۶۔ایضاً۔ص:۳تا۸ ۳۱۷۔ایضاً۔ص:۱۳۔۱۲
۳۱۸۔ایضاً۔ص:۱۷۔۱۶ ۳۱۹۔ایضاً۔ص:۱۹
۳۲۰۔ایضاً۔ص:۲۴ ۳۲۱۔ایضاً۔ص:۲۵تا۳۰
۳۲۲۔ایضاً۔ص:۳۵۔۳۴ ۳۲۳۔ایضاً۔ص:۴۰
۳۲۴۔ایضاً۔ص:۴۴ ۳۲۵۔ایضاً۔ص:۵۹
۳۲۶۔ایضاً۔ص:۵۳۔۵۲ ۳۲۷۔ایضاً۔ص:۶۴
۳۲۸۔ایضاً۔ص:۶۵تا۶۸ ۳۲۹۔ایضاً۔ص:۷۰تا۷۲
۳۳۰۔ایضاً۔ص:۷۳
۳۳۱۔فتح محمد،قاضی: تعارف:مشمولہ: دیوانِ نایاب:ازمنشی نبی بخش نایاب،امرتسر،نذیر پرنٹنگ پریس،
باردوم،۱۹۳۳ء،ص:ب،ج
۳۳۲۔ایضاً۔ص:ب،ج ۳۳۳۔ایضاً۔ص:۱۴۸
۳۳۴۔ایضاً۔ص:۱۵۰ ۳۳۵۔ایضاً۔ص:۱۴۹۔۱۴۸

۳۳۶۔ایضاً۔ص:۱۵۰ ۳۳۷۔ایضاً۔ص:۱۴۹
۳۳۸۔ایضاً۔ص:۱۵۱۔۱۵۰
۳۳۹۔فرید مانک پوری: فضائل حیدری: لکھنو،انڈین پریس،س ن،ص:۲۲تا۳۱
۳۴۰۔ایضاً۔ص:۲۲تا۳۱ ۳۴۱۔ایضاً۔ص:۲۲
۳۴۲۔ایضاً۔ص:۲۵ ۳۴۳۔ایضاً۔ص:۲۸
۳۴۴۔ایضاً۔ص:۳۲۔۳۱
۳۴۵۔محمد کمال الدین،ڈاکٹر: بیسیویں صدی میں اُردو قصیدہ نگاری: مئوناتھ بھنجن،نکھار پبلی کیشنز،۱۹۸۵ء،ص:۳۱۔۳۰
۳۴۶۔عشقی،غلام مصطفیٰ: دیوان عشقی: سربریدہ نسخہ مخزونہ،انجمن ترقی اُردو لائبریری،کراچی،ص:۶
۳۴۷۔ایضاً۔ص:۱۶ ۳۴۸۔ایضاً۔ص:۲۳
۳۴۹۔ایضاً۔ص:۲۹ ۳۵۰۔ایضاً۔ص:۳۵
۳۵۱۔ایضاً۔ص:۴۱
۳۵۲۔محمد کمال الدین، ڈاکٹر: بیسویں صدی میں اُردو قصیدہ نگاری:مئوناتھ بھنجن، نکھار پبلی کیشنز،۱۹۸۵ء،ص:۳۳۔۳۲
۳۵۳۔عشقی،غلام مصطفیٰ: دیوان عشقی: سربریدہ نسخہ مخزونہ،انجمن ترقی اُردو لائبریری،کراچی،ص:۶
۳۵۴۔ایضاً۔ص:۱۸۔۱۷ ۳۵۵۔ایضاً۔ص:۲۳
۳۵۶۔ایضاً۔ص:۳۰۔۲۹ ۳۵۷۔ایضاً۔ص:۴۲۔۴۱
۳۵۸۔ایضاً۔ص:۴۵ ۳۵۹۔ایضاً۔ص:۴۵
۳۶۰۔ایضاً۔ص:۳۲ ۳۶۱۔ایضاً۔ص:۳۲
۳۶۲۔ایضاً۔ص:۳۷ ۳۶۳۔ایضاً۔ص:۴۰۔۳۸
۳۶۴۔ایضاً۔ص:۴۶ ۳۶۵۔ایضاً۔ص:۳۶
۳۶۶۔ایضاً۔ص:۳۷ ۳۶۷۔ایضاً۔ص:۳۱
۳۶۸۔ایضاً۔ص:۳۲
۳۶۹۔ روبینہ ترین،ڈاکٹر: ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ: ملتان،بیکن بکس،۲۰۱۱ء،ص:۵۴۴

۳۷۰۔طالب ملتانی: نیرنگ خوش بیانی: لکھنو، قومی پریس، ۱۳۰۹ھ،ص:۱۶۵
۳۷۱۔یضاً۔ص:۱۶۶۔۱۶۵
۳۷۲۔ایضاً۔ص:۱۶۶
۳۷۳۔ایضاً۔ص:۱۶۸
۳۷۴۔ایضاً۔ص:۱۶۹
۳۷۵۔اختر حسین،سید: مقدمہ: مشمولہ: گلستان شرف: از محمد شرف الدین شرف، کلکتہ، مطبع ستارۂ ہند لمیٹڈ، ۱۹۳۷ء،ص:۳۔۲
۳۷۶۔شرف، محمد شرف الدین: گلستانِ شرف: کلکتہ، مطبع ستارۂ ہند لمیٹڈ، ۱۹۳۷ء،ص:۵۴۔۵۳
۳۷۷۔ایضاً۔ص:۱۱۲
۳۷۸۔ایضاً۔ص:۵۶۔۵۵
۳۷۹۔عزیز فیضانی، مرزا: متاع عزیز: ایبٹ آباد، فیضانی ملی لائبریری، س ن،ص:۸
۳۸۰۔ایضاً۔ص:۳۵
۳۸۱۔ایضاً۔ص:۳۹
۳۸۲۔ایضاً۔ص:۳۵
۳۸۳۔ایضاً۔ص:۳۷
۳۸۴۔ایضاً۔ص:۳۷
۳۸۵۔شاطر مدراسی: اعجاز عشق: مدراس، مطبع نافع الاسلام، س ن،ص:۱
☆اصل متن میں دوسرے مصرع میں ''سر پہ'' کی جگہ ''سر پر'' چھپا ہے۔
۳۸۶۔ایضاً۔ص:۳۶
۳۸۷۔ایضاً۔ص:۱۲۳
۳۸۸۔محمد کمال الدین، ڈاکٹر: بیسویں صدی میں اردو قصیدہ نگاری: مئو ناتھ بھنجن: نکھار پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء،ص:۱۰۹۔۱۱۰
۳۸۹۔شاطر مدراسی: اعجاز عشق: مدراس، مطبع نافع الاسلام، س ن،ص:۱۲۵
۳۹۰۔نظامی، نظام الدین بدایونی: تجلیاتِ سخن: بدایوں، نظامی پریس، ۱۹۳۰ء،ص:۶۳
۳۹۱۔ایضاً۔ص:۶۸
۳۹۲۔ایضاً۔ص:۷۳
۳۹۳۔ایضاً۔ص:۷۵
۳۹۴۔ایضاً۔ص:۷۷
۳۹۵۔ایضاً۔ص:۷۸
۳۹۶۔ایضاً۔ص:۸۰
۳۹۷۔ایضاً۔ص:۸۲
۳۹۸۔ایضاً۔ص:۸۳
۳۹۹۔ایضاً۔ص:۸۵
۴۰۰۔ایضاً۔ص:۸۹
۴۰۱۔ایضاً۔ص:۷۷
۴۰۲۔ایضاً۔ص:۷۴
۴۰۳۔ایضاً۔ص:۸۱
۴۰۴۔ایضاً۔ص:۸۶۔۸۵

۴۰۵۔ایضاً۔ص:۸۳۔۸۲
۴۰٦۔امیر احمد علوی: بہادر شاہ ظفر: لکھنو، درنامی پریس، ۱۹۳۵ء،ص:۸
۴۰۷۔ایضاً۔ص:۱۲۲
۴۰۸۔بہادر شاہ ظفر: کلیات ظفر: لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۴ء،ص:۵
۴۰۹۔ایضاً۔ص:۵
۴۱۰۔ذکی،مہدی علی: کلیات ذکی: لکھنو، مطبع منشی نول کشور، س ن،ص:۴۰۱
۴۱۱۔سعادت سعید، ڈاکٹر: اُردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور،ص:۴۰۱
۴۱۲۔ذکی،مہدی علی: کلیات ذکی: لکھنو، مطبع منشی نول کشور، س ن،ص:۲۹۵
۴۱۳۔ایضاً۔ص:۲۹٦۔۲۹۵ ۴۱۴۔ایضاً۔ص:۲۹۸
۴۱۵۔ایضاً۔ص:۲۹۷
۴۱٦۔لئیق صلاح: میر شمس الدین فیض: حیدرآباد دکن، شگوفہ پبلی کیشنز،۱۹۸۰ء،ص:۳۳۸
۴۱۷۔محی الدین قادری زور، ڈاکٹر (مرتبہ): فیض سخن: از شمس فیض؛ حیدرآباد دکن، شمس المطابع، ۱۹۳۷ء،ص:۱۲٦
۴۱۸۔ایضاً۔ص:۱۲٦ ۴۱۹۔ایضاً۔ص:۱۲۷
۴۲۰۔ایضاً۔ص: ۱۲۷ ۴۲۱۔ایضاً۔ص: ۱۲۸
۴۲۲۔لئیق صلاح: میر شمس الدین فیض: حیدرآباد دکن، شگوفہ پبلی کیشنز،۱۹۸۰ء،ص:۳۳۹
۴۲۳۔لطف علی خاں: دیوان لطف: دہلی، مطبع فیض،۱۳۰۲ھ،ص:۵۰
۴۲۴۔ایضاً۔ص:۵۱۔۵۰
۴۲۵۔عیش دہلوی، حکیم آغا جان: کلیات عیش: مرتبہ، ڈاکٹر حبیبہ بانو: نئی دہلی، ترقی اردو بیورو،۱۹۹۲ء،ص:۵۹
۴۲٦۔ایضاً۔ص:۳۹۴
۴۲۷۔راقم دہلوی: مرقع نعت: حیدرآباد، نظام المطابع، س ن،ص:۲۴ تا ۲۹
۴۲۸۔سعادت سعید، ڈاکٹر: اُردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور،ص:۴۱۵
۴۲۹۔ایضاً۔ص:۴۱٦۔۴۱۵

۴۳۰۔سعادت سعید، ڈاکٹر: اُردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور،ص:۴۴۸

۴۳۱۔علی جواد زیدی: قصیدہ نگارانِ اُتر پردیش: لکھنؤ، اُتر پردیش اُردو اکادمی، بارِدوم،۱۹۸۳ء،ص:۷۷

۴۳۲۔مالک رام: تلامذۂ غالب: نئی دہلی، مکتبہ جامعہ،۱۹۸۴ء،ص:۴۷۴

۴۳۳۔جمیل جالبی: تاریخ ادب اردو، جلد۴: لاہور، مجلس ترقی ادب،۲۰۱۲ء ص:۴۵۷

۴۳۴۔مجروح، میر مہدی حسین: دیوان مجروح: مرتبہ: ریاض احمد: لاہور، مجلس ترقی ادب،۱۹۷۸ء ص:۱۲۔۱۱

۴۳۵۔ایضاً۔ص:۱۳۔۱۲ ۴۳۶۔ایضاً۔ ص:۱۴

۴۳۷۔اقبال حسین کاظمی، سید: اوراق کربلا: کراچی، مرثیہ فاؤنڈیشن،۱۹۹۷ء،ص:۴۹

۴۳۸۔ظہیر دہلوی: دیوانِ ظہیر، جلد اوّل: آگرہ، مطبع مفید عام،۱۸۹۹ء،ص:۲۷۱

۴۳۹۔ایضاً۔ص:۲۷۳ ۴۴۰۔ایضاً۔ص:۲۷۴۔۲۷۳

۴۴۱۔آزاد، محمد ابراہیم: دیوان آزاد: آگرہ، مطبع مرتضائی،۱۹۳۲ء،ص:۲۸۰ تا۲۸۲

۴۴۲ایضاً۔ص:۱۹۱ ۴۴۳۔ایضاً۔ص:۱۹۵

۴۴۴۔ایضاً۔ص:۲۰۰ ۴۴۵۔ایضاً۔ص:۲۰۷

۴۴۶۔ایضاً۔ص:۲۱۴ ۴۴۷۔ایضاً۔ص:۲۰۹۔۲۰۸

۴۴۸۔لطیف، عبداللطیف، مولوی: دیوان لطیف: دہلی، مطبع اکمل المطابع،۱۳۱۱ھ(۱۸۹۳ء)،ص:۱

۴۴۹۔ایضاً۔ص:۲ ۴۵۰۔ایضاً۔ص:۳

۴۵۱۔فقیر۔محمد حسین: سفینۂ عشق مدینہ: دہلی، مطبع فاروقی، ۱۲۹۱ھ،ص:۳

۴۵۲۔ایضاً۔ص:۳ ۴۵۳۔ایضاً۔ص:۴

۴۵۴۔ایضاً۔ص:۴ ۴۵۵۔ایضاً۔ص:۴

۴۵۶۔ایضاً۔ص:۴ ۴۵۷۔ایضاً۔ص:۴

۴۵۸۔لالہ سری رام: خم خانۂ جاوید(جلد۔۱): لاہور، مطبع منشی نول کشور،۱۹۰۸ء،ص:۱۶

۴۵۹۔آثم، حضور احمد خاں: منظور حق: کانپور، مطبع نظامی،۱۳۰۴ھ،ص:۴

۴۶۰۔ایضاً۔ص:۶ ۴۶۱۔ایضاً۔ص:۸

۴۶۲۔ایضاً۔ص:۱۴ ۴۶۳۔ایضاً۔ص:۱۷

۴۶۴۔ایضاً۔ص:۲۱ ۴۶۵۔ایضاً۔ص:۲۳

۴۶۶۔شاہ کمال الدین ، سید: کلیات مخزن العرفان کامل (حصہ دوم) : بنگلور ، مطبع حشمتہ الاسلام، ۱۳۳۱ھ،ص:۸۱
۴۶۷۔ایضاً۔ص:۸۱
۴۶۸۔ایضاً۔ص:۸۱
۴۶۹۔ایضاً۔ص:۸۲
۴۷۰۔ایضاً۔ص:۸۶
۴۷۱۔نایاب،محمد ہادی حسن خان: دیوان نایاب: آگرہ، مطبع مفید عام،۱۳۱۵ھ(۱۸۹۸ء)،ص:۱۲۳
۴۷۲۔ایضاً۔ص:۱۲۵
۴۷۳۔ایضاً۔ص:۱۲۶
۴۷۴۔محمد کمال الدین ،ڈاکٹر: بیسویں صدی میں اردو قصیدہ نگاری: مئو ناتھ بھنجن : نکھار پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء،ص:۳۰
۴۷۵۔مشتاق احمد، قاضی: اردو شاعری ایک مطالعہ: لاہور، دارالشعور،۲۰۱۵ء،ص:۱۴۳
۴۷۶۔اصغر گونڈوی: کلیات اصغر: دہلی، کتابی دنیا،۲۰۰۴ء،ص:۲۲۔۲۱
۴۷۷۔محمد کمال الدین ،ڈاکٹر: بیسویں صدی میں اردو قصیدہ نگاری: مئو ناتھ بھنجن : نکھار پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء،ص:۱۳۵
۴۷۸۔سنی، جان محمد: دیوانِ سنی: بمبئی، مطبع مرغوب ہر دیار،۱۲۹۲ھ،ص:۱۸۷
۴۷۹۔راحت ابرار، ڈاکٹر: حکیم فصیح الدین رنج میرٹھی: دہلی، بھارت آفسیٹ پریس،۱۹۹۹ء،ص:۸۷
۴۸۰۔محمد جمیل الرحمٰن،صوفی: قبالۂ بخشش: لائل پور، مکتبہ نوریہ رضویہ،۱۳۴۰ھ،ص:۴۔۳
۴۸۱۔ہوش عبداللہ بیگ،مرزا: قصائد ہوش: دکن، مطبع گلزار،۱۳۰۶ھ،ص:۱۷
۴۸۲۔مغموم،محمد اسماعیل: کلیات مغموم: مدراس، مطبع فردوسی،۱۹۲۹ء،ص:۱۶۲۔۱۶۱

☆☆☆☆☆

اُردو میں نعتیہ قصیدہ نگاری: تحقیقی و تنقیدی جائزہ

(دورِ پنجم: ۱۹۴۸ء تا حال)

سیاسی و تہذیبی منظر نامہ

قیام پاکستان ایک طرف ہندو اور انگریز کے مظالم سے نجات کی نوید ثابت ہوا تو دوسری طرف ہندوستان سے لٹ پُٹ کر آنے والے مہاجرین کے لیے ایک آزمائش سے کم نہ تھا۔ خود حکومت پاکستان کے بڑے چیلنجز میں سے مہاجرین کی آباد کاری سب سے اہم تھا۔ اس کے ساتھ ہی کشمیر میں ہندوستان کی فوج کے داخلے سے دونوں ملکوں کے حالات مزید کشیدہ ہو گئے۔ انڈو پاک دشمنی کے نتیجے میں دونوں ملک تین جنگوں کی تباہی جھیل چکے ہیں۔ اس کے علاوہ انڈیا نے اپنے ملک کے اندر موجود اُن تمام ریاستوں پر زبردستی قبضہ کر لیا کہ جو پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں تھیں۔

عسکری اور مالی اثاثوں کی تقسیم کے معاملے میں بھی پاکستان کو اس کے جائز حصّے سے محروم رکھا گیا۔ اس کے بعد بھارت نے پانی بند کر کے پاکستانی زراعت کو برباد کرنے کی سازش کی۔ ۱۹۶۰ء میں سندھ طاس معاہدے کے بعد کسی قدر اطمینان کی صورت سامنے آئی۔

معیشت کا استحکام، بین الاقوامی روابط کی بحالی اور ملکی دستور کی تشکیل جیسے مسائل پاکستان کی حکومت کو درپیش تھے۔ ایسے میں بھارت کا رویہ ایک بُرے ہمسائے کا سا رہا۔ بقول ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار:

> ''آزادی کے بعد بھارت میں جمہوریت اور لادینی (سیکولر) نظام حکومت کے لبادے میں ہندو سامراج پھلنے پھولنے لگا اور اپنے ہمسائے پاکستان کو جو اسی ہندو سامراجی ذہنیت کے ردِعمل کی تخلیق تھا، تباہ کر کے تقسیم ملک کو عملاً بے کار بنا دینے کی ہر ممکن کوشش کرنے لگا۔ پاکستان کے حصّے میں آنے والے ساز و سامان کو دبانے، کشمیر، حیدر آباد، جونا گڑھ وغیرہ پر ناجائز قبضہ جمانے، نہری پانی بند کرنے اور دریاؤں کا رخ موڑ کر پاکستان کی زرعی معیشت کو تباہ کرنے کی ہر غیر اخلاقی اور غیر انسانی حرکت بھارت کے سامراجیوں نے کی۔'' (۱)

تقسیم کے وقت بڑی صنعتیں ہندوستان میں موجود تھیں۔ ان میں چینی، ریشمی کپڑا، سٹیل،

عسکری آلات اور ہتھیاروں کے کارخانے وہیں رہ گئے۔ وہاں کے ادارے اور انتظامی دفاتر محفوظ رہے جب کہ ہجرت کے وقت ہندوؤں نے جاتے جاتے پاکستان کے اداروں کا ریکارڈ اور فرنیچر تک جلا دیا۔ ان عوامل کے پیشِ نظر ہندوستان کو جلد معاشی استحکام نصیب ہو گیا۔ کثیر قومی اور کثیر لسانی ملک ہونے کے باوجود وہاں جمہوریت کو پنپنے کا موقع ملا لیکن پاکستان میں جنرل ایوب، جنرل یحیٰی اور جنرل ضیاء الحق نے جمہوری رویوں پر آمریت کے پہرے بٹھا کر جنرل پرویز مشرف کے لیے راہ ہموار کر دی۔ ایسے میں عوام معاشی بدحالی، مہنگائی، تعلیم، صحت اور صاف پانی جیسے بنیادی انسانی حقوق کی محرومی کا شکار رہے لیکن بھارت کے مذموم عزائم سے غافل نہیں رہے اور ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو بھارت کے پانچ ایٹمی دھماکوں کا جواب دے کر اپنے ایٹمی طاقت ہونے کا اعلان کیا۔

سماجی سطح پر فرقہ وارانہ سوچ کی بیخ کنی اور رواداری کی سوچ کو فروغ دینے کی حکومتی پالیسی کو باہم مقدم رکھا گیا۔ اقلیتوں کو آزادی سے مذہبی عبادات کے مواقع دستیاب کیے گئے۔ ملازمتوں میں اقلیتوں اور معذوروں کے لیے الگ کوٹہ مختص کیا گیا۔ میڈیا کی اظہار کی آزادی اور تعلیم عام کرنے کی ضرورت کو ترجیحی بنیادوں پر اہمیت دی گئی۔ تعلیمی میدان میں ہمسایہ ملک آگے نکل گیا۔ وہاں یونی ورسٹیوں کی تعداد پاکستان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ حیدرآباد دکن میں IT سٹی کا قیام اور سپیس سائنس (Space Seience) میں چندریان۔۲ کا بھیجا جانا بھارت کی ترقی کی مثالیں ہیں۔ پاکستان میزائل ٹیکنالوجی میں آگے ہے اور لڑاکا طیاروں (JF Thundar) کی تیاری کے بعد ان کی فروخت کے مراحل میں ہے۔

دفاعی ضرورت کے تحت بجٹ کی کثیر رقم دونوں طرف عسکری شعبے میں صرف ہو رہی ہے جس کی وجہ سے عوام مہنگائی اور غربت جھیلنے پر مجبور ہے۔ بنیادی انسانی سہولیات کے حوالے سے دونوں ممالک کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے۔ صاف پانی کی سہولت کا فقدان، صحت کے شعبے میں پسماندہ علاقوں تک پیشہ ورانہ ماہرین کی عدم دستیابی، میڈیسن کا فقدان، شرح خواندگی میں کمی اور سڑکوں کی مخدوش صورت حال ایسے مسائل ہیں جو دونوں ممالک کو درپیش ہیں اور فوری حل طلب ہیں۔

ادبی منظر نامہ:

تقسیم کے بعد اُردو شاعری میں فسادات کا ایک نیا موضوع در آیا۔ ایک طرف منزل کے حصول کی راحت کا احساس سامنے آیا تو دوسری طرف تقسیم کے اس عمل کو ایک جسم کو دو حصوں میں بانٹنے

کے مترادف سمجھا گیا۔ معاشرتی سطح پر نئی امیدوں کے ساتھ نئے سفر کا آغاز ہوا مگر مزاحمتی رویے میں کمی نہیں ہوئی۔ جلد ہی دانشور طبقے نے محسوس کیا کہ غلامی سے نجات کا جو خواب دیکھا گیا تھا، اُس کی ادھوری تعبیر سامنے آئی ہے۔ قیام پاکستان سے عہد حاضر تک سیاسی منظرنامے پر آمریت کے بادل منڈلاتے نظر آتے ہیں۔ چار بار مارشل لا کا نفاذ ہوا۔ بقول شاہد مختار:

> ''پاکستان میں سب سے پہلا باضابطہ مارشل لا ۷، اکتوبر ۱۹۵۸ء کو اس وقت کے صدر پاکستان میجر جنرل سکندر مرزا، جن کا تعلق مرشد آباد کے انگریزوں کے وفادار نوابوں کے خاندان سے تھا، نے آرمی چیف جنرل ایوب خان کے مشورہ پر نافذ کیا۔''(۲)

جمہوری قدروں کی اس پامالی نے سماج کے ساتھ ساتھ ادب کو بھی متاثر کیا۔ یوں انگریز کی مزاحمت کا رُخ ظالم حکمرانوں اور فوجی آمروں کی طرف مڑ گیا۔ پاکستان میں فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، ناصر کاظمی، عارف عبدالمتین، ظہیر کاشمیری، قتیل شفائی، ابن انشا، فارغ بخاری، وزیر آغا، منیر نیازی، حبیب جالب، احمد فراز، جمیل الدین عالی اور ظفر اقبال نے اردو شاعری میں متنوع رنگوں کا اضافہ کیا۔ فیض اور دیگر ترقی پسند شعرا نے آزادی کی معنویت پر سوال اُٹھائے اور عوام الناس کے مسائل کو اُجاگر کیا۔ انھیں حکمران طبقے کی غفلت نئے انقلاب کی طرف مائل کرتی رہی۔ اس ضمن میں انھیں قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلنا پڑیں۔

اس دور میں اسلامی ادبی تحریک نے پاکستانی ادب کے نقوش اُجاگر کرنے کی سعی کی جن میں اسلامی تشخص اور جذبۂ حب الوطنی نمایاں ہیں۔ نعیم صدیقی اور ماہر القادری نے مذہبی و ملی شاعری کے فروغ کی ضرورت کو محسوس کیا۔ نعت گوئی کو خصوصی فروغ ملا۔ نعت کے کئی بڑے نام سامنے آئے۔ ان میں نعتیہ قصیدے کی روایت کو آگے بڑھانے میں درد کاکوروی، نظیر لدھیانوی، یزدانی جالندھری، صبا اکبرآبادی، اعظم چشتی، سید نظیر زیدی، نعیم صدیقی، حفیظ تائب، علیم ناصری، سرو سہارن پوری، عبدالعزیز خالد اور خالد احمد کے نام نمایاں ہیں۔

ناصر کاظمی اور منیر نیازی نے فرد کی تنہائی اور بے چارگی کا احساس دلایا۔ نئی لسانی تشکیلات اور جدیدیت کے رجحانات کے زیر اثر شاعری کی نئی تعبیریں تلاش کرنے کی طرف توجہ رہی۔ ترقی پسندوں نے سماج کی ذمہ داری ادیب پر ڈالتے ہوئے موضوع کو ہیئت پر ترجیح دی۔ اسلوب میں سادگی اور ابلاغ کی ضرورت پر زور دیا۔ دوسری طرف فرد کی داخلی آزادی کے علم برداروں نے اپنی ذات کے

حوالے سے سماج کو دیکھنے کی سعی کی۔ فرد کی محرومی، تنہائی اور نارسائی سماج کے اجتماعی بگاڑ کی علامت کے طور پر نمایاں ہوئی اور پورا معاشرہ بے یقینی کا شکار ہو کر رہ گیا۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتح پوری:

''بے دلی، بے اطمینانی، بے یقینی، عدم اعتماد، عدم تعاون اور عدم توازن کے آثار ہر شعبہ حیات میں نمودار ہونے لگے۔ گھر، گھر کی یاد، گھر سے بے گھر ہونے کا احساس، در بدری کا عذاب، عدم تحفظ کا خوف، تنہائی کی اذیت، قربانیوں کے رائیگاں جانے کا دُکھ، کارواں سے بچھڑ جانے اور تنہا رہ جانے کا غم معاشرے کے حاوی رجحانات و تجربات بن کر سامنے آ گئے۔ اُردو شعرا نے ان رُجحانات و تجربات کو استعارات و کنایات کی شکل میں نہایت خوش اسلوبی سے بار بار موضوعِ سخن بنایا ہے۔''(۳)

اس کے علاوہ جدیدیت کے نام پر مغربی شعری نظریات کو اُردو ادب پر مسلط کرنے کا رجحان شروع ہوا جس کی اگلی منزل مابعد جدیدیت تھی۔ مغربی فلسفے کے تحت وقوع پذیر ہونے والے یہ رُجحانات ذہنی انتشار اور ابہام کی وادیوں سے باہر نہیں نکل سکے۔

اکیسویں صدی کے آغاز میں انٹرنیٹ اور موبائل کے جنوبی ایشیا میں عوام کی زندگیوں میں در آنے سے شاعری کے موضوعات و اسالیب میں نئے تجربات دیکھنے میں آئے۔ روبوٹ آ گئے، کلوننگ کا آغاز ہوا۔ دنیا گلوبل ویلج بن گئی۔ ٹیکنالوجی اور سائنس کی ترقی نے نئے الفاظ کو جنم دیا جس سے اُردو شاعری کی زبان و بیان نے کماحقہٗ استفادہ کیا۔ نئے ادبا نے اپنی راہیں خود تلاشنے کا بیڑا اُٹھایا اور دائیں بازو اور بائیں بازو کی تحریکوں سے ہٹ کر عالمی منظر نامے کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسائل کے تجزیے کے لیے اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کیا۔ بقول پروفیسر شارب ردولوی:

''نئی غزل کی ایک بڑی خوبی اس کا کسی چیز کو دیکھنے اور بیان کرنے کا زاویہ ہے، زبان کے اعتبار سے بھی روایتی غزل سے مختلف ہے اور تشبیہات و استعارات میں بھی۔ وہ آج کی زندگی سے اپنے استعارے اور تشبیہیں اخذ کرتی ہے۔ اس نے جدیدیت اور ترقی پسندی کی حد بندیوں کو ایک طرح سے توڑ دیا ہے اور صرف زندگی، تجربے اور محسوسات کو سامنے رکھا ہے۔''(۴)

جدید ترقی کے زیرِ اثر انسان کی مشینی زندگی، ماحولیاتی آلودگی کی تشویش ناک صورت حال، زمینی حسن کے بچاؤ کا مسئلہ اور گلوبل وارمنگ جیسے بے شمار موضوعات عہد موجود کے شعرا و ادبا کے لیے

چیلنج بنے ہوئے ہیں۔میڈیا کی ترقی سے عالمی سیاسی حالات ہر خاص وعام پر عیاں ہیں۔مغربی استعمار کے بدلتے ہوئے ہتھکنڈے اور غریب اقوام خصوصاً مسلمانوں پر اُن کا ظلم وستم کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ ایسے میں شعرا کا ان سنگین موضوعات پر قلم اٹھانا وقت کے اولین تقاضوں میں سے ہے۔اُردو شاعری سے وابستہ ادیب اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں۔ملکی سیاست معاشرت کے داخلی نقائص ہوں یا خارجی سطح پر عالم کفر کی چیرہ دستیاں ہوں، اردو شعرا قطعاً غافل و بے خبر نہیں۔

ہندوستان میں فاخر ہریانوی، ساحرلدھیانوی، اختر الایمان ، حفیظ بنارسی، اسرارالحق مجاز، مہندر سنگھ بیدی، جمیل مظہری، گلزار، منور رانا اور راحت اندوری نے اُردو شاعری میں اپنی صلاحیتوں کو منوایا۔

ہندوستان میں اُردو نعتیہ قصیدے کو بھی پنپنے کا موقع ملا۔مختلف شہروں میں محافل مقاصد منعقد ہوتیں۔اس کے علاوہ میلاد شریف اور محرم کی مجالس عزہ میں بھی شعرا نعتیہ قصائد لکھ کر لاتے۔ اقبال سہیل دبستانِ شبلی کے نمائندہ شعرا میں سے ہیں۔اُنھوں نے معرکے کے قصیدے لکھے ہیں۔جمیل مظہری اُردو شاعری کا ایک نمایاں نام ہے۔وہ فکری طور پر اقبال کے مقلد ہیں۔اُن کے نعتیہ قصائد پر اقبال کے گہرے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔اس کے علاوہ ہندوستان میں ولی الرحمٰن ولی، مانی جائسی، شفیق جون پوری، جعفر قدسی جائسی، واصف ردولوی، حفیظ بنارسی، جذب علی عباس اور جرار چھولسی کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ضیا شہبازی بھاگل پور کے صوفی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔اُن کے نعتیہ قصائد کے مجموعے میں پچیس قصائد موجود ہیں۔

اُردو نعتیہ قصیدے میں جنگ عظیم دوم کے بعد سے لے کر عہد موجود تک کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی خونچکاں داستان موجود ہے۔اس کے علاوہ اس عہد کے نعتیہ قصائد میں مسلمانوں کی اخلاقی پستی اور غفلت شعاری کو بھی شعرا نے کھل کر بیان کیا ہے۔

خصوصی مطالعہ

1-اقبال سہیل اعظم گڑھی: (م:۱۹۵۵ء)

سہیل ۱۸۸۴ء میں ضلع اعظم گڑھ کے ایک قصبے برہرہ میں عزیز اللہ خان کے گھر پیدا ہوئے۔اُن کا اصل نام ابوالظفر حامد ہے مگر اُن کے دادا امانت اللہ خاں انھیں اقبال کہتے تھے اور یہی نام بعد میں اُن کی پہچان ثابت ہوا۔(۵)

اقبال سہیل نے ابتدائی تعلیم مولانا شفیع سے حاصل کی۔ فارسی کا ذوق گھر کے ماحول سے

پروان چڑھا جب کہ عربی ادب کی تفہیم و تسہیل کے لیے مولانا شبلی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ فراغت میں اکثر مولانا کی خدمت میں حاضر رہتے۔ شعری ذوق کو جلا بھی وہاں ہونے والے مذاکروں سے ملی۔ اس بارے میں عطیہ خلیل عرب کی رائے ملاحظہ ہو:

> ''حلقۂ شبلی کے اکابر میں عبقری صرف دو تھے۔ ابوالکلام اور اقبال سہیل۔ ان دونوں میں اختراع و تخلیق کی غیر معمولی صلاحیت تھی، ابوالکلام نے نثر کو اور سہیل نے نظم کو ایک نیا لب و لہجہ اور ایک اچھوتا طرزِ فکر عطا کیا۔''(۶)

عربی فارسی کے علاوہ اقبال سہیل نے علی گڑھ سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۵۴ء تک اعظم گڑھ میں وکالت کرتے رہے لیکن اس کے باوجود انھوں نے شبلی کالج اور مدرسۃ الاصلاح سے ربط برقرار رکھا۔ آخری ایام میں فالج کا حملہ ہوا جس نے رفتہ رفتہ انھیں مفلوج تر بنا دیا اور وہ نومبر ۱۹۵۵ء کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے (۷)

''تابش سہیل'' کے نام سے افتخار اعظمی نے اُن کی غزلوں کا مجموعہ ترتیب دیا ہے۔ انھوں نے غزل کو سماجی و سیاسی مسائل سے ہم آہنگ کر کے نیا احساس اُجاگر کیا لیکن نعتیہ قصائد ان کی شناخت کا اہم حوالہ ہیں۔ ڈاکٹر سعادت سعید نے اُن کے دو مجموعوں ''ارمغانِ حرم'' میں چار اور ''موجِ کوثر'' میں دو نعتیہ قصائد کا ذکر کیا ہے جب کہ منقبت کے قصائد کی تعداد دس بتائی ہے۔(۸)

اُن کے نعتیہ قصائد بے شمار فکری و فنی خوبیوں سے مرصع ہیں، ان کے بیان سے قبل چند قصائد کے مطالع ملاحظہ ہوں:

کرے تارِ شعاعی لاکھ اپنی سعی امکانی — رفو ہوتا نہیں اب صبح کا چاک گریبانی (۹)

احمد مرسل، فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم — مظہر اوّل، مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم (۱۰)

سرشت حسن تغافل، مزاج عشق غیور — وہ التفات سے ہم التجا سے ہیں معذور (۱۱)

مکتب عشق میں ہنوز طفل خرد ہے مبتدی — ورنہ ہے باصرہ فروز جلوۂ حسن سرمدی (۱۲)

اقبال سہیل کے قصائد نعت میں ادب و احترام کی فضا کے ساتھ حفظ مراتب کا جو اہتمام دیکھنے کو ملتا ہے وہ انھیں دوسرے شعرا سے ممتاز کرتا ہے۔ اس کے برعکس اکثر شعرا کے ہاں جوش محبت میں غلو کا عنصر در آیا ہے۔ سودا نے اپنے قصیدے ''ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی'' میں حضرت یوسفؑ کے مقام و مرتبے کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا۔ آسی غازی پوری کے ہاں بھی نبوت اور توحید کے تقاضے پورے نہیں ہوئے۔ خود محسن کاکوروی ''احد کو کیجیے یا احمد بے میم کو سجدہ'' جیسے الفاظ استعمال

کرتے نظر آتے ہیں مگر اقبال سہیل نے فضائل رسول کریمؐ کے باب میں عقیدت کے ساتھ عقیدے کی حدود کا بھی خیال رکھا ہے۔ بقول عطیہ خلیل عرب:

> ''سہیل نے اپنے کلام میں سیرت نگاری کے تمام اصول وآداب ملحوظ رکھے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں جوشِ عقیدت بھی ہے اور اعلیٰ درجہ کی سنجیدگی بھی۔ شدت احساس اور جوشِ بیان کے باوجود وہ حقیقت و واقعیت کی حدود میں رہتے ہیں۔'' (۱۳)

سیرت رسولؐ کی ترویج اقبال سہیل کا پہلا مقصد ہے جسے انھوں نے جذبے کی شدت، جدتِ ادا کے احساس اور ندرتِ فکر کی تازگی سے دوچند کر دیا ہے۔ دو شعر دیکھیے:

محمدؐ وہ کتاب کون کا طغرائے پیشانی — محمدؐ وہ حریم قدس کا شمعِ شبستانی
محمدؐ یعنی وہ حرف نخستیں کلکِ فطرت کا — محمدؐ یعنی وہ امضائے توقیعات ربانی (۱۴)

انھوں نے ایسی تراکیب بھی وضع کی ہیں جن سے اُردو نعت کا دامن پہلے یقیناً خالی تھا۔ یہ خوش وضع تراکیب ان کے مصرعوں کو ایک عالمانہ شان عطا کرتی ہیں اور قصیدے کے لفظی شکوہ کا مقتضا پورا کرتی نظر آتی ہیں۔

حریف کاخ کیوانی، وسط ساحت فردوس، نسخۂ تنزیل فرقانی، فروغ کیش زردشتی اور منشور غفرانی کے علاوہ آنحضرتؐ کے لیے ایسے موزوں القابات مرکب کیے ہیں کہ روح ایمان کی تازگی سے سرشار ہو جاتی ہے۔ چند القابات بھی ملاحظہ ہوں: برمغ فارس، کشاف سرائر، نساخ مذاہب، قدس کے رہباں، حارس گیہاں، حاذق دوراں، بحر قدم کا موج نخستیں، لمعۂ قدس، مرجع دوراں، عروۂ وثقی، مستغاث قاصی ودانی وغیرہ۔

اقبال سہیل کے قصائد میں رسول کریمؐ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کو انسانیت کے مسائل کے حل کا کافی وشافی نسخہ قرار دیا گیا ہے اور عہد حاضر کے انسان پر ہونے والے جبر اور اوہام کی کثرت سے نکلنے کی صورت بھی اسلامی تعلیمات میں مضمر ہے۔ اقبال کا عصری شعور انھیں قصیدۂ نعت پر اکساتا ہے اور پھر اُن کی نظر انتخاب سیرت نبویؐ کے اُن پہلوؤں پر جا ٹھہرتی ہے جو انسان کو غلامی کی ہر زنجیر سے نجات دلاتے ہیں۔ بقول پروفیسر مولا بخش:

> ''اقبال سہیل اپنے قصیدوں میں اپنے ممدوح کو اپنی نظر سے دیکھتے ہیں، اگر غائر نظر سے دیکھیں تو ان کے نعتیہ قصائد میں ملک کے مسائل، اپنی قوم کی

زبوں حالی اور ملک کی غلامی سے نالاں اور انگریزوں کے استبدادی نظام،
کالونیل جبر کا دکھ سرور کائنات سے مخاطبت میں نظر آتا ہے۔''(۱۵)

اقبال سہیل کے نزدیک آنحضرتؐ وہ رابط ہیں جنھوں نے عقل و مذہب کو یک جا کر دیا ہے؛ وہ فارق ہیں جنھوں نے زہد سے داغ راہبانی مٹایا ہے؛ وہ حاذق ہیں جن کے پاس دوائے جملہ علت ہائے اخلاقی وروحانی ہے؛ وہ عادل ہیں جن کی میزان عدالت میں غبار مسکنت اور وقار تاج سلطانی برابر ہے اور وہ درس آموز فطرت ہیں جنھوں نے حقوقِ نسواں بتائے اور خودکشی کو ممنوع قرار دیا۔ الغرض آپؐ نے علم و معرفت اور اخلاق کی تعلیم سے انسان کو خوددار بنا کر کفر و باطل کی ہر رسم کو ختم کر دیا۔ چند اشعار دیکھیے :

شرک کی محفل کر دی برہم صلی اللہ علیہ وسلم — وہم کی ہر زنجیر کو توڑا رشتہ ایک خدا سے جوڑا
پھر سے سنوارا گلشن آدم صلی اللہ علیہ وسلم — باغ جہاں کا حارس نامی جس نے مٹائی رسم غلامی
سب کے حدود بتائے باہم صلی اللہ علیہ وسلم — ربط و تصادم، طوع وتحکم، فقر و تنعم، عدل و ترحم
تلک حدود اللہ میں منضم صلی اللہ علیہ وسلم (۱۶) — حفظ مراتب، پاس اخوت، سعی وتوکل، رفق وفتوت

اقبال سہیل کے قصائد کی ایک اور منفرد صفت اسلامی تاریخی حقائق کا شعور ہے۔ انھوں نے قرآنی آیات، مستند احادیث، معجزات اور تلمیحات سے اپنے کلام کو مزین کیا ہے جو ان کے وسیع مطالعہ کا غماز ہے۔ سودا کی زمین میں لکھے گئے اس قصیدے میں معراج کا پورا واقعہ منظوم ہے جس میں بخاری شریف کی ایک حدیث (جو حضرت عمر فاروقؓ کے جنت میں موجود محل کے بارے میں ہے) کو پوری صحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

یہاں شاعر نے اپنے بلند تخیل سے محل کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ قابلِ داد و دید ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرتؐ کا حضرت ابوطلحہؓ کی زوجہ رمیصہ کو جنت میں دیکھنا، حضرت بلالؓ کے قدموں کی آواز سننا اور جوار عرش میں حضرت صدیق اکبرؓ کو دیکھنا، یہ وہ حقائق ہیں جن کا ذکر عزیز لکھنوی کے قصائد میں نہیں ملتا جو معراجِ رسولؐ سے متعلق ہیں، اشعار دیکھیے :

مناظر کے تناسب میں جمالِ ماہ کنعانی — محاسن کے توازن میں مثالِ عدلِ فاروقی
کہ خود دیکھا نبیؐ نے ان کو فی روحٍ و ریحانی — رمیصہ زوجۂ بوطلحہؓ کی تقدیر کیا کہنا
بلالؓ پاک کے طالع کی اللہ رے درخشانی — سنی سرکار نے جنت میں آواز خرام ان کی
تماشائے جمال لم یزل میں محو حیرانی (۱۷) — جوار عرش میں دیکھا یہاں صدیق اکبرؓ کو

اقبال سہیل کے قصائد میں صوتی ترنم اور ذوقِ جمالیات بلند مقام پر فائز ہے۔ حسن، نرمی، شگفتگی، شیرینی اور لطافت اُن کے لفظی اسلوب کے محاسن قرار دیے جا سکتے ہیں۔ بلند آہنگ الفاظ اور ثقیل مفرس تراکیب بھی روانی کے حسن سے مالا مال ہیں۔ خاص کر ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کی حامل ردیف والے قصیدے میں موسیقیت کا عنصر عروج پر ہے۔ پہلے مصرع میں Internal Rhyme کے استعمال نے نہ صرف کلام میں چاشنی پیدا کر دی ہے بل کہ کمال یہ ہے کہ معنوی نظام مجروح ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔ غنائی تاثیر میں ڈوبے سراپا کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

سروِ سیادت، قامت رعنا، صبحِ سعادت، جلوۂ سیما طاقِ عبادت، ابروئے پُرخم، صلی اللہ علیہ وسلم
ابرِ درافشاں، سرورِ سامی، بدرِ درخشاں، صدرِ گرامی حاذقِ دوراں، چارہ گرِ غم، صلی اللہ علیہ وسلم (۱۸)

انھوں نے حسن و عشق، عقل و عشق اور بے خودی کے موضوع پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ ایسے اشعار حکمت و فلسفہ کی آمیزش لیے ہوئے ہیں۔ اُن کے ہاں گریز کے اشعار موزوں اور برمحل ہیں۔ زیادہ تر استفہامیہ لہجہ اپناتے ہوئے قاری کی توجہ جذب کرنے کی سعی ملتی ہے۔ مثالیں دیکھیے:

کہاں کا دشتِ ایمن، طور کیا، برق تجلی کیا یہ سب کچھ تھی جمالِ مصطفیٰؐ کی پرتو افشانی
وہ کون خامۂ فطرت کا شاہکار کمال وہ کون سرورِ کونین و سرورِ جمہور (۱۹)

اقبال سہیل کے قصائد نعت میں دعا کا حصہ مفقود ہے جسے بعض ناقدین نے خامی کے طور پر لیا ہے۔ اس سے قطع نظر انھوں نے خلفائے راشدین کے مناقب کمال صحت اور کمال عقیدت سے بیان کیے ہیں۔ ان مناقب کی خوبی یہ ہے کہ نعت کے مضامین میں مرکب کر دیے گئے ہیں یا یوں کہیے کہ شیر و شکر ہو گئے ہیں۔

فنی نقطہ نگاہ سے اقبال سہیل کے مطالع جاندار ہیں۔ تشابیب میں بہاریہ، فلسفیانہ، حکیمانہ اور متصوفانہ مضامین قلم بند ہوئے ہیں۔ بہاریہ تشبیب کی منظر نگاری میں نادر تشبیہات موجود ہیں اور یہ رنگ تغزل سے مرصع ہے۔ سفر معراج سے ایک تشبیہ ملاحظہ ہو:

حضورؐ اس طرح گزرے گنبدِ مینائے گردوں سے نظر جس طرح شیشے سے گزر جائے بہ آسانی (۲۰)

مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اقبال سہیل کے قصائد لطافت، شیرینی اور تاثیر کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ان میں موجود حفظ مراتب کی پاسداری، سیرتِ رسولؐ کی روشنی، زبان و بیان کی دل کشی، طرزِ ادا کی ندرت و جدت، وفورِ عشق و عقیدت کی بہار اور مرصع تراکیب کی رعنائی اور ترنم نے انھیں نعتیہ قصیدے میں ایک منفرد مقام عطا کیا ہے۔

2-اطہر ہاپوڑی: (م: ۲۵فروری ۱۹۵۷ء)

سید معشوق حسین اطہر ہاپوڑی ۳، اکتوبر ۱۸۷۳ کو پیدا ہوئے۔ کلاسیکی رنگ سخن کے حامل شاعر ہیں۔ ناظم الملک اور امامِ فن کے لقب سے معروف تھے۔ انھوں نے ۲۵ فروری ۱۹۵۷ء کو وفات پائی۔ ان کا بنیادی میدان غزل ہے۔ اُن کا ایک قصیدہ مخزن لاہور کے شمارہ جنوری ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا جس میں عشق و وارفتگی کے ساتھ زبان و بیان کا شکوہ بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ مطلع دیکھیے:

حریف عیش مخلد ہے عشرت فانی　　وبال دوش ہوئی ہے مجھے تن آسانی (۲۱)

۷۷ اشعار کا یہ قصیدہ دو مطلعوں کا حامل ہے۔ اس کی تشبیب میں شاعر نے اپنی بدنصیبی کو موضوع بنایا ہے۔ تعلّی زوروں پر ہے۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے حضور نبی کریمؐ کی ولادت کی شب فرشتوں کے ہمراہ اپنے تہنیت خوانی میں مشغول ہونے کا تخیلاتی منظر بھی پیش کیا ہے۔ یہ گریز کے خوب صورت اشعار ہیں:

وہی ہوں میں کہ فلک پر تھا ہم رہِ ملکوت　　شبِ ولادتِ شہؐ گرمِ تہنیت خوانی
حضور خاتمِ پیغمبراں، امامِ رُسل　　محمدِ عربی، ہاشمی و عدنانی
لکھوں وہ مطلعِ روشن مدیحِ حاضر میں　　کہ جس میں نورِ نبوت کی ہو درخشانی

مدح میں شاعر نے قرآنی تلمیحات کے ذریعے زیادہ تر فضائل رسولِ کریمؐ پیش کیے ہیں۔ اس کے علاوہ جمالِ نبویؐ کا ذکر بھی بھرپور انداز میں پیش کیا ہے:

یہ تیرے حسن میں ہے فرق حسنِ یوسفؑ سے　　کہ وہ ہے نقش نخستیں، یہ نقش ہے ثانی
وہ حُسن کیا تھا فقط دل کشِ زلیخا تھا　　یہ حُسن وہ ہے جو ہے دلفریبِ رحمانی

اطہر ہاپوڑی کا یہ قصیدہ رفعتِ خیال اور لفظی جاہ وجلال کے ساتھ فضل وکمال کی عالمانہ شان لیے ہوئے ہے۔ روانی کا عنصر پورے جوبن پر ہے۔ جذبے کی شدت نے جو چاشنی اور دل سوزی عطا کی ہے وہ قاری کے دل پر بھی اثر انداز ہوتی نظر آتی ہے۔

3-ولی الرحمٰن ولی: (م: ۱۹۶۰ء)

شاہ محمد ولی الرحمٰن، حضرت جمال الدین ہانسویؒ (خلیفہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ) کی اولاد میں سے ہیں۔ اُن کے والد کا نام شاہ خلیل الرحمٰن ہے اور وہ ۱۳۰۳ھ (۱۸۸۵ء) کو ضلع سہارن پور (انڈیا) کے قصبے سرساوہ شریف میں پیدا ہوئے اور ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰ء) کو وفات پائی (۲۲)

انھوں نے غزل، سلام، قصیدہ، رباعی اور قطعہ کی اصناف میں شعر کہے ہیں۔اُن کے مجموعے''ولی الکلام''میں تین نعتیہ قصائد موجود ہیں جن میں سب سے طویل قصیدہ نواسی شعروں کا ہے۔ ان کے مطالع یوں ہیں:

خدا کا شکر طبیعت ہے آج ایسی بلند — زمین شعر کو بھی آ رہا ہے عرش پسند (۲۳)
دربار کبریا سے چلی سج کے اک دلہن — بے مثل اس کا حسن و جمال اور بانکپن (۲۴)
کتاب عشق ہے دیکھ اے ولیؔ عجیب کتاب — نہ اس میں فصل ہے کوئی نہ اس میں کوئی باب (۲۵)

شاہ صاحب کے قصائد کے مطالع شعریت سے بھرپور ہیں۔اُن میں اتنی کشش موجود ہے جو قاری کو پورا قصیدہ پڑھنے پر مائل کرے۔یہ اشعار بے ساختہ بھی ہیں اور ان میں زبان و بیان کی چاشنی کے ساتھ متنوع موضوعات کی جھلک بھی ملتی ہے۔

پہلے قصیدے کی تشبیب فخریہ ہے لیکن لاف زنی تک نہیں پہنچتی۔شاعر کی فکر بلندی پر ہے جسے دیکھ کر جبریل امیں نے نعت لکھنے کا مشورہ دیا۔شاعر نے درود پاک پڑھ کر نعت کا قصد کیا تو ہر شے پر ہریالی اور شادابی کے آثار پائے۔ یہاں شاعر نے استفہامیہ انداز میں آپؐ کی آمد پر جنت، کائنات، فرشتوں اور انبیاء کرام کے احوال کی خوب صورت منظر کشی کی ہے۔اس پورے قصیدے میں مدح کے مضامین تخیلاتی ہیں لیکن چوں کہ شاعر کے تخیل کی پرواز بلند ہے،اس لیے یہ مضامین چاشنی سے خالی نہیں ہیں۔چند اشعار دیکھیے:

الٰہی کس کی ہے آمد کہ فرط شادی سے — قبائے گل کے گئے ٹوٹ دفعتاً سب بند
الٰہی کس کی ہے آمد کہ جبرائیل کے ساتھ — تمام حور و ملائک ہیں اور ہیں فرحت مند
الٰہی کس کی ہے آمد کہ حوریان جناں — سنگار کرتی ہیں، پہنے ہوئے ہیں بازو بند
الٰہی کس کی ہے آمد کہ آج شیطاں بھی — فریب و مکر نہ کرنے کی کھا گیا سوگند (۲۶)

یہ قصیدہ منظر نگاری، تخیل آمیزی، فخر و تعلّی، استفہامیہ طرز اور مکالماتی انداز کا مرقع ہے۔ زبان و بیان میں محاورہ، ہندی الفاظ اور تکرار لفظی کی خوب صورت مثالیں ملتی ہیں۔اس کے علاوہ مضامین میں بھی نیا پن ہے اور طرز بیان میں بھی تازگی ملتی ہے۔اس حوالے سے یہ اشعار دیکھیے:

وہ آ رہا ہے لبوں میں ہے جس کے آب حیات — ہمیشہ کھاتے ہیں خضرؑ اس کی عمر کی سوگند
وہ آ رہا ہے کہ رفتار ناز سے جس کی — ہو زندہ مردۂ صد سالہ گو ہو قبر میں بند
وہ آ رہا ہے کہ رفعت کو جس سے رفعت ہے — مقام اس کا ہے اتنا رفیع اور بلند

وہ آ رہا ہے کہ جس کا نظیر ناممکن　　وہ آ رہا ہے کہ جس کی مثال قطعاً بند(۲۷)

ولی الرحمٰن کا دوسرا قصیدہ بھی تخیلاتی مضامین کا حامل ہے۔اس میں انھوں نے تمثیلی انداز اختیار کرتے ہوئے آنحضرت کی امت عاصی پر رحمت ورافت کو بیان کیا ہے۔کہانی یوں ہے کہ دربار کبریاؑ سے رحمت کی دلہن دنیا میں آئی۔اُس نے ساری دنیا چھان ماری مگر اُسے کوئی جگہ پسند نہ آئی۔آخر مدینہ کی بستی اور اس کی فضا اس کی نظروں میں بچ گئی۔یہاں اُس کی نظر آنحضرتؐ کے جمال پر پڑی تو وہ فریفتہ ہو گئی۔اس کی درخواست پر آنحضرتؐ نے اُسے اپنا بنایا اور امت کی بخشش کا کام اسے تفویض کر دیا۔یہ کام اس نے خندہ پیشانی سے قبول کر لیا۔

یہ قصیدہ منظوم ڈرامے کی سی خصوصیات رکھتا ہے۔اس میں کہانی ہے، مکالمہ ہے، افسانوی حیرت ہے اور بخیر انجام کی صورت حال موجود ہے۔قصیدے کی زبان میں صفائی اور بیان میں دل چسپی اور چاشنی موجود ہے۔رحمت کی دلہن کے سراپا کے باب میں کہے گئے اشعار ندرتِ فکر کے ساتھ جدتِ ادا کے مظہر ہیں۔ولی نے دلہن کے روئے منیر، رخسار، آنکھ، لب، ذقن، دندان، زلف، ابرو اور مژگاں کی صفت میں تشبیہ و مبالغہ کی عمدہ مثالیں پیش کی ہیں۔جیسے:

شرمندہ رُخ کے سامنے مہتاب و آفتاب　　اور منفعل ہجوم فلک کی سب انجمن
حیران اس کی آنکھ سے نرگس کی آنکھ تھی　　سب تک رہے تھے اس کو گل و برگ و یاسمن
رخسار اس کے غیرت گل اور پُر ضیا　　خود گل عذار، غنچہ دہن اور گل بدن
ابرو سے اس کی خنجر و شمشیر دم بخود　　مژگاں سے اس کی قلب سناں میں ہوئی چبھن
لب اس کے گویا لعل بدخشاں کی جان ہیں　　سیب ذقن مفرحِ بیمارِ خستہ تن
دندانِ پاک دُر عدن سے کہیں سَوا　　خوبی پہ ان کی صدقہ ہوا خود دُر عدن(۲۸)

قصیدے کے آخر میں رحمت کی دلہن اُمت مسلمہ کی بخشش کا وعدہ کرتی ہے اور اُمت کو نبی کریمؐ پر کثرت سے درود بھیجنے کی نصیحت کرتی ہے۔قصیدے کا مقطع نئے قافیے پر مبنی ہے۔چند اشعار دلہن کے جواب سے ملاحظہ ہوں:

بولی دلہن کہ اے مرے دولہا ترے نثار　　اُمت پہ تیری صدقہ مری جان میرا تن
تیری رضا کو حق کی رضا جانتی ہوں میں　　تیری رضا میں مجھ کو نہیں جائے دم زدن
اب میں ہوں اور بخشش اُمت کا کام ہے　　محسوس تک نہ ہو گی مجھے اس میں کچھ تھکن
امت کو اپنی شوق سے مژدہ سنائیے　　عصیاں کا دل سے دُور کرے رنج اور محن(۲۹)

تیسرے قصیدے کا عنوان ''قصیدہ نعتیہ عشقیہ'' ہے۔اس میں عشق اور حسن کو لازم وملزوم قرار دیا گیا ہےاور حسن کی شرح میں سراپائے رسولؐ کا بیان ہے۔اس کے بعد آنحضرتؐ کے تعارف میں شاعر نے فضائل کا تسلسل قائم کر دیا ہے۔اس میں ذاتی صفات اور امتیازات کے ساتھ غلاموں کے بلند مقامات کا بھی ذکر ہے۔تعارفی اشعار میں ''وہ جس کی'' کے الفاظ کی تکرار قصیدے میں جوش اور صوتی حسن پیدا کرتی ہے۔اُنھوں نے آپؐ کی عظمت کا موضوع بھرپور انداز میں باندھا ہے۔مثال میں یہ چند اشعار دیکھیے جن میں شاعر کی تازہ فکری کے نمونے موجود ہیں:

وہ جس کے مستوں کی خاطر خدائے برحق نے　　حلال کی مئے الفت، حرام کی مئے ناب
وہ جس کے دور میں چھائیں گھٹائیں رحمت کی　　اور آب جود و کرم بھر کے لا رہے ہیں سحاب
زمیں پہ فرش زمرد بچھا ہے جس کے لیے　　کھنچی ہے جس کے لیے خیمۂ فلک کی طناب(۳۰)

اس قصیدے میں معجزات رسولؐ کے بیان میں نو معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔قصیدے کے اختتام پر حافظ شیراز نے کہا کہ میرے اشعار بھی عشق رسولؐ میں ہیں،انھیں بھی شامل قصیدہ کرلو۔یوں اس میں چار شعر حافظ کے بھی شامل ہیں۔دعا کے چودہ اشعار اُمت مسلمہ کی بے بسی اور بحالی کی فریاد میں ڈوبے ہوئے ہیں:

الٰہی صدقہ اسی اپنے پیارے دلبر کا　　ہمارے سر سے ہٹا جلد ہر طرح کا عذاب
جفا و جور و ستم سہتے سہتے حال یہ ہے　　کہ دن کو چین نہیں اور نہ شب کو آنکھوں میں خواب
جفائیں سہنے کا بھی اب تو دم نہیں باقی　　ستم اُٹھانے کی بالکل نہیں رہی اب تاب
الٰہی اب تو ہمیں رفعت اور حکومت دے　　الٰہی غیب سے فرما مدد ہماری شتاب
الٰہی اب تو ہمیں عزت اور نصرت دے　　شگفتہ کر دے ہمارے دلوں کو مثل گلاب(۳۱)

4- سید محمد اشرفی کچھوچھوی: (۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء)

سید محمد ۱۸۹۵ء کو کچھوچھہ کے علمی گھرانے میں سید نذر اشرف فاضل کچھوچھوی کے ہاں پیدا ہوئے۔(۳۲) انھوں نے اپنے ماموں حضرت سید احمد اشرف جیلانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔دو سال امام احمد رضا بریلوی کے پاس گزارے اور فقہ وفتاویٰ پر عبور حاصل کیا۔سترہ سال تک وہ حفظ، حدیث اور فقہ کی تحصیل مکمل کر چکے تھے۔(۳۳)

وہ محدث اعظم ہند کے لقب سے مشہور ہوئے۔اُن کے شعری دیوان کا نام ''فرش پر عرش''

ہے جس میں حمد، نعت، منقبت، سلام اور غزلیات شامل ہیں۔ اُن کی وفات ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء کو لکھنو میں ہوئی۔ اُن کا مزار کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد میں ہے۔ اُن کا ''قصیدۂ معراج'' گل زار ادب کچھوچھہ کی طرف سے دیے گئے طرح مصرع ''شب معراج محبوب خدا ہے'' پر ۱۹۵۶ء میں لکھا گیا۔ مطلع دیکھیے:

یہ کیسی موج میں باد صبا ہے　　خمار آلود جھونکوں میں ہوا ہے (۳۴)

یہ قصیدہ پانچ سو ستائیس اشعار پر مبنی ہے اور اس میں تین تشابیب ہیں۔ چھیاسٹھ اشعار کی تشبیب اوّل ''نیچرل سینری''، گلشن اور ابرو کہسار کی منظر کشی سے عبارت ہے۔ ارض و سما خوشی سے مخمور ہیں؛ سمندر کیف میں ڈوبا ہوا ہے؛ فرشتے بھی جھوم رہے ہیں اور آپؐ کے انتظار میں حضرت ام ہانیؓ کے دروازے کو تکتے جا رہے ہیں۔ حضرت میکائیلؑ، حضرت اسرافیلؑ اور حضرت عزرائیلؑ اپنے فرشتوں کے گروہ کے ہمراہ استقبال کو تیار کھڑے ہیں۔ سادہ اسلوب میں عمدہ تشبیہات سے عمدہ منظر کشی نظر آتی ہے۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

عجب مستی میں کل ارض و سما ہے　　یہ بزم ہست ہے یا مے کدہ ہے
یہ رنگیں گل ہیں کیوں شبنم بداماں　　نگاریں جام صہبا سے بھرا ہے
سجا گل ہائے رنگیں سے ہے کہسار　　سمندر کیف میں ڈوبا ہوا ہے
پہاڑی سبز جوڑے میں ہے مخمور　　بڑی مستی میں دریا بہہ رہا ہے (۳۵)

تشبیب دوم کا عنوان ''تاریخی و علمی'' ہے اور اس میں چار سو تنتیس اشعار ہیں۔ ان میں زمانۂ جاہلیت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے اور معراج جسمانی کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں دیگر مذاہب کے حوالے پیش کیے گئے ہیں کہ جن کے بانی آسماں سے نازل ہوں گے۔ آپؐ کی فضیلت یہ ہے کہ آپؐ چشم زدن میں معراج سے لوٹ آئے۔ اُنھوں نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے بارے میں لکھا ہے کہ عیسائی، یہودی اور ہندو حضرت عیسیٰؑ، حضرت عزیرؑ اور کنہیا کے بارے میں جسمانی معراج کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن مسلمانوں میں ایک گروہ آنحضرتؐ کی جسمانی معراج کا قائل نہیں۔ مثالیں دیکھیے:

تعجب ہے نصاریٰ مانتے ہیں　　مسیحا مع جسد فوق السما ہے
ہوئی جسمانی معراج عزیری　　یہودیوں کا دعویٰ برملا ہے
سناتن دھرمیوں کا بھی عقیدہ　　کنہیا کے لیے یہ مل رہا ہے
یہ سب قومیں برابر منتظر ہیں　　فلک سے ان کا بانی آ رہا ہے (۳۶)

معراج کے بارے میں انھوں نے دیگر مسلم فرقوں پر تنقید بھی کی ہے۔اس کے علاوہ براق کی تیزی کے بیان میں نظر اور نور کی تشبیہات کا سہارا لیا گیا ہے۔تحفۂ نماز کے ملنے اور حضرت موسیٰؑ سے ملاقات کا ذکر ہے۔اس حصّے کے آخر میں ابوجہل اور حضرت صدیق اکبرؓ کے مابین مکالمے کو نظم کیا گیا ہے۔

تشبیب سوم میں ''تمہید ذکر میلاد شریف'' کے عنوان کے تحت اٹھائیس اشعار ہیں جن میں شاعر نے میلاد شریف کے بارے میں عقیدے کا اظہار کیا ہے کہ ہم کھڑے ہو کر تعظیم سے میلاد پڑھتے ہیں۔یہ قصیدہ واقعہ معراج کی جزئیات سے عبارت ہے۔اس میں فلسفیانہ خیالات کی آمیزش ہے اور دیگر فرقوں پر طنز وتنقید کا رجحان ملتا ہے۔اس میں قرآنی تلمیحات کثرت سے استعمال ہوئی ہیں۔عربی تراکیب اور آیات قرآنیہ کا متن پورے مصرعوں کی صورت میں قصیدے کی شان بڑھاتا نظر آتا ہے۔قصیدے کا بنیادی اسلوب سہل ممتنع سے عبارت ہے۔سادگی کا عنصر تو موجود ہے لیکن عبارت چاشنی سے خالی ہے۔ بعض مقامات پر شگفتہ مصرعے شاعر کے قلم سے نکلے ہیں لیکن یہ تسلسل زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا۔

5- شفیق جون پوری: (م: ۲۵، مارچ ۱۹۶۳ء)

شفیق جون پوری بیسویں صدی کے ممتاز قصیدہ نگار ہیں۔اُن کا اصل نام حافظ ولی الدین صدیقی ہے۔وہ ۱۹۰۲ء میں مولانا محمد یعقوب صاحب انیق جون پوری کے گھر پیدا ہوئے۔اُن کے شعری مجموعوں میں ''طوبیٰ، صبح کعبہ، سفینہ، خلد مسرت، تجلیات، مینائے خمار، حجاز نامہ، فانوس، بانگ جرس، خرمن عشق، شانہ، کلام شفیق'' شامل ہیں۔انھوں نے ۲۵ مارچ ۱۹۶۳ء کو جون پور میں وفات پائی۔(۳۷)

اخلاص مشرق (۱۳۶۲ھ)، مینائے حجاز (۱۳۵۳ھ)، ہشت جنت اور دارالسلام (۱۹۵۳ء) اُن کے قصائد کے مجموعے ہیں۔ڈاکٹر محمد کمال الدین نے اُن کے قصائد کی عدم دستیابی کا ذکر کیا ہے۔(۳۸) راقم کو اُن کے چار قصائد دستیاب ہوئے ہیں۔اِن قصائد کے مطالع ملاحظہ ہوں:

الٰہی کون سی بستی میں آ پہنچا ہے دیوانہ ہزاروں گھر ہیں لیکن کوئی اپنا ہے نہ بیگانہ(۳۹)
شام ہوتی اور بستی میں چراغاں دیکھتے چاندنی کو اپنے ویرانے پہ نازاں دیکھتے(۴۰)
شام آ گئی بجتا ہے کلیسا میں گجر جا اے میرے پرندے تجھے جانا ہے جدھر جا(۴۱)
کدھر جاتا ہے دیوانہ کہاں جاتا ہے سودائی نہ میر کارواں کوئی نہ منزل سے شناسائی(۴۲)

شفیق جونپوری کے نعتیہ قصائد اپنی ایک منفرد پہچان رکھتے ہیں جس میں اُن کے داخلی احوال کو بہت عمل دخل ہے۔انھوں نے فکر آخرت، سفر عدم اور قبر کے احوال کی منظر نگاری بڑے پُر سوز انداز

میں کی ہے۔اُن کے ہاں تنہائی اور غم کا گہرا احساس اُبھرتا دکھائی دیتا ہے۔اُن کا طرزِ بیان، مشاہدے اور تجربے کی آنچ پر کندن ہوا ہے۔اس لیے اس میں تاثیر کی خوبی بھی موجود ہے۔اصل میں شفیق کے اٹھارہ سالہ بیٹے صلاح الدین کی موت نے اُن کی کمر توڑ کر رکھ دی اور انھیں ناپائیداری اور بے چارگی کے شدید احساس سے دوچار کر دیا۔انھوں نے ''شام'' اور ''تنہائی'' کے استعاروں میں اپنا دکھ بیان کیا ہے۔اُن کے بیانیے میں باپ کا دکھ بڑے الم ناک انداز میں چھلکتا نظر آتا ہے۔یہی المیاتی آہنگ اُن کے قصائد کی تشبیب کا مرکزی موضوع ٹھہرتا ہے۔محرومی و ناکامی کے حامل یہ دل گداز اشعار دیکھیے جن میں بیٹے کی جدائی کا کرب اپنے عروج پر ہے:

خدا حافظ نہ رہبر ہے نہ کوئی ہم سفر تیرا وہ تاریکی کہ گم ہو جائے خود آنکھوں کی بینائی
تری نازک خرامی آہ کیونکر تاب لائے گی تجھے کرنا ہے اب ملک عدم کی جادہ پیمائی
تجھے تو نیند بھی مشکل سے تنہائی میں آتی تھی یہ نا مانوس یہ انجان بستی کیوں پسند آئی
نگہ باں چپ، گلی سنسان، چلمن سر پٹکتی ہے چلا ہے لے کے سارے گھر کی رونق کوئی سودائی
کہاں جنگل، کہاں وہ خواب گاہِ کوئے جانانہ چمن کے سونے والے تجھ کو ویرانے میں نیند آئی (۴۳)

شفیق کے قصائد میں تشبیب کا حصہ مدح سے عموماً زیادہ ہوتا ہے۔تشبیب میں ناصحانہ مضامین بھی لاتے ہیں لیکن ذاتی احوال کی پیش کش غالب رہتی ہے۔ایک جگہ اہل عشق کی صداقت اور اُن کی قبروں کے منور ہونے کا بیان ہے کیوں کہ وہ شان بے نیازی رکھتے ہیں اور ہوس میں نہیں پڑتے۔

تشبیب میں وہ ایک سے زیادہ مطالع لاتے ہیں۔ ہر مطلع نئی فضا اور نئی کیفیت کا حامل ہوتا ہے۔مختصر اور طویل دونوں طرح کے گریز اُن کے ہاں موجود ہیں۔طویل گریز مدح کے پس منظر کا کام دیتے ہیں۔مثال کے طور پر پہلے قصیدے کی تشبیب میں اہل عشق کی صفات کا ذکر ہے۔مطلع دوم میں ساقی کوثر کا تعارف رندانہ مضامین میں ہوا ہے۔مطلع سوم میں مدینے کی بچیوں کے آنحضرتؐ کے استقبال کے بعد مدح کی طرف رجوع کیا ہے۔انھوں نے آنحضرتؐ کے دنیا میں احسانات، درسِ مساوات، طبقاتی نظام کے خاتمے اور عظمت و رفعت کے حوالوں کو نہایت خلوص سے بیان کیا ہے۔اُن کے انتخاب کردہ مضامین آفاقی نوعیت کے حامل ہیں۔اسلام کے تاریخی حقائق پر اُن کی گہری نظر ہے اور انھوں نے عشق و وارفتگی میں ڈوب کر اشعار کہے ہیں جو مذہبی تعصب اور افراط و تفریط سے پاک ہیں۔انھوں نے نعت کے مضامین کے تقدس کی نگہ بانی دل سے کی ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بحمداللہ ! میر ملک عرفاں تیرا کاشانہ مٹائی جا رہی ہے نخوت سرمایہ دارانہ

ترےؐ دربار میں الفقر فخری کا ترانہ ہے ترئؐ سرکار میں پامال ہے پندار شاہانہ
یہ سچ ہے تیرے دروازے پہ نوبت ہے نہ نقارہ مگر روح الامیں آتے ہیں چوکھٹ پر غلامانہ
بسر کرتی ہے چکی پیس کر لختِ جگر تیری مگر خدام کی جھولی بھری جاتی ہے روزانہ
کوئی طفل یتیم آ جائے تو شہزادی طیبہؓ کرے الجھے ہوئے بالوں میں دستِ پاک سے شانہ(۴۴)

مدح کے دیگر موضوعات میں مدینے کا سفر، فضا، نسیم صبح اور حاضری کی تمنا شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک نمایاں پہلو شفیق کا عصری شعور ہے۔ انھوں نے اپنے قصائد میں آج کے مسلمان کی اخلاقی گراوٹ کا استغاثہ بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کر کے روحِ عصر سے مزین کیا ہے۔ مسلمانوں کو حقیقت کا آئنہ دکھانے کے لیے انھوں نے موازنے کی تکنیک استعمال کی ہے۔ یہ اشعار شاعر کے عمیق مشاہدے اور گہرے طنز کے غماز ہیں:

جو ہیں اہلِ تمول ان کی حالت اور بدتر ہے رئیس قوم ہو کر ذہن مفلس، دل گدایانہ
یہاں قصر و محل پر بھی نگاہ و ذہن میں تنگی وہاں چھوٹا سا حجرہ وسعتِ عالم کا افسانہ
یہاں اپنے بھی آ جائیں تو دل اخلاق سے عاری وہاں دشمن بھی جا پہنچے تو الطاف کریمانہ
وہاں شاہنشہ کونین لیکن شان درویشی یہاں مزدور کا غم زندگی سرمایہ دارانہ(۴۵)

شفیق جونپوری کہنہ مشق شاعر ہیں جس کا اندازہ اُن کے اشعار میں زبان و بیان کی چاشنی اور سلاست و صفائی سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ جذبات نگاری میں انھیں کمال حاصل ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے منظر نگاری میں جزئیات کو عمدگی سے سمویا ہے۔ الفاظ کی بندش چست اور قدرتِ کلام کے ساتھ ''جا'' اور ''دیکھتے'' کی ردیفوں کو انھوں نے خوبی کے ساتھ برتا ہے جب کہ صنائع بدائع کا موزوں استعمال اس پر مستزاد ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

کچھ اندھیرا شام کا کچھ یادِ گیسوئے حبیبؐ خود بخود اپنی پریشانی کو خنداں دیکھتے (۴۶)
آ، بادِ خزاں، بادِ خزاں، بادِ خزاں آ جا اے گل تر، اے گل تر، اے گل تر جا (۴۷)
مخالف تھی چمن میں آلِ اسرائیل کی کوشش مگر فصلِ بہار آخر بنی ہاشم کے گھر آئی (۴۸)
حاضری جس وقت ہوتی جالیوں کے سامنے حلقے حلقے میں نگاہِ پیر کنعاں دیکھتے (۴۹)

اُن کے ہاں نعتیہ قصیدہ اپنے تمام عناصر کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔ اُن کی تشبیب میں جاذبیت ہے اور مدح میں خلوص اور محبت ہے۔ انھوں نے دعاؤں پر زیادہ توجہ نہیں دی، اس کے بجائے داخلی کیفیات اور تمناؤں کا بیان بھرپور انداز سے اُن کے کلام میں شامل ہے۔

شفیق جون پوری کے قصائد تشبیب کے متنوع مضامین، گریز کے پُرسلیقہ اور جاذب نظر استعمال، تاریخی شعور، روحِ عصر، مدح کی آفاقیت، جذبات نگاری اور زبان و بیان کی چاشنی اور مؤثر ابلاغ کے حوالے سے تادیر یادر کھے جائیں گے۔

6-درد کاکوروی: (م: ۲۷جون ۱۹۷۲ء)

درد کاکوروی، محسن کاکوروی کے بھتیجے ہیں۔ اُس کا اصل نام مکرم علی ہے جب کہ تاریخی نام نذر علی رکھا گیا۔(۵۰) وہ ۱۸۹۱ء کو اٹاوہ بھارت میں پیدا ہوئے۔ ''درد کا درماں (۱۹۶۷ء)، قصیدہ بردہ شریف (سلام ترجمہ ۱۹۶۸ء)، جام کوثر (۱۹۶۹ء)، سرور کائنات، میلاد پیغمبر'' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ اُن کی وفات ۲۷ جون ۱۹۷۲ء کو کراچی میں ہوئی اور وہ عزیز آباد قبرستان میں دفن ہیں۔(۵۱)

اُن کے نعتیہ قصائد کلاسیکی رنگ سخن کے حامل ہیں۔ ایک قصیدہ شہیدی کی زمین میں ہے۔ ان کے مطالع ملاحظہ فرمائیں:

عطا کر یا الٰہی مجھ کو ایسا عشق احمدؐ کا کہ سوتے جاگتے ہر دم تصور ہو محمدؐ کا(۵۲)

تو جا مدینے کی طرف بادِ صبا بہر خدا جا کر ادب سے پھر وہاں میرا قصیدہ یہ سنا(۵۳)

درد کاکوروی کے قصائد پر محسن کاکوروی کا رنگ غالب ہے۔ انھوں نے مضامین میں نیا پن لانے کی سعی کی ہے چھہتر اشعار کا یہ قصیدہ مضامین کی وسعت رکھتا ہے۔ قرآنی تلمیحات کا عمدہ استعمال بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ معراج کے حوالے سے براق کی خوش بختی اور آسمان کو فضیلت ملنے کا مضمون باندھا گیا ہے۔ عدم سایہ مبارک میں حسن تعلیل اور بلا میم احمد میں رعایت لفظی کے حامل اشعار ملتے ہیں۔ حاشیے میں انھوں نے اسی خیال کو ایک حدیث ''انا احمد بلا میم'' سے جائز قرار دیا ہے۔ مضمون آفرینی کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

احد نے نور سے اپنے محبت میں کہا جب کُن وہی میم محبت بن گیا ہے میم احمد کا (۵۴)

حقیقت میں بہ ہر صورت ادا ہو جائے گا سجدہ احد کا کیجیے یا کیجیے بے میم احمدؐ کا (۵۵)

نہ دوں گا سبزہ زارِ حسن سے نسبت میں عارض کو خضر دیتے رہیں چھینٹا مجھے آب زمرد کا(۵۶)

وہاں تنزیہہ مطلق اور یہاں تشبیہ برحق ہیں محمدؐ میں معمہ ہے عجب حرفِ مشدد کا (۵۷)

دوسرے قصیدے میں اسلوب نسبتاً زیادہ مرصع ہے اور اضافتی تراکیب کی بہتات ہے۔ ان میں تازگی بھی ہے اور روانی بھی۔ یہ قصیدہ بھی تشبیب کے بغیر ہے اور خطابیہ لہجے میں ہے چند شعر مثال

میں دیکھیے :

تم مونسِ قلب حزیں ، بیضاویِ صبحِ یقیں　　تم افتخارِ مرسلیںؐ ، تم فیض بخشِ قل کفیٰ
تم صاحب حبل المتیں، بدر البدور مرسلیں　　صدر الصدورِ عارفیں ، تم کاشف سرّ خدا
صدر العلیٰ ، فخر رسل، نجم الہدا، شمع سبل　　تم نور اول، عقل کل ، امی لقب شانِ خدا
طٰہٰ و یاسیں نام ہے ،''انّا فتحنا'' کام ہے　　پیغام حق اسلام ہے تم ہو رسولِ دوسرا(۵۸)

درد کاکوروی کے ہاں قصیدے کے اجزا پورے نہیں ہیں۔انھوں نے تشبیب کے بجائے مدح ودعا پر توجہ مرکوز کی ہے۔کلاسیکی رنگ میں ڈوبے اُن قصائد پر لکھنوی اثرات غالب ہیں۔مضامین میں محسن کاکوروی کا تتبع واضح نظر آتا ہے۔مضمون آفرینی،طرز ادا میں تازگی اور زبان وبیان کی شگفتگی اور جذبے کی شیفتگی اُن کے قصائد کے نمایاں عناصر ہیں لیکن جوشِ عقیدت میں حدوداللہ کو پامال کرنا محل نظر ہے اور نعت کے تقدس کے منافی ہے۔

7- عزیز جے پوری: (م:۱۲،نومبر ۱۹۷۵ء)

سید حافظ محمد یوسف علی خان جعفری ادبی حلقوں میں عزیز جے پوری کے نام سے معروف ہیں۔وہ ۱۴، مارچ ۱۸۸۹ء میں سید افضل علی خاں کے ہاں ٹونک کے علاقے محمد آباد میں پیدا ہوئے (۵۹) اُن کی تخلیقات میں ''نغمۂ عندلیب''اور''ادب عزیز''نمایاں ہیں۔

ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری نے ''سید محمد یوسف علی جے پوری کی علمی اور دینی خدمات کا تحقیقی جائزہ'' کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا ہے۔عزیز ایک صوفی بزرگ بھی ہیں ایک حلقہ انھیں عزیز الاولیا سلیمانی کے نام سے بھی جانتا ہے۔ وہ ۱۲ نومبر ۱۹۷۵ء کو اس دنیا سے رخصت ہوئے (۶۰)۔بقول ڈاکٹر شہزاد احمد: بابائے اردو مولوی عبدالحق انھیں دادائے اردو کہا کرتے تھے۔

حضرت عزیزؒ تمام اصناف سخن پر قدرت کاملہ رکھتے تھے۔(۶۱) اُن میں غزل،قصیدہ ، مثنوی،مستزاد،مسمط ،مرثیہ،ترکیب بند اور ترجیع بند نمایاں ہیں۔شاعری میں نواب احمد مرزا خاں آگاہ سے مستفیض ہوئے۔آپ ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔اُن کے اشعار کی تعداد لاکھوں میں ہے اور قصائد سینکڑوں میں ہیں۔بقول بی اے سالک:

> ''حضرت قبلہ نے سو سے زیادہ قصائد کہے ہیں۔ اُن میں سے کچھ نظام الادب، معین الادب اور فردوس تولاً ، میں چھپ چکے ہیں اور کچھ اس ''ادب

عزیز'' میں چھپ رہے ہیں۔''(۶۲)

روانی ہے طبیعت کی مری اک موج زن دریا سخن کا سلسلہ ہے ایک سلک گوہر یکتا(۶۳)

گلوں میں رنگ ہے یہ کس کی خوش ادائی کا چمن میں اور ہی عالم ہے خوش نمائی کا(۶۴)

الٰہی کس بلا کا منقلب دور قمر آیا کہ ثابت کا اثر بھی لے کے لاکھوں شور وشر آیا(۶۵)

کھٹکا لگا ہوا ہے اس دور میں فنا کا ساقی مجھے پلا دے ساغر مے بقا کا(۶۶)

شہرہ ہے زمانے میں جو دنیائے وفا کا صدقہ ہے یہ اخلاق رسولؐ دو سرا کا (۶۷)

بنائے سلسلۂ ابتدا کو دیکھ لیا ظہور قدرتِ بے انتہا کو دیکھ لیا(۶۸)

مہر عزت ، ذرہ خاک زمین مصطفیؐ بحر رحمت ، قطرۂ آبِ جبین مصطفیؐ(۶۹)

زمانہ عشقِ حقیقی سے جو سرشار نہ تھا ۔۔۔۔۔۔۔دور میں ہشیار نہ تھا(۷۰)

پہنچا دیا فنا کو بقا کے نشان پر کیوں مرمٹیں نہ خضر حقیقت کی شان پر(۷۱)

بادِ رحمت چل رہی ہے آئے بادل دَل کے دَل لو گھٹا گھنگھور چھائی ہے ترشح بر محل(۷۲)

غنچہ و گل سے سوا آج معطر ہے نسیم کس کی زلفوں کی یہ پھیلی ہے گلستاں میں شمیم(۷۳)

محبت کے کرشمے بھی عجب ہیں کہیں پردے، کہیں حسن طلب ہیں(۷۴)

بحر ہمت میں جو میں نے خوب مارے ہاتھ پاؤں جوش الفت سے بنے دل کے اشارے ہاتھ پاؤں(۷۵)

سوچتا تھا کیا سبب ہے یا اللہ لعالمیں یک بیک کس وجہ سے ہے دل میں میرے جوش دیں(۷۶)

اے قاسم روحِ بقا گاہے نظر بر من فگن اے کاتبِ لوحِ قضا گاہے نظر بر من فگن(۷۷)

بہار آئی سناتی، بت کدہ اللہ کا گھر ہو گھٹا اٹھی بتاتی ، ساغر مے جام کوثر ہو(۷۸)

کیا شے ہے خدا رکھے مرا درد جگر بھی مضموں میں ہے تائید بھی شعروں میں اثر بھی(۷۹)

ہمہ اوست کی دھوم کیا ہو گئی کہ ساری خدائی خدا ہو گئی (۸۰)

تصویرِ حسن دیدۂ حیرت نگر میں ہے آئنہ صفا کف آئنہ گر میں ہے (۸۱)

جنت پسند ہے ، تجھے کوثر پسند ہے بے ہوشیوں میں غرق دلِ ہوش مند ہے(۸۲)

اُن کے قصائد نعت اور منقبت کے علاوہ شخصی مدح کے حامل ہیں۔نعتیہ قصائد میں انھوں نے تمہیدیہ اور مدحیہ دونوں طرح سے بارگاہِ رسالتؐ میں عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ اُن کا ایک نعتیہ قصیدہ ''آفتاب'' کی مشکل ردیف میں ہے۔انھوں نے چھوٹی بحر اور مشکل ردیف سے عمدہ مضامین نکالے ہیں۔اس کی تشبیب متنوع موضوعات کی حامل ہے لیکن ''آفتاب'' کی معنویت اُجاگر ہوتی نظر آتی ہے۔

ذرے ہیں آئنہ دار آفتاب ہے زمیں یا جلوہ زار آفتاب
ہے جو خط استوا سے جلوہ ریز کھل رہا ہے لالہ زار آفتاب
موجہ موجہ آبشار ماہتاب شجرہ شجرہ دل فگار آفتاب
اہل حق یہ دیکھ کر حیران تھے آدمی طاعت گزارِ آفتاب(۸۳)

''ہاتھ پاؤں'' کی ردیف بھی خاصی مشکل ہے لیکن انھوں نے اس میں بھی بہ آسانی بے ساختہ شعر کہے ہیں۔ دوشعر دیکھیے:

بحرِ عشق مصطفیؐ میں ہم نے مارے ہاتھ پاؤں لے گئے اک روز کوثر کے کنارے ہاتھ پاؤں
دست بوسی کے لیے اور بہر پابوسی ، اگر ہم سے پوچھو دو جہاں میں ہیں تمہارے ہاتھ پاؤں(۸۴)

اسی طرح ایک اور قصیدہ ''ہاتھوں سے کھینچی ہے'' کی مشکل ردیف میں ہے۔ اس میں ردیف کے ساتھ انصاف تو کیا ہی گیا ہے، جذبوں کا خلوص بھی اوج پر ہے۔ انھیں مضامین کو الفاظ کے پیکر میں ڈھالنے میں دشواری محسوس نہیں ہوتی۔ یوں لگتا ہے کہ الفاظ کی نرم مٹی سے وہ شاہکار تخلیق کرتے چلے جارہے ہیں۔ اُن کی قادرالکلامی کے حامل یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

جو دیکھا نامۂ اقدس، کہا قیصر نے اسقف سے یہ کس نے صورت صدق ویقیں ہاتھوں سے کھینچی ہے
دہن کیا، انگلیوں سے فیض کے چشمے ابلتے ہیں نشانی حق کی لفظوں سے نہیں، ہاتھوں سے کھینچی ہے
کہیں ڈوبا ہوا سورج بھی نکلا ہے؟ کہو کس نے طناب خیمۂ عرش بریں، ہاتھوں سے کھینچی ہے
قیامت میں جو کردے بند راہیں نارِ دوزخ کی وہ دیوار آپ نے گویا یہیں، ہاتھوں سے کھینچی ہے(۸۵)

عزیز الاولیا کے مطلعے بھرپور ہیں۔ تشبیب میں انھوں نے بہاریہ مناظر، رندانہ مضامین، صوفیانہ عناصر، تخلیق کائنات، ولادت رسولؐ، زمانۂ جاہلیت کی تصویرکشی اور اسلامی تعلیمات کا نقشہ بڑی شدومد سے کھینچا ہے۔ ایک قصیدے کی تشبیب میں حضرت آدمؑ کی تخلیق، زمین پر نزول اور اسم محمدؐ کے صدقے میں حضرت آدمؑ کی توبہ کی قبولیت کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ ایک قصیدے میں اسلام کی تعلیمات ،توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دعا کے باب میں اشعار کہے ہیں۔ رندانہ مضامین کی حامل یہ تشبیب ملاحظہ ہو:

کس کس کو ڈھونڈتی ہیں ساقی تری نگاہیں کس کس کو ہے اشارہ ، ساقی تری صلا کا
ساقی نے وہ پلائی ، حق تک ہوئی رسائی قطرے کو جوش بخشا اک قلزم صفا کا
کعبے میں میکدے کی بنیاد پڑ رہی ہے اب خاتمہ سمجھ لے شیخ اپنے اتقا کا (۸۶)

عزیز جے پوری کے قصائد عشق رسول پاکؐ سے سرشار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کی عظمت ورفعت کا بیان اُن کے کلام کا غالب عنصر ہے۔ آپؐ کے احسانات اور مقامات بلند کے بیان میں یہ اشعار دیکھیے:

کہتے ہیں جسے کن ، ہے قلم دانِ محمدؐ لکھتے ہیں فکاں حکم نویسان محمدؐ
حضرت کے سب احکام ہیں احکام الٰہی اللہ کا فرمان ہے فرمانِ محمدؐ
عاصی ہو کہ عالم ہو ، نبی ہو کہ ولی ہو وہ کون ہے جس پر نہیں احسان محمدؐ (۸۷)

عزیز جے پوری کے نعتیہ قصائد قرآنی تلمیحات کے حامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا مطالعۂ تاریخ اسلام بھی گہرا ہے۔ اُن کے اشعار ندرت فکر اور خیال کی تازگی کے ساتھ زبان وبیان کی شیرینی بھی رکھتے ہیں۔ بعض اشعار بے ساختہ محبت کی ترجمانی کرتے ہیں اور دل میں اترنے کی تاثیر رکھتے ہیں۔ اُن کے کلام سے شعری مثالیں دیکھیے جن میں طرز ادا کی جدت اور بانکپن دونوں شامل ہیں:

کس ناز سے معراج کی شب کہتے ہیں حق سے کیا آج بھی نکلیں گے نہ ارمان محمدؐ (۸۸)
واعظ بھی بجا کہتے ہیں دوزخ بھی ہے برحق کہتی ہے مگر اور ہی کچھ شانِ محمدؐ (۸۹)
کحل مازاغ ہے یا عینک چشم حق بیں کھل گیا محرم اسرار فاوحیٰ ہونا (۹۰)
کر گیا شاہؐ تجھے، کہہ گیا نوشاہ تجھے تیرے سر بخششِ کونین کا سہرا ہونا (۹۱)
عقلا دنگ ہیں اس شان محبت پہ عزیز اپنی مصنوع پہ صانع کا شیدا ہونا (۹۲)

قصیدہ گوئی میں شاعر اپنی تبحر علمی کا مظاہرہ کرتے آئے ہیں۔ عزیز جے پوری کے ہاں تاریخ عالم اور اسلامی تعلیمات کے علاوہ علم نجوم کی اصطلاحات بھی ملتی ہیں۔ اُن کے قصائد لفظی شکوہ اور علمی جلالت کے حامل ہیں۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

ستم ہے مشتری میں بھی، زحل کی سی نحوست ہے قیامت ہے ، قیامت حشر سا ہوتا نظر آیا
عطارد کی ہر اک تحریر کا مضمون ہے اُلٹا یہ زہرہ کی سعادت منقلب یوں کوہ کر آیا (۹۳)

عزیز جے پوری نے حفظ کے ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کی۔ اس کے اثرات اُن کے قصائد میں قرآنی تلمیحات کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے زیادہ تر اسلامی تعلیمات کو اپنے قصائد کا ماخذ بنایا ہے۔ اس کے علاوہ اُن کے قصائد میں صوفیانہ افکار واصطلاحات بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ چشتی سلیمانی سلسلے سے وابستہ ہیں۔ آئمہ اطہار سے عقیدت اُن کے قصائد کی ایک اور انفرادی صفت ہے۔

اُن کا شعری اسلوب شوکت الفاظ اور بلند تخیل کا حامل ہے۔اُن کی قادرالکلامی میں کوئی شبہ نہیں۔وہ مضمون کو نئے ڈھنگ سے باندھنے کا ہنر جانتے ہیں۔وہ عربی، فارسی کے مشکل الفاظ آسانی سے برت لیتے ہیں۔اس پر جذبۂ عشق کی تیز آنچ نے اُن کے قصائد میں ایک جوش اور ولولہ بھر دیا ہے۔ اُن کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

احمد ہیں حامدوں میں، محمدؐ ہیں خلق میں یوں مجتبٰی بھی آپؐ ہیں، یوں مصطفٰی بھی آپؐ (۹۴)

8- محمد زکی کیفی: (م: ۲۸ جنوری ۱۹۷۵ء)

مولانا محمد زکی کیفی، جسٹس محمد تقی عثمانی کے بڑے بھائی اور معروف شاعر سعود عثمانی کے والد ہیں۔وہ ۳ جولائی ۱۹۲۶ء کو مولانا مفتی محمد شفیع کے ہاں دیوبند (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔وہ جگر مرادآبادی کے تلمیذ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مرید ہیں۔انھوں نے ۲۸ جنوری ۱۹۷۵ء کو لاہور میں وفات پائی اور وہ میانی صاحب قبرستان میں دفن ہیں۔(۹۵)

محمد ذکی کیفی کے مجموعے ''کیفیات'' میں مثنوی کی ہیئت میں ایک نظم موجود ہے جس پر ''قصیدہ نعتیہ'' کا عنوان درج ہے۔اس کے علاوہ ایک قصیدہ موجود ہے جس کا عنوان ''قصیدہ مدحیہ'' ہے مگر اس میں تشبیب موجود ہے۔تشبیب میں انھوں نے زمانۂ جاہلیت کی گمراہی کا بھرپور نقشہ کھینچا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تھیں ظلمتیں ہی ظلمتیں، ادھر اُدھر یہاں وہاں محیط ابرِ کفر تھا، چمک رہی تھیں بجلیاں
بھٹک رہی تھی زندگی مثال گرد ناتواں نہ ہم سفر، نہ رہ گزر، نہ راہبر، نہ کارواں
کلی کلی فگندہ سر، گلوں کے لب پہ ہچکیاں چمن چمن تھی تیرگی، روش روش دھواں دھواں
خانہ بہ خانہ، کُو بہ کُو سجتے ہوئے صنم کدے لات وہبل کے سامنے ہوتی تھیں سجدہ ریزیاں
ناچ رہی تھی ہر طرف بہیمیت، درندگی گونج رہا تھا ہر طرف شور صدائے الاماں (۹۶)

زکی کیفی کا اسلوب زوردار اور لہجہ پُر جوش ہے۔اُن کے ہاں عشق ومحبت کے جذبات میں جوش وخروش ہے اور فکر میں تازگی ہے۔اُن کا تخیل بلند ہے اور فکری اٹھان اُن کے ہاں دیکھی جاسکتی ہے۔

انھوں نے گریز کا مرحلہ مہارت سے طے کیا ہے۔گریز اگرچہ مختصر ہے مگر تشبیب اور مدح میں پل کا کام دے رہی ہے۔دو شعر دیکھیے:

بیوہ کوئی فگندہ سر، آہ بہ لب کوئی یتیم کوئی غریب نالہ کن، کوئی ضعیف سرگراں

خلقِ تباہ حال پر رحمت حق نے کی نظر بھیجا رسولِ پاکؐ کو، آئے امام انس و جاں
صحن چمن میں چل پڑی پھر سے نسیم عطر بیز غنچے کھلے، کھلی ہنسی، برگ و شجر ہوئے جواں (۹۷)

زکی کیفی کے قصیدے کا نمایاں وصف جذبۂ عشق و محبت کا وفور اور اسلوب جلیل ہے۔ انھوں نے مدح میں ''تو یا تیرا'' کی ضمیر سے پرہیز کرتے ہوئے ادب کے تقاضوں کا خیال رکھا ہے اور اپنی محبت کا ثبوت دیا ہے۔ آنحضرتؐ کی ذاتی صفات اور تہذیب آفریں انقلاب کے ثمرات اُن کے پیش نظر ہیں۔ وہ نعت کے تقاضوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اُنھوں نے شرعی حدود کی پاسداری کا مکمل خیال رکھا ہے۔ اُن کے لہجے کا شکوہ اور طرز بیان کی دل کشی قصیدے کی جان ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

علم و عمل کی قوتیں بخش دیں کائنات کو قلب و نظر کو پھر ملی دولت سوز جاوداں
آئے وہ جن کے دم سے ہے رونق بزم رنگ و بو بزم رسل کے تاج دارؐ، محرم راز کن فکاں
آئے وہؐ جن کے فیض نے حسن دیا حیات کو آئے شفیعؐ عاصیاں، آئے پناہؐ بے کساں
شانِ عمل کو دیکھ کر دنگ ہیں بحروبر تمام کوہ و دمن پہ ہو گئے اُن کے غلام حکمراں
حسن و جمال نام ہے، انؐ کے قدم کی دھول کا آپؐ سے مس جو ہو گئے، ذرے بنے وہ کہکشاں (۹۸)

زکی کیفی کے ہاں تشبیب کا موضوع عہد جاہلیت کی خرابیوں پر مبنی ہے۔ حضور نبی کریمؐ کی آمد اور اس کے مثبت اثرات کا بیان عین موزوں ہے۔ اُن کے ہاں دعا کا اہتمام نہیں، باقی گریز اور مدح بھرپور ہیں۔ وارفتگی کا عنصر دیدنی ہے۔ حفظ مراتب کا پورا خیال رکھا گیا ہے اور طرز ادا کی جدت نے قصیدے کو جو تازگی اور شگفتگی عطا کی ہے وہ قابلِ داد ہے۔

9- نجم آفندی: (م: ۱۹۷۵ء)

نجم آفندی کا اصل نام مرزا تجمل حسین ہے۔ آپ ۱۸۹۳ء کو اکبرآباد (کٹڑہ حاجی حسین) میں مرزا عاشق حسین بزم آفندی کے ہاں پیدا ہوئے۔ (۹۹) والد صاحب سے اصلاح لی۔ ریلوے میں کلرک کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ اُن کی تخلیقات کی تعداد چالیس سے زائد ہے مگر اب ناپید ہیں۔ انھوں نے ۸۱ قصائد لکھے۔ وہ شاعر اہلِ بیت کے لقب سے مشہور ہیں۔ قصائد نجم، قصائد قدسی اور پنجتنی قصائد میں اُن کے قصیدے ملتے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں کراچی آئے۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۷۵ء کو وفات ہوئی اور نارتھ ناظم آباد کراچی میں سخی حسن دربار کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ (۱۰۰)

اُن کے قصائد مختصر ہیں اور تشابیب میں اکثر اسلامی تاریخ کے واقعات قلم بند ہوئے ہیں۔

ایک نعتیہ قصیدہ ''رہبر کونینؐ ''محض آٹھ اشعار پر مبنی ہے۔ ''بانیِ اسلام'' بائیس اشعار پر مبنی قصیدہ ہے۔ اس کا آغاز استفہامیہ انداز میں ہوا ہے اور صرف نو اشعار میں آنحضرتؐ کی آمد، جوانی، تفکر، بعثت اور انقلاب کی طرف بلیغ اشارے کیے ہیں۔ آپؐ کی سیرت کے حوالے سے پیش کردہ اشعار شاعر کے مقصدی انداز فکر کے عکاس ہیں۔ خاص طور پر آنحضرتؐ کے فقر اور شجاعت کے باب میں فلسفیانہ فکر کی جھلک نظر آتی ہے۔ شاعر نے فقر اور شجاعتِ رسولؐ کا جواز یوں پیش کیا ہے:

بساط فقر موزوں ہو نہ ہو اس کے لیے لیکن   جتانا تھا اسے معیار دنیا کی حقیقت کا
مجاہد کر دیا خونخوار خوں آشام قوموں کو   خدا کی راہ میں مصرف کیا اس نے شجاعت کا
وفا پیشہ غلاموں کو جگہ دی اپنے پہلو میں   دکھایا اس نے زینہ دین کی خدمت سے عظمت کا
اسے انسان کے اخلاق کی تکمیل کرنی تھی   علی آفاق میں پہلا ثمر تھا اس کی محنت کا (۱۰۱)

یہ قصیدہ مختصر استفہامیہ تشبیب کے بعد مدح کا حامل ہے۔ سیرت النبیؐ کا پرچار شاعر کی غایت اولیٰ ہے۔ وہ نعتیہ قصیدے کو خالص نعتیہ مضامین کے اظہار کے لیے وقف کرنے کے قائل ہیں۔ وہ فرقہ وارانہ مناقشات سے گریزاں ہیں۔ فلسفۂ نور اور معراج کے حوالے سے اختلافی مباحث سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے شاعر نے آدمیت اور انسانیت کی فلاح کے حوالے سے حضور اکرمؐ کے کردار اور قربانیوں کو خوب صورتی سے اُجاگر کیا ہے، روانی اور شگفتگی بیان کے ساتھ حسن تعلیل کی عمدہ مثالیں قصیدے میں دستیاب ہیں۔ دعا کا اہتمام قصیدے میں نہیں کیا گیا۔

10- جمیل مظہری: (م:۱۹۸۰ء)

علامہ جمیل مظہری کا اصل نام سید کاظم علی کاظمی ہے وہ ستمبر ۱۹۰۴ء میں اپنے ننھیال محلّہ مغل پورہ، پٹنہ (عظیم آباد) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ۱۹۳۱ء میں ایم اے فارسی کلکتہ یونی ورسٹی سے کیا۔ صحافت سے وابستہ رہے۔ کچھ عرصہ پٹنہ یونی ورسٹی میں پروفیسر رہے۔ شاعری میں رضا علی وحشت کی شاگردی اختیار کی۔ ۱۹۷۴ء میں حکومت ہند نے انھیں غالب ادبی ایوارڈ سے نوازا۔ وہ بہار کے علاقے بھیکن پور میں ۲۳ جولائی ۱۹۸۰ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ (۱۰۲)

اُن کی تصانیف میں ایک ناول ''شکست و فتح''، مثنوی ''آب و سراب''، مجموعۂ نظم ''نقشِ جمیل'' (۱۹۵۳ء)، غزل، گیت، قطعہ و رباعی پر مبنی مجموعہ ''فکرِ جمیل'' (۱۹۵۸ء) ہے۔ مراثی و قصائد کے مجموعے ''عرفانِ جمیل'' (۱۹۷۹ء) اور ''وجدانِ جمیل'' (۱۹۷۸ء) ہیں جب کہ مجموعۂ نظم ''عکسِ

جمیل'' (۱۹۹۹ء) ہے۔ اُن کے نعتیہ قصائد میں سب سے طویل قصیدہ ''طلوع سحر'' اسّی اشعار کا ہے۔ انھوں نے بعض قصائد کو عنوانات بھی دیے ہیں۔ ان میں ''حدیث دلبری، طلوع سحر، زمزمہ عرفاں'' شامل ہیں۔ اُن کے نعتیہ قصائد کے مطالع درج ذیل ہیں:

اے جرس کیا ہوا صحرا کو جگانے والا   تیری آواز پہ آواز لگانے والا(۱۰۳)

بزم جہان میں ہیں بلند غلغلہ ہائے زرگری   اے دلِ درد آشنا چھیڑ پریم بانسری(۱۰۴)

طلوع صبح کا منظر عیاں ہے آج چلمن سے   تجلی چھن رہی ہے آفتابِ روئے روشن سے(۱۰۵)

نہ اس صحرا نے پہچانا نہ اس صحرا نے پہچانا   غبارِ قیس تجھ کو کوچۂ لیلیٰ نے پہچانا(۱۰۶)

پاٹلی پتر سے جائے سوئے متھرا بادل   پانی گنگا کا چھڑکتا ہوا جنگل جنگل(۱۰۷)

جمیل مظہری قصیدہ نگاری کے فنی لوازمات کا پورا شعور رکھتے ہیں۔ اُن کے ہاں جذبۂ عشقِ رسولؐ اور مقصدی اندازِ فکر ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ وہ اقبال سے متاثر نظر آتے ہیں۔ انھوں نے بھی اقبال کی طرح امت مسلمہ کی عصری صورتِ حال پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اقبال اپنے عہد کے نوجوان کی کم کوشی پر پریشان تھے۔ اُن کے نزدیک مدرسے کا نظام طالب علم کی تربیت کا سامان کرنے سے قاصر ہے اور خانقاہیں بھی اب دلوں کی ہیئت بدلنے کی صلاحیت کھو چکی ہیں۔ بقول اقبال:

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا   کہاں سے آئے صدا، لاالہ الا اللہ

جمیل مظہری نے بھی اپنے عہد اور اپنی قوم کی خامیوں کو غیر جانب داری سے تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ یہاں مظہری ایک نباضِ قوم کے روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ یہی نہیں مظہری کے اسلوب پر بھی علامہ اقبال کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ مثال میں یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

مدرسۂ نیاز میں مکتبِ سوز و ساز میں   میکدۂ حجاز میں دور مے توانگری

سجدہ بہ کرسی و سریر با ہمہ جبہ و حصیر   تیرے گدا ترے فقیر گم بہ طلسم قیصری

علم کی بارگاہ میں مسجد و خانقاہ میں   منزل لاالہ میں رقص بتانِ آذری

حلقۂ وجد و حال میں جہل و رعونت و حسد   مجلس قیل و قال میں جملہ شغالی و خری(۱۰۸)

جمیل مظہری کے ہاں تشابیب پر فلسفیانہ فکر غالب ہے۔ انھوں نے عشق و عقل کا تقابل اور اُن کی صفات کا ذکر کیا ہے۔ اُن کے مطابق عقل سود و زیاں کے چکر میں پڑ کر فکر و نظر کو برباد کر دیتی ہے جب کہ عشق کا گداز فکر و نظر کی تربیت کرتا ہے۔ دیر و حرم کی اصطلاحات کے علاوہ ہندی صنمیات کے حوالے بھی ان کے ہاں دستیاب ہیں۔

مظہری کے قصائد کے مطلعے دل کش اور ندرت خیال کے حامل ہیں۔اُن کے مضامین تشبیب اور اُن کا اسلوب مدح کے موضوع سے مکمل ہم آہنگی کا مظہر ہے۔عصری مسائل کو قصیدے کا موضوع بنا کر انھوں نے ملت کی ہمدردی کا ثبوت دیا ہے۔اس کے علاوہ وہ آمد رسول کریمؐ کی پیش گوئی کرتے ہوئے صیغۂ مستقبل میں انسانیت کے غم و آلام کے درمان کا مژدہ بھی سناتے نظر آتے ہیں۔''طلوع سحر'' سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مبارک نو نہالوں کو اک ایسا ابر آتا ہے جو دھو دے گا غبار رنگ ماضی سارے گلشن سے
وہ فتنے خود بخود سو جائیں گے لے کر اک انگڑائی زمانہ جن کو لوری دے رہا ہے اپنے شیون سے
بدل جائے گا ماحول شریعت بزم ہستی میں بندھے گا رشتۂ دنیا دلِ راہب کے دامن سے
زمانہ یوں الگ کر دے گا فرسودہ عقائد کو مسافر جس طرح منزل پہ جھاڑے گرد دامن سے
مکمل کر کے ہم کو ہو گی فارغ اس طرح قدرت کہ جیسے سانس لے مزدور رکھ کر بوجھ گردن سے(۱۰۹)

مظہری نے اپنے قصائد میں گریز پر خصوصی توجہ صرف کی ہے۔اُن کے گریز مدح کے ساتھ گندھے ہوئے ہیں۔وہ گریز کے لیے ایک موزوں تلازمہ استعمال کرتے ہیں اور غیر محسوس طریقے سے مدح کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔ایک قصیدے میں اُنھوں نے زندگی کی بحث کا آغاز کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ زندگی کی معنویت کے بارے میں بڑے بڑے فن کار اور سقراط جیسے فلسفی حتمی نظریہ نہیں دے سکے۔حتیٰ کہ حضرت عیسیٰؑ بھی نبض زندگی کو نہ پہچان کر انسانیت کے دکھوں کا مداوا نہ کر سکے۔مزاج زندگی کو اگر کسی نے پہچانا ہے تو وہ آنحضرتؐ کی ذات پاک ہے۔یہاں گریز کیا ہے جو تشبیب و مدح کے مضامین میں رچا ہوا ہے۔

مریض انسانیت کو اک نیا نسخہ دیا لیکن مرض کا جو سبب تھا کب اُسے عیسیٰ نے پہچانا
گنیں سقراط نے بھی اس کے دل کی دھڑکنیں لیکن مزاج زندگی کو سید بطحا نے پہچانا
سلام اے کاروانِ ارتقا کے محسن اعظم ترا نقش قدم ہر موڑ پر فردا نے پہچانا(۱۱۰)

اسی طرح ''طلوع سحر'' کا گریز دیکھیے جس کی تشبیب میں انسانیت کو دکھوں سے نجات کا مژدہ سنایا جا رہا ہے۔محض اک اشارے سے قاری کی توجہ جذب کر لی گئی اور آنحضرتؐ کی آمد کا منظر بیان کر دیا گیا۔

وہ دیکھو اُٹھ رہے ہیں پردہ ہائے چرخ زنگاری وہ دیکھو مسکراتی ہے تجلی چشم روزن سے
وہ دیکھو چاند نکلا وادی تاریک بطحیٰ میں وہ دیکھو چاندنی چھٹکی فروغ روئے روشن سے

لٹائے عیسیٰ گردوں نشیں نے چرخ سے تارے چلے پیغام لے کر بلبلِ سدرہ نشیمن سے(۱۱۱)

جمیل مظہری نے مدح میں اسلام اور صاحبِ اسلام کے انسانی فلاح کے حوالے سے مساوات، اخوت، تزکیہ، عرفانِ ذات، خودداری، خدا شناسی اور تہذیب اخلاق جیسے پہلوؤں پر زیادہ زور دیا ہے۔ اس کے علاوہ جناب رسول کریمؐ کی عظمت و رفعت کو بھی والہانہ انداز میں اُجاگر کیا ہے۔ انسانی معاشرے کے لیے سیرت طیبہ کی اہمیت اُن پر بخوبی آشکار ہے، اس لیے وہ سراپائے رسولؐ کو بھی انسانیت کی تشکیل کے ایک پہلو کے طور پر لیتے ہیں۔ اُنھوں نے سراپا مبارک کو سیرت کے ذکر سے شیر وشکر کر دیا ہے۔ سراپا نگاری کا یہ نیا انداز قابلِ داد ہے:

زمانہ سر جھکائے ہے نقوشِ پائے تمکیں پر خدائی لو لگائے ہے چراغ رُوئے روشن سے
اُجالی پرتوِ رخسار سے مجلس تمدن کی چراغاں جادۂ تہذیب نقش پائے روشن سے
وہ جلوہ جو سرور معرفت دیتا ہے آنکھوں کو وہ آنکھیں جو خراج دوستی لیتی ہیں دشمن سے
وہ دل وہ فکر پرور دل جو تھا سرچشمۂ عرفاں ہوئی ہے منضبط رفتارِ ہستی جس کی دھڑکن سے(۱۱۲)

نعت میں جنگ آزادی کے بعد بارگاہ رسالتؐ میں استغاثہ کا رجحان بڑھ گیا۔ مولانا حالیؔ نے ''مدوجزر اسلام'' میں اسے مزید تقویت دی۔ حقیقت یہ ہے کہ عدم استحکام اور محرومی کے زمانے میں انسان کو سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ دگرگوں حالات میں بارگاہِ رسالتؐ سے بڑھ کر مؤثر غم گسار اور دل کشا سہارا کس کا ہوسکتا ہے۔ مظہری نے بھی مسلمانوں کا وطن دولخت ہوتے دیکھا ہے۔ اسے اپنے لوگوں کی تکلیف کا پورا احساس ہے۔ وہ مسلمانوں کی پریشانیوں کی داخلی وخارجی وجوہات بیان کر کے آنحضرتؐ سے استمداد کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے اشعار دیکھیے:

اے تیری چٹکیوں میں ہے، رشتۂ نظم کائنات اے تیری پتلیوں سے ہے گردش چرخ چنبری
زلف چمن سنوار دے، گل کو ولائے خار دے سرمۂ اعتبار دے، کور ہے چشم خود سری(۱۱۳)

جمیل مظہری کے ہاں عصری شعور کے ساتھ تلمیحات کا ایک خوب صورت نظام نظر آتا ہے۔ اُن کی تلمیحات زیادہ تر تاریخی وقرآنی نوعیت کی ہیں مگر انھوں نے عہد حاضر کے منظر نامے کو بھی موضوع بنایا ہے۔ نور ایمن، ادنو منی، لَن ترانی، غبار قیس، کوچۂ لیلیٰ، سقراط، مزمل، طوبیٰ، بتانِ آذری، انوری، مزاج اہرمن، فسون سامری، طلسم قیصری، دلق ابوذری، معنویان سنجری، سطوت کسریٰ، مریم، دم عیسیٰ اور سردارا و بہمن کی تراکیب اُن کے تاریخی شعور کی غماز ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

زندگی نیند میں تھی یعنی خودی نیند میں تھی اترا فاراں کی بلندی سے جگانے والا(۱۱۴)

دعوت سوز و ساز سے سرد مزاج اہرمن　　چشم سخن طراز سے گنگ فسون سامری
وقت کے معرکہ میں آج تیرا پیام سرخ رُو　　روس کے میکدے میں آج تیری شراب احمری
تیرے فقیر بے کلیم، طوس وغزال کے حکیم　　عرفی و غالب وکلیم، راسخ و شاد ومظہری (۱۱۵)

تشبیب اورغزل میں رنگ تغزل پیدا کر لینا نسبتاً آسان کام ہے کہ اس میں شاعر کی فکر آزاد ہوتی ہے۔نعت میں عقیدت واحترام کی پابندی اور مختص مضامین میں تغزل کا عنصر اُجاگر کرنے میں شاعرانہ مہارت درکار ہے۔مظہری کے ہاں مدح کے اشعار میں تغزل بھی ہے اور کلاسیکی روایت کے زیر اثر انھوں نے رندانہ روش بھی خوب نبھائی ہے۔یہ اشعار چاشنی اور جاذبیت کے حامل ہیں،مثالیں دیکھیے:

گل عارض جومہکا عرش سے پروانہ وار آئے　　تجھے پہلی نظر میں بلبل سدرہ نے پہچانا
ترے خم ہائے خالی کو تری دریا نوازی کو　　گھٹا بن بن کے فیضِ رحمت کبریٰ نے پہچانا
ترے کفر محبت پر تصدق شیخ کا ایماں　　نمازوں کو تری خشتِ خم صہبا نے پہچانا (۱۱۶)

جمیل کے قصائد کا ایک اختصاصی پہلو زبان وبیان کا خوب صورت استعمال ہے۔وہ لفظوں کی نشست وبرخاست پر خصوصی توجہ صرف کرتے ہیں۔خاص طور پر تکرار کی صنعت انھیں مرغوب ہے:

زمیں کے دل سے نکلیں پھول بن بن کر تمنائیں　　ملا مژدہ بہار تازہ کا گلشن کو گلشن سے
ملی دل سے خلش دل کو، تڑپ بسمل سے بسمل کو　　فغاں بلبل سے بلبل کو، اثر شیون کو شیون سے
غرور قیصری باطل ، طلسم سامری باطل　　فسونِ شاعری باطن، فسونِ چشم پُرفن سے
ملک میکش، بشر میکش، صدف میکش، گہر میکش　　شرر میکش،سحر میکش،تری مے ریز چتون سے (۱۱۷)

جمیل مظہری کا ایک قصیدہ محسن کاکوروی کی زمین میں ہے۔وہ ہندی اساطیر کو شعری قالب میں ڈھالنے میں محسن سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے۔منظر نگاری،ابلاغ اور حفظ مراتب کی پاسداری میں بھی مظہری کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔اُن کی تشبیہات میں ندرت ہے اور انھوں نے ہندی تہذیب کے ہندو مسلم عناصر کی مشترکہ تصویر کشی کی ہے۔رادھا کرشن، ہندو ثقافت کے ترجمان ہیں جب کہ امیر خسرو کی وسیع المشربی مسلم ثقافت کی نمائندہ ہے۔وہ ہندوستان کو دجلہ وگنگا کا سنگم قرار دیتے ہیں۔اُن کے نزدیک کرشن ومحمد ﷺ کی تعلیمات ایک ہیں مگر ان کے پیروکار پھر بھی برسرپیکار ہیں۔مظہری یہاں اتحاد بین المذاہب کے سفیر کے طور پر سامنے آئے ہیں اور ہندوستان کے عوام کو اخوت اور محبت کا درس دیتے نظر آتے ہیں۔مقطع میں انھوں نے امیر خسرو کو اپنا آئیڈل قرار دے کر اُن کا مثالی نمونہ اپنانے کا اعلان کیا ہے۔چند اشعار دیکھیے:

عالم وجد میں ہے آم کی ڈالی ڈالی
جھولے ڈالے ہوئے ہیں پردہ نشینانِ محل
ان کی تانوں سے گلستاں کی ہوا رقص میں ہے
گا رہی ہے کوئی کجری، کوئی خسرو کی غزل
وہی خسرو کہ یہ ہندی کا یہ اردو کا چمن
جس کی محنت کا ثمر جس کی ریاضت کا پھل
جس کے سنگم پہ ہوا دجلہ و گنگا کا ملاپ
جس کی شبنم سے کھلے ریگ بیاباں میں کنول
جس کے مذہب سے ہوئے دیر و حرم دوش بہ دوش
جس کے مشرب سے خجل تفرقہ سازوں کا عمل
جس کی غزلوں میں بہ کیفیت گیتا و زبور
شرح پیغام محمدؐ کی ہے مجمل مجمل
دل میں اُٹھتی ہے بس اب زمزمۂ نعت کی لہر
یعنی متھرا سے چلے جانب یثرب بادل(۱۱۸)

جمیل مظہری کے اس قصیدے میں سرسید کی مصلحت اور دردمندی موجود ہے۔ وہ ہندوستانی مسلمانوں کا انتہا پسند ہندو طبقے کے ہاتھوں استحصال ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔ وہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے فلسفۂ جہاد کے حوالے سے باور کراتے ہیں کہ کرشن کا نظریہ جہاد بھی اسلام کے مطابق ہے۔ وہ بھی دنیا کے لوبھ اور لالچ میں پڑنے کے خلاف ہیں۔ جب اسلام اور کرشن کی تعلیم یہ ہے کہ مل جُل کر رہو تو پھر یہ باہمی لڑائی جھگڑا کیوں؟

جس طرح گوتم و عیسیٰ ہیں پیاماً ہم رنگ
ہے اُسی طرح یہ تاریخ کا قول فیصل
کہ یہ پیغام سری کرشن و محمدؐ ہیں ایک
وہی فیضان الوہی، وہی وجدان عمل
دورِ ظلمات میں دونوں نے دیا حکم جہاد
یعنی جب حد سے بڑھے ظلم تو جائز ہے جدل
دونوں ہی کی یہی تعلیم کہ دنیا میں رہو
مگر اس طرح کہ جیسے رہے پانی میں کنول
جائے حیرت ہے کہ اس ملک میں پیرو اُن کے
برسر جنگ ہیں صدیوں سے بہ افکار و عمل(۱۱۹)

مظہری نے مدح میں آنحضرتؐ کی اصلاح پسندی، اوہام کے خاتمے، تہذیب نو اور اخوت ومحبت کے پرچار کو موضوع بناتے ہوئے ہندوستان کی حالت کا استغاثہ پیش کیا ہے اور ہندو مسلم دونوں پر ابر رحمت برسانے کی دعا کی ہے۔ یہ قصیدہ مظہری کی وسیع المشربی اور آفاقی سوچ کا علم بردار ہے جس میں مذہب سے بالاتر ہو کر انسانی ہمدردی کی سوچ کارفرما ہے۔

جمیل مظہری کے قصائد رنگ قدیم سے رنگ جدید کی طرف پہلا قدم قرار دیے جاسکتے ہیں۔ انھوں نے نعتیہ قصیدے کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور اقبال کی پیروی میں امت مسلمہ کے مسائل کو اہم موضوع کے طور پر اپنے قصائد میں جگہ دی۔ اُن کے مضامین نعت کا انتخاب اسلام کے معاشرتی انقلاب کی داستان سناتا ہے۔ فضائل رسولِ کریمؐ کا بیانیہ حفظ مراتب کے اہتمام سے مملو ہے۔

انھوں نے حسن طلب میں اپنے قصائد کی اثر پذیری اور انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہونے کی دعا مانگی ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ جمیل مظہری کے دل میں موج زن جذبہ عشقِ رسولؐ، ملی ہمدردی کے رُوپ میں ظاہر ہوا ہے۔ وہ جدید اُردو نعتیہ قصیدے کا ایک اہم نام ہیں۔

11- مکرم علی سیفی: (م: ۲۸ فروری ۱۹۸۱ء)

سید مکرم علی نقوی ۱۸۹۴ء کو ضلع گڑگاواں (دہلی) کے قصبے فرید آباد میں حکیم سید امتیاز علی شاد کے ہاں پیدا ہوئے۔ اُن کا تخلص سیفی ہے۔ انھوں نے حیات بخش رسا رام پوری سے اصلاح لی۔ عربی میں مولوی فاضل تھے۔ پیشے کے لحاظ سے وکیل تھے۔ کراچی اور ملتان میں کامیاب وکالت کی۔ ۲۸، فروری، ۱۹۸۱ء کو کراچی میں وفات پائی۔ (۱۲۰)

مکرم علی سیفی کا شعری مجموعہ ''ارمغان سیفی'' شمس بریلوی نے ترتیب دیا ہے۔ اس میں دو نعتیہ قصائد ہیں۔ ان کے اشعار کی تعداد باسٹھ اور سینتیس ہے، مطالع ملاحظہ ہوں:

مقید اور مطلق کی حقیقت جب نہ پہچانی ۔۔۔ تو پھر کس کام کی اے فلسفہ داں! فلسفہ دانی (۱۲۱)
شگفتہ دل ہوا سینہ میں، دل میں مدح اترائی ۔۔۔ لچکتی جھومتی جب میرے ساغر میں پری آئی (۱۲۲)

اُن کے قصائد فلسفیانہ فکر کے حامل ہیں۔ پہلے قصیدے کی تشبیب میں تخلیق کائنات اور حیات و ممات کے بارے میں فلسفیوں کے اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں اور حقیقت سے پردہ اٹھانے کی سعی کی گئی ہے۔ دوسری تشبیب رندانہ ہے جس میں انھوں نے انسان کی عظمت کو اُجاگر کیا ہے۔ انھوں نے اپنی ذات کے حوالے سے سارے انسانوں کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنی صہبا نوازی، تر دامنی، بے بسی اور دیوانگی پر فخر کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے انسان کی بشری کمزوریوں کو بھی مثبت انداز میں لیا ہے۔ اُن کا طرز بیان صوفیانہ اور انسان دوستی کا ہے اور اس میں تعلّی بحیثیت انسان اور شاعر موجود ہے۔ انھیں اپنی ذات پر بلا کا اعتماد ہے اور سب اُن کے ساقی کی نسبت وغلامی کا نتیجہ ہے۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

مرے چاکِ گریباں میں نمودِ صبحِ محشر ہے ۔۔۔ نثارِ رقصِ مستی کی قیامت ہے تماشائی
مری افتادگی نقشِ عروجِ قیصر و کسریٰ ۔۔۔ مری لغزش میں زورِ انقلابِ چرخِ مینائی
مری تر دامنی، قدوسیانِ عرش کی ضامن ۔۔۔ مری ناکردنی زہدِ ملائک کی ہے زیبائی
مری بے چارگی میں دولتِ اسکندر و خاقاں ۔۔۔ ارسطو کو جنوں میرا سبق آموزِ دانائی

میں رمز ما یکون و راز ما کان کا حامل ہوں جو دیوانہ مجھے کہتا ہے وہ خود ہے سودائی (۱۲۳)

مدح میں انھوں نے آنحضرتؐ کے فضائل اور عظمت و رفعت کے پہلوؤں پر خصوصی توجہ صرف کی ہے۔اُن کا انداز استدلالی ہے اور اس رجحان کی حدود حسن تعلیل سے ملتی نظر آتی ہیں۔اُن کا بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے۔اس لیے قرآنی تلمیحات کا بھرپور استعمال اُن کے ہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ انھوں نے عربی عبارات اور تراکیب کو اس مہارت سے اشعار میں سمویا ہے کہ اردو عربی شیر وشکر ہو گئی ہیں۔اُن کی قادرالکلامی کا عالم یہ ہے کہ پورے پورے مصرعے عربی میں نہایت روانی سے موزوں کر دیے ہیں، گویا صنعت تلمیح کا بھرپور استعمال کیا ہے:

یہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ پیکر اظہر الم نشرح لک صدرک ثبوت ذات نورانی (۱۲۴)
ربابِ کسر نفسی نغمہ سنجِ ما عرفناک علیھم ما یکون و واقف تجوید ما کانی (۱۲۵)
ھو الاول، ھوالاخر، ھوالظاہر، ھو الباطن خدا کی شان یکتائی، تمہاری شان یکتائی (۱۲۶)
کوئی ہو گا صدائے لن ترانی جس کو آئی تھی تمھارے نقش پا کو افتخار عرش پیمائی (۱۲۷)

مکرم سیفی کے قصائد جوش وخروش، فلسفیانہ فکر، خیال آفرینی اور تلمیحات قرآنی سے مرصع ہیں۔اُن کے ہاں حفظ مراتب کا بھرپور احساس موجود ہے۔سیفی کا جذبہ عشق دیدنی ہے۔اسی باعث آنحضرتؐ کی مرکزیت، اولیت اور عالم گیریت کو انھوں نے اپنے قصائد کا موضوع بنایا ہے۔ان کی عقیدت عظمت رسولؐ کی آئنہ دار ہے۔کلام کی شیرینی مسلمہ ہے مگر پروف خوانی ناقص ہے جس سے کئی مصرعے خارج از وزن ہو گئے ہیں۔ پہلا قصیدہ مکمل ہے اس میں شفاعت کی دعا ہے البتہ دوسرا قصیدہ نامکمل رہ گیا ہے۔

12- آرزو اکبرآبادی: (م:۵، اپریل ۱۹۸۱ء)

آرزو اکبرآبادی کا اصل نام عبدالرحمٰن ہے۔ وہ ۳، اگست ۱۹۱۸ء کو ضلع حصار (انڈیا) کے قصبے بھوانی میں پیدا ہوئے۔انھوں نے ملی نغموں کے علاوہ فلموں کے لیے گیت بھی لکھے وہ ۵، اپریل ۱۹۸۱ء کو کراچی میں انتقال کر گئے۔(۱۲۸)

آرزو اکبرآبادی کے شعری مجموعوں کی تعداد سات سے زائد ہے۔انھوں نے غزل، رباعی، نظم، گیت، خمسہ، مسدس، ترجیع بند، ترکیب بند، مرثیہ، حمد اور نعت کی اصناف میں اپنی جودت طبع کے جوہر دکھائے۔اُن کا نعتیہ مجموعہ ''کیفِ بہاراں'' ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ ''کیف بہاراں'' میں منقبتی

قصائد کے علاوہ تین نعتیہ قصائد بھی شامل ہیں جن کے مطلعے درج ذیل ہیں:

میکدے کی ہر فضا ہے کیف میں ڈوبی ہوئی   ہر نفس گردش میں ہے جام شراب ارغواں (۱۲۹)
تعینات سے کچھ دور ہے مری پرواز   سجا رہا ہوں تصور سے آج خلوتِ ناز (۱۳۰)
قصیدۂ شبِ معراجِ مصطفٰی کے لیے   مدد ملے تو کچھ الفاظ کر سکوں میں بہم (۱۳۱)

آرزو اکبرآبادی کا پہلا قصیدہ دو مطلعوں کے ساتھ انتالیس اشعار کا حامل ہے۔تشبیب میں شاعر نے منظر نگاری کا کمال دکھایا ہے۔اس میں مے کدے کی ہر شے کو وجد میں ڈوبا دکھایا گیا ہے۔ سرشاری اور سرخوشی کی یہ کیفیت آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت کے باعث ہے۔عرش سے فرش تک سیل نور کی بیکراں موجیں غالب ہیں۔فرشتوں کی زبان پر درودوسلام کی صدائیں ہیں۔آنحضرتؐ کی آمد کی شب اور آپؐ کی شہرت کے بیان میں شاعر نے نادر تشبیہات کے ذریعے اپنے الفاظ کا جادو جگایا ہے۔ یہاں شاعر نے منادی کا انداز اختیار کرتے ہوئے مستقبل میں انسانیت کے دامن کو راحت، رحمت، رفعت اور عظمت کی نوید سنائی ہے۔شاعر نے اپنی چشم تخیل سے آنے والے زمانے کا نقشہ کھینچا ہے کہ آپؐ کی آمد سے انسانیت سکھ کا سانس لے گی اور اس کے دکھوں کا مداوا ممکن ہو سکے گا۔مدح کے یہ اشعار نادر تشبیہات سے مملو ہیں۔ مثالیں دیکھیے:

جس کی شہرت ایسے چھا جائے گی بزم دہر پر   جیسے اطراف دو عالم میں اذان قدسیاں
جیسے ہو سر مستیوں پر ساقیِ روزِ ازل   مشتری کی مانگ جیسے چرخ پر ہو زر فشاں
جیسے ساون کی اندھیری رات میں کوئل کی کوک   جیسے بھادوں کی سنہری دھوپ میں مہر تپاں
جیسے دریا کی روانی چاندنی کے فیض سے   جیسے گلشن میں بہاریں لائے برکھا کا سماں
الغرض وہ بادشاہِ شش جہت آنے کو ہے   جس کے جلووں سے ہے تخلیق زمین و آسماں
جس کی خلقت ہو گی توجیہ ''شعاع لم یزل''   جس کی مخلوقات میں ہو گی جگہ شایانِ شان (۱۳۲)

اس کے بعد دوسرا مطلع کہا ہے جس میں آنحضرتؐ کو ''رسولِ انس و جاں، سرمایۂ امن اماں، امین راز ہائے لامکاں، متاع عفت کشور، کفیل دو جہاں اور شافعِ روز جزا'' کے القابات سے یاد کیا گیا ہے۔آخر میں ''اک عنایت کی نظر'' کی تمنا کا اظہار ہے۔قصیدے کی تشبیب اور مدح میں ہم آہنگی نے تاثیر کا عنصر بڑھا دیا ہے۔گریز ایسا عمدہ ہے کہ غور کرنے پر ہی سامنے آتا ہے۔زبان و بیان مرصع اور پُرسوز ہے۔جذبۂ عشق اوج پر ہے۔تخیل کی پرواز اور پیش کش کے انداز میں جدید لہجہ جھلکتا ہے۔اسے کامیاب قصیدہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

آرزو اکبر آبادی کے دوسرے قصیدے کے چھپن اشعار میں تین مطالع ہیں۔قصیدے کی مجموعی فضا تصوراتی ہے۔شاعر نے نزول شعر کے لیے شمس تبریزیؒ سے دعا کی ہے اور اپنی اس کاوش کو الہامی قرار دیا ہے۔شاعر کے تخیل پر الہام کی بارش ہوئی ہے جس کے سہارے وہ نعتیہ قصیدہ لکھنے کی طرف مائل ہوا ہے۔ایک ''نوازش بے نام'' کے زیر اثر شاعر کا تخیل شباب پر ہے۔اشعار کے نزول وانشراح کی اس کیفیت کو شاعر نے مختلف ناموں سے یاد کیا ہے،جس میں ندرتِ فکر اور قدرتِ بیان کی آمیزش نظر آتی ہے۔انسانوں کے مختلف حلقوں میں الہام کے مختلف معانی ہیں جنھیں شاعر نے بخوبی واضح کیا ہے۔یہ امر شاعر کے وسیع مطالعہ کا غماز ہے۔اشعار دیکھیے:

شعور خام جو تھا آج پختہ کار ہوا کہ ہے ''نوازشِ بے نام'' خانہ بر انداز
وہ جس کو حلقۂ فن کار کہتا ہے الہام خدا پرست کہیں جس کو غیب کی آواز
''آکاش بانی'' کہیں جس کو سب منی ورشی فضائے کاشی وُ متھرا میں جو ہے پردۂ ساز
جو کم نظر ہیں انھیں ہے خیال مفروضہ ہے فلسفی کے لیے ایک عقدۂ اعجاز
اسی ''نوازش بے نام'' کے سہارے پر اٹھا رہا ہوں قلم اف رے جذبِ دل کا گداز (۱۳۳)

مطلع ثانی کے بعد آنحضرتؐ اور خاکِ طیبہ کی عظمت کے حوالے سے اشعار ہیں اور پھر شاعر نے اپنی عرش کی حاضری کی روداد بیان کی ہے جو فیضانِ رسولؐ سے ممکن ہوئی۔شاعر کی آمد پر فرشتے حیران تھے اور باز پُرس کر رہے تھے کہ ہاتف غیبی نے صدا لگائی کہ یہ غلامِ محمدؐ ہے،اس کا استقبال کرو، اسے جنت کی سیر کراؤ اور کوثر وطہور کے جام پلاؤ۔آخر میں شاعر نے اپنی اس سیر کو عشقِ احمدؐ کا اعجاز قرار دیا ہے۔اس قصیدے میں زیادہ تر تخیل کی کارفرمائی نظر آتی ہے مگر شاعری کی تکنیک اور کرافٹ اس قدر موزوں ہے کہ انھوں نے داخلی روداد میں بھی نعت کی تاثیر کو برقرار رکھا ہے۔شاعر نے اپنی عظمت کے ہر حوالے کو صدقۂ رسولؐ قرار دیتے ہوئے دائرہ نعت میں بنے رہنے کا عمدہ اہتمام کیا ہے۔خاکِ طیبہ سے بھی نعت کے عمدہ مضامین نکالے ہیں:

وہ خاک جس سے ہوئی خلقتِ دلِ آدم وہ خاک جس پہ ہوئے سجدہ ہائے اہلِ نیاز
وہ خاک جس کی حقیقت ہے قدسیوں سے بلند وہ خاک سجدۂ اول سے جو کہ ہے ممتاز
وہ خاک جس کو کہا ہے امیں محبت کا وہ خاک جس سے ہے آسودگی سوز وگداز
وہ خاک جس میں کہ نور خدا ہوا محفوظ ہوئی جو منصبِ محبوبیت سے سرافراز
اُسی کا ذرۂ ادنیٰ ہوں آرزوؔ میں بھی بقدر فکر سمجھتا ہوں میں حدیثِ نیاز (۱۳۴)

آرزو کا چھتیس اشعار پر مشتمل تیسرا قصیدہ شبِ معراج النبیؐ کے بارے میں ہے۔ انھوں نے موضوع مذکور پر قلم اُٹھانے سے قبل اللہ تعالیٰ سے طبیعت کی روانی کی دعا مانگی ہے۔ معراج کی نسبت نے شاعر کے تخیل کو وہ عروج بخشا ہے کہ مریخ و مشتری کے دل شاعر سے نظر ملاتے ہوئے دہل رہے ہیں۔ شاعر نعت کا پرچم لہراتا ہوا براق و رفرف و جبریل سے آگے بڑھنا چاہتا ہے۔ دوسرا مطلع نعت رسولؐ پر مبنی ہے۔ یہاں حسنِ تعلیل کی مثالیں بھی دیکھنے میں آئی ہیں۔ جیسے:

جو اذن پاؤں تو خلاق دو جہاں سے کہوں بلایا عرش پہ تجھ کو اُٹھا نہ ہجر کا غم
حضور خدمت عالی برائے استقبال نہ شور ہو کہیں یوں روکی نبضِ دو عالم(۱۳۵)

شب اسریٰ کی عظمت کا حوالہ بھی شاعر نے دیا ہے کہ اس کا تذکرہ قرآن پاک میں ہے اور سحر کا نور اس کے سامنے ماند پڑ جاتا ہے۔ اسی موضوع پر ذیل کے اشعار دیکھیے:

وہ شب کہ دن کے اُجالے نثار ہیں جس پر وہ شب کہ جس سے ''شبِ قدر'' ہوگئی محکم
وہ جس نے شب کو بڑھایا ہے دن سے اُس پہ سلام وہ ذات جس پہ ہے دار و مدار فیض و کرم(۱۳۶)

مجموعی طور پر آرزو کے مطالع جاندار اور گریز کے اشعار مدح و تشبیب سے ہم ربط ہیں۔ تخیل کی رفعت، نادر تشبیہات، مرصع انداز، خوش وضع تراکیب، مکالماتی فضا، کہانی پن اور ندرتِ فکر شاعر کے قصائد کی نمایاں صفات ہیں۔ زبان و بیان میں روانی اور نغمگیت بھی ان میں شامل ہے۔ موضوعات شرعی حدود کے اندر ہیں۔ نعت کو نعمت کہا اور سمجھا گیا ہے۔ عشق و وارفتگی کے ساتھ اظہار و بیان کے سلسلے میں عاجزی کا اعتراف موجود ہے۔ ادب کی فضا ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے۔ مطلعوں کا آغاز اکثر سلام سے ہوا ہے۔ بلاشبہ آرزو کے قصائد اردو نعتیہ شاعری کا ایک خوب صورت باب ہیں۔

13- جوش ملیح آبادی: (م: ۲۲ فروری ۱۹۸۲ء)

جوش کا نام اُردو شاعری میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ اپنے بلند بانگ لہجے اور پُرجوش اسلوب کی وجہ سے جانے جاتے ہیں۔ اُن کے کلام میں رومان اور ترقی پسندیت کی امتزاجی رو دوڑتی نظر آتی ہے۔ اُن کے شعری مجموعے دو درجن سے زائد ہیں۔ اُن کی خودنوشت سوانح ''یادوں کی بارات'' اُن کے بے باک اعترافات اور انکشافات کی وجہ سے شہرت رکھتی ہے۔ جوش کے تعارف میں ڈاکٹر خواجہ زکریا یوں رقم طراز ہیں:

''شبیر احمد بعد میں شبیر حسن جوش، لکھنؤ کے ایک قصبے ملیح آباد میں ۱۸۹۸ء میں

پیدا ہوئے۔ آباواجداد اس علاقے کے جاگیردار تھے۔ بہت تھوڑی رسمی تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصہ حیدرآباد دکن میں ملازمت کی۔ ''آج کل'' دہلی کے مدیر رہے۔ قیامِ پاکستان کے تقریباً دس سال بعد کراچی چلے گئے۔ آخری چند سال اسلام آباد میں گزارے۔ اُردو لغت بورڈ میں مدیر کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۸۲ء میں اسلام آباد میں وفات ہوئی اور وہیں تدفین ہوئی۔'' (۱۳۷)

اُن کا تعلق آفریدی قبیلے سے ہے۔ انڈین حکومت نے ۱۹۵۴ء میں انھیں پدم وبھوشن ایوارڈ سے نوازا۔ کلیات جوش میں انتیس اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ آنحضرتؐ سے جوش کی محبت وعقیدت کا مظہر ہے۔ یہ مدحیہ قصیدہ حضور نبی کریمؐ کے انقلاب کو خراج تحسین ہے کہ جس کے آگے روم وعجم جھکنے پر مجبور تھے۔ جوش نے ماضی کی عظمتوں کے ساتھ حال کی تشویش ناک صورتِ حال کے اجمالی بیان کے بعد آپؐ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا ہے۔ اس قصیدے کا دوسرا بڑا موضوع آپؐ کی شخصی صفات کو محیط ہے جن کی جھلک اہل بیتؓ اور صحابہ کرامؓ کے کردار میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس قصیدے میں حقیقت نگاری کا پہلو نمایاں ہے اور زیادہ تر اسلام کے ارضی پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر جوش کا اندازِ بیان منطقی استدلال پر مبنی ہے۔ مثالیں دیکھیے:

اے کہ ترے جلال سے ہل گئی بزم کافری — رعشۂ خوف بن گیا رقص بتانِ آذری
چھین لیں تُو نے مجلس شرک وخودی سے گرمیاں — ڈال دی تُو نے پیکر لات وہبل میں تھرتھری
تیرے قدم پہ جُبہ سا روم عجم کی نخوتیں — تیرے حضور سجدہ ریز چین وعرب کی خودسری
تری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے — بخشا گدائے راہ کو تُو نے شکوہِ قیصری
تجھ پر نثار جان و دل مڑ کے ذرا یہ دیکھ لے — دیکھ رہی ہے کس طرح ہم کو نگاہِ کافری
جتنی بلندیاں تھیں سب ہم سے فلک نے چھین لیں — اب نہ وہ تیغ غزنوی، اب نہ وہ تاج اکبری
اُٹھ کہ ترے دیار میں پرچم کفر کھل گیا — دیر نہ کر کہ پڑ گئی صحن حرم میں ابتری
جوشؔ کی جان زار پر رحم کہ تیری ذات ہے — شعلۂ طور معرفت، شمع حریم دلبری (۱۳۸)

14-واصف ردولوی: (م:۱۹۸۲ء)

واصف ردولوی کا اصل نام محمد مرزا ہے اور وہ ۱۶ فروری ۱۸۹۶ء کو فیض آباد میں حکیم محمد عسکری کے گھر پیدا ہوئے۔ طبابت اُن کا خاندانی پیشہ تھا، واصف بھی اسی سے منسلک ہوئے۔ رؤسائے ردولی کے

اصرار پر ضلع بارہ بنکی کے علاقے ردولی میں سکونت پذیر ہوئے۔۳، اگست ۱۹۸۲ کو اُن کا انتقال ہوا(۱۳۹)

اُن کے دو شوق تھے۔ایک طب اور دوسرا شاعری۔شاعری میں ''سرمایۂ نجات'' (حصہ دوم) اُن کا مجموعہ اُن کی وفات کے تین ماہ بعد شائع ہوا۔اس میں پچھتر اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ ہے جو پانچ مطلوں کا حامل ہے۔یہ قصیدہ واصف کی ندرتِ فکر اور قادرالکلامی کا نتیجہ ہے۔اس کی ردیف ''میرے لیئے'' ہے اور اس کا اختصاصی پہلو یہ ہے کہ واصف نے آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے نعت کہلوائی ہے۔قصیدے کی تشبیب میں عالمِ نزع کی کیفیت میں محبوب سے خطاب کیا ہے اور اپنی کم نصیبی کا رونا رویا ہے۔اس کے علاوہ انسانی زندگی میں غم و آرزو کے فلسفے پر روشنی ڈالی ہے۔مطلع سمیت چند اشعار دیکھیے:

یہ زندگی تھی موت کا ساماں مرے لیے ہے یاد تیری زیست کا عنواں مرے لیے
دل دے کے، حکم! ''بس رہے اک میری آرزو'' خود ہی بنائے سیکڑوں ارماں مرے لیے
جب تک نہ غرق ہو گی مری کشتی حیات بحرِ جہاں میں آئیں گے طوفاں مرے لیے(۱۴۰)

مطلع ثانی سے شاعر نے براہِ راست نطقِ رسولؐ سے مدح کا آغاز کیا ہے۔اس میں آپؐ کے فضائل، تصرفات، تہذیب کائنات اور وجہِ تخلیق کائنات کے موضوعات بیان ہوئے ہیں۔یہ اشعار زبان و بیان کی چاشنی، قصیدے کے لفظی شکوہ اور صنعت جمع و حسنِ تعلیل کے مظہر نظر آتے ہیں۔مثالیں ملاحظہ ہوں:

ابداعِ عرش و کرسی و فرشِ زمیں فلک ماہِ و نجوم و مہر درخشاں مرے لیے
زہرہ، زحل، عطارد و مریخ و مشتری ماہِ منیر و نیر تاباں مرے لیے
انس و جن و وحوش و طیور و ملائکہ سب کو بنایا تابع فرماں مرے لیے
نہرِ لبن و کوثر و تسنیم و سلسبیل یعنی تمام روضۂ رضواں مرے لیے
تقسیم خلد و نار کی بھی سونپ دی مجھے کیا کچھ یہ کم شرف کا ہے ساماں مرے لیے(۱۴۱)

مطلع سوم سے واصف نے بیانیہ اور خطابیہ انداز میں مدح کہی ہے دونوں جگہ ردیف کا خوب صورت استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔مضامین میں حفظ مراتب کا اہتمام کیا گیا ہے۔انھیں سراپا مبارک سے زیادہ سیرت طیبہ کا بیان مرغوب ہے۔انقلاب اسلام کے روشن حوالوں اور انسانیت کی فلاح کے سنہری اصولوں سے یہ قصیدہ مزین ہے۔تازہ فکری کے عناصر عام دستیاب ہیں۔اس کے علاوہ مضمون آفرینی کا بھی جواب نہیں۔اسلوب کی شگفتگی اور جاذبیت قصیدے کی تاثیر کو دوچند کرتی نظر آتی ہے۔

قصیدے کے سارے عناصر اپنی جگہ مکمل ہیں اور قصیدے کی تکمیل میں معاون ثابت ہوئے ہیں۔ دعا میں اللہ رب العزت سے کشتی حیات کے بحر تفکرات کی نجات طلب کی گئی ہے۔ مختصر طور پر یہ ایک کامیاب قصیدہ ہے جو کلاسیکی رنگ سخن کی یاد تازہ کرتا ہے۔ آخر پر مدح کے چند اشعار دیکھیے :

آساں نہیں ہے نعت کا عنواں مرے لیے — مشکل ہے لکھنا دوسرا قرآں مرے لیے
دی زندگی میں دولت دیں بعد مرگِ خلد — کیا کیا کیے ہیں عیش کے ساماں مرے لیے
پوری حیات کاٹ دی فاقہ میں ، فقر میں — کر دیں تمام لذتیں قرباں مرے لیے
تجھ سا نہ ہو جو شافع محشر خدا گواہ — دشوار تھا نجات کا امکاں مرے لیے
جز مرگ ہر مرض کی شفا کا ہے ذمہ دار — لایا ہے تو وہ نسخۂ قرآں مرے لیے (۱۴۲)

15- محمد مصطفیٰ جوہر: (م: ۲۴، اکتوبر ۱۹۸۵ء)

محمد مصطفیٰ جوہر ۱۰ مئی ۱۸۹۵ء کو بہار (انڈیا) میں حکیم محمد سلیم کے گھر میں پیدا ہوئے۔ شیعہ مسلک کے نامور مذہبی اسکالر ہونے کے علاوہ شاعر اور فلسفی بھی ہیں۔ انھیں انگریزی زبان پر بھی دسترس حاصل تھی۔ اُن کی مذہبی تصانیف میں ''توحید وعدل، عقیدہ جعفریہ، اصول جعفریہ، ثبوت خدا'' نمایاں ہیں۔ علامہ طالب جوہری انھیں کے فرزند ہیں۔ انھوں نے ۲۴، اکتوبر ۱۹۸۵ء کو کراچی میں وفات پائی۔ اُن کے مجموعے ''محراب'' کی پہلی جلد میں چھتیس مذہبی قصائد موجود ہیں۔ ان میں سے چار نعت کو محیط ہیں۔ دیگر میں مناقب اہلِ بیت رقم ہیں۔ جوہر کے قصائد تیس سے ساٹھ ستر اشعار کے ہیں۔ نعتیہ قصائد کے مطالع درج ذیل ہیں:

ہر اک شے سے امکاں میں بالا محمدؐ — تبارک محمدؐ، تعالیٰ محمدؐ (۱۴۳)
خدا کی معرفت میں ہم اگر نفس آشنا ہوتے — سراپا درد ہوتے اور خود اس کی دوا ہوتے (۱۴۴)
ہوئے دامن ہرے دشت و جبل کے — تغیر آ گیا رنگت بدل کے (۱۴۵)
بہار آتے ہی لائے ہزار زیور پھول — سنوارنے لگے گلزار کا مقدر پھول (۱۴۶)
موسم گل نے الٹ دی اپنے چہرے سے نقاب — مژدہ باد اے سطح گیتی، مرحبا اے انقلاب (۱۴۷)

جوہر کے قصائد میں تشبیب کے مضامین بہاریہ، رندانہ، ناصحانہ اور علم وحکمت پر مبنی ہیں۔ انھوں نے گلشن میں بہار کی آمد، پھولوں کا کھلنا، صبا کا چلنا، بلبل کا نغمہ سنج ہونا، اور عندلیب کی دیوانگی کا نقشہ مرصع انداز میں کھینچا ہے۔ نباتات میں بہار کے زیر اثر قوت نامیہ کا بیان انھیں بہت مرغوب ہے۔

ہر بہاریہ تشبیب میں پھولوں اور پودوں کی افزائش و نمو کا مضمون شامل نظر آتا ہے لیکن ہر بار وہ نئی تشبیہ نئے استعارے اور نئے ڈھنگ سے نبھاتے ہیں۔ اُن کا تخیل نئے منظر تلاش کرنے کا ہنر جانتا ہے۔ اُن کے علوفکری کے حامل چند اشعار دیکھیے :

اشارہ پاتے ہی چھا جائیں گے گلستاں پر ابھی تو دیکھتے ہیں نامیہ کے تیور پھول
بہار آئی، ہوئی عندلیب دیوانی سنبھالنے لگے اپنی رگوں کے نشتر پھول
جو غنچہ تھا تو یہ گویا دہانِ رضواں تھا کھلا تو بن گیا باغ بہشت کا در پھول
چٹک کے کہتے ہیں غنچے نمو کی ہمت پر جو بس چلے تو کھلیں آسماں کے اوپر پھول (۱۴۸)

جوہر کے قصائد کی ایک خوبی جدت ادا ہے۔ وہ ہر قصیدے میں نئے مضامین لاتے ہیں اور اُن کے تلازمات میں تازہ فکری اور نازک خیالی کا اہتمام کرتے ہیں۔ ایک اور قصیدے کی بہاریہ تشبیب نئے رنگ میں لکھی ہے۔ مذہبی تلازمے، تشبیہ اور استعارے ایک طرف نئے منظر تخلیق کرتے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف علمی شکوہ کے حامل ہیں۔ اُن کی منظر نگاری کمال کی ہے۔ اس میں قاری کے سمعی وبصری ذوق کی تسکین کے سارے سامان موجود ہیں۔ مثالیں دیکھیے :

واہ کیا کہنا ترا اے یوسفِ جوشِ نمو پھر زلیخائے چمن کو مل گیا عہدِ شباب
پھول ہنس دیتے ہیں یوں جس وقت چلتی ہے نسیم جیسے مومن ہوں شگفتہ، سن کے ذکر بوترابؑ
شاخ گل پر اس طرح ہے چہچہہ زن عندلیب جیسے منبر پر خطیب، خوش بیاں محوِ خطاب
الفت شمشاد کا ہے گردن قمری میں طوق گردن مومن میں جیسے طاعتِ مالک رقاب
دستِ سوسن پر رسالہ دس ورق کا ہو بہو ہاتھ پر عارف کے عرفانِ مشیت کی کتاب (۱۴۹)

جوہر نے حضور نبی کریمؐ کی مدح میں اہل بیت کے مناقب بھی بیان کیے ہیں۔ یہ مناقب نعت کے مضامین میں شیر و شکر ہو کر مدح کی خوب صورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ بعض جگہ مناقب کے اشعار انفرادی حیثیت سے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ اگرچہ ان میں افراط و تفریط نہیں لیکن اگر یہ الگ سے ہوتے تو زیادہ لطف دیتے۔ بہر حال زبان و بیان کی شیرینی کو جوہر کے جذبۂ عشق نے بھی تقویت بخشی ہے۔ مدح سے چند اشعار دیکھیے :

جو تھا زمینِ مشیت کا اولیں غنچہ وہی زمانے میں آج آ گیا ہے بن کر پھول
جو تیری صلح کے چھینٹے پڑیں دم پیکار کھلیں حسام کے پھل میں بجائے جوہر پھول
خلیلؑ پر ترا ابر کرم برس جو گیا تو غنچے بن گئیں چنگاریاں اور اخگر پھول

وہ تیرے حسن کا پرتو، یہ تیرے خلق کی بُو　　فلک کے اوج پہ اختر ، چمن کے اندر پھول
ترے وصی کی یہ قوت ہے یادگارِ جہاں　　کہ اس کے دستِ قوی پر تھا بابِ خیبر پھول(۱۵۰)

جوہرؔ کے قصائد عشق و وارفتگی سے سرشار ہیں۔اُن کے ہاں عقیدت اور عقیدہ ہم آمیز ہیں۔ نبی کریمؐ کی سیرت طیبہ اور فضائل کے بیان میں تازگی اور توانائی کا احساس دکھائی دیتا ہے۔اُن کا اسلوب شیریں اور شگفتہ ہے۔اُن کے الفاظ معطر اور شائستگی کا پیکر ہیں۔اُن کے ہاں رواں بحور کے انتخاب سے کلام میں غنائیت کا عنصر در آیا ہے۔''پھول'' جیسی مشکل ردیف سے اکاون شعر نکالے ہیں اور ماندگی اور بھرتی کا احساس تک نہیں ہونے دیا۔قصیدے کا جوش، ندرت فکر، تخیل کی بلند پرواز اور بیان و بدیع کا خوب صورت استعمال جوہرؔ کو جدید اُردو قصیدہ نگاری میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

16-راز کاشمیری: (م: فروری ۱۹۸۶ء)

معروف شاعر اور افسانہ نگار خواجہ عبدالمنان ادبی حلقوں میں راز کاشمیری کے نام سے جانے جاتے ہیں۔وہ یکم مارچ ۱۹۳۲ء کو گوجرانوالہ میں خواجہ عبدالغنی کے ہاں پیدا ہوئے۔(۱۵۱)

اُن کے نعتیہ مجموعے ''لوح بھی تو، قلم بھی تو'' میں چونسٹھ اشعار کا نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔اس کی تشبیب میں انھوں نے فلیش بیک کی تکنیک استعمال کی ہے۔وہ ماضی کے جھروکوں میں جھانکتے ہوئے بعثت نبویؐ سے قبل عرب معاشرے کی جہالت، بے حیائی، بداخلاقی، بے ضابطگی، بداطواری، ستم پروری، خون ریزی، خباثت اور شقاوت کو موضوع بناتے نظر آتے ہیں۔آنحضرتؐ کی آمد سے اس حبس زدہ ماحول میں نئی صبح کے آثار ظاہر ہوئے، تازہ ہوا کے جھونکے دل نواز ہوئے اور بطحا سے ایسا ابر گہر بار اُٹھا کہ جس نے زندگی کی کایا پلٹ دی۔تشبیب سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دل میں جو مچلنے لگی یادِ شہِ ابرارؐ　　کی پار تصور نے شب و روز کی دیوار
تاریخ کا حصہ ہیں وہ ایام پُر ادبار　　دنیا پہ مسلط تھی جہالت کی شبِ تار
انسان کی صورت میں نظر آتے تھے عفریت　　اشرار سے آباد تھے سب کوچہ و بازار
پتھر تھے وہ خود اور تھے پتھر کے پجاری　　تھے جسم قوی اُن کے مگر روح تھی بیمار
عورت تھی فقط ان کے لیے ایک کھلونا　　بیٹی کا وجود اُن کی نگاہوں میں تھا اک خار
اک جنگ جو چھڑتی تھی تو چلتی تھی وہ برسوں　　کٹ مرتے تھے، ہوتے نہ تھے وہ صلح پہ تیار(۱۵۲)

راز کاشمیری نے اس قصیدے میں مضامین کا عمدہ انتخاب کیا ہے۔تشبیب میں عرب

معاشرے کی ابتری اور پھر آمدِ رسول کریمؐ کا تذکرہ عین موزوں ہے۔اس قصیدے کے چار مطلع ہیں۔ تیسرے مطلع میں نئی صبح اور انوارِ محمدیؐ کی جلوہ گری کے ذکر کے بعد برمحل گریز کیا ہے۔اس کے بعد آنحضرتؐ کو مختلف القاب سے یاد کیا گیا ہے۔ یہاں اُن کا اسلوب صنعت جمع اور تکرار سے تشکیل پاتا ہے اور روانی و شستگی کا عنصر زبان و بیان کو چاشنی عطا کرتا ہے۔شاعر کے طرزِ بیان کی تاثیر اور جاذبیت میں اُن کے جذب دروں سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔اُنھوں نے بلاشبہ یہ اشعار عشق و مستی میں ڈوب کر لکھے ہیں۔مرصع طرز ادا کے حامل چند اشعار دیکھیے:

وہ اسوہ و سیرت میں ہیں جو معنی قرآں	وہ ختم رسلؐ ، سرورِ دیں ، احمد مختارؐ
وہ نجم ازل، ماہِ ابد، مہر جہاں تاب	ضو بخش ، ضیا ریز، ضیا پاش ، ضیا بار
وہ حامد و محمود، وہ احمد ، وہ محمد	ایماں کی ردا ، دیں کی قبا ، عزم کی دستار
وہ ابر عطا ، بادِ کرم، بارشِ رحمت	وہ بحر سخا، موجِ وفا ، قلزم ایثار
وہ ذات کہ کہیے جسے مجموعۂ خوبی	قرآن کی تفسیر ، ہمہ سیرت و کردار(۱۵۳)

مدح کے دیگر موضوعات میں راز کاشمیری نے آنحضرتؐ کی عظمت، سادگی، فقر، مساوات، ختم نبوت اور حقوقِ نسواں کی تعلیم کو اُجاگر کیا ہے۔انھوں نے صحابۂ کرامؓ کو دین اسلام کا فدائی، خلق کی تصویر اور پیکر ایثار قرار دیتے ہوئے خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔اس کے علاوہ قصیدے میں رازؔ کی حاضری وزیارتِ رسول کریمؐ کی داخلی کیفیات کا پُرسوز و پُرحسرت بیان شامل ہے۔

مختصر طور پر یہ ایک مکمل قصیدہ ہے اس میں قصیدے کا جوش اور جزالت بھی ہے اور عجز وانکسار بھی، اس میں بہار کی منظر نگاری بھی ہے اور صنائع بدائع کا مشاقانہ استعمال بھی، اس میں عظمتِ رسولِ کریمؐ کے حوالے بھی ہیں اور داخلی جذبات کا دل گداز اظہار بھی جسے پُرشکوہ اور بلند آہنگ اسلوب نے اوج و رفعت عطا کی ہے۔

17-رئیس نعمانی: (م: ستمبر ۱۹۸۸ء)

رئیس نعمانی اردو فارسی کے معروف شاعر ہیں۔اُن کا نام سید محمد مہدی ہے اور وہ جون ایلیا کے چھوٹے بھائی ہیں۔اُن کی پیدائش ۱۲، ستمبر ۱۹۱۴ء کو امروہہ (انڈیا) میں علامہ سید شفیق حسن ایلیا کے گھر ہوئی۔ وہ بیک وقت شاعر، ادیب، فلسفی، ماہر نفسیات، دانشور اور صحافی کی حیثیت سے معروف تھے۔انھوں نے ۲۲ ستمبر ۱۹۸۸ء کو وفات پائی۔(۱۵۴) انھوں نے قصیدہ ''بانت سعاد'' کا منظوم اردو

ترجمہ بھی کیا ہے۔ وہ نعتیہ شاعری میں تین چیزیں ضروری خیال کرتے ہیں۔ نظریہ، فن اور تخیل۔(۱۵۵)

نظریہ سے مراد عقیدۂ توحید و رسالت ؐ کا شعور ہے۔ اس حوالے سے وہ عہدِ حاضر کی نعتیہ شاعری سے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں اور اسے غلو کی ایک شکل قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے علامہ اقبال اور امام احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ لغزشوں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ عقیدے کی درستی کو پہلے اور فن اور خیال کی پیش کش کو ثانوی درجہ دیتے ہیں۔

اُن کے نعتیہ مجموعہ ''چراغِ نوا'' میں چونتیس اشعار پر مبنی ایک نعتیہ قصیدہ شامل ہے۔ یہ قصیدہ اُن کے مذکورہ نظریۂ شعر پر پورا اُترتا ہے۔ اس میں توحید و رسالت ؐ کے فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مدح میں آنحضرت ؐ کو جملہ مخلوقات میں بے ہمتا قرار دیا ہے اور جناب رسول کریم ؐ کے دنیا پر احسانات کو موضوع بنایا ہے۔ اُن کے نزدیک آپ ؐ کی آمد سے ظلم و ستم کا خاتمہ ہوا، تہذیب و شائستگی کو فروغ ملا اور بت پرستی انجام کو پہنچی اس کے علاوہ شاعر نے اعتراف کیا ہے کہ آپ ؐ کی سیرت طیبہ روحِ نظامِ فکر و عمل ہے، آپ ؐ کی اطاعت کامیابی کا ذریعہ ہے اور آپ ؐ کی ذات انسانیت کے لیے اسوۂ کامل ہے۔ مثال میں چند اشعار دیکھیے:

نعت نبی ؐ ہے دل کا سکون گو ہے یہ بھی مشکل بات
مخلوقات میں بے ہمتا ہے کوئی تو آپ ؐ کی ذات
ظلم و ستم اور گمراہی دن میں تھی ہر جانب رات
آپ ؐ نے آ کر دنیا کو سکھلائے آدابِ حیات
شائستہ افکار ہوئے ہو گئے پاکیزہ جذبات
جینے کی ہر نیک روش ہے سرکار ؐ ہی کی سوغات(۱۵۶)

رئیس نعمانی نے سیرت طیبہ اور آپ ؐ کے فضائل کو موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے چھوٹی بحر میں سہلِ ممتنع کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اسلوب بالکل سادہ ہے۔ قصیدے کا علمی و لفظی شکوہ اُن کے نزدیک قابلِ اعتنا نہیں۔ وہ یہاں حقیقت نگار کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ صنائع بدائع اور فنِ شعر کے دیگر لوازمات جو قصیدے کا حسن سمجھے جاتے ہیں وہ یہاں مفقود ہیں۔ قصیدے کے عناصر میں انھوں نے تشبیب، گریز اور مدح کا اہتمام کیا ہے لیکن حسن طلب کی طرف توجہ نہیں کی۔ تشبیب میں انھوں نے حال دل کی ابتری کا ذکر کیا ہے۔ انھیں پریشانی یہ ہے کہ ''لوگوں'' کو گل و بلبل کی افسانوی و رومانوی شاعری پسند ہے تو اُن کی حقیقت پسندانہ شاعری کو کون سنے گا۔ اشعار دیکھیے:

کیجیے کیا شرح جذبات ابتر ہیں دل کے حالات
ایسا ہے ، اشعار کہوں یعنی نظم کروں جذبات
لیکن اے جانِ افکار کون سنے گا وہ نغمات
جن میں نہ ہو گا ذکر شراب اور نہ زلف و لب کی بات (۱۵۷)

انھوں نے قصیدے کی روایت سے ہٹ کر سادہ اسلوب میں جذبات کے اظہار کی راہ نکالی ہے۔ اُن کے فن پر تو بات ہوسکتی ہے مگر اُن کی سچائی، عقیدت اور خلوص سے انکار ممکن نہیں۔

18- نظیر لدھیانوی: (م:۱۹۸۹ء)

نظیر لدھیانوی کا اصل نام اصغر حسین خاں ہے۔ وہ ۱۹۰۲ء میں منشی محمد نجیب خاں نشآط کے ہاں لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ (۱۵۸) وہ شاعر، ادیب، نقاد، محقق، تذکرہ نگار اور صحافی کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ انھوں نے علامہ تاجور نجیب آبادی سے اصلاح سخن کے حوالے سے رجوع کیا جب کہ صحافت میں وہ مولانا ظفر علی خاں کے شاگرد ہیں۔ (۱۵۹)

انھوں نے ''تذکرہ شعرائے اُردو'' اور تذکرہ عندلیبان گلزار رسولؐ مرتب کیا ہے۔ انھوں نے ۲۷ جنوری ۱۹۸۹ء میں لاہور میں وفات پائی۔ (۱۶۰)

نظیر کا نعتیہ مجموعہ ''آفتابِ حراؐ'' ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا جس میں ایک ۲۱ شعروں کا مدحیہ قصیدہ شہیدی کی زمین میں ہے۔ اُن کے دیگر قصائد ''الرشید نعت نمبر'' اور ''شام و سحر، نعت نمبر'' میں شائع ہوئے ہیں۔ ان قصائد کے مطلعے یوں ہیں:

سنایا حضرت عیسیٰؑ نے مژدہ اس کی آمد کا جہاں میں جب نہ کوئی جانتا تھا نام احمدؐ کا (۱۶۱)
نعت کہنے کے لیے ڈھونڈوں کوئی بہتر زمیں جس کو سمجھیں نکتہ داں گردوں سے بالاتر زمیں (۱۶۲)
سمت کعبہ سے چلا سوئے کراچی بادل برق ہے خندہ زناں، رعد بجاتی ہے بگل (۱۶۳)

اُردو نعتیہ قصائد میں شعرا نے ''پھول''، ''آفتاب'' اور ''گل'' جیسی مشکل ردیفوں سے مضامین نکالے ہیں۔ نظیر نے ''زمیں'' کی ردیف منتخب کر کے نئے، تازہ اور شگفتہ مضامین نکالے ہیں جو اُن کی جودت طبع کے غماز ہیں۔ انھوں نے حسن تعلیل، تشبیہ، مبالغہ، تقابل اور تضاد سے اپنے خیالات کو رفعت بخشی ہے۔ اُن کا تخیل بلند، اُن کی فکر تازہ اور اُن کا اسلوب شیرینی و روانی کا حامل ہے۔ قصیدے کی تشبیب کے مضامین میں تنوع ہے۔ انھوں نے زیادہ تر ناصحانہ اور اخلاقی باتیں کی ہیں لیکن اُن کے

پیچھے شاعر کا مشاہدہ، تجربہ اور غور و خوض مضمر ہے۔ شاعر کی ندرت فکر اور نازک خیالی کے حامل چند اشعار دیکھیے:

آشنا کوئی نہیں ، کس کے خرام ناز پر ہو کے لٹو گھومتی ہے اپنے محور پر زمیں
آج جوع الارض میں انساں ہے شاہِ بحر و بر کل تو رہ جائے گی حصّے میں وہی گز بھر زمیں
مردِ حق اندیش اُن کی آرزو رکھتا نہیں باعث پیکار ہے زیر فلک زن، زر، زمیں
روز اوّل سے ہے قدرت کے خزانوں کی امیں پھر بھی ہے یکسر نیاز و عجز کا پیکر زمیں (۱۶۴)

نظیر نے تشبیب میں زمین کی ذاتی خصوصیات کے ساتھ اس کے محسوسات کو یوں بیان کیا ہے کہ اُن میں آفاقی رنگ جھلکنے لگا ہے۔ انھوں نے زمین کو انسانی آبادی کے ایک سیارے کے رُوپ میں اُجاگر کیا ہے۔ اس کے علاوہ زمین کی ردیف اُن کے ہاں ''وطن'' کا استعارہ بھی ہے۔ وہ وطن جسے مغربی استعمار نے ایک عرصے تک جکڑے رکھا اور پھر قائداعظمؒ نے اس سر زمین پر دینِ اسلام کے نام کا پرچم لہرا دیا۔ دو شعر دیکھیے:

پاک استعمارِ مغرب سے ہوا برصغیر مہر آزادی سے چمکی ایشیا کی سر زمیں
قائداعظمؒ نے لہرایا پیمبرؐ کا علم چوم لے جوشِ مسرت سے فلک جھک کر زمیں (۱۶۵)

نظیر کا شعری اسلوب جدت ادا کے بانکپن سے مزین ہے۔ اُن کے ہاں نادر تشبیہات کی فراوانی ہے۔ وہ فطرت کی منظر کشی کرتے ہوئے نئی تشبیہات کام میں لاتے ہیں جس سے کلام کی تاثیر دو چند ہو جاتی ہے:

جوئے پُر آب ہے گلزار میں یا کاہکشاں آسماں پر ہیں ستارے کہ ہیں دریا میں کنول
ہے نوافل کی یہ کثرت کہ ہے ساون کی جھڑی شور تکبیر ہے مسجد میں یا گرجا بادل
سر بہ سر نیکیاں بن جائیں مرے سارے گناہ ہیئت اپنی زر خالص سے بدل لے پیتل (۱۶۶)

نظیر لدھیانوی کوچۂ مدحت میں قدم رکھتے ہی اپنی طبع رواں کو ادب کا قرینہ ملحوظ رکھنے کا عندیہ دیتے ہیں۔ انھیں آنحضرتؐ کے فضائل اور سکان خاکِ بطحا کی بخت آوری کا بیان مرغوب ہے۔ انھوں نے مدح میں بھی موضوعات کا تنوع برقرار رکھا ہے۔ انھوں نے آنحضرتؐ کے فقر و استغنا، درسِ توحید، خلق عظیم، نام نامی، دل نشیں پیغام، بے مثال شخصیت، صحابۂ کرامؓ اور معجزات کو پیش نظر رکھا ہے۔ اُن کے ہاں حدود شریعت کی پاسداری موجود ہے۔ انھوں نے مدح کے مضامین کو بلند تخیل اور تازہ فکری سے اُجلا کیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

خاکِ بطحا پر رکھا جب آپؐ نے پہلا قدم بن گئی مسجد برائے اہلِ ایماں پر زمیں
آپؐ کے فیضان پا سے بن گئے لعل و گہر رکھتی تھی دامن میں اپنے جس قدر کنکر زمیں
آپؐ نے توحید کے انوار جب پھیلا دیے بن گئی خاکی سے نوری، نور سے مل کر زمیں
آپؐ کے پیغام کو سنتی ہے ساری کائنات آپؐ کا محراب گردوں ، آپؐ کا منبر زمیں
مان لے گی آپؐ کا ثانی نہیں پیدا ہوا کاٹ کر لاکھوں برس آفاق کے چکر زمیں (۱۶۷)

نظیر لدھیانوی کے نعتیہ قصائد میں عشق و محبت، ادب و احترام اور فدایت کے جذبے کے علاوہ عجز و نیاز مندی کا عنصر شامل ہے۔ انھوں نے دل کش اور رواں انداز میں جذبوں کو اظہار کی راد دکھائی ہے۔ اُن کا اسلوب شستہ، عام فہم اور شگفتہ ہے جو نئی تراکیب اور نادر تشبیہات کا حامل ہے۔ اُن کے اشعار میں خلوص و صداقت کا عنصر قاری کی دل بستگی کا آئنہ دار ہے۔

19- یزدانی جالندھری: (م:۲۳ مارچ۔۱۹۹۰ء)

یزدانی جالندھری کی نعت عشق و محبت کی توانائی سے بھرپور ہے۔ یہی رنگ اُن کے قصائد کا بھی ہے۔ وہ عشقِ نبیؐ میں سرشار اور سراپائے شرافت تھے۔ بقول ڈاکٹر انور سدید: ''وہ ہمارے دور میں مولانا حالی جیسی شرافت کا نمونہ ہیں۔(۱۶۸)

اُن کا اصل نام سید عبدالرشید ہے۔ وہ ۱۶ جولائی 1915ء کو سید بہاول شاہ کے ہاں کھرلا کنگڑ د جالندھر میں پیدا ہوئے۔ وہ شاعر، ادیب، مترجم اور ناول نویس کی حیثیت سے اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ وہ مختلف اخبارات و رسائل کی ادارت سے بھی وابستہ رہے۔ اُن کی وفات ۲۳ مارچ ۱۹۹۰ء کو لاہور میں ہوئی اور وہ میانی صاحب قبرستان میں دفن ہیں۔(۱۶۹)

''صبحِ سعادت'' اُن کی نعتیہ مثنوی ہے اور ''توصیف خیر البشرؐ'' اُن کا نعتیہ مجموعہ ہے، اس کے علاوہ اُن کا کلام مختلف رسائل میں بھی موجود ہے۔

یزدانی جالندھری کے قصائد ایک طرف عقیدت و احترام کا مرقع ہیں تو دوسری طرف وہ عہد موجود کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ سیرتِ رسول کریمؐ ہی موجودہ انسان کے مسائل کا واحد حل ہے۔ اُن کے قصائد کے مطلع یوں ہیں:

اگرچہ میں نہ عرفی ہوں، نہ خاقانی نہ قاآنی ہے آہنگِ حدیثِ سرورِ کونینؐ، یزدانی! (۱۷۰)
حبذا! تابندگیِ نجمِ تقدیرِ بشر مرحبا کونین پر یہ رحمتِ حق کی نظر (۱۷۱)

فصل گل لائی ہے پیغام مسرت آقاؐ اہلِ گلشن ہیں سفیرانِ لطافت آقاؐ(۱۷۲)

یزدانی جالندھری کے نعتیہ قصائد دل کش اسلوب کے حامل ہیں۔انھوں نے قصیدے کے لفظی شکوہ کو برقرار رکھا ہے اور روانی کے عنصر کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔اُن کی زبان صاف اور شستہ ہے۔اُنھوں نے یہ قصائد دماغ سے نہیں دل سے لکھے ہیں اور ان میں عقیدت کے جذبات کا سیلاب اُمڈا آتا ہے۔عشقِ جناب رسول کریمؐ ہی اساسِ زندگانی ہے اور وہ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اُنھوں نے عشقِ رسولؐ پاک کو اپنے دل کی شریعت قرار دیا ہے۔ادب واحترام کا اندازہ اُن کے طرزِ اسلوب سے بہ آسانی ہو جاتا ہے کہ انھوں نے ہر جگہ حضوراکرمؐ کے لیے ''آپ'' کا صیغہ استعمال کیا ہے۔انھوں نے اپنے دل کی طہارت اور احترام کو لفظوں میں سمونے کی کوشش کی ہے اور قصائد کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے جذبوں کو زبان دینے میں کامیاب رہے ہیں۔عشق ووارفتگی میں ڈوبے یہ اشعار دیکھیے کہ جن کی ردیف میں وہ اپنی غلامی کا یوں اقرار کرتے نظر آتے ہیں:

آپؐ سے عشق مرے دل کی شریعت آقاؐ آپؐ سے عشق مری جاں کی عبادت آقاؐ
آپؐ کا نطق ہے فردوسِ سماعت آقاؐ آپؐ کا حسن نگاہوں کی ہے جنت آقاؐ
آپؐ کے ادنیٰ غلاموں کے غلاموں کا غلام ہے شرف میرے لیے اتنی بھی نسبت آقاؐ
مصحف رُخ کی جو کرتی تھیں تلاوت آقاؐ(۱۷۳) اللہ اللہ ان آنکھوں کا نصیبا یارو!

کوئی بھی تخلیق علویت کا درجہ تب حاصل کرتی ہے جب شاعر ارضی حقیقتوں کو جمالیاتِ شعری کا پیرہن عطا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔محض عصری شعور کی پیش کش شاعری نہیں بنتی۔ یزدانی جالندھری نے شعر کے جمالیاتی تقاضے پورے کرتے ہوئے اس میں روح عصر کو سمویا ہے۔وہ اُمت مسلمہ کے مسائل کا مکمل ادارک رکھتے ہیں اور اُن کی دردمندی کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے اپنے تینوں قصائد میں عرض حال کے طور پر مسلمانوں کو بین الاقوامی سطح پر درپیش مسائل کا استغاثہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا ہے۔انھوں نے مسلمانوں کے زوال کے بیرونی اور اندرونی اسباب کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے۔اُنھوں نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد بدلتے ہوئے عالمی سیاسی منظرنامے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔اسرائیل کی صورت میں یہودی بستی کا قیام،مسجد اقصیٰ سے فلسطینیوں کی بے دخلی،افغانستان،کشمیر، اریٹیریا اور لبنان میں مسلمانوں پر کیا جانے والا جبر واستبداد اُنھیں خون کے آنسو رلاتا ہے اور وہ اپنے داخلی کرب کو لفظوں میں ڈھالے بغیر نہیں رہتے۔استغاثہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اپنی امت کی زبوں حالی پہ بھی ہو اک نظر اے دکھی انسانیت کے چارہ ساز و چارہ گر

دیکھ سوئے مسجد اقصیٰ امام الانبیا! قبلۂ اوّل پہ قابض ہیں یہودی فتنہ گر
افتراق باہمی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج بے وطن اہلِ فلسطیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں گھر
ارضِ لبنان آتش و آہن کی بارش میں ہے غرق خون میں ڈوبے ہوئے بیروت کے ہیں بام و در
سرزمیں افغانیوں کی ، زد میں ہے الحاد کی سرخ آندھی چھا رہی ہے غزنی و قندھار پر
الغرض حد نظر تک حشر کے آثار ہیں ملت بیضا اسیر حزن ہے المختصر(۱۷۴)

امت مسلمہ کے اندرونی خلفشار کی وجوہات کے حوالے سے وہ فکرِ اقبال سے کلی طور پر متفق نظر آتے ہیں بل کہ انھوں نے اس کا اظہار بھی اقبال کے رنگ سخن میں کرتے ہوئے انھیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اُن کے نزدیک عہد حاضر کا مسلمان اوہام پرستی، فرقہ واریت، جغرافیائی حد بندیوں، قوم اور نسل پرستی، ترک مؤاخات، اسلامی تعلیمات سے انحراف اور تن آسانی کا شکار ہے۔ اتحاد باہمی کا فقدان ہی ہے جس سے مسلمان صیہونی طاقتوں کے پنجۂ استبداد میں جکڑے نظر آتے ہیں۔ اقبال کے رنگ میں یہ اشعار دیکھیے :

مرے قلب و جگر ہیں ہم نوائے شاعرِ مشرق ''لہو مجھ کو رلاتی ہے مسلماں کی تن آسانی''
بہتر ٹکڑیوں میں بٹ چکی ہے ملت بیضا ہر اک ٹکڑی کو ضد میرا ہی مسلک ہے مسلمانی
کہیں جغرافیے نے کھینچ دی ہیں ان میں دیواریں یہ مصری ہے، وہ سوڈانی، یہ شامی ہے، وہ ایرانی
بھٹکتا پھر رہا ہے کارواں بے جادہ و منزل شتربانوں کو بھولے ہیں وہ اندازِ حدی خوانی(۱۷۵)

صنعتی انقلاب کے بعد یورپ کی طاقت بڑھتی گئی اور اُس نے کمزور اقوام کا استحصال کرنے کے لیے اپنی منڈیاں بنانا شروع کر دیں۔ یہ رجحان جدید ٹیکنالوجی اور جدید سائنسی ترقی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ادب اور زندگی میں نئے نظریات داخل ہوئے۔ ہمارا ایک طبقہ مغرب کی علمی برتری کا غلو کی حد تک قائل ہو گیا اور اُن کے نظریات جیسے اشتراکیت، وجودیت، جدیدیت، مابعد جدیدیت، فطرت نگاری اور سریلزم وغیرہ کو حرف آخر سمجھنے لگا۔ وہ قرآن مجید کو خیر و برکت کے لیے خوب صورت غلافوں میں لپیٹ کر طاقوں میں سجا کر رکھتا ہے اور یورپی نظریات کو اپنے سارے دکھوں کا مداوا خیال کرتا ہے۔ یزدانی جالندھری نے عہد حاضر کے مسلمانوں کی مغرب زدہ ذہنیت کی بھرپور عکاسی تو کی ہی ہے ساتھ میں قصیدے کو علمی شکوہ بھی عطا کیا ہے۔ یہی نہیں انھوں نے دین اسلام کے علما، مفسرین اور فلسفیوں کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ چند اشعار دیکھیے :

علما قوم کے توفیق عمل سے محروم کھیل الفاظ کا ہے ان کی خطابت آقاؐ

بس یہی اُن کی ہے معراج بصیرت آقاؐ فلسفی منطقِ یونان کے ہیں گرویدہ
اور ''بوطیقا'' ہے اک مخزن حکمت آقاؐ ان کے نزدیک ''مقالات فلاطوں'' سب کچھ
اپنی کچھ سوچ نہ کچھ فہم و فراست آقاؐ کچھ فرائڈ کے پجاری ہیں تو کچھ ہیگل کے
''دس کیپتیا'' ہی سے لیتے ہیں ہدایت آقاؐ مارکس کے فلسفۂ مادہ پرستی کے اسیر
ان کے نزدیک ہے یہ روح معیشت آقاؐ(۱۷۶) کچھ پرستار ہیں امریکی نظام زر کے

یزدانی کے قصائد اجتماعی دردمندی کے احساس سے سرشار ہیں۔ اُن میں اخلاص کی سچی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔ انھوں نے اپنی ذات پر ملت بیضا کو ترجیح دی ہے اور اپنے بجائے امت مسلمہ کی عظمت کی بحالی کی دعائیں مانگی ہیں۔ وہ استغاثہ تو بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کرتے ہیں مگر دعائیں انھوں نے اللہ رب العزت کے حضور پیش کی ہیں یعنی وہ اپنے قصائد میں افراط وتفریط کا شکار نہیں ہوئے۔

حضور نبی کریمؐ کی ذات بابرکات کے بارے میں وہ ''بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کے قائل ہیں۔ انھوں نے آپؐ کی بعثت کو انسانیت پر احسان قرار دیا ہے۔ آپؐ کی روشن کردہ شمع ہدایت سے انسان پر علم وعرفان کے در وا ہوئے۔ اقرا سے شروع ہونے والی آپؐ کی لاثانی تعلیمات اور فلاح انسانیت کا قرآنی دستور شاعر کے نمائندہ موضوعات ہیں۔ اس کے علاوہ آپؐ کے اوصافِ حمیدہ، سراپا مبارک اور سادہ طرزِ زندگی کا دل کش بیان بھی مدح میں شامل ہے جسے ''وہ کہ'' کی تکرار نے دل کشی بخشی ہے۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

وہ کہ جن کی موسیِٰ عمرانؑ کے ہونٹوں پر نوید وہ کہ جن کی عیسیِٰ مریمؑ کے لب پر بھی خبر
وہ کہ لائے ساتھ اپنے نسخۂ آبِ بقا وہ مریض انسانیت کے چارہ ساز و چارہ گر
وہ کہ جن کے ہاتھ میں پتھر ہوں گفتار آشنا وہ کہ ہو دو نیم جن کے اک اشارے پر قمر
وہ کہ بستر اک چٹائی اور اک چادر لباس وہ کہ جن کے در پہ شاہانِ جہاں دریوزہ گر
وہ کہ پتھر پیٹ پر ہیں ہاتھ میں ہے بیلچہ اور ہونٹوں پر شکست قیصر و جم کی خبر(۱۷۷)

یزدانی جالندھری عہد جدید کے قصیدہ نگاروں میں نمایاں مقام پر فائز ہیں اور انھیں یہ مقام اُن کے جذبہ عشقِ رسولؐ، ہمدردی ملت، حفظِ مراتب کی پاسداری اور عجز وانکسار پر مبنی لہجے نے عطا کیا ہے۔ اُن کا عصری شعور، علمی لیاقت اور جاذبیت کا حامل پُرشکوہ اسلوب مذکورہ اوصاف پر مستزاد ہے۔ بہاریہ تشبیب اور مختصر گریز کے ساتھ مدح کے مضامین شیر وشکر نظر آتے ہیں۔ عرضِ حال میں استغاثہ و استمداد کا رجحان اُن کے قصائد کے مرکزی خواص میں سے ہے۔

20- شہاب دہلوی: (م:۲۹، اگست ۱۹۹۰ء)

شہاب دہلوی کا اصل نام سید مسعود حسن ہے۔ وہ بہاول پور کی ادبی سرگرمیوں کے روح و رواں ہیں۔ وہ اردو اکادمی بہاول پور کے بانی جنرل سیکرٹری (تاحیات) رہے۔ اس کے علاوہ وہ سہ ماہی ''الزبیر'' اور ہفت روزہ ''الہام'' کے بانی مدیر بھی رہے۔(۱۷۸)

وہ ۲۲، اکتوبر ۱۹۲۲ء کو دہلی میں سید منظور حسن رضوی کے گھر پیدا ہوئے۔ وہ شاعر ہونے کے علاوہ ادیب، محقق، مؤرخ، مترجم اور صحافی کی حیثیت سے بھی اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ اُن کا نعتیہ مجموعہ ''موجِ نور'' ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔ اس میں حمد و نعت، قصیدہ، سلام اور مرثیہ کی ہیئت میں کلام موجود ہے۔ انھوں نے ۲۹، اگست ۱۹۹۰ء کو وفات پائی۔(۱۷۹) شہاب دہلوی کا نعتیہ قصیدہ ''معراج نبوت'' اکاون اشعار پر مبنی ہے۔ مطلع دیکھیے:

فکر عقبیٰ و غمِ دہر سے اعصاب تھے شل   کر رہا تھا ابھی تعمیر مَیں خوابوں کے محل(۱۸۰)

شہاب دہلوی کا یہ قصیدہ جناب رسول کریمؐ کی عظمت کے معتبر حوالے واقعہ معراج سے مزین ہے۔ قصیدے کی نمایاں خوبی واقعہ نگاری ہے۔ کہانی پن کا انداز بھی دیدہ زیب ہے۔ شاعر نے تشبیب میں غم و آلام زمانہ سے نجات کے لیے نیند کا سہارا تلاش کیا مگر چین نہ پایا۔ اُسے ایک ندائے غیبی نے بارگاہِ الٰہی کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ شاعر باوضو ہو کر سجدہ ریز ہوا تو اُسے بقعۂ نور کی صورت میں جناب رسول پاکؐ فرشتوں کے جلو میں نظر آئے۔ آپؐ رف رف پر بارگاہِ الٰہ کی طرف عازم سفر ہوئے۔ یہاں سے شاعر نے پہلے استفہامیہ انداز اختیار کیا ہے اور پھر آپؐ کا تعارف فضائل مبارک کے حوالوں سے پیش کیا ہے۔ دعا میں انھوں نے سب کو آپؐ کی اطاعت کی نصیحت کی ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

یہ وہ ہستی ہے جسے نورِ مجسم کہیے   یہ وہ ہستی ہے کہ جس کا کوئی ثانی نہ بدل
جس کو رحمت کا لقب بارگہ رب سے ملا   جو ہے انساں مگر انساں ہے بہ ہر شکل اکمل
نعرہ توحید کا دنیا میں لگایا جس نے   بے حقیقت نظر آنے لگے لات اور ہبل
گرد ہیں سامنے سج کے دول و جاہ و حشم   بادشاہانِ جہاں آ گئے ہیں جس کے اسفل (۱۸۱)

اُن کے زبان و بیان میں چاشنی کا عنصر موجود ہے۔ اس میں روانی اور بلاغت دونوں ہیں۔ عربی، فارسی تراکیب ہیں مگر عام فہم ہیں۔ وہ مشکل پسندی کے قائل نہیں۔ بعض جگہ انھوں نے پنجاب کے مقامی لہجے اور مقامی ثقافت سے بھی استفادہ کیا ہے۔ جیسے:

پوششِ یاس بدن سے نہ جدا ہوتی تھی　　کب سے بیٹھا تھا میں مارے ہوئے غم کا بُکل
ڈور بے چینی کی میں کھینچ رہا تھا جتنی　　ہوتی جاتی تھی بلند اور اَلم کی تکل(۱۸۲)

یہ قصیدہ فنی معیار پر پورا اترتا ہے۔اس کی کئی جہتیں ہیں۔اس میں مبالغے کی جگہ حقیقت نگاری سے کام لیا گیا ہے۔ داخلیت ،منظر نگاری اور مکالماتی فضا بھی یہاں دستیاب ہے۔کہانی پن کا بیانیہ دلچسپی سے خالی نہیں اور ندائے غیبی نے اسے پُراسراریت کی فضا بخشی ہے۔زبان و بیان میں سادگی ہے مگر پروف میں اغلاط رہ گئی ہیں۔مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ شہاب دہلوی کے اسلوب میں سادگی اور بیان میں صداقت کا عنصر قصیدے کو اہم مقام عطا کرتا ہے۔انھوں نے حمد و نعت کے تقاضے بھی بخوبی پورے کیے ہیں۔

21-صبا اکبر آبادی:(م:۳۰،اکتوبر۱۹۹۱ء)

صبا اکبر آبادی کا اصل نام خواجہ محمد امیر ہے۔وہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند کی آل میں سے ہیں۔ وہ ۱۴،اگست ۱۹۰۸ء کو خواجہ علی محمد کے گھر آگرہ (اکبر آباد) میں پیدا ہوئے۔انھوں نے حمد،نعت،غزل، رباعی،مرثیہ اور قصیدہ کی اصناف میں طبع آزمائی کی۔اُن کے غزل کے دو،مراثی کے پانچ اور نعت کا ایک مجموعہ ’’دستِ دعا‘‘ منظر عام پر آ چکے ہیں۔اس کے علاوہ انھوں نے رباعیات عمر خیام اور غالب کی فارسی رباعیات کا منظوم اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔اُن کی تدفین ۳۰،اکتوبر۱۹۹۱ء کو اسلام آباد میں ہوئی اور بعد میں وہ سخی حسن قبرستان کراچی میں دفن کیے گئے۔(۱۸۳)

اُن کے نعتیہ مجموعے میں ’’قصیدہ بہ حضور رحمت للعالمینؐ‘‘ کے عنوان سے انچاس اشعار کا ایک قصیدہ شامل ہے۔مطلع ملاحظہ ہو:

نہ مجھے شعر کا پندار نہ فن کا دعویٰ　　میری خاموشی کا عنواں ہے زبانِ گویا(۱۸۴)

یہ قصیدہ عجز، ادب اور سادگی سے عبارت ہے۔شاعر کو زبان دانی کے جوہر دکھانے سے زیادہ اعتراف عجز اور اظہار عقیدت سے غرض ہے۔تشبیب کے اشعار میں شاعر نے اپنی کم مائیگی،کم علمی اور بے زبانی کا اعتراف کیا ہے۔اگر انھیں قصیدہ لکھنے کی توفیق ملی ہے تو وہ ایک ایسے در کی نسبت کا فیضان ہے جس سے ایک زمانہ فیض یاب ہے۔گریز اور مدح سے قبل ہی کنایۃً قصیدے میں مدح کے پھول کھلتے نظر آتے ہیں۔انداز بیاں کی سادگی میں بھی تاثیر کا حسن در آیا ہے۔تشبیب اور مدح کے مضامین میں گہری وابستگی ہے جس کے باعث پورا قصیدہ یک رنگی کا مرقع بن گیا ہے۔شاعر کو علم معانی و

عروض پر دعویٰ نہیں۔ نہ اُس کے پاس علم و ہنر ہے اور نہ ہی فصاحت و بلاغت کی دولت ہے۔ وہ اپنے جہل پر نادم ہے اور اُس کی بے زبانی شعرا کے سامنے اس کے لیے پشیمانی کا باعث ہے۔ اُس کی شاعری کسی دربارِ خاص کی عطا کے سوا کچھ بھی نہیں۔ حسن عقیدت کے حامل چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مجھ کو ملتی ہے کسی در سے مضامین کی بھیک　　کسی دربار سے ہوتے ہیں مجھے لفظ عطا
میری آشفتہ بیانی پہ تسلسل کے لیے　　چھائی رہتی ہے کسی گیسوئے مشکیں کی گھٹا
دھیان رہتا ہے کسی گرد قدم کا مجھ کو　　اس سے آئنہ افکار پہ ہوتی ہے جلا
مجھ کو حاصل ہے جو اک در کی غلامی کا شرف　　میں اسی در کے مدارج کا ہوں بس مدح سرا
در سے بھی، صاحبِ در سے بھی ہے نسبت میری　　باب جنت نہ رہے کیوں، مرے شعروں میں کھلا (۱۸۵)

صبا نے مدح کے لیے سیرتِ طیبہ کے اُن پہلوؤں کا انتخاب کیا ہے جو آفاقیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے معجزات، سراپا مبارک اور شخصی اوصاف پر زیادہ توجہ صرف نہیں کی۔ مطلع دوم کے بعد خطابیہ انداز میں آپؐ کی برتری اور عظمت کے حوالے سے جو اشعار کہے ہیں، وہ کلاسیکی دور کے قصائد کی تکرار ہیں۔ شاعر کے مطابق حضرت نوحؑ کی کشتی کو کنارہ ملنے، حضرت آدمؑ کی توبہ کی قبولیت، دیدۂ داؤدؑ کو سوز ملنے میں آنحضرتؐ کے فیضان کو دخل ہے۔ مطلع سوم کے بعد جنابِ رسول کریمؐ کے حضور امت کی حالت زار کا استغاثہ پیش کیا ہے اور امداد طلب کی ہے۔

نصیر الدین نصیر کے ہاں شانِ رسالتؐ کی اہمیت کا مضمون توحید پرستوں پر طنزیہ رویے سے ادا ہوا ہے۔ یہی مضمون صباؔ نے کس قدر دل نشیں انداز میں ادا کیا ہے اسلوب کی شیرینی ملاحظہ کیجیے:

واسطہ عبد کا، معبود سے تیرے باعث　　ہے عجب بندہ و معبود سے تیرا رشتہ (۱۸۶)

مدح سے آفاقیت کے حامل چند اشعار دیکھیے:

جس کے دامانِ عطوفت میں زمانے کو پناہ　　وہ یتیموں کا سہارا ہے، ضعیفوں کا عصا
جس کے اخلاق نے تسخیر کیے قلب و نظر　　جس کے انصاف کا ہے سارا جہاں مدح سرا
جس نے کونین کو آئین دیا جینے کا　　جس نے پروانۂ آزادی غلاموں کو دیا (۱۸۷)

مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ قصیدہ عشق و محبت کی توانائی سے سرشار ہے۔ مضامین متنوع اور آفاقی ہیں۔ حفظِ مراتب کی پاس داری کا اہتمام ہے۔ مناقب خلفائے راشدین نعت سے ہم آغوش ہیں اور اسلوب کی سادگی اور دل کشی نے اسے وقار بخشا ہے۔

22- نعیم تقوی: (۴، مارچ ۱۹۹۲ء)

پروفیسر نعیم حیدر تقوی شاعر ہونے کے علاوہ محقق، نقاد اور مترجم بھی ہیں۔ وہ وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کراچی میں صدر شعبہ اردو رہے۔ اُن کی پیدائش یکم اکتوبر ۱۹۳۸ء کو حیدر آباد میں ضیا تقوی کے ہاں ہوئی۔ اُن کے مجموعہ ہائے نعت میں ''بصیرت، شبستانِ عقیدت اور بادۂ عرفان'' شامل ہیں۔ انھوں نے ۴ مارچ ۱۹۹۲ء کو وفات پائی۔ (۱۸۸)

نعیم تقوی کے مجموعے ''بصیرت'' میں پانچ قصائد شامل ہیں جو زیادہ طویل نہیں ہیں۔ اُن کی طوالت بیس تیس شعروں سے زیادہ نہیں۔ ان قصائد کے عنوانات ہیں: ''ظہور مقدس، مدح شہ ذی شانؐ، سبحان الذی اسریٰ، قاب قوسین اور نور یزداں''۔ ان قصائد کے مطلعے درج ذیل ہیں:

آئی بہار عالم امکاں بدل گیا — دور خزاں، برنگ بہاراں بدل گیا (۱۸۹)

وجدان حقائق ہے مرے شوق کا عنواں — ہیں عقل و جنوں ناز سے در گوشۂ داماں (۱۹۰)

زہے حسن و جمالِ اوجِ شاہِ گنبد خضرا — بہارِ نو پئے نظم دو عالم لائی ہے مژدہ (۱۹۱)

شب اسریٰ چمن کو مل گیا پیغام بیداری — ہوئی ہے پردۂ شب میں نئے عنواں سے گلکاری (۱۹۲)

ضوفگن یوں جو کسی کا رخ زیبا ہو جائے — گلشنِ دہر نہ کیوں حسن سراپا ہو جائے (۱۹۳)

پروفیسر نعیم تقوی کے نعتیہ قصائد روایت سے ہٹ کر ہیں۔ انھوں نے مدح پر زیادہ توجہ صرف نہیں کی۔ اُن کے ہاں مسلمانوں کے مذہبی طبقے کی خرابیوں پر تنقید کا عنصر موجود ہے جو کہیں کہیں استغاثہ کا رنگ اختیار کر گیا ہے۔ پہلا قصیدہ دور حاضر کے مسلمان کا نوحہ ہے۔ اس میں نعت کم اور تشویش زیادہ ہے۔ ''سبحان الذی اسریٰ'' میں معراج کا واقعہ ہے۔ اس میں آنحضرتؐ کی عظمت اور شانِ عبدیت کو اُجاگر کیا گیا ہے جب کہ ''قاب قوسین'' میں آپؐ کی ذاتی صفات ہیں جن میں آپؐ کو مصلح، موحد، معلم و حکیم اور فیض رساں قرار دیا گیا ہے۔ مدح کے چند اشعار دیکھیے:

وہ جس نے سنوارے ہیں سدا گیسوئے امکاں — وہ جس کی تجلی سے رخ دہر ہے تاباں (۱۹۴)

افکار میں جس کے ہے جلا صدق و صفا کی — وہ عظمت کن واقف پیچ و خم دوراں (۱۹۵)

وہ نور حق بشر، روشن ہے جس کا معنوی جلوہ — وہ ظل حق ہے کس کا ڈھونڈتے ہو مادّی سایہ (۱۹۶)

سحر لاتی ہے ان کے نام سے پیغام بیداری — وہ مصلح جن پہ نازاں دہر میں ہے نوع انسانی (۱۹۷)

موحد وہ کہ مسلک جن کا ہے سب سے رواداری — وہ جن کا قولِ بے شک معنیِ تہذیب انسانی (۱۹۸)

انھوں نے اپنے گردوپیش کے مسلم معاشرے پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے جس سے تشویش کے آثار پیدا ہوئے ہیں جن میں ہلکا طنز بھی شامل ہے۔اُن کا یہ رویہ ملت اسلامیہ اور اہلِ اسلام سے محبت اور اخلاص کا پتا دیتا ہے۔ مذہب کو جس طرح تجارت کی شکل دے کر ایک طبقہ اپنے مفادات حاصل کر رہا ہے، اس کے عالمی سطح پر، دینِ اسلام پر، مثبت اثرات مرتب نہیں ہو رہے۔اس حوالے سے یہ اشعار دیکھیے :

وحدت شکن ہے آج وہ شاعر ہو یا خطیب ظاہر ہے شرک، طرزِ مسلماں بدل گیا
ذکر رسولؐ کے لیے نذرانہ چاہیے کس سے کہیں کہ حافظ قرآں بدل گیا(۱۹۹)
اوہام کے بت ہم نے تراشے ہیں خوشی سے نظروں میں ہماری ہے نہ توحید نہ قرآں
گر مسخ حقائق ہوں تو ہو جائیں بلا سے شاعر ہو یا ذاکر ، ہیں سبھی داد کے خواہاں
توحید و رسالت سے ہے عالم بھی گریزاں مذہب میں ہے دنیاوی تجارت کا جو ساماں(۲۰۰)

اُن کی تشبیب میں بہاریہ اور رندانہ مضامین ملتے ہیں۔بعض قصائد کی تشبیب محض ایک دو شعروں پر مبنی ہے۔ دعا پر زیادہ توجہ صرف نہیں کی گئی۔ مدح میں ادب واحترام اور عجز کے جذبات شامل ہیں۔اہل بیت، حضرت ابوذرؓ اور حضرت بلالؓ اور حضرت سلمانؓ کی منقبت میں بھی شعر کہے گئے ہیں، جن میں حفظ مراتب کا خیال رکھا گیا ہے۔

ان کا شعری اسلوب عربی فارسی الفاظ کی آمیزش سے بنا ہے۔تشبیب کے مضامین مدح سے زیادہ بلند آہنگ ہیں اور غزل کی ایمائیت لیے ہوئے ہیں۔ان کے اسلوب کے بارے میں ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی کی رائے ملاحظہ ہو:

> ''بصیرت کی نعتوں میں کئی اسالیب ،نظر آتے ہیں۔کہیں غزل کے تمام علائم ورموز کو نعت گوئی کے لیے خلاقانہ انداز میں صرف کیا ہے اور کہیں غزل کو نئے لہجے میں رام کیا ہے۔''(۲۰۱)

نعیم تقوی کے قصائد عہد موجود کے مسلمان کے اخلاقی زوال پر تشویش کا اظہار ہیں جنھیں اُن کے اجتماعی دردمندی کے احساس کی بدولت یاد رکھا جائے گا۔

23-اعظم چشتی:(م:۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء)

محمد اعظم چشتی اردو، پنجابی اور فارسی کے پُرگو شاعر ہیں۔اُن کا نعت خوانی سے نعت گوئی کا سفر عشقِ رسولؐ میں سرشار نظر آتا ہے۔اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت نے انھیں ۱۹۸۹ء میں

صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی عطا کیا۔ وہ ۱۵ مارچ ۱۹۲۱ء کو ضلع گجرات کے ایک قصبے چکوڑی میں محمد دین چشتی کے ہاں پیدا ہوئے۔(۲۰۲) انھوں نے اپنی نعت کو وسیع مطالعے، فن موسیقی اور فن شعر کی لطافتوں سے تازگی بہم پہنچائی۔ وہ لاہور میں مقیم تھے۔ اُن کی وفات ۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء میں ہوئی۔(۲۰۳)

اعظم چشتی کا کلیات پانچ مجموعوں پر مشتمل ہے۔ آخری مجموعے ''معراج'' میں سنتالیس شعروں کا ایک خوب صورت قصیدہ اپنے شگفتہ و رواں اسلوب کے ساتھ ان کی عقیدتوں کا مظہر ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

میں سراپا خطا و فسق و فجور　　معصیت کو شیوں کے نشے میں چور (۲۰۴)

اعظم چشتی کا یہ قصیدہ انکسار و عقیدت کا مرقع ہے۔ تشبیب کے تیرہ اشعار میں نفی ذات کا بیان موجود ہے۔ انھوں نے اپنی کم مائیگی اور لغزشوں کا برملا اعتراف کیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنی کم عملی، فن شعر اور اسلوب بیان کے بارے میں بھی عجز کا اظہار کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی مقام رسول کریمؐ کے حوالے سے سوچتا ہے تو اُس کے لیے اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ پھر جناب رسول کریمؐ کے شایانِ شان زبان و بیان کا حق ادا کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔ اس لیے اعتراف عجز کے بغیر چارہ نہیں۔ یہاں شاعر کا شعری اسلوب شستہ اور شگفتہ ہے اور طرز تخاطب میں انھوں نے ادب و احترام کے لیے ''آپؐ'' اور ''وہ'' کے صیغے استعمال کیے ہیں۔ اُن کا یہ قصیدہ عشق و وارفتگی کے جذبات سے بھی مملو ہے مگر یہ ایسی بارگاہِ ادب ہے جہاں سرِ تسلیم خم کرنے ہی میں سعادت ہے اور نجات ہے۔ تشبیب سے چند اشعار دیکھیے:

بے عمل، بے شعور، ناکارہ　　بے کمالی میں دُور تک مشہور
میں کہ ناواقفِ سلوکِ ادب　　میں کہ بیگانۂ شرابِ شعور
بے بضاعت، فقیر، ہیچ مداں　　علم و عرفان و آگہی سے دُور
نہ رہ و رسم شاعری معلوم　　نہ زبان و ادب پہ مجھ کو عبور
میں اور اوصافِ خواجۂ گیہاں　　میں اور اندازۂ کمالِ حضورؐ (۲۰۵)

اس قصیدے میں فنی پختگی اور مضامین میں ہم آہنگی کا بھرپور اہتمام ملتا ہے۔ تشبیب میں شاعر نے اپنی ذات کی نفی کی ہے اور مدح میں آنحضرتؐ کی عظمت و رفعت کو اُجاگر کیا ہے۔ تشبیب و مدح کے مضامین باہم مربوط ہیں۔ گریز موزوں، یک رنگ اور ہموار ہے۔ دعا میں آنحضرتؐ کی قربت طلب کی گئی ہے۔ یہ حصہ داخلی کیفیات پر مبنی ہے۔ اُن کے اسلوب میں غزل کا سوز و گداز موجود ہے۔ انھوں

نے آپؐ کے مقام و مرتبے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلوب میں پاکیزگی اور احترام کی فضا قائم کی ہے۔ اُن کے شعری اسلوب کے بارے میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

''ان کی نعت میں کلاسیکی غزل کی سی کیفیت ہے۔ ظاہر ہے ان کا مرکز محبت وعقیدت حضور سرورِ کائناتؐ ہیں۔ اس غزل کی کیفیات میں جب ساتھ ہی عقیدت اور پرستش کے جذبات گھل جاتے ہیں تو ان کے ہاں دل پذیر معیار کا نعتیہ شعر تخلیق ہوتا ہے۔''(۲۰۶)

مدح میں شاعر نے آنحضرتؐ کا تعارف پیش کرتے ہوئے آپؐ کے فضائل بیان کیے ہیں۔ اس کے بعد عظمت کے مزید حوالے جیسے تصرف، وجہ تخلیق، عطا و سخا، حسن و جمال اور واقف اسرار کو موضوع بنایا گیا ہے۔ یہ اشعار مضمون آفرینی اور جدت ادا کے حامل ہیں۔ انھوں نے تخیل سے بھی کام لیا ہے لیکن حقیقت نگاری کا رنگ غالب ہے۔ پورا قصیدہ شرعی حدود کا تابع ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ کہ ہیں آرزوئے مشتاقاں وہ کہ ہیں چارۂ دلِ مہجور
وہ کہ ہیں نورِ دیدۂ افلاک وہ کہ ہیں راحتِ قلوب و صدور
حسن ہے جن کا مہبط انوار نطق ہے ترجمانِ ربِ غفور
لوح محفوظ جن کی پیشانی سب کی تقدیر ہے جہاں مسطور
ہر ادا جن کی آیۂ قرآں ہر صدا جن کی زیست کا دستور
بزم امکاں میں جن کے دم سے فروغ جن کی طلعت سے مستنیر دہور(۲۰۷)

عہد جدید کے نعتیہ قصائد میں اعظم چشتی کا یہ قصیدہ جذبات عقیدت، شگفتہ و منزہ اسلوب اور صفائی زبان کے اعتبار سے منفرد مقام کا حامل ہے۔ انھوں نے اپنے والہانہ پن سے نعتیہ قصیدہ نگاری میں عمدہ اضافہ کیا ہے۔

24-اثر زبیری، لکھنوی: (م: ۱۹۹۴ء)

اثر زبیری لکھنو کے رہنے والے ہیں۔ کچھ عرصہ کان پور بھی رہے۔ پھر کراچی آ گئے اور یہیں ۱۹۹۴ء میں وفات پائی۔(۲۰۸) وہ قادر الکلام شاعر ہیں۔ انھوں نے ''سحر البیان'' کے نام سے قرآن پاک کا منظوم ترجمہ کیا۔(۲۰۹)

اُن کے نعتیہ مجموعے ''سلسبیل'' میں ننانوے اشعار کا خطابیہ قصیدہ موجود ہے۔ یہ قصیدہ

اثر زبیری کے تاریخی شعور، تبحر علمی، روحِ عصر سے واقفیت، پُرشکوہ اور جاندار اسلوب، جذبۂ عشقِ رسولؐ اور حفظ مراتب کا غماز ہے۔ انھوں نے مدح کے حوالے سے جناب رسول کریمؐ کے ذاتی فضائل اور سیرت طیبہ کے آفاقی پہلوؤں کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس کے علاوہ سراپا مبارک کی جھلک بھی شاعر کے ہاں مل جاتی ہیں۔ انھوں نے آنحضرتؐ کے لیے جو تراکیب استعمال کی ہیں اُن میں ندرت فکر کا عنصر نمایاں ہے۔ اُن کے خیالات میں ایک شان اور ارفعیت نظر آتی ہے۔ اُن کے شعری اسلوب کو اسلوب جلیل قرار دیا جاسکتا ہے۔ تازگی فکر اور ندرت ادا کے حامل چند اشعار دیکھیے :

اے گل کدۂ دینِ براہیم کی نکہت　　اے میکدۂ حلم کی تصویر متمم
اے رحمت درگاہِ الٰہی کے پیامی　　اے رحمتِ جاں باعث تکوین دو عالم
اے افسر و اورنگ رسالت کے مزین　　اے سلسلۂ رشد و ہدایات کے خاتم
پیشانی انور کے پسینے کا بیاں کیا　　شرمندہ ہوئی جاتی ہے فردوس کی شبنم
محشر ترے اعجاز شفاعت کا محدث　　کوثر ترے اعزاز شہادت سے مکرم (۲۱۰)

اثر زبیری نے اپنے قصیدے کو تلمیحات سے مزین کیا ہے۔ یہ تلمیحات اسلامی تاریخ کے حقائق سے پردہ اٹھاتی نظر آتی ہیں۔ انھوں نے اسلامی تاریخ کے مطالعے کو ادائے مضامین میں برت کر قصیدے کے علمی شکوہ میں اضافہ کیا ہے۔ مثالیں دیکھیے :

تیرے ہی منادی لب داوٗدؑ و سلیماںؑ　　تیرے ہی مبشر ہیں لبِ عیسیٰؑ مریمؑ
قائل ہے ہر اک تیرے علوِ نسبی کا　　نجراں ہوں کہ قحطان، تمیمی ہوں کہ جرہم
کھانے میں ترے زہر ملایا تھا جنھوں نے　　شہد اُن کو عنایت کیا تو نے عوضِ سم
فریاد ہے اے چارہ گرِ اُمتِ عاصی　　درکار ہے زخم دلِ بیمار کو مرہم
تاراج ہے اب مسندِ دہلی و بخارا　　برباد ہے معمورۂ صقلیہ و دیلم
معمورۂ مسلم میں مثنیٰؓ ہیں نہ خالدؓ　　کون اُٹھ کے کرے مجمع اغیار کو برہم (۲۱۱)

انھوں نے مطلع ثانی کے بعد اُمت مسلمہ کے زوال کے اسباب کا بنظر عمیق جائزہ لیا ہے۔ اُن کے نزدیک مسلمانوں کی ذلت ورسوائی کا باعث، اسلاف کی پیروی سے انحراف ہے۔ صولت صدیقؓ، شکوت فاروقؓ، تورع عثمانؓ اور فقر و استغنائے علیؓ کا قوم سے رخصت ہو جانا ایک المیہ ہے۔ زوال کی دوسری بڑی وجہ کردار سے محرومی ہے۔ مسلمان گفتار کے غازی بن کر رہ گئے ہیں جب کہ اُن کی زندگی حسن عمل سے خالی ہے۔ ہم نے رسول کریمؐ کی غلامی و اطاعت سے منھ موڑا تو مغرب کی غلامی میں

جا پڑے۔ آخر میں تینتیس شعروں کا ایک دعائیہ قطعہ ہے جس میں مسلمانوں کے عروج کی تمنا کی گئی ہے۔ استغاثہ کے چند اشعار دیکھیے جو شاعر کے عصری شعور کے غماز ہیں:

شاداں ہیں نہ اب ترک، نہ تاتار ہیں خرم — شانِ عربی ہے نہ شکوہِ حلبی ہے
تمکین خلافت سے کبھی تھے جو مکرم — کشکول گدائی لیے پھرتے ہیں وہ ہر سُو
مُلّا کی جبیں پیشِ خدایانِ جہاں خم — رہبانیت اس دور میں صوفی کا وتیرہ
واعظ چہ کند راز درونست نہ گویم (۲۱۲) — نقاشِ معاصی شدہ موسوم بہ شاعر

اثر زبیری کا بلند بانگ لہجہ، لفظی شان وشوکت اور قادرالکلامی قصیدے کے شکوہ کی ضامن ہے جس میں انھوں نے آفاقی مضامین مدحت، حفظ مراتب کی پاسداری اور تاریخی وعصری شعور سے قصیدے کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ انھوں نے حمد، نعت اور منقبت کے مضامین ہر تعصب سے پاک ہوکر رقم کیے ہیں۔ اُن کی امت کے لیے دردمندی اور تشویش خلوص وسچائی کی مظہر ہے۔

25-خالد بزمی: (م:۱۳، جولائی، ۱۹۹۹ء)

پروفیسر محمد یونس ادبی دنیا میں خالد بزمی کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ شیخ عبدالعزیز کے ہاں امرتسر میں ۱۲ مارچ ۱۹۳۲ء کو پیدا ہوئے۔ وہ ایم اے او کالج لاہور سے صدر شعبہ عربی کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ اُن کی وفات ۱۳، جولائی ۱۹۹۹ء کو لاہور میں ہوئی اور وہ میانی صاحب قبرستان میں دفن ہیں۔ (۲۱۳)

خالد بزمی کے نعتیہ مجموعے ''سنہری جالیوں کے سامنے''، ''نسیم حجاز'' اور ''سید سادات'' اشاعت سے ہم کنار ہو چکے ہیں۔ ''سید ساداتؐ'' میں سو اشعار کا ایک مدحیہ قصیدہ موجود ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

وہ رہبر کونین، وہ دارین کے مختار (۲۱۴) — وہ سیدؐ سادات، وہ اللہ کے دل دار

یہ قصیدہ سادہ اور بیانیہ اسلوب کا حامل ہے۔ قصیدے میں لفظی شکوہ، زبان وبیان کی چاشنی، بلند فکری اور نازک خیالی کے عناصر غالب ہیں۔ انھوں نے تلمیحات کے ذریعے علمی شکوہ اور کیف پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مضامین سیرت النبیؐ سے ماخوذ ہیں۔ بعثت سے قبل عرب معاشرے میں پائے جانے والے ظلم وستم، کفروالحاد اور معاشرتی خرافات کا ذکر کرکے انھوں نے آنحضرتؐ کے تعلیم، تہذیب، عدل، اخلاق، ایثار اور مساوات کے میدان میں انقلاب کو توجہ کا مرکز ٹھہرایا ہے۔ اس کے

علاوہ آنحضرتؐ کے ذاتی اوصاف، فضائل، رسالت، ختم نبوت اور صحابہ کرامؓ کے فدائی جذبے کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے مسلمانوں کی موجودہ زبوں حالی میں مدد طلب کی گئی ہے:

جو ختم رسل اور شناسائے سبل ہیں جن پر ہیں عیاں ارض و سماوات کے اسرار
وہ جن کے غلاموں کے غلاموں میں ہیں شامل قیصر ہو وہ کسریٰ ہو، فریدوں ہو کہ قاچار
آپؐ آئے تو ہر سمت تھی اصنام پرستی آپؐ آئے تو ہر سمت جہالت کا تھا پرچار
کچھ لوگ کہانت کے لبادے میں لیے تھے خود ساختہ اعمال و خرافات کا طومار
وہ نائلہ ہو، لات ہو، عزیٰ ہو، ہبل ہو پتھر کے صنم سہ نہ سکے آپؐ کا اک وار(۲۱۵)

اس قصیدے میں قبل از اسلام کی تاریخ اور اسلامی انقلاب کے ارتقا کی داستان معلوماتی انداز میں بیان کردی گئی ہے۔ قصیدے میں علمی شکوہ موجود ہے۔ خالد بزمی کا تاریخ اسلام کا وسیع مطالعہ اشعار کے مضامین سے واضح ہے۔ شاعر نے بلاشبہ عقیدت اور شیفتگی کے حامل اشعار بھی کہے ہیں لیکن مجموعی تاثر یہی ابھرتا ہے کہ وہ شعریت اور اسلوب میں شگفتگی کا عنصر پیدا نہیں کر سکے۔ پورے قصیدے میں چاشنی کا عنصر مفقود ہے۔ کیف آور فضا کی کمی کا احساس اُجاگر ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ مدح سے مناجات الٰہی کی طرف رجوع کرتے ہوئے انھوں نے شاعرانہ مہارت نہیں دکھائی۔ یہاں مضمون بے ربط ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ بہرحال خالد بزمی نے اپنی عقیدت کا اظہار سیرت طیبہ کے مضامین کی صورت میں کیا ہے۔

26-فدا خالدی دہلوی: (م: ۲ مارچ، ۲۰۰۱ء)

فدا خالدی کراچی یونی ورسٹی کے استاد اور رباعی گو کی حیثیت سے معروف ہیں۔ اُن کا اصل نام عبدالحمید ہے۔ انھوں نے بیخود دہلوی سے اصلاح لی۔ وہ ۱۰، اپریل ۱۹۲۰ء کو دہلی میں امداد علی خالدی کے گھر پیدا ہوئے۔ اُن کے شعری مجموعوں میں ''گل کدہ، پیمانۂ سفر، آتش جذبات، آتش خوابیدہ، آتش احساس'' شامل ہیں۔ اُن کا نعتیہ مجموعہ ''م ص'' ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ انھوں نے ۲، مارچ ۲۰۰۱ء کو کراچی میں وفات پائی۔(۲۱۶)

اُن کے نعتیہ مجموعے میں بیالیس اشعار کا ایک قصیدہ عرب معاشرے کی جہالت سے روشنی تک کے سفر کی داستان بیان کرتا نظر آتا ہے۔ اس کا مطلع ملاحظہ ہو:

ابتر تھی فضا تیرگی جہل تھی چھائی ناواقف اسرار محبت تھی خدائی(۲۱۷)

فداؔ کے قصیدے میں روانی کا عنصر موجود ہے۔خوب صورت عربی فارسی تراکیب قصیدے کے لفظی اسلوب کو متانت ووقار بخشتی نظر آتی ہیں۔انھوں نے عام بول چال کے محاوروں کو خوب صورتی سے برتا ہے۔اسلامی تاریخ کی جزئیات کو انھوں نے باریک نظری سے دیکھا ہے اور پُر تاثیر انداز میں پیش کیا ہے۔قصیدے کے تمام اجزا باہمی طور پر مربوط ہیں۔آغاز سے آخر تک قصیدے کی فکری وحدت برقرار رہتی ہے۔تشبیب کا موضوع قبل از اسلام کی معاشرتی ابتری اور جہالت ہے۔عرب قبائل میں بغض وعناد، تکبر، نخوت، دختر کشی، شراب نوشی، جوا، سود خوری، بت پرستی، ظلم و جور اور غلاموں کو اذیت دینے جیسی برائیاں عام تھیں۔فداؔ نے مذکورہ صورتِ حال کا مؤثر نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

دھبے تھے کدورت کے ہر آئنہ دل پر — دشوار نظر آتی تھی باطن کی صفائی
دختر کو دبا آتے تھے زندہ ہی زمیں میں — نادان سمجھتے تھے برائی کو بھلائی
وہ اپنا مدد گار سمجھتے تھے بتوں کو — انسانوں کے ذہنوں پہ تھی پتھر کی خدائی
ناواقف آداب تمدن تھا ہر اک دل — جائز تھی انھیں لوٹ، جوا ، سود گدائی
دیتے تھے عجب طرح غلاموں کو اذیت — حق بات کوئی کہہ دے تو مرتا تھا بن آئی
تھا فخر رعونت پہ انھیں ناز بدی پر — بگڑی جو کہیں بات تو تلوار اُٹھائی (۲۱۸)

27- سید نظر زیدی: (م: ۲۱ جون، ۲۰۰۲ء)

سید نظر حسین زیدی معروف ادیب، شاعر، اسلامی اسکالر اور صحافی ہیں۔وہ ۷ اپریل ۱۹۱۷ء کو بجنور کے علاقے موضع کلیہڑی میں سید شمشیر علی کے ہاں پیدا ہوئے۔(۲۱۹) تاجور نجیب آبادی کے شاگرد ہیں۔صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی سے نوازے گئے۔اُنھوں نے بچوں کے ادب پر اکسٹھ کتابیں لکھیں جن میں دس ناول بھی شامل ہیں۔اُن کا نعتیہ مجموعہ ''نور علیٰ نور'' ہے۔انھوں نے ۲۱ جون ۲۰۰۲ء کو لاہور میں وفات پائی۔(۲۲۰)

سید نظر زیدی کے ہاں قصیدہ نگاری کا گہرا شعور ملتا ہے۔انھیں زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔اُن کا انتخاب مضامین شاندار ہے۔تشبیب میں آنحضرتؐ کی بارگاہِ خاص کا تعارف کرایا گیا ہے جو مدح کی تمہید ہے لیکن یہ تمہید بھی آپؐ کی عظمت و رفعت کی آئنہ دار ہونے کی وجہ سے مدح ہی کی ایک صورت ہے۔شاعر کا احساس، اس کا ادراک اور ایقان آپؐ کی فضیلتوں کے بحرِ بے کراں میں غوطہ زن نظر آتا ہے۔اُن کا اسلوب باغ و بہار ہے۔طرزِ ادا کی لطافت، تلمیحات کا حسن اور تقابل کی شگفتگی اور

خودسپردگی کے جذبے نے قصیدے کو جاذبیت اور چاشنی بخشی ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

تہذیب و ادب فرض ہے اے کلک گہربار ہے پیش نظر آج مرے مطلع انوار(۲۲۱)

پینتالیس اشعار کا یہ قصیدہ چار حصوں پر مشتمل ہے۔ تشبیب میں آنحضرتؐ کی ذاتِ بابرکات کا تعارف کراتے ہوئے آپؐ کو وجہ تخلیق کائنات، شریک غم کونین، خلق وحلم کا پیکر، بے کس ومظلوم کا سہارااور سید کونین قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ کی نورانیت، عظمت اور یکتائے جہاں ہونے کے مضامین بھی اس تمہیدی بیان میں شامل ہیں، مثالیں دیکھیے:

اس بارگہ خاص میں ہوتا ہوں نوا سنج جبریل جہاں کر نہ سکے وا لب گفتار
جو آیۂ انجیل کی مانند منزہ جو مصحف قرآں کی طرح منبع انوار
دربان بنے جس کے کئی قیصر و فغفور ہیں جس کے غلاموں میں بہت بابر و قاچار
یکتائے جہاں خواجگی و کج کلہی میں اور پھر بھی نگاہوں میں غریبوں کا سا ایثار(۲۲۲)

شاعر کا یہ قصیدہ عشق، عقیدت اور عجز کے جذبات میں ڈھلا ہوا ہے۔ شاعر کو اپنی کم مائیگی کا بھرپور احساس ہے۔ وہ خود کو جناب رسولِ کریمؐ کی مدح کے قابل نہیں سمجھتا مگر انھوں نے عشق ووارفتگی کے ہاتھوں مجبور ہو کر جذبوں کو شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔ قصیدہ لکھنے کی ایک وجہ وفورِ عشق ہے تو دوسری وجہ آپؐ کے کردار کی عظمت ہے جس نے شاعر کو سلاطین دنیا کی مدح سرائی سے باز رکھا۔ اسی دوسرے حصے میں گریز کے اشعار بھی شامل ہیں۔ گریز میں شاعر کی مہارت شعری نظر آتی ہے۔ یہاں اظہار عجز وانکسار اور قصیدے کے جواز میں کہے گئے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ممدوح کی عظمت کا تقاضا تو یہی ہے مداح بھی ہو ملک معانی کا سپہ دار
لیکن یہ عقیدت بھی عجب شے ہے کہ اکثر مفلس کو بنا دیتی ہے یوسف کا خریدار
اک ایسا ہی بے چارہ و وارفتہ ہوں میں بھی ادراک سے ہے رشتہ نہ کچھ قوتِ اظہار
اک ذرۂ ناچیز ہوں، اک نقطۂ بے روح شاید ہی ملے مجھ سا کوئی بے کس و لاچار
پروانہ ہے مہتاب کی قندیل کا جویا مفلس ہے اک، اقلیم سلیمانؑ کا طلب گار(۲۲۳)

مدح کے مضامین حقیقی اور آفاقی نوعیت کے ہیں۔ آپؐ کے دربار کو غلاموں کی پناہ گاہ کہا گیا ہے۔ آپؐ نے عربی وعجمی کے فرق کو مٹایا۔ نسل پرستی کا خاتمہ کیا، آقا وغلام کی تخصیص ختم کی۔ بڑائی کا معیار تقویٰ کو ٹھہرایا اور انسان کے اطوار کو تہذیب کے سانچے میں ڈھالا۔ قصیدے کی خاص بات پُرشکوہ اور پُرجوش اندازِ بیاں ہے اور مدح کی خاص بات عقیدت اور والہانہ پن ہے۔ کہیں کوئی ایسا مضمون

دیکھنے میں نہیں آیا کہ جس سے حفظ مراتب پر حرف آئے۔ مدح میں اگر کچھ نظر آتا ہے تو وہ ہے سیرت النبیؐ کا تذکرۂ جمیل، حضور اکرمؐ کی عظمت کے درخشندہ حوالے یا شاعر کا جذبہ عشق۔ چند اشعار اس حوالے سے ملاحظہ ہوں:

باقی نہ رہا فرق عرب اور عجم کا	اک راہ سے گزرے ہیں یہاں بربرو تاتار
اترا ہے امارت کا نشہ آپؐ کے صدقے	ٹوٹا ہے یہیں نسل کے اصنام کا پندار
ہم سر کیا بوذرؓ کا بلال حبشیؓ کو	بوجہل سے افضل ہوئے سلمانؓ خوش اطوار
کسریٰ کی جبیں پر ہے یہاں عرقِ ندامت	قیصر کی جبیں غرۂ شاہی سے گراں بار
انصاف سے دیکھیں تو ہوئی آپ کے ہاتھوں	انساں کی جبیں پر تو تہذیب سے گلنار(۲۲۴)

حُسن طلب میں شاعر نے آنحضرتؐ کے حضور امت مسلمہ کی موجودہ صورتِ حال کی تصویر پُرسوز اور پُر درد انداز میں پیش کی ہے۔ شاعر کے نزدیک مسلمان قوم کا آئنہ افکار دھندلا گیا ہے اور وہ تعصّبات کا شکار ہوکر اپنی ملی وحدت کو پارہ پارہ کر چکی ہے۔ طاغوتی طاقتیں مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہی ہیں جس پر مسجد اقصیٰ اور بابری مسجد کے منارے آج بھی نوحہ کناں ہیں۔ اس کے علاوہ شاعر نے کشمیر اور بوسینیا کے مسلمانوں کی حالت زار کو بیان کیا ہے اور امت مسلمہ کی دریوزہ گری کا ذکر کیا ہے۔ آخر میں سید کونین جناب رسول کریمؐ سے چارہ گری کی دعا کی ہے۔ اس استغاثے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہر کام سے، ہر بات سے یوں لگتا ہے گویا	دھندلا گیا اس قوم کا آئنہ افکار
اس دور میں برباد ہوئے کتنے ہی بغداد	اٹھا ہے بہ اندازِ دگر فتنۂ تاتار
شرماتے نہیں کفر کی دریوزہ گری سے	بے فکر ہیں گو رہن پڑے ہیں در و دیوار
فریاد کناں بابری مسجد کے منارے	باقی نہ رہے مسجد اقصیٰ کے نگہ دار
پھر چارہ گری کیجیے یا سیدِ کونینؐ!	اس قوم سے ٹل جائے کسی طور یہ ادبار(۲۲۵)

نظر زیدی کا یہ قصیدہ کئی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے مضامین آفاقی ہیں۔ اس کا اسلوب پُرشکوہ، مرصع اور جاذبیت سے مملو ہے۔ خودسپردگی اور وفور عشق کے جذبات اوج پر ہیں۔ حفظ مراتب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ادب واحترام کے تقاضے پورے کیے گئے ہیں۔ عصری حقیقتوں کی ترجمانی کی گئی ہے اور باغِ اُمت کی شادابی کی تمنا کی گئی ہے جس سے شاعر کی اجتماعی فکر اور انسان دوستی کا پتا چلتا ہے۔ یہ قصیدہ عہد جدید میں قصیدہ نگاری کی روایت کو مضبوط بنانے کے تمام لوازمات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

28- نعیم صدیقی: (م: ۲۵ ستمبر ۲۰۰۲ء)

نعیم صدیقی کا اصل نام فضل الرحمٰن ہے۔ وہ ایک شاعر ہی نہیں بل کہ ممتاز عالم دین، مصنف اور صحافی کی حیثیت سے بھی اچھی شہرت رکھتے ہیں۔ وہ جماعت اسلامی کے بانی رکن اور مولانا مودودی کے قریبی ساتھیوں میں سے ہیں۔ وہ ۴، جون ۱۹۱۶ء کو چکوال میں قاضی سراج الدین کے ہاں پیدا ہوئے۔ شاعری میں اُن کا نعتیہ مجموعہ ''نور کی ندیاں رواں'' ۱۹۸۶ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اُن کی دیگر کتابوں میں ''رسول اور سنتِ رسولؐ'' اور سیرت پر ''محسنِ انسانیت'' قابلِ ذکر ہیں۔ وہ ماہنامہ سیارہ اور ترجمان القرآن لاہور کے مدیر بھی رہے۔ ۲۵ ستمبر ۲۰۰۲ء کو اُن کی وفات لاہور میں ہوئی۔ (۲۲۶)

''نور کی ندیاں رواں'' میں بیالیس شعروں کا ایک مدحیہ قصیدہ موجود ہے۔ یہ قصیدہ زبان و بیان کی چند خوبیوں سے مرصع ہونے کے علاوہ سیرت النبیؐ کے مختلف پہلوؤں سے عبارت ہے۔ نعیم صدیقی نے ترقی پسند تحریک کے عروج کے دنوں میں نعت گوئی کے فروغ کے لیے اپنی توانائیاں صرف کیں اور نعت کو عاشقانہ پیرایۂ اظہار سے نکال کر مقصدیت کی طرف گامزن کیا۔ وہ نعت میں ایسے موضوعات کے حامی نظر آتے ہیں جو اسلام اور صاحبِ اسلام کی سچی تصویر کا عکس پیش کریں۔ مثالیں دیکھیے:

ایمان کا سرچشمہ ہے تو، صدق کا پیکر ہر سحر کا ہے توڑ تو، ہر کذب کا ہے رد
انصاف طریقہ ترا، بے لاگ لگاؤ حق گوئی ہے شیوہ ترا، بے کینہ و بے کد
ہے فقر خزانہ ترا، دعوت ترا پرچم تلوار شجاعت ہے، نبوت تری مسند (۲۲۷)

وہ نعت کے اولین ناقدین میں سے ایک ہیں۔ وہ نعت کو شرک اور مبالغے سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے ہاں حقیقت نگاری کا رنگ غالب ہے۔ وہ نعت کو فلمی گانوں اور غزلوں کے رنگ سے دور رکھنے کے خواہاں ہیں۔ جو اصول انھوں نے نعت گوئی کے لیے وضع کیے ہیں وہ دل جمعی سے اُن پر کاربند بھی رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی غفلت شعاری اور بے عملی سے اچھی طرح آگاہ ہیں۔ وہ اپنی ذات کے حوالے سے نعت گو شعرا اور مسلمانوں کی بے عملی پر تنقید کرتے ہوئے آنحضرتؐ سے یوں مخاطب ہیں:

مداح ترے ہم ہیں مگر تارکِ طاعت ناکارہ ملازم کا طریقہ ہے خوشامد
ظاہر کا غلو تیری محبت میں جب آیا دل تیری ہدایت سے ہوئے اور بھی ابعد (۲۲۸)

نعیم صدیقی عشقِ رسولؐ کے بغیر زندگی کو بے معنی سمجھتے ہیں۔ اُن کی نعت گوئی میں جذبۂ عشق

کا اظہار عروج پر ہے۔ وہ آنحضرتؐ کی محبت کو پاکیزہ قرار دیتے ہیں اور اس متاع گراں پر ہر شے قربان کرنے کو تیار نظر آتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اہلِ عشق ہی میدانِ عمل میں کامیاب ہیں۔ فلسفۂ معراج کے بارے میں اُنھوں نے کمال نکتہ اٹھایا ہے کہ یہ صرف عشق والوں کو سمجھ میں آتا ہے۔ وفورِ عشق کے حامل یہ اشعار دیکھیے:

قربان تری پاک محبت پہ ہے صد بار حُبِ پسر و دخت و اخ و اخت و اب و جد
اک گردشِ پرکار ہوئی قسمت عشاق اس گردشِ پرکار کا مرکز ترا مرقد
شیدائی ترا اٹھے گا با رُوئے منور آئے گا معاند ترا با وجہِ مسوّد(۲۲۹)

مختصر طور پر نعیم صدیقی کا یہ قصیدہ عشق و وارفتگی، سیرت طیبہ، مسلمانوں کی غفلت شعاری اور آنحضرتؐ کے ذاتی اوصاف پر مبنی ہے جس میں صنعت جمع، تکرار، تضاد اور عمدہ تشبیہات کا استعمال اس کی تاثیر کو دو چند کرتا نظر آتا ہے۔

29- حفیظ تائب: (م: ۱۳ جون ۲۰۰۴ء)

پروفیسر عبدالحفیظ اردو پنجابی نعت گوئی کا معروف نام ہیں۔ ادبی دنیا انھیں حفیظ تائب کے نام سے جانتی ہے۔ وہ ۱۴ فروری ۱۹۳۱ء کو اپنے ننھیال (پشاور) میں پیدا ہوئے۔ بچپن احمد نگر ضلع گوجرانوالہ میں گزرا۔ اوری اینٹل کالج لاہور کے شعبہ پنجابی میں ۱۹۷۶ء سے ۲۰۰۳ء تک درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ اُن کی وفات ۱۳ جون ۲۰۰۴ء کو لاہور میں ہوئی۔ (۲۳۰)

حفیظ تائب جدید نعت کا ایک معتبر حوالہ ہے۔ انھوں نے نعت کو عہد موجود کے تقاضوں سے آشنا کیا ہے۔ اُن کے کلیات میں انچاس اشعار کا نعتیہ قصیدہ ''آیۂ نور'' ہے جس میں نو اشعار کی غزل بھی ہے جو اُن کی قادر الکلامی کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ قصیدے کا مطلع کچھ یوں ہے:

جب کیا میں نے قصد نعتِ حضورؐ ہوئے یکجا شعور و تحتِ شعور(۲۳۱)

اس قصیدے میں حفیظ تائب کا جذبۂ فدایت، عجز وانکسار پر مبنی پُر ادب لہجہ، آبِ عقیدت میں ڈھلے سیرت النبیؐ کے روشن حوالے پوری فضا کو منزہ بناتے نظر آتے ہیں۔ عہد موجود میں نعت گوئی اسلام کے پرچار کے ذریعے کے طور پر شعرا کی توجہ مبذول کرنے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ موصوف اس رجحان کے فروغ میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے آنحضرتؐ کی ذات اور سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا ہے جس کی جھلک اُن کے کلام میں نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔

حفیظ تائب کا شعری اسلوب مبالغہ کے خارزار سے دامن بچا کر حقیقت نگاری کی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔انھوں نے محض الفاظ اور طرز بیان میں ہی حقیقت نگاری سے کام نہیں لیا بل کہ مضامین کے انتخاب میں بھی سیرت طیبہ کی حقیقی روح کا خاص خیال رکھا ہے۔اپنے شعری اسلوب میں انھوں نے جوش اور زور بیان سے زیادہ دھیما مگر سنجیدہ اور پُر وقار لہجہ اختیار کیا ہے۔چند اشعار دیکھیے :

زہے اکرام رحمتِ عالمؐ محترم ہو گئے جو تھے مقہور
اُمّیِ نکتہ داں کی حکمت سے حل ہوئے سب مسائل جمہور
آیۂ نور چہرۂ روشن کیوں نہ تابندہ ہو شبِ دیجور
محور و منتہائے فکر و نظر چارہ فرمائے خاطرِ مہجور
راحت و اعتبار دیدۂ تر عظمت و اختیار ہر مجبور(۲۳۲)

اس قصیدے میں ایک غزل بھی شامل ہے اس کا اسلوب بھی مدح کی طرح سادہ، متین اور شگفتہ ہے۔اس میں شاعر نے اپنی داخلی کیفیات کے اظہار کو جگہ دی ہے۔ان میں دوری ومہجوری کا احساس موجود ہے جس سے المیہ تاثر اُبھرتا دکھائی دیتا ہے۔مثال میں یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

جی رہا ہوں میں اس دیار سے دُور چارہ جُو جیسے چارہ کار سے دُور
اک بگولا ہوں دشتِ غربت میں قریۂ راحت و قرار سے دُور
اک گل حیرت و ملال ہوں میں مسکرایا ہوں شاخسار سے دُور
تیر کھایا ہوا غزال ہوں میں غم گساران جانثار سے دُور
گم ہوں یادِ حبیبؐ میں تائب! فکر فردا کے خلفشار سے دُور(۲۳۳)

اس قصیدے کے چاروں عناصر اپنے پورے ارتباط اور توانائی کے ساتھ موجود ہیں۔تشبیب میں شاعر نے صیغۂ غائب کا استعمال کرتے ہوئے آنحضرتؐ کا تعارف پیش کیا ہے جو آپؐ کے فضائل اور ذاتی اوصاف کو اُجاگر کرتا ہے۔مذکورہ محاسن کے بیان کے لیے شاعر نے ''وہ'' اور ''جس'' کی ضمیروں کا استعمال کیا ہے۔تشبیب میں آپؐ کی آمد کی بشارتوں کا ذکر ہے جو انبیائے کرام نے سنائیں اور دین اسلام کی کامرانی کا تذکرہ ہے اور انسانیت پر آپؐ کے احسانات کا بیان شامل ہے۔ان اشعار میں عجز اور عقیدت کی آمیزش نظر آتی ہے۔شگفتگی وشیفتگی کے حامل درج ذیل اشعار دیکھیے :

وہ کہ ہے مظہر دعائے خلیلؑ ذکر جس کا ہے جا بجا مسطور
دی بشارت مسیحؑ نے جس کی لے کے آیا جو آخری منشور

نطق جس کا حیات کا دستور زندگی جس کی ہے منارۂ نور
حسن سے جس کے کائنات حسیں خلق سے جس کے خلق ہے مسحور
وہ کہ ہے سوز و ساز نبضِ حیات وہ کہ ہے غایت سنین و شہور
وہ کہ ہے دولتِ دلِ مفلس وہ کہ ہے زور بازوئے مزدور(۲۳۴)

حفیظ تائب نے قصیدے کے سبھی مرحلے خوش اسلوبی سے طے کیے ہیں۔سادہ اسلوب میں دل کشی اور جاذبیت کا عنصر موجود ہے۔انھوں نے توحید ورسالتؐ کے تقاضوں کا برابر لحاظ رکھا ہے اور دعا میں اللہ رب العزت سے خطاب کیا ہے۔قصیدے کا گریز موزوں ہے۔مضامین نعت آفاقیت کے حامل ہیں۔داخلی جذبوں کا سوز بھی موجود ہے۔الغرض اس قصیدے میں فکری وفنی حوالے سے اہلِ قلب ونظر کے ذوق کی تسکین کے سارے سامان موجود ہیں۔

30- علیم ناصری: (م:۳۱،دسمبر۲۰۰۵ء)

ممتاز اردو شاعر اور ادیب علیم الدین علیم ناصری یکم ستمبر ۱۹۱۹ء سبھراؤں ضلع امرتسر میں نبی بخش کے ہاں پیدا ہوئے۔ وہ ہفت روزہ ''الاعتصام'' اور ماہنامہ ''فانوس'' لاہور کے مدیر رہے۔انھیں نعتیہ مجموعے ''طلع البدر علینا'' پر وفاقی سیرت ایوارڈ سے نوازا گیا۔انھوں نے ۳۱ دسمبر ۲۰۰۵ء کو لاہور میں وفات پائی۔(۲۳۵)

انھوں نے ''موجِ راوی'' کے عنوان سے ایک قصیدہ حمد ونعت بھی لکھا ہے۔ یہ قصیدہ موضوعاتی اعتبار سے اور اجزا کے لحاظ سے قصیدے کے معیار پر پورا اُترتا ہے مگر اس کی ہیئت محض قافیے کی پابند نہیں۔ اس قصیدے کے چار مطالع ہیں اور ہر مطلع کے بعد چھبیس اشعار نئے قافیے میں کہے گئے ہیں۔گویا اُنھوں نے شعوری طور پر قصیدے کی ہیئت میں نئے تجربے کا اہتمام کیا ہے۔ مستقبل میں شعرا اس سے نہ صرف استفادہ کر سکتے ہیں بل کہ مزید اضافے بھی کر سکتے ہیں۔قصیدے کے تجزیے سے قبل مطلع اوّل ملاحظہ ہو:

ساحلِ راوی پہ ہے شام ابد کا سکوں آبِ سبک رو میں ہے صبحِ ازل کا جنوں(۲۳۶)

پہلا حصہ جسے تشبیب کہا جا سکتا ہے ناسٹلجیائی کیفیت کا حامل ہے۔ اس میں شہر لاہور کے تاریخی آثار پُرشکوہ اسلوب میں بیان ہوئے ہیں۔موج راوی کے اس سرود پر تان سین نثار ہے، تاجور ہند کا مقبرہ عدم کے فسوں کی علامت ہے، نور جہاں کے مدفن اور بارہ دری میں غلغلہ بوم وزاغ ہے۔ بادشاہی مسجد سے اسوۂ اورنگ زیب کی یاد آج بھی تازہ ہوتی ہے، اس کے قرب میں مینار پاکستان جدو

جہد کا مظہر ہے اور شاہی قلعہ کے بروج و فصیل عظمت رفتہ کی یادگار ہیں:

تاجور ہند کا مقبرہ بے ہاو ہُو   اس کے مناروں پہ ہے جیسے عدم کا فسوں
مدفنِ نورجہاں تیرہ تر و بے چراغ   گلشن بے رنگ و بو محفل بے چند و چوں
بارہ دری کی بہار نذر خزاں ہو چکی   کوئی در و بام ہے نَے کوئی سقف و ستوں
مسجد شاہی میں ہے اب بھی وہی رنگ و نور   روح جلال و جمال، شانِ ثبات و سکوں
اب بھی ہے اس سے عیاں اسوۂ اورنگ زیب   اس کی نمازوں کا سفر، اس کا گدازِ دروں (۲۳۷)

ماضی پرستی کی یہ داستان شاعر کی داخلی صداقتوں سے جڑی ہوئی ہے۔ انھیں بادشاہی مسجد کے ساتھ مینار پاکستان تحریک آزادی کی یاد دلاتا ہے۔ چوں کہ یہ اشعار شاعر کے ذاتی تجربے سے وابستہ ہیں اس لیے ان میں گداز کی ایک خاص کیفیت موجود ہے۔ بقول شاعر:

اس کی حکایت بھی ہے جانگسل و دل گداز   غارت اموال و جاں ، آتش و دریائے خوں
ہند کی تقسیم پر وہ مرا جوش و خروش   اس کی نشانی ہے یہ اس کے سوا کیا کہوں (۲۳۸)

ایسے میں شاعر موج راوی سے وجہِ اضطراب دریافت کرتا ہے۔ موج کا مکالمہ انکشاف ذات سے مشاہدۂ کائنات کو محیط ہے۔ یہاں شاعر نے سائنس اور جغرافیے کے چند حقائق کو بھی موضوع بنایا ہے جس سے شاعر کی علمی وسعت اور قادرالکلامی ظاہر ہوتی ہے۔

تیسرے مطلع کے بعد گیارہ اشعار گریز کے ہیں۔ موجِ راوی شاعر کی توجہ دنیا کے معرکہ خیر و شر کی طرف دلاتی ہے اور انبیا کی آمد کا جواز پیش کرتی ہے۔ قوموں کے زوال کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو ابدی ہدایت نامے کے ساتھ دنیا میں مبعوث کیا جنھوں نے علم و حکمت کو عام کیا، رحمت کے دریا بہادیے، کبر و تفاخر کا خاتمہ کیا اور فریقین کو شیر و شکر کیا۔ گریز کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دیکھ یہ ارض بسیط جلوہ گہ کن فکاں   کشتِ گل و خار و خس مزرعِ سود و زیاں
معرکہ ہائے وجود حادثہ ہائے شہود   فکر و نظر ہیں نزاع ، بحث و جدل کا جہاں
مسکن انس و وحوش ، مامن مور و ملخ   صاعقہ و رجم و غرق، صرصر و سیل رواں
حق نے بالآخر کیا مہر رسالت طلوع   جس سے منور ہوئی بزم زمان و مکاں (۲۳۹)

شاعر نے موج راوی کے خطاب سے نعت کہنے کی توانائی حاصل کر کے چوتھے اور آخری مطلع سے مدح کا آغاز کیا ہے۔ مدح کے اشعار حدود شریعت کے تابع ہیں۔ ان میں مناقب خلفائے راشدین بھی شامل ہیں اور شاعر کی داخلی کیفیات بھی، علاوہ ازیں دیگر صحابۂ کرام کا ذکر بھی اس حصّے میں

موجود ہے۔آنحضرتؐ کے لیے شاعر نے مترنم اور مرصع القابات وضع کیے ہیں جو شاعر کی تازہ فکری کے عکاس ہیں۔مثالیں دیکھیے:

ابطحی و ہاشمی، شاہ زمین و زمن پاک نظر ، پاک رُو ، پاک زبان و دہن
مجمع جملہ صفات، اسم محمدؐ کریم صاحبِ خلق عظیم، ذوالکرم و ذوالمنن
مہبط وحی و کتاب منبع رشد و ہدیٰ مرجع صدق و صفا، مصدر خلق حسن
حافظ ناموسِ حق، قاطع فسق و فجور کاشف اسرار دیں، صاحبِ شرع و سنن
اس کے نقوش حیات، میری رہ مستقیم اس کے فرامین ہیں میرا سبھی علم و فن(۲۴۰)

علیم ناصری نے اپنے قصیدے میں چار مختلف قوافی استعمال کر کے اس ہیئت میں جو تجربہ کیا ہے۔ وہ کہاں تک کامیاب ہوا ہے اس کا فیصلہ تو آنے والا وقت کرے گا مگر اُن کا اسلوب متانت، سنجیدگی، وقار اور شکوہ کا حامل ہے۔اس قصیدے میں شاعر نے تکنیکی لحاظ سے جو نئے اور مختلف تجربات کیے ہیں، اس بارے میں ڈاکٹر افضال احمد انور یوں رقم طراز ہیں:

''فنی طور پر فطری مناظر کے حوالے سے جذبات کی تجسیم وغیرہ نیز ڈرامائی عناصر کے پیدا ہونے سے قصیدے کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔''(۲۴۱)

مفرس اور معرب تراکیب کا رواں اور شستہ استعمال اُن کے ہاں دیکھنے میں آیا ہے۔اُن کی لفاظی ابہام اور مشکل پسندی سے پاک ہے۔شعر کے فنی لوزامات اور شعریت کے تقاضے انھوں نے بخوبی پورے کیے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اُن کا کلام چاشنی سے مملو ہے۔تاریخی شعور، عصری آگہی، شرعی حدود کا اہتمام سیرت نگاری، مناقبِ صحابہ اور داخلی جذبوں کا گداز اُن کے قصیدے کی نمائندہ خصوصیات ہیں۔ مدح میں انھوں نے زیادہ تر حقیقت نگاری سے کام لیا ہے البتہ کہیں کہیں تخیلاتی مضامین بھی نظر نواز ہیں۔راوی کا موج سے خطاب اور موج کا شاعر سے مکالمہ اور پھر ماضی کے نقوش کی بازیافت بالترتیب اقبال کی نظم ''شمع اور شاعر'' اور ''مسجد قرطبہ'' کی یاد تازہ کرتی ہے۔انھوں نے ندرت فکر اور جدتِ ادا سے جس طرح اپنے کلام کو مرصع کیا ہے اُن کی آواز تادیر دلوں کو گرماتی رہے گی۔

31-حفیظ بنارسی: (م:۲۰۰۸ء)

محمد عبدالحفیظ ادبی دنیا میں حفیظ بنارسی کے نام سے معروف ہیں۔ وہ ۱۹۳۳ء کو قاری عبدالقیوم کے ہاں بنارس میں پیدا ہوئے۔۱۹۵۵ء میں بنارس ہندو یونی ورسٹی سے ایم اے انگریزی کی

ڈگری حاصل کی اور مختلف کالجز میں انگریزی کی تدریس سے وابستہ رہے۔(۲۴۲)

وہ ایک پُرگوشاعر ہیں۔اُن کے کلیات ''سفیر شہر دل'' میں گلدستہ دعا (۱۹۶۸ء)، درخشاں (۱۹۶۹)، بادۂ عرفان (حمدیہ ونعتیہ کلام، ۱۹۷۴)، قول وقسم (قومی نظمیں، ۱۹۷۵ء) بندۂ مومن (۱۹۸۱ء)، غزالاں (غزلیں، ۱۹۸۴ء) اور قصیدۂ نبی رحمت (۱۹۹۳ء) شامل ہیں۔

''قصیدہ نبی رحمت'' ساٹھ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کے دو مطلع ہیں۔ یہ ایک مکمل اور بھرپور قصیدہ ہے۔ پانچ اشعار کی مختصر تشبیب میں بنارس کے گدا اور طیبہ کے مسافر کی خوش بختی اور رحمت کی گھٹا چھانے کا بیان ہے۔اس کے بعد گریز کا ایک شعر ہے جو موزوں اور برمحل ہے۔آخر میں استغاثہ اور امت مسلمہ کی بحالی کی دعا مانگی گئی ہے۔تشبیب وگریز کے یہ اشعار دیکھیے:

ہے شہر بنارس کا گدا کتنا مکرم — رہتی ہے مدینے کی گلی آنکھوں میں ہر دم
طیبہ کا مسافر نہیں منت کش موسم — ہر لحہ نگاہوں میں ہے اک کیف کا عالم
دل اک شجر خشک تھا پھر ہو گیا خرم — رحمت کی گھٹا جھوم کے برسی ہے جھما جھم
لکھنی ہے اسے مدحت سرکارِ دوعالم — اشکوں سے وضو کرکے قلم ہے تر و تازہ (۲۴۳)

اُن کے قصیدے کی دو نمایاں صفات ہیں۔ ایک یہ کہ انھوں نے مضامین کے اظہار میں تازگی کا عنصر پیدا کیا ہے۔طرز ادا کا بانکپن قاری کے لیے مسرت وفرحت کا فراواں احساس لیے ہوئے ہے۔ مدح کے موضوعات میں وسعت ہے۔ انھوں نے تکرار نہیں آنے دی اور قصیدے کا زیادہ حصہ مدح کے لیے وقف کیا ہے۔آنحضرتؐ کی محبوبیت، انسانیت پر احسانات، اخلاق وکردار، صدق وصفا، اوج ورفعت، عظمت وفضائل اور معجزات کا بیان انھیں مرغوب ہے۔انھوں نے اسلوب میں لفظی جلال سے زیادہ جمال کو پیش نظر رکھا ہے۔کلام کی روانی اور لطافت سے شگفتگی کا جو احساس اجاگر ہوتا ہے اس کی مثالیں دیکھیے:

والصبح ترے عارض تاباں کی تجلی — واللیل کی تعبیر ترا گیسوئے پُر خم
شیرینی گفتار ہے فردوس کی شبنم — رعنائِ رفتار میں تسنیم کی موجیں
اے باغِ خلیلی کی بہارِ خوش و خرم — ہر قلب تپیدہ میں ترے نام سے ٹھنڈک
روشن ترے انوار سے ظلمت گہ عالم — قندیل ہدایت ترا ہر نقشِ کفِ پا
ہو عرصہ پیکار تو رشک دل ضیغم — گلزارِ محبت میں بہ رنگ گل خنداں
جس نے تجھے دعوت دی سرِ عرشِ معلیٰ — کون اس کے علاوہ ترے اعزاز کا محرم

پہچان لیا جس نے ترے دین متیں کو دنیائے دنی کا اسے جچتا نہیں چم خم(۲۴۴)

دوسرا انھوں نے اس قصیدے میں خلفائے راشدین کے مناقب بیان کیے ہیں اور وہ سب کے سب نعت کے رنگ میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ افراط وتفریط کا شائبہ تک نہیں گزرتا۔ قصیدے میں آخر تک آنحضرتؐ کا کردار ہی مرکزیت کے منبر پر فائز نظر آتا ہے۔ حضور اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کی محبت میں سر شار درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

تریاقِ لعاب دہن پاک سے تیرے بشاش ہوا چہرۂ صدیق مکرم
یہ بھی لبِ رحمت کی دعاؤں کا اثر تھا جو صاحب ایماں ہوئے فاروقِ معظم
یہ خاص شرف ان کو ترے گھر سے ملا ہے 'نورین' سے عثمانؓ ہوئے اور بھی اکرم
شبیرؓ کی سیرت میں نمایاں تری جرأت حیدر کی شجاعت میں ترا جوش، ترا دم(۲۴۵)

حفیظ بنارسی نے تلمیحات کا بھی موزوں استعمال کیا ہے۔ تاریخی وقرآنی تلمیحات اُن کے کلام کے علمی شکوہ میں اضافہ کرتی نظر آتی ہیں۔ اگرچہ آیات قرآنیہ کو اشعار میں سمونا مشکل کام ہے مگر حفیظ نے نہایت شستگی اور روانی سے اُن کے حوالے دیے ہیں۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

تو خاک نشیں، فخر ترا، تیری فقیری آگے ترے کچھ بھی نہیں اورنگِ کَے وجم
اے صاحب اوجِ ''ورفعنا لک ذکرک'' رفعت کا تری کیا کوئی اندازہ کریں ہم
یہ جلوہ گہ ارض و سما تیرے لیے ہے 'لولاک لما' ہے تری تفضیل کا پرچم
''اکملت لکم'' سے تری توقیر نمایاں رتبہ ترا ''اتممت علیکم'' سے معظم(۲۴۶)

حفیظ کا یہ قصیدہ حفظ مراتب کی پاسداری کی عمدہ مثال ہے۔ اُن کے مضامین قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں جسے انھوں نے دل کش اسلوب میں بیان کیا ہے بقول ڈاکٹر طلحہ برق رضوی:

''آیات کریمہ کے مقدس الفاظ نگینے کی طرح شعروں میں اس خوب صورتی سے جڑے ہیں کہ بے ساختہ داد نکلتی ہے۔ قصیدے کا آہنگ، بیان کا زور، تجمل کی شان اس روح وثنا کے شایان ہے جو بارگاہ نبوی کے تقدس وعظمت اور ادب کا متقاضی ہے۔''(۲۴۷)

مجموعی طور پر حفیظ کا یہ قصیدہ عشق ومحبت کے جذبات کا عکاس ہے جس میں طرز بیان کی لطافت، حفظ مراتب کا شعور، عظمت رسول کریمؐ کے مضامین اور تلمیحات کا علمی شکوہ موجود ہے۔ انھوں نے جس طرح مضامین مدح کو اپنی ندرت فکر اور جدت ادا سے تازگی عطا کی ہے یہ احساس قاری کے قلب وذہن کو سدا معطر کرتا رہے گا۔

32- جعفر بلوچ: (م: ۲۷، اگست، ۲۰۰۸ء)

غلام جعفر بلوچ ۲۷ جنوری ۱۹۴۷ء کو جنوبی پنجاب کے ایک شہر لیہ میں غلام حسین خاں کے گھر پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج آف سائنس وحدت روڈ لاہور میں اردو لیکچرار کے طور پر خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ وہ ۱۵ سال تک گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی لاہور میں بھی رہے۔ اُن کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد نو سے زیادہ ہے۔ انھوں نے ۲۷، اگست ۲۰۰۸ء کو لاہور میں وفات پائی۔ (۲۴۸)

اُن کا نعتیہ مجموعہ ''بیعت'' ۱۹۸۹ء میں اشاعت سے ہم کنار ہوا۔ اس میں تریسٹھ اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ ہے۔ اس کی تشبیب میں انسان کی ہدایت کے بارے میں چند سوال اُٹھائے گئے ہیں۔ شاعر کے مطابق زندگی تغیر پذیر ہے۔ اقوام کی زندگی میں مادی وفکری انقلابات کی بھرمار ہے۔ ہر نیا دور نئے مسائل بھی اپنے ساتھ لاتا ہے جن کا کافی وشافی حل سائنس اور فلسفہ کے پاس بھی نہیں۔ سائنس خود ہر آن اپنے نظریات تبدیل کرتی رہتی ہے اور ویسے بھی اس کا میدان مادی دنیا ہے روحانی نہیں۔ مختلف مذاہب اپنے محدود دائرہ کار کے باعث انسان کی ہدایت کا عالم گیر فریضہ انجام نہیں دے سکتے۔ ایسے میں دین اسلام اپنی تمام تر اکملیت کے ساتھ خدمت انسانیت کے لیے موجود ہے جس کا سہرا جناب رسولِ کریمؐ کے سر جاتا ہے۔ مطلع سمیت چند اشعار دیکھیے:

فطرت کا عجیب ماجرا ہے ۔۔۔ ہر لمحہ تغیر آشنا ہے
انسان کی دائمی ہدایت ۔۔۔ اُلجھا ہوا ایک مسئلہ ہے
سائنس بیاں بدل رہی ہے ۔۔۔ حیرت سے دو چار فلسفہ ہے
مذہب بھی بہت ہیں یوں تو لیکن ۔۔۔ محدود ان سب کا دائرہ ہے
ایسا بھی ہے ایک دین لیکن ۔۔۔ ہر عصر و مکاں کو جو رسا ہے
یہ دین اور اس کی اکملیت ۔۔۔ رہن فیضان مصطفیٰ ہے (۲۴۹)

یہ قصیدہ فکری لحاظ سے چھے حصوں پر مبنی ہے۔ پہلا حصہ تشبیب اور گریز کا ہے جس میں دین اسلام کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں مدلل جواز پیش کیے گئے ہیں۔ دوسرے میں آنحضرتؐ کے ذاتی اوصاف و کمالات کا بیان ہے جن میں باعث تخلیق کائنات، ختم نبوت، رحمت صداقت و امانت، فصاحت اور نقوش سیرت کے روشن ہونے کا بیان شامل ہے۔ تیسرا حصّہ آنحضرتؐ کے فرمودات، معاشرتی انقلاب اور ارکانِ اسلام کی فضیلت کو محیط ہے جن کی بدولت دین تمام معجزہ بن گیا ہے۔ اس

میں شاعر نے اسلام کی آفاقی و اساسی تعلیمات کا تعارفی خاکہ بڑے موثر انداز میں پیش کیا ہے۔ چند شعر دیکھیے :

چھوٹا ہے نہ کوئی یاں بڑا ہے ٹوٹے ہیں بتانِ رنگ و خوں سب
سرحد کا تصور اُٹھ گیا ہے اگر گھر ہیں تمام براعظم
جڑ ظلم و ستم کی کاٹتا ہے ہے حکم جہاد امن آگیں
قوت کا مظاہرہ ہوا ہے اللہ غنی یہ حج میں کیسا
یہ دین تمام معجزہ ہے(۲۵۰) توفیق عمل ہمیں خدا دے

چوتھے حصّے میں مسلمانوں کے زوال کی شخصی واجتماعی وجوہات کا ذکر ہے جن میں تفرقہ بازی اور قول وفعل میں تضاد نمایاں ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد کا فقدان ہے مگر لاتقنطوا کا پیغام ان مایوس کن حالات میں امید کا پیغام ہے۔ پانچویں حصّے میں غزل کہی ہے جس میں آپ کو ساقی کہا گیا ہے۔ آخری حصّہ دعا کا ہے اس میں شاعر نے دعا نہیں مانگی اور درج ذیل استدلال پیش کیا ہے:

کہتے ہیں طلب کا مرحلہ ہے مدحت کے بعد شاعر اکثر
ہم پر کبھی بند بھی ہوا ہے؟ لیکن درِ رحمتِ دو عالم
کب منتظر طلب رہا ہے؟ وہ دستِ کشادہ و مکرم
دھڑکا تہی دامنی کا کیا ہے؟(۲۵۱) جعفؔر کو جو ہے غلام انھیںؐ کا

جعفر بلوچ نے اس قصیدے کو محض عقیدت کے اظہار کا وسیلہ ہی نہیں بنایا بل کہ اسلام اور سیرت النبیؐ کی ضرورت واہمیت پر اہم دلائل بھی پیش کیے ہیں۔ انھوں نے قصیدے کے چاروں اجزا کو بڑے سلیقے سے برتا ہے۔ مدح میں اسلام کا تعارفی خاکہ اور دعا میں بارگاہِ رسالتؐ کے بارے میں حسن زن رکھنا کہ آپؐ سب جانتے ہیں، شاعر کی فکری تازگی کا پتا دیتے ہیں۔ چھوٹی بحر میں اسلوب کی سادگی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے جس کے باعث ابلاغ کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔ اُن کا اسلوب سہل ممتنع سے عبارت ہے لیکن اس سادگی میں بھی جذبوں کی اُٹھان ماند نہیں ہونے پائی۔ یوں لگتا ہے کہ وہ عہد جدید میں قصیدہ نگاری کے اسلوب کے نئے زاویوں کی تلاش میں ہیں۔

33- نصیر الدین نصیر: (م:۱۳،فروری ۲۰۰۹ء)

پیر سید نصیر الدین نصیر ۱۴ نومبر ۱۹۴۹ء کو سید غلام معین الدین شاہ گیلانی کے ہاں گولڑہ شریف

(اسلام آباد) میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے والد کی وفات ۱۹۹۷ء کے بعد اپنی وفات ۱۳ فروری ۲۰۰۹ء تک دربار عالیہ گولڑہ شریف کے سجادہ نشین رہے۔(۲۵۲) انھیں اردو، فارسی، پنجابی، پوٹھوہاری اور سرائیکی پر عبور حاصل تھا۔ ان سب زبانوں میں ان کا کلام موجود ہے۔ وہ ماہنامہ ''طلوعِ مہر'' کے ایڈیٹر بھی تھے۔ انھوں نے حمد، نعت، غزل، رباعی اور قصیدہ کی اصناف میں طبع آزمائی کی۔ گیارہ شعری تخلیقات اور اکیس نثری کتب ومقالات اُن سے یادگار ہیں۔(۲۵۳)

''دیں ہمہ اوست'' اُن کی عربی، فارسی، اردو اور پنجابی نعتوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں ''مصحف اسرار اللہ'' کے عنوان سے چھیالیس اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔ یہ عربی، فارسی اور اردو تین زبانوں پر مشتمل ہے۔ انھوں نے آپؐ کے سینہ مبارک کو مصحف اسرار اللہ قرار دیا ہے۔

آغاز میں انھوں نے حضرت حسانؓ کی توجہ طلب کی ہے اور اس تلازمے میں آنحضرتؐ کی شخصیت وسراپا مبارک کو یاد کیا ہے۔ حضرت حسانؓ کے زمانۂ رسولؐ پانے اور منبر نعت کی صداقت پر رشک کیا ہے اور حضور اکرمؐ کے مزید خدوخال اُجاگر کرنے کی درخواست کی ہے۔ تشبیب میں یہ ناسٹلجیائی رویہ حسرت وارمان کے وہ دریچے وا کرتا نظر آتا ہے جو عشق ومحبت کی وادیوں میں کھلتے ہیں۔ کوچۂ محبوب کے شناسا سے محبوب کے احوال اور اس کی اداؤں کا ذکر کرنا اردو شاعری کی روایت کا حصّہ ہے۔ شاعر نے داخلی واردات کے اظہار کا کیا خوب صورت قرینہ برتا ہے۔ یہاں تکنیک غزل کی ہے مگر اسلوب نعتیہ تقاضوں کے مطابق ادب کے پیرائے میں ڈھلا ہوا ہے۔ یہ تکنیک فیض کے ہاں استعمال ہوئی جس میں رقیب سے محبوب کی باتیں زیر بحث لائی گئیں۔ ماضی کے نقوش زندہ کرنے والے چند اشعار دیکھیے:

عبدِ عاجز کو ہے شوق رقم نعت رسولؐ ذہن حسانؓ! ادھر بھی ہو توجہ مبذول
تیری آنکھوں میں ہیں رقصاں وہ مناظر سارے تو نے دیکھی وہ جبیں اور وہ چشم مکحول
تیرے دامن سے مجھے اُنؐ کی مہک آتی ہے تیری فطرت میں ہے بے شک اسی خوشبو کا حلول
نرم لہجے میں وہ باتیں، وہ تبسم اُنؐ کا حافظے میں ترے موجود ہیں وہ رنگ وہ پھول
اک ذرا اس شہِ خوباںؐ کے خدوخال بتا جس کا جلوہ ترے اشعار کی ہے شانِ نزول(۲۵۴)

شاعر نے روح حسانؓ کے جواب سے گریز کیا ہے اور انھیں کی زبان سے مدح بیان کی ہے۔ اس میں چار اشعار عربی کے بھی ہیں یہاں آنحضرتؐ کی نورانیت، سخاوت، تعارف حق، فضل، علویت، نسبت، شفاعت اور شانِ رسالتؐ کے مضامین پوری آب وتاب سے بیان ہوئے ہیں۔

قصیدے کا لفظی جوش اور عشقِ رسولؐ کا جوش ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اردو کی طرح عربی اشعار بھی شاعر کی قادرالکلامی کے مظہر ہیں اور روانی کا عنصر فراواں ہے۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

اس کی ہر بات بنی اِن ھو اِلا وَحی	اس کا ہر فعل بنا حجت و برہان و اصول
نورہ صار ممدا لو جودِ الکونین	جو دہ ظل معیناً لنفوسٍ و عقول
یعرف الحق بہٖ کل غبیٍ وَّ غوی	یعلم الخیر بہٖ کل ظلوم و جہول
لیلۃً صعد فیِ ساحتہٖ فصلٍ و علیٰ	حاء فیِ قربتہٖ کل نبیٍ وَّ رَسُول
نسبت اس سے نہ اگر ہو تو محاسن بھی گناہ	وہ شفاعت پہ ہو مائل تو ذمائم بھی قبول
سینۂ پاک ہے وہ مصحفِ اسرارِ الٰہ	نہ سمجھ پائے جسے عرصۂ دانش کے فحول (۲۵۵)

حضرت حسانؓ کی روح سے جواب پا کر شاعر کی تشفی ہوئی اور اُس نے اپنے انداز میں مدح کا آغاز کیا جس میں عجز و انکسار اور فدایت کے جذبات موجود ہیں۔ یہاں پانچ اشعار فارسی میں کہے گئے ہیں۔ یہ اشعار وارفتگی اور گداز کی کیفیت کے حامل ہیں۔ ان میں شاعر نے عقیدت کے پھول یوں نچھاور کیے ہیں:

تیرے قربان، تری یاد کے لمحوں پہ نثار	میرا سرمایۂ ہستی ہے ترے پاؤں کی دھول
نہ روم از در پاکت بہ در کج کلہاں	یہ گدائی در خویش کن اے شاہؐ! قبول
شادم از سلسلۂ لطفِ تو پیہم، شاہا!	نہ شوم از سرِ زلفت بہ علائق مشغول
تا قیامت تری چوکھٹ سے نہ اٹھوں آقاؐ!	اس توقف سے جو لے کام مری عمر عجول (۲۵۶)

سید نصیر الدین نصیر کے ہاں قصیدے کے عناصر باہم مربوط ہیں۔ تشبیب میں تلازماتی طریقے سے ماضی میں مراجعت کی تکنیک جدت ادا کی غماز ہے۔ روحِ حسانؓ سے مکالمہ اور تخیلاتی منظر کشی سے مضامین کی ادائیگی قابلِ داد ہے۔ مضامین میں شاعر کی عقیدت اور عقیدہ متوازی نظر آتے ہیں۔ اُن کی عقیدت میں جوش ہے اور وہ عشقِ رسولؐ میں سرتاپا ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے آنحضرتؐ کی نورانیت پر اصرار کیا ہے جس سے سیرتِ النبیؐ کا آفاقی پہلو ثانوی ہو گیا ہے۔ ایک جگہ صوفی مشرب اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

گرچہ ہے عالم تشبیہ میں اِلا بشر	ایک ہو جاتے ہیں تنزیہ میں، علت معلول (۲۵۷)

قصیدے کا مرکزی نکتہ آنحضرتؐ کی رسالت، اس کے تقاضے اور الفتِ رسولؐ کے پیغام کو عام کرنا ہے جو جذبۂ محبت کے بغیر ممکن نہیں۔ شعری اسلوب روانی اور غنائیت کے عنصر سے مزین ہے۔

عربی اور فارسی اشعار میں بھی جذبوں کی اٹھان برقرار ہے۔ یہ جذبے عشق وانکسار اور فدایت کے روپ میں پورے قصیدے میں موج زن نظر آتے ہیں۔

34- عبدالعزیز خالد: (م: ۲۸، جنوری ۲۰۱۰ء)

عبدالعزیز خالد اُردو نعت گوئی کا ایک ممتاز نام ہے۔ انھوں نے اُردو نعت کے ذخیرے میں عربی، فارسی کے علاوہ عبرانی، ترکی، سنسکرت اور دیگر زبانوں کے الفاظ شامل کر کے اُسے وسعت دی۔ انھوں نے انگریزی، یونانی اور چینی سے شعری تراجم بھی کیے جن میں ''غبارِ شبنم، سرود رفتہ، بادشمالی'' نمایاں ہیں۔ گل نغمہ کے عنوان سے ٹیگور کی گیتا نجلی کا ترجمہ بھی کیا۔ وہ ۱۵ جنوری ۱۹۲۷ء کو ضلع جالندھر (انڈیا) کی تحصیل نکودر کے قصبے برجیاں کلاں میں چودھری شاہ محمد کے ہاں پیدا ہوئے (۲۵۸)

خالد نے اسلامیہ کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی۔ یہاں وہ ادبی مجلّے ''کریسنٹ'' کے مدیر رہے۔ بی اے کرنے کے بعد انکم ٹیکس آفیسر بھرتی ہوئے اور ۱۹۸۷ء میں انکم ٹیکس کمشنر کے عہدے سے سبک دوش ہوئے۔ انھوں نے ترجمہ نگاری اور تنقید کے علاوہ منظوم ڈرامے بھی لکھے۔ اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے انھیں صدارتی اعزاز برائے حسن کارکردگی سے نوازا۔ اس کے علاوہ وہ نقوش ایوارڈ اور آدم جی ادبی انعام سے بھی نوازے گئے۔ اُن کے نعتیہ مجموعوں میں ''فارقلیط (۱۹۶۴ء)، منحمنا (۱۹۶۶ء)، حمطایا (۱۹۷۶ء)، ماذ ماذ (۱۹۷۹ء)، طاب طاب (۱۹۸۱ء) اور عبدہٗ (۱۹۸۲ء)'' شامل ہیں۔ انھوں نے ۲۸ جنوری ۲۰۱۰ء کو لاہور میں وفات پائی اور باغ رحمت بیدیاں روڈ میں دفن ہوئے۔ (۲۵۹)

خالد کے ہاں باقاعدہ نعتیہ قصیدہ موجود نہیں لیکن اُن کی دو طویل نظمیں ''فارقلیط'' اور منحمنا'' میں لہجے کا جوش، لفظی شکوہ، رفعت خیال، منظر کشی اور زورِ بیان کی خوبیاں مدحیہ قصیدے کا رُوپ لیے ہوئے ہیں۔ فارقلیط سات ابواب پر مشتمل ہے جن میں آنحضرتؐ کی سیرت وسوانح سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد تک کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ عبدالباری عباسی نے اسے مختصر شاہ نامہ کہا ہے۔ (۲۶۰) اس قصیدے کا آغاز عجز وانکسار کے جذبات کے اظہار سے ہوا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

میں فرشِ زمیں ہوں تُو سقفِ سما ہے   میں سانسوں کا مہماں تو موج ہوا ہے
قلم بند ہو کس طرح برگ نَے سے؟   بیاں تیرے حسن گلو سوز کا ہے
شہنشاہ لولاک و مولائے سدرہ   تُو میرے تخیل سے بھی ماورا ہے (۲۶۱)

''منحمنا'' کا اظہار یہ جوشِ عقیدت اور لفظی شان وشوکت کا حامل ہے۔اسے میمیہ قصیدہ قرار دیا جاسکتا ہے۔عربی فارسی اور ہندی کا پُر لطف اور رواں استعمال اُن کی قادرالکلامی اور وسعت مطالعہ کا غماز ہے۔''منحمنا'' کے آغاز سے یہ اشعار دیکھیے :

مطاع آدم و انجم ، متاع لوح و قلم — محمدؐ امیِ محبوبِ کبریا ، صلعم

محمدؐ انجمن کُن فکاں کا صدر نشیں — محمدؐ افسرِ آفاق و سرورِ عالم

وہ عبدہٗ وَ رسولہٗ ، وہ اسمہ احمدؐ — کتاب وحکم ونبوت کا خاتمِ وخاتَم (۲۶۲)

خالد کے ہاں اردو کے ساتھ عربی ، ہندی اور سنسکرت کے تینوں دھارے آب وتاب سے بہتے نظر آتے ہیں۔ ہندی میں وہ ایک داسی کا رُوپ دھار کر ایک برہمن کے من کی کتھا سناتے ہیں۔ جب وہ برہمن پریم راگ الاپتی ہے تو عقیدت کے سندر سوشیل جھرنے پھوٹ پڑتے ہیں۔ ہندی رنگ میں یہ اشعار دیکھیے :

براجماں ہوئے آکاش پر مکٹ دھاری — سلج سہاس سے چھلکائے پریم رس، پیتم

یہ سرب بھومی کا راجہ، مہابلی، سمراٹ — اپار، اتھاہ ، اننت ، ایک، انیک، وشواتم

یہی للن ، یہی یوگیشور، یہی کاہن — سداتما ، اپراجت ، انوپم و دردم

مہاپُرش جسے آکار الکھ پرُش کا کہیں — پسینہ جس کا ہے سونا سگندہ وہ ستّم (۲۶۳)

خالد نے ایک عمر اساطیری معبدوں کی خاک چھانی ہے اور اس کی ریاضت کا اصل مقصد ''منحمنا'' میں پورا ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ قدرت ان سے یہ عظیم شاہکار (منحمنا) تخلیق کرانے کی مشق کروا رہی تھی۔انھوں نے اس قصیدے میں نئے علوم، نئی اصطلاحیں ، نئے الفاظ اور نئی تلمیحات کا اتنا بڑا انبار لگا دیا ہے کہ آج کا ناقد حیرت واستعجاب کی وادیوں میں گم ہوتا چلا جاتا ہے۔ بعض ناقدین نے انھیں اُردو شاعری کا ''ایذراپاؤنڈ'' کہا ہے اور بعض ان کی مشکل پسند تراکیب کو ابلاغ کی راہ میں رکاوٹ تصور کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ حالی اور اقبال کے بعد مذہبی شاعری میں اگر کسی نے پڑھنے لائق کہا ہے تو وہ عبدالعزیز خالد ہے۔اُن کی شاعرانہ فکر مقصدیت کی حامل ہے اور طرزِ ادا جدت وتازگی کی مظہر ہے۔اُن کی شاعرانہ عظمت کے بارے میں ڈاکٹر خان رشید یوں رقم طراز ہیں:

> ''خالد کی شاعری بھی علم کا الماس ہے سطحیت کا شیشہ نہیں۔ پڑھنے کی شاعری ہے سننے کی نہیں بالکل اسی طرح جیسے ہومر اور شیکسپیئر کی شعری عظمت انھیں پڑھنے اور غور کرنے میں مضمر ہے۔تخلیقی شاعری جس نے تہذیب وفکر کے

دھاروں کے رُخ موڑ دیے ہوں ایسی ہی ہوتی ہے۔ خالد کی اسی خصوصیت کی بنا پر میں انھیں صرف شاعر نہیں شاعروں کا شاعر مانتا ہوں۔'' (۲۶۴)

خالد نے دنیا کے بڑے فلاسفروں اور مذہبی راہنماؤں کو آپؐ کی آمد کا مخبر قرار دیا ہے۔اس طرح اُن کے کلام میں تلمیحات کا ایک منفرد نظام وضع ہو گیا ہے۔خالد کی تلمیحات ملاحظہ ہوں:

مدھومتی کہیں اُس کو محمدیمؐ کہیں وہ تاجِ دارِ مدینہ، وہ شہر یار حرم (۲۶۵)
مبشر اس کے تھے زرتشت و کرشن و کنفیوشس نقیبِ پیش رس اس کے ارسطو و گوتم (۲۶۶)
وَمَا اَصَابَکَ مِن سَیِّئَۃٍ فَمِن نَفسِکَ بِنائے عدل ہے لا یرحمُ فلا یرحم (۲۶۷)
وہ نور نیر اکبر، وہ برزخ کبریٰ زبانِ پالی میں جو ہے تتھا گتھا ستّیم (۲۶۸)

عبدالعزیز خالدؔ کے قصائد میں سب سے نمایاں خصوصیت جذبوں کی صداقت ہے جس نے انھیں نئے جہانوں کی تلاش پر آمادہ کیا۔طرزِ بیان میں وہ بے ساختگی سے کثیر لسانی شعری تجربے سے کامیابی سے ہم کنار ہوئے ہیں۔صنعت جمع، تضاد، تقسیم، تشبیہ اور تکرار لفظی سے اُن کا کلام مزین ہے لیکن نت نئی تلمیحات نے جو ندرت، تازگی اور شگفتگی پیدا کی ہے وہ دیدنی ہے۔خالدؔ نے اپنے نعتیہ قصائد کو جس نئے تجربے سے روشناس کرایا ہے اس کا تتبع شاید ہی اُردو نعت میں دوبارہ دیکھنے کو ملے۔بلاشبہ وہ اُردو نعت کی روایت میں ایک جداگانہ مقام پر فائز ہیں۔

35- سجاد سخن: (م:۱۶جون ۲۰۱۱ء)

سجاد علی خاں المعروف سجاد سخن ۹ جولائی ۱۹۲۳ء میں وارث علی خاں کے ہاں رام پور میں پیدا ہوئے۔(۲۶۹) رشید رام پوری سے شاعری میں اصلاح لی۔''رب اللعالمین'' ان کا حمدیہ مجموعہ ہے جب کہ ''رنگ، روشنی، خوشبو'' اور ''حاضری و حضوری'' نعتیہ مجموعے ہیں۔اُن کی وفات ۱۶ جون ۲۰۱۱ء کو کراچی میں ہوئی۔(۲۷۰)

سجاد سخن کے نعتیہ مجموعے ''رنگ، روشنی، خوشبو'' میں سولہ اشعار کا نعتیہ قصیدہ ہے۔ یہ تین مطلعوں کا حامل ہے۔مطلع اوّل ملاحظہ ہو:

خوشا تقدیر، خوشہ چیں ہوں گلزارِ رسالت کا مرا ہر شعر گلدستہ ہے اظہارِ عقیدت کا (۲۷۱)

شاعر نے مطلع میں جذبات عقیدت کا اظہار کیا ہے جو پورے قصیدے کی روح ہے۔اس کے علاوہ تشبیب کے چار شعر داخلی کیفیات کے مظہر ہیں۔ان میں حضوری کی تمنا، درِ نبوتؐ کی جاروب

کشی کی خواہش اور کم مائیگی کا احساس موجود ہے۔ مدح کے اشعار وارفتگی اور والہانہ پن کے حامل ہیں۔ ایک ایک شعر مکمل اور آنحضرتؐ کی مرکزیت کا اعلان کرتا نظر آتا ہے۔ اُن کے نزدیک حضور اکرمؐ کا عشق عبادت کی روح ہے۔ آپؐ کی ذات عرفانِ ربانی کا وسیلہ ہے۔ آپؐ کی سنت منزلِ مقصود کا راستہ ہے اور آپؐ کی رضا عین منشائے قدرت ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہے عشقِ مصطفیٰ معیار فہمیدِ عبادت کا
یہ فرمانِ خدائے بحر و بر بھی ہے، عقیدہ بھی

ہے عنواں آپؐ ہی کی ذات تمہید شریعت کا
خدا کو آپؐ کی نسبت سے پہچانا ہے دنیا نے

بنا لے مقصد جاں راستہ تقلیدِ سنت کا
قدم چومے گی منزل زندگی کی ہر مسافت میں

محمدؐ کی رضا ہی اصل میں منشا ہے قدرت کا (۲۷۲)
جو اُنؐ کا ہو گیا سمجھو دو عالم ہو گئے اس کے

سجاد سخن کا یہ قصیدہ عجز و انکسار، ادب و احترام اور عشق و وارفتگی کے جذبات سے ہم آہنگ ہے، انھوں نے آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی سے اپنی وابستگی کے حوالے سے مضامین منتخب کیے ہیں۔ اُن کا شعری اسلوب عقیدت اور دل کشی کا حامل ہے اور پورا قصیدہ بیانیہ انداز لیے ہوئے اور سادگی سے عبارت ہے۔

36- سرو سہارن پوری: (م: ۴، اگست، ۲۰۱۲ء)

سرو سہارن پوری کا اصل نام سید محمود احمد ہے۔ وہ شاعر، ادیب، حکیم، عالم دین، مترجم اور کالم نگار کی حیثیت سے اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ وہ ۱۹۳۴ء کو سہارن پور میں حکیم حافظ سید داؤد احمد بخاری کے ہاں پیدا ہوئے۔ جماعتِ اسلامی کے بانیوں میں سے ہیں اور اس کے امیر بھی رہے۔ وہ راول پنڈی، اسلام آباد کے مختلف کالجز اور یونی ورسٹیوں میں اسلامیات کے اعزازی لیکچرار رہے۔ اُن کی وفات ۴، اگست ۲۰۱۲ء کو راول پنڈی میں ہوئی اور وہ عید گاہ قبرستان میں دفن ہوئے۔ (۲۷۳)

سرو سہارن پوری کے دو نعتیہ مجموعے ''زخمۂ دل'' اور ''ثنائے خواجہ'' ہیں۔ اوّل الذکر میں اُن کا ایک سو گیارہ اشعار کا خوب صورت قصیدہ موجود ہے۔ اس کا مطلع درج ذیل ہے:

تا حد نظر پھیل گیا نور کا تڑکا (۲۷۴)
وہ خواب سے بیدار ہوا صبح کا تارا

سرو کے ہاں قصیدے کے چاروں اجزا اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ ریز ہیں۔ انھوں نے زبان و بیان پر بھرپور توجہ صرف کی ہے۔ اُنھیں صنائع بدائع اور شعری محاسن کے لوازمات کا عرفان حاصل ہے اور انھوں نے قصیدے میں اس کا استعمال بھی کیا ہے۔ اُن کے ہاں زورِ بیان اور جوش بھرے لہجے کے حامل اشعار کی کثرت ہے۔ وہ ساکت لفظوں میں تحریک کی تاثیر پیدا کر کے زندہ منظر

تخلیق کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔اُن کے اشعار میں تجسیم کاری کی جیتی جاگتی تصویریں مل جاتی ہیں۔اُن کا اسلوب شگفتگی سے مالا مال ہے۔اُن کے اسلوب کے بارے میں نعیم صدیقی رقم طراز ہیں:

> ''قصیدے کی رعایت سے زبان پُرشکوہ اختیار کی گئی ہے جسے دیکھ کر کہیں کہیں مولانا ابوالکلام اور مولانا ظفرعلی خان کی یاد تازہ ہوجاتی ہے مگر یہ زبان ادق نہیں۔۔۔ بہر حال مسئلہ زبان کا نہیں ہے بل کہ اسلوب کا ہے جسے محاکاتی اسلوب کہوں گا۔''(۲۷۵)

تشبیب میں انھوں نے صبح کی منظر نگاری کی ہے جس میں محاکات وتجسیم کاری کی مثالیں مرصع اسلوب میں موجود ہیں۔مراعات النظیر کا دل موہ لینے والا استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔صبح کی آمد اوراس کی صفات کے بارے میں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

منہ ڈھانپے ہوئے جاتی ہے تاروں کی ردا سے　　دیکھے تو کوئی رات کا اترا ہوا چہرہ
ذروں کے گریباں سے سحر پھوٹ رہی ہے　　حیراں ہے نظر کیسا شفق تاب ہے صحرا
پتوں میں کہیں کاہکشاں ٹھہر گئی ہے　　شبنم کے یہ قطرے ہیں کہ انوار کا دریا
وہ صبح کہ کونین کی ہر صبح پہ بھاری　　وہ نور کہ ہر نور سے ہے ارفع و اعلیٰ
وہ حال کہ جس حال کی تفصیل بھی اجمال　　وہ کیف کہ گم ناطقہ اعجازِ بیاں کا(۲۷۶)

سراپا نگاری اردو نعتیہ قصیدے کی روایت میں داخل ہے۔آنحضرتؐ کے حلیۂ مبارک کے بیان میں الگ سے نظمیں موجود ہیں اور قصیدہ نگاروں نے بھی آپؐ کا سراپا مبارک تحریر کیا ہے۔سرو سہارن پوری نے آنحضرتؐ کی آنکھیں، ماتھا، چہرہ، سینہ، رفتار، گفتار اور قامت مبارک کو موضوع بنایا ہے۔اُن کے بیان میں ندرت فکر کا پہلو نمایاں ہے۔بعض مقامات پر انھوں نے سراپا اور سیرت کو ہم آغوش کر دیا ہے۔انھوں نے سراپائے رسولؐ میں تشبیہ اور تقابل کے صنائع سے کام لیا ہے۔چند اشعار دیکھیے:

آنکھیں ہیں کہ جھیلوں میں ہیں اترے ہوئے خورشید　　ماتھا ہے کہ انگڑائیاں لیتا ہوا تڑکا
چہرے کی یہ رنگت ہے کہ تنویر شفق کی　　یہ قد ہے کہ مطلع ہے سلیمانؑ کی غزل کا
سینہ ہے سمیٹے ہوئے طوفانِ عزائم　　نظروں میں ہے عالم کی مساوات کا نقشا
سنگین چٹانوں کا تصور ترا کردار　　عادات میں جھرنوں کا سبک گام ترانا
پاکیزگیِ دل تریٔ رفتار پہ صدقے　　گفتار پہ قربان تریٔ حکمتِ معنیٰ(۲۷۷)

سرو نے مدح کی عمارت حقیقت نگاری کے اصولوں پر استوار کی ہے۔انھیں مبالغہ آرائی پسند

نہیں۔انھوں نے رزم گہ فتنہ وشر میں آنحضرت کو خیر اور فلاح کے استعارے کے طور پر پیش کیا ہے۔ آپؐ کی عملی سیرت ، قیام امن کی کوششیں، انسانیت کی تہذیب ، نظام عدل ومساوات کی ترویج اور حریت فکراوراحساس خودی کی بیداری کوموضوع بنا کرانھوں نے سیرتِ طیبہ کی اہمیت اُجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔اسلام کے سنہری اصولوں کے ساتھ معجزات وتاریخی تلمیحات اور ستم رسیدہ انسانیت کی مسیحائی کا بیان رنگیں پیرائے میں سامنے آیا ہے۔

اُن کے اشعار حفظ مراتب کی خوبی سے مزین ہیں۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے عصری صورتِ حال کا استغاثہ جنابِ رسولؐ اللہ کے حضور پیش کیا ہےاوراستمد اداللہ تعالیٰ سے طلب کی ہے۔ اُن کے ہاں تعصب اورفرقہ واریت کا شائبہ تک نہیں البتہ انھوں نے امت کے داخلی انتشاراورزوال کی وجوہات کے حوالے سے بےعمل مسلمانوں کوتنقید کا نشانہ ضرور بنایا ہے۔مذہب کا تعلق یقین سے ہے اور موجودہ عہد عقلیت پسندی کا ہے۔سائنسی ترقی کے زیراثر مذہب بھی منطق کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے۔اس طرف سَرو نے اشارے کیے ہیں۔چند مثالیں دیکھیے جوشاعر کےعصری شعور کی ترجمان ہیں:

فریاد کہ یہ فیضیؔ و بوفضلؔ کے پیرو — بیٹھے ہیں بدلنے کے لیے دین کا ڈھانچا
ہے آج عبادات کی پڑتال ضروری — اب عقل ہی معیار ہے احکام خدا کا
اب عام ہیں ہنگامے یہاں نسل و وطن کے — ٹکڑوں میں بٹی جاتی ہے یہ ملت بیضا
باقی ہے اخوت، نہ محبت، نہ مروت — ہے محو ہر اک حکم ترے درسِ وفا کا
مولاؐ ترا در چھوڑ کے جائیں تو کہاں جائیں — جن ذہنوں پہ چھایا ہے ترا نورِ ہدایہ
جن سینوں میں اک عظمت ماضی کی خلش ہے — جن آنکھوں میں پھرتا ہے ترے دور کا نقشا(۲۷۸)

مدح رسولؐ کی روح عشق و وفور کے جذبات ہیں۔سَرو نے بھی عشق سے توانائی حاصل کرتے ہوئے باادب لہجے میں اپنے جذبوں کا اظہار کیا ہے۔آنحضرتؐ کی عظمت کے حوالے شاعر کے دل کی آواز معلوم ہوتے ہیں۔محبت کی چاشنی سے مملودرج ذیل اشعار دیکھیے :

ہر زخم کا مرہم مرے محبوبؐ کی سنت — ہر دکھ کا مداوا مرے آقاؐ کا قرینا
ہر زہر کا تریاق محمدؐ کی اطاعت — ہر درد کا درماں ہے ترے پیار کا رشتہ
پیغام ترا کفر کے ناسور پہ نشتر — اخلاق ترا سارے زمانے کا سہارا
بوبکرؓ و عمرؓ ، حیدرؓ و عثمانؓ ترے خادم — اے بعد خدا محترم و ارفع و اعلیٰ(۲۷۹)

سروسہارن پوری کے ہاں طلوع سحر اور باغ چمن کی معطر فضا کے مناظر آنحضرتؐ کی آمد

مسعود کے خوش گوار اثرات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور قصیدے کی معنویت کو فروغ بخشتے نظر آتے ہیں۔ اُن کا لفظی اسلوب پُر شکوہ، پُر جوش اور پُر کشش ہے جس میں پیکر تراشی کی سبھی خوبیاں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مضامین نعت کی آفاقیت اُمت کی داخلی صورت حال کا گہرا شعور اور توحید و رسالت کے تقاضوں کی پاس داری انھیں ایک کامیاب قصیدہ نگار ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

37- خالد احمد: (م: ۱۹، مارچ ۲۰۱۳ء)

خالد احمد شعر و ادب کی دنیا میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ انھیں ادبی ماحول ورثے میں ملا۔ اُن کے والد محمد مصطفیٰ خان (احمق پھپھوندوی) مزاحیہ شاعر تھے۔ اس کے علاوہ اُن کی بڑی بہنیں بھی ادب سے وابستہ تھیں۔ خالد مصطفیٰ اُن کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''۹ جون ۱۹۴۳ء کو لکھنؤ میں پیدا ہونے والے خالد احمد ۱۸ اور ۱۹ مارچ ۲۰۱۳ء کی درمیانی شب لاہور میں انتقال کر گئے۔ وہ نثری ادب میں تہلکہ مچانے والی دو بہنوں خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور کے چھوٹے بھائی تھے۔ ان کے بڑے بھائی توصیف احمد خان ایک نامور صحافی تھے۔۔۔۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے فزکس میں ایم ایس سی کرنے کے بعد ۱۹۷۹ء کو واپڈا میں بحیثیت انفارمیشن آفیسر تعینات ہوئے اور ایک دہائی قبل اس محکمے سے بحیثیت ڈپٹی ڈائریکٹر ریٹائرمنٹ لی۔'' (۲۸۰)

خالد احمد کے شعری مجموعوں میں ''تشبیب، ایک مٹھی ہوا، ہتھیلیوں پہ چراغ، پہلی صدا پرندے کی، دراز پلکوں کے سائے، نم گرفتہ'' شامل ہیں۔ نثر میں ''لمحہ لمحہ، بین السطور اور جدید تر پاکستانی ادب'' ان کی یادگار ہیں۔ اُن کا نعتیہ مجموعہ ''تشبیب'' تین نعتیہ قصائد ''اٹھان''، ''رود نبرات'' اور ''بادنوال'' پر مشتمل ہے۔ تینوں قصائد مختصر بحر میں ہیں مگر تخلیقی وفور اور جذبے کے رچاؤ سے بھرپور ہیں۔ ان سب میں عجز اور ادب کے جذبات یکساں ہیں اور یہ سوز و گداز کے عنصر سے مالا مال ہیں۔ پہلا قصیدہ ''اٹھان'' ایک سو پچیس اشعار پر مشتمل ہے اور اس میں ایک غزل سمیت سات مطلع ہیں۔ پہلے مطلع کے بعد سات شعر مزید ہیں جو غنچے، کلی اور پھول کی سرگزشت میں ہیں۔ یہی اس قصیدے کی تشبیب ہے:

گلشن صد امکان ایک کلی کی اٹھان

سیج کی بھینٹ چڑھیں یا ہوں قبر مکان
پھولوں کی منزل گل چیں کا دامان(۲۸۱)

اس قصیدے میں گریز کی صورت دیکھنے کو نہیں ملتی بل کہ دوسرے مطلع سے نعت کا آغاز ہو گیا ہے۔ پورا قصیدہ خطابیہ انداز میں ہے جس میں شاعر کی داخلی التجاؤں نے سماں باندھ دیا ہے۔اے بحر برہان، اے تجسیم النور، اے عین الاعیان، اے راز ابجد، اے ازلوں کے نور، اے کون انوار، اے توریت لسان، اے انجیل بیان، اے میرے ایمان، اے جانِ رحمٰن، اے وصفوں کی جان، اے امثال نشان، اے سمتوں کے دل، اے دستِ احسان'' وہ تراکیب ہیں جن کے ذریعے شاعر نے آنحضرتؐ سے خطاب کیا ہے۔ یہ تراکیب عقیدت، ادب اور برجستگی کے ساتھ شاعر کے زورِ بیان کی غماز ہیں۔

مضامینِ نعت میں شاعر نے رسول کریم کو کن فیکون سامان، نورا کوان، اسحاقی وشوکت، غزل الغزلات، آدم کی جان، انتوں کا انت، سیہ چشمان، صادق، امین، مظلوموں کی جان، روح استحسان اور روح ہفت زمان قرار دیتے ہوئے اپنی طرف سے نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔عظمتِ رسولؐ کے بارے میں درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

تیرے نور سے ہیں روشن سات زمان(۲۸۲)
تو نے چھان دیا حق سے بطل کا چھان
عدل کو آنکھیں دیں بینائی کو کان (۲۸۳)
تیرے موالی ہیں سب آزاد انسان(۲۸۴)
فقر ترا توسن حلم ترا میدان(۲۸۵)
تیرا مثیل نہیں اے امثال نشان(۲۸۶)

قصیدے میں شاعر کی خود کلامی کے اشعار عجز و خلوص کے مظہر ہیں۔اس کے علاوہ اہل بیت اور صحابۂ کرامؓ کی منقبت بھی ہے۔ دعا کے اشعار میں حفیظ تائب اور احمد ندیم قاسمی کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور پھر بارگاہِ رسالت سے یوں سہارا طلب کیا ہے:

بات کو ختم کروں چاہ کے تیری امان
اے تائبؔ کے حفیظ میرے ندیمؔ کے مان
اے سمتوں کے دل اے انتوں کی جان
میرا ہاتھ پکڑ اے دستِ احسان

تیری چھاؤں رہے مجھ پر دھوپ سمان(۲۸۷)

خالد احمد عہد جدید کے نمائندہ قصیدہ نگار ہیں جنھوں نے سادگی و بے ساختگی کو داخلی جذبوں کے لیے وسیلہ اظہار بنا کر نعتیہ قصیدہ نگاری کو نئی زندگی عطا کر دی ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے یہ تجربہ کیا ہے کہ اس قصیدے میں گریز کی جگہ مختلف مطلعوں میں مختلف مضامین سمو دیے ہیں۔ فارسی و عربی اسلوب کے ساتھ ہندی الفاظ کی جھلک بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ مضامین نعت سیرت و سراپا کا امتزاج لیے ہوئے ہیں۔ سوز و گداز کی چاشنی جاذبیت کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔

خالد احمد کا دوسرا قصیدہ رود نبرات تین سو پندرہ اشعار پر مبنی ہے اور اس کے ۲۳ مطلع ہیں۔ پندرہ اشعار برکھا رُت کی تاثیر کے بیان میں ہیں کہ کن من کی گت پر قطرات زمیں پر پاؤں دھرتے ہیں۔ برکھارت کی ڈولی سے گدرائے لمحات اترے ہیں۔ ہر لمحہ کسی ٹھا کر کی طرح تن من خیرات کرنے کو تیار ہے۔ مہکاروں اور نغمات کے دور میں کوئی خوشبوؤں کا پیغام بر بن کر آ گیا ہے۔ یہ گریز ہے یہاں سے مدح کا آغاز ہوتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

بھیگے بھیگے ہیں دن رات صحرا میں اتری برسات
کاہ و گل گلگونہ ہیں اڑتے ہیں گلگوں رشحات
ہر رُت کے اپنے نوحے ہر رُت کے اپنے نغمات
مہکاروں کی گود میں ہے ایک پیام بر نفحات(۲۸۸)

مدح کا آغاز آنحضرتؐ کی رضاعت اور حضرت حلیمہ سعدیہ کی خوش بختی سے ہوا ہے۔ پھر دوسرے مطلع کے بعد آپؐ کو وجہِ موجودات، امام الانبیا، محورِ تشکیلات، محیطِ ہفت زمان، قاموس جامع کلمات، شمشیرِ توحید، صداقت کی تجسیم، مخزن انعامات اور آقائے ستودہ صفات قرار دیا ہے۔ مطلع سوم میں شاعر نے اپنی شاعری کے بارے میں عجز کا اظہار کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مدح تکوین غایات میری بساط مری اوقات
کاجل گھر میں رہتا ہوں راہ نہیں دیتے حالات
زعم قصیدہ نگاری کا زورِ بیاں نہ شکوہِ لغات
میں لا علمِ نکاتِ سخن شعر طلسم رموز و نکات
تحریریں ہکلاتی ہیں کر نہیں پاتا ٹھیک سے بات(۲۸۹)

مطلع چہارم کے بعد آنحضرتؐ کی عظمت و رفعت بڑے مرصع انداز میں بیان ہوئی ہے جس

میں آپ ؐ کو دعائے خلیل اللہ، ادائے ذبیح اللہ، نوائے صفی اللہ، ضمیر آدمؑ، سائر کون تنویرات اور مسبب کل نشأت'' کے القاب سے یاد کیا ہے۔ مثال دیکھیے:

آپؐ ہیں یونسِ غارِ ثور آپؐ ادریسِ معقولات
آپؐ بشارتِ روح اللہ آپؐ سببِ کل نشأت (۲۹۰)

اس کے بعد پانچواں مطلع کہہ کر گیارہ اشعار کی غزل کہی ہے اور پھر مطلع ششم نعت کا ہے جب کہ مطلع ہفتم کے ساتھ بیس اشعار کی حمد ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کی ذات لائق حمد ہے۔ وہ پانی کو رستہ دیتا ہے، لہروں کو نبرات دیتا ہے، وہ دن رات کو بدلتا ہے، وہی عزت ذلت کا مالک ہے اور وہی دھرتی اور انتوں کا نور ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ موضوعِ موضوعات حمد کے لائق بس اک ذات
اس کے نام کی سمرن ہیں یہ آتے جاتے دن رات
بانگر سے گرتا دریا اس کی قدرت کا مرآت
ایک کے ہاتھ دھرے دنیا ایک کے ساتھ کرے درجات (۲۹۱)

مطلع نہم میں واقعۂ کربلا سے متعلق اظہار خیال کیا ہے۔ مطلع دہم میں حضرت علی اکبرؓ، اصغرؓ، حضرت سکینہؓ اور حضرت حسینؓ کی منقبت کے بعد پھر سے نعت کا آغاز کیا ہے اور اس میں آپ ؐ کے تہور، توکل، صبرو ثبات، رسول مخلوقاتؐ، برجستہ خطبات، گلگوں فرمودات، عدل و کرم، تبسم، اسم مبارک، درجات، محسن مخلوقات، نوریں تبشیرات، رحمت، ہنستی پیشانی، چارہ سازی، اتمام نبوت، نگہبان حرمات اور نور چرخ تجمیدات ہونے کا ذکر ہے۔ یہ اشعار جذبے کی صداقت سے مملو ہیں۔ زیادہ تر صفات کا پیرایۂ اظہار عام فہم اسلوب میں ہے مگر بعض مقامات لغت کے متقاضی ہیں۔ اُن کے ہاں جذبوں کے بے ساختہ اظہار کی مثالوں کی بھی کمی نہیں اور ایسے اشعار بھی ہیں جو تاثیر کی خوبی سے مالا مال ہیں:

آپؐ چراغ ہیں دیں مشکوٰۃ دین ہے لَو، ضو آپؐ کی بات
آج بھی سانسیں مہکائیں آپؐ کے گلگوں فرمودات
آپؐ کا نام، علوِ سخن آپؐ کا ذکر، علو حیات
آپؐ کے پیروں کے نیچے دفن ہوئی ہر جہل کی بات
میں تو آپؐ کی پُتلی ہوں میری ڈور ہے آپؐ کے ہاتھ
آپؐ کے دم سے چلتی ہیں انہارِ استشفاعات (۲۹۲)

دعا میں خالد احمد نے اپنی کم مائیگی اور غفلتوں کا اعتراف کرتے ہوئے آپؐ کا دھیان اور دید مانگی ہے اور ساتھ میں اپنے بچوں اور سب خاندان والوں اور دوستوں کے لیے انعام واکرام کی درخواست کی ہے۔اس دعا میں خالد نے اپنے ماں باپ، بیوی بچوں، بہنوں میں عابدہ، عائشہ، خدیجہ، ہاجرہ، طاہرہ، شاہدہ، بھائیوں میں طارق اور تقدیس، ماموں، نانا، دادا، دوستوں میں اختر، کاظم، فاروقی، حمید، توصیف، گوہر، نقوی، نجیب، عطا اور حافظ عبدالباقی کے علاوہ ایک رضاعی بہن اور احمد ندیم قاسمی اور حفیظ تائب کو بھی یاد رکھا ہے۔ یہ دعا خالد کے سچے جذبوں کی آئینہ دار ہے، اس میں انھوں نے اپنے اخلاص کی یقین دہانی یوں کرائی ہے:

باپ کی جا ہیں ندیمؔ مجھے جن کا سہارا آپؐ کی ذات
تائب ہیں مجھے بھائی کی جا مداحِ دانائے نکات
جھوٹا قفل نہیں ہوں میں میری کلید ہے آپؐ کے ہاتھ(۲۹۳)

یہ قصیدہ برسات، حمد، نعت، مدحِ اہل بیت، مناقب صحابہ کبار کے علاوہ شاعر کے داخلی جذبوں جیسے متنوع موضوعات کا حامل ہے۔نعت کا حصہ آنحضرتؐ کی صفات کاملہ اور سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو محیط ہے جس میں جدتِ ادا اور حسنِ تراکیب کی جھلک واضح محسوس کی جاسکتی ہے۔ داخلی کیفیات کا بیان درد کی لَے میں ڈوبا ہوا ہے اور استغاثہ اور استمداد کی التجاؤں نے اسے مزید اثر دار بنا دیا ہے۔اسلوب رواں اور شستہ ہے مگر قصیدہ کی بلند آہنگی کے نقطہ نظر سے مشکل تراکیب بھی دیکھنے کو ملتی ہیں جن میں ہندی الفاظ کی آمیزش ہے۔گریز کا شعر تشبیب سے تو میل کھاتا ہے مگر نعت سے کوئی زیادہ تال میل نہیں رکھتا۔ جذبوں کی صداقت دیدنی ہے نعت کے اشعار سے عشق رسولؐ کی شدت کا اندازہ فوراً ہو جاتا ہے۔عہد جدید میں نعت ہی نہیں صنف قصیدہ کے لیے بھی خالد کا یہ طرز بیان تازہ ہوا کے جھونکے سے کم نہیں۔

ایک سو اکتیس اشعار پر مبنی تیسرا قصیدہ ''بادِ نوال'' آنحضرتؐ کی ولادت مسعود اور بچپن کے خدوخال سے شروع ہو کر آپؐ کی صفات، انقلاب، عالی نسبی، یثرب کی اقبال مندی، عشق و محبت اور فقر و استغنا اور آپؐ کے محدود سامانِ زندگی کے بیان تک پہنچتا ہے۔ چار شعر رسول اکرمؐ کی ولادت سے قبل بادِ بہاری کی تاثیر کے بارے کہتے ہوئے حضرت آمنہؓ کے ذکر سے نعت کی طرف رجوع کیا ہے۔شعری اسلوب پُر وقار اور محبت کی شیرینی کا حامل ہے۔آنحضرتؐ کی ولادت کے حوالے سے یہ اشعار دیکھیے:

لائی بادِ نوال ابرِ آب زلال

نخل نوا ہمکا چہکا ایک منال
اتری کانوں میں خوشبوؤں کی جھال
آمنہؓ نے دیکھا عبداللہ کا نہال
ہنستی پیشانی روشن روشن گال
تارا سی ٹھوڑی پارۂ ماہ جمال
بھاگ حلیمہ کے ابراہیم کی آل (۲۹۴)

مدح میں شاعر نے آپؐ کو زوار آفاق، کشاف جمال، اکال، محمود مقام، طلع طلعت، مصدر استقبال، نور سحور جمال اور برہان متعال جیسے القابات سے خطاب کیا ہے۔ آپؐ کی آمد کی خوشی پر کائنات کی ہر چیز معطر تھی، بہار نے رنگ بکھیرے اور فرش عظمت میں عرش سے بڑھ گیا۔ یہ اثرات شاعر نے دل کے قلم سے رقم کیے ہیں اور محدود الفاظ اور مختصر بحر میں جذبوں کو موزوں کرنا شاعر کی ہنر مندی کی دلیل ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

بھان سمان چڑھا بطحا کا اقبال
فرش بھی عرش ہوا اے آہوئے زال
پتے اٹھ بیٹھے جاگے سوئے نہال
دھرتی دھمک اٹھی پگ پگ پڑی دھمال (۲۹۵)

اس قصیدے میں ہندی الفاظ کا استعمال زیادہ ہے ''بھان سمان، گن ونتوں، بھور دھمال، اکت، یگ، نرسنگے، سریر، گگن، گھٹ وال، اکال، اچرج، اجیارا، انیائی اور خوشبوؤں کی جھال'' شاعر کے ہندی اسلوب کے آئینہ دار ہیں۔ یہ الفاظ بڑی خوب صورتی سے کلام کا حصہ بن گئے ہیں اور معنویت کو اُجاگر کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

آپؐ نے توڑ دیے انیائی کے بھال
آپؐ نے پاش کیے کالی مائی کے لال
آپؐ نے نشٹ کیے سب انرتھ جنجال
اے ججمان دیال نعمت غیر زوال (۲۹۶)

آخر میں خالد سب ماؤں اور بچوں کی سلامتی کے ساتھ ''ایمن با اقبال'' ہونے کی دعا مانگی ہے اور ایک نظر کی التجا کی ہے:

جم جم مائیں جئیں شاد رہیں اطفال
تا ابد الآباد بھری رہے چوپال
آپؐ کا خالدؔ ہو ایمن با اقبال
ایک نظر آقا! ایک سخن کا روال(۲۹۷)

یہ قصیدہ آنحضرتؐ کے جمال، کمال، انقلاب اور فقر وانکسار کے علاوہ عظمت وسر بلندی کے ذکر سے عبارت ہے۔حمد ونعت کی حدود کی پاسداری کا بخوبی اہتمام ملتا ہے۔اپنی حالت زار کے بیان میں شاعر کی منظر کشی دل گدازی کی تاثیر کی حامل ہے۔ ہندی اور عربی اسلوب کی آمیزش اور بیان کی برجستگی قصیدے کے ممتاز اوصاف ہیں۔عہد جدید میں نعتیہ قصیدے کو خالد احمد کے مجموعے ''تشبیب'' کی بدولت قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

38-اصغرعلی شاہ: (م: ۲۰، اکتوبر ۲۰۱۶ء)

سید اصغر علی شاہ ۲۵ فروری ۱۹۳۳ء کو اللہ دیا شاہ کے ہاں ضلع انبالہ کے موضع چڑیالہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۷ء میں خاوند کی وفات کے بعد اُن کی والدہ ملتان اپنے میکے آگئیں۔ ۱۹۵۶ء میں اوری اینٹل کالج سے ایم اے عربی کا امتحان پاس کیا۔اسی ادارے میں ایم اے اسلامیات بھی کیا۔عربی کے لیکچرار سے ملازمت کا آغاز کیا اور ۱۹۹۳ء میں گورنمنٹ کالج خانیوال سے بطور پرنسپل ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔اُن کی وفات ۲۰، اکتوبر ۲۰۱۶ء کو ملتان میں ہوئی۔(۲۹۸)

وہ قادر الکلام شاعر ہونے کے علاوہ علم عروض اور علم الاصوات کے بھی ماہر تھے۔کلیات اصغر علی شاہ کی تدوین سید ظفر عباس نقوی اور اُن کی صاحب زادی عنیزہ برجیس نے کی ہے۔اُن کے کلیات میں نعتیہ قصائد بھی ہیں جن کی تشابیب تازگی اور جدید طرز فکر کی حامل ہیں۔انھوں نے روایت سے انحراف کرتے ہوئے نئے مضامین کی بنا ڈالی ہے۔ جہاں روایت کا دامن تھاما ہے وہاں مضمون آفرینی سے کام لیتے ہوئے کلام میں تازہ فکری کی ہوائیں بھی چلائی ہیں۔ پہلے قصیدے میں صحرائے عرب میں قافلے کے پڑاؤ کا منظر ہے اور جزئیات پر بھرپور توجہ صرف کی گئی ہے ایک جگہ ماضی وحال کے انسان کی پامال شعوری حالت، ذہنی مفلوک الحالی اور مظاہر پرستی کے رجحان کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ماضی کی طرف مراجعت اور انسان کی اخلاقی پستی اُن کے خاص موضوعات ہیں۔اُن کے نعتیہ مجموعے ''پیامبر فجر'' میں ایک حمدیہ اور پانچ نعتیہ قصائد موجود ہیں۔اُن کا سب سے طویل قصیدہ ستاون شعروں

پر مشتمل ہے۔ان کے مطالع ملاحظہ ہوں:

تھم جاؤ ساتھیو کہ عجب ماجرا ہوا — کن منزلوں میں قافلہ پہنچا چلا ہوا(۲۹۹)

آج سیّار خیال — پھر چلا الٹی چال(۳۰۰)

میں اسیر نذر ہوں ، گو قربتِ محصور میں — حال کا زنداں ہی لکھا ہے مرے مقدور میں(۳۰۱)

ثبوت شروا کسی نحو سے کہاں ہوتا — ارادتاً نہ جزا کا اگر بیاں ہوتا (۳۰۲)

جو طغیانی پہ جوئے طبع استادانہ آتی ہے — تو بے باکانہ، پُرکارانہ، مشتاقانہ آتی ہے(۳۰۳)

اصغر کے ہاں تشابیب میں اردو قواعد اور شعری اصطلاحات کے استعمال سے بھی جدت پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ انھوں نے ''نحو، مبتدا، زحاف، مضارع ، قافیہ جلی، تشبیہ، زمین شعری ، بحر ہزج، گریہ اور بیت الشعر'' جیسی اصطلاحات کو نہایت خوبی سے برتا ہے۔ ایک قصیدہ اختر شیرانی کی زمین میں بھی ہے۔ اصغر نے نہ صرف کمال مہارت سے اس زمین کو نعتیہ آہنگ میں ڈھالا ہے بل کہ زمین شعر کو مجسم انداز میں پیش بھی کیا ہے جو نعت کا نذرانہ لے کر آتی ہے۔ تشبیب و گریز کے اشعار ایک دم تازہ بہ تازہ ہیں۔ ان میں شاعر کی جودت طبع کا مظاہرہ دیکھا جاسکتا ہے۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

خبر ہو شاعروں کو باادب ہشیار ہو جائیں — کہ جلوت میں زمینِ شعر کی سلطانہ آتی ہے

بلانے پر کسی دن منتوں سے بھی نہیں آتی — کسی دن بن بلائے خود ہی مشتاقانہ آتی ہے

لکھیں، جزر و مدِ بحر ہزج ترتیب پاتے ہیں — کہیں تسنیمِ لف ونشر فلسفیانہ آتی ہے(۳۰۴)

نقوش پائے مبہم سے پتہ چلتا ہے آمد کا — جو بیت الشعر میں گریہ صفت دزدانہ آتی ہے

گریزاں ہے کوئی تشبیب مدحاتِ قصیدہ سے — نہیں بنت غزل تائب ہے، عشاقانہ آتی ہے

ندامت سے ہوئی آب آب دربارِ رسالتؐ میں — لیے نومسلمہ اک نعت کا نذرانہ آتی ہے(۳۰۵)

انھوں نے آنحضرتؐ کے انسانیت پر احسانات کو شدومد سے بیان کیا ہے اور انسانوں کو سجدۂ شکر بجا لانے کی تلقین کی ہے۔ وہ آنحضرتؐ کی آمد اور اسوۂ حسنہ کی ضرورت و اہمیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ آپؐ کی ذاتِ اقدس کے بغیر دنیا کی حالت یقیناً ابتر ہوتی ،شاعر کی چشم تخیل نے جو نقشہ پیش کیا ہے اس کی جھلک اشعار میں ملاحظہ ہو:

زمیں پہ جن نہ فلک پر ملائکہ ہوتے — نہ قدسیاں و شیاطین کا نشاں ہوتا

وجود ذاتِ محمدؐ کرشمۂ کونین — بغیر آں ہمہ عالم ہی رائیگاں ہوتا

یہی علامت رحمت نہ ہوتی تو کیوں کر — سفینہ نوح کا طوفاں میں کامراں ہوتا

نہ مصر ہی سے نکلتے بنون اسرائیل نہ غرق نیل میں فرعون قبطیاں ہوتا
گرفتۂ عدل تو عصیان گھومتا آزاد کبیدہ صدق تو بطلان شادماں ہوتا
دعائیں رحمت عالم کو دو ، جہاں والو! کڑا وگرنہ تمہارا تو امتحاں ہوتا
نہ گھر خدا کا بتوں سے نجات ہی پاتا نہ کعبہ قبلۂ روہائے مسلماں ہوتا
نہ ہوتا تو مرے ممدوح خلد بخش اگر تو کس کی شان میں شاعر قصیدہ خواں ہوتا(۳۰۶)

اصغؔر کے ہاں قصیدے کے تمام عناصر پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔انھوں نے پُرکشش مطلعے کہے ہیں۔گریز اگرچہ مختصر ہیں مگر مہارت سے مدح کی طرف رجوع کرتے ہیں۔اُن کا مطالعہ وسیع ہے،عربی اور اسلامیات کے مطالعے کے اثرات اُن کے اسلوب اور فکر دونوں پر دیکھے جا سکتے ہیں۔عربی قصیدے کی تشبیب کے موضوعات سے انھوں نے استفادہ کیا ہے اور عربی تراکیب اسی کا نتیجہ ہیں۔اس کے علاوہ قرآنی تلمیحات کو انھوں نے خوب صورتی سے برتا ہے۔مدح کے مضامین اسلام کے آفاقی اثرات لیے ہوئے ہیں۔آنحضرتؐ کی آمد سے انسانیت کی تہذیب کا عمل دو چند ہو گیا۔انسانیت پر آپؐ کے احسانات کا بیان انھیں مرغوب ہے۔انھوں نے ادب واحترام کی فضا کا اہتمام کیا ہے۔عشق ومحبت کے جذبات کی فراوانی ہے اور حفظ مراتب کا عمدہ استعمال ملتا ہے جس سے اُن کی خوش عقیدگی ظاہر ہوتی ہے۔اسلامی انقلاب کی ایک جھلک درج ذیل اشعار میں ملاحظہ ہو:

باز کی ہمت نہیں پڑتی کہ اب جھپٹے کبھی آ گئی ہے وہ توانائی دلِ عصفور میں
راکھ سے بڑھ کر ہُوا ملکِ سلیمانی حقیر کیسے سورج کی کرن اُتری وجودِ مور میں
کل دلوں میں کس کی الفت کا نشہ گھر کر گیا کس نے محرومی بسائی دخترِ انگور میں
کس کی مدحت نے مجھے یہ حوصلہ بخشا کہ میں کہہ سکوں، ہوں میں بھی خاصانِ صف مشہور میں
میں بھی اک حق دار عنداللہ ٹھہرا خلد کا آ گیا جب فہرس عند النبیؐ ماجور میں(۳۰۷)

اصغرعلی شاہ کے قصائد فکری تازگی کے ساتھ ساتھ پُرشکوہ اسلوب کے بھی حامل ہیں۔انھوں نے قصیدہ نگاری میں اپنا ایک منفرد رنگ اُجاگر کیا ہے۔اُن کے اسلوب میں لفظی شوکت اور جلالت موجود ہے۔علم عروض،فن شعر اور لسانی قواعد کی اصطلاحات کے استعمال نے اُن کے اسلوب کو علمی وقار اور معنوی شکوہ عطا کیا ہے۔استفہامیہ لہجہ اُن کے کلام کی ایک اور خوبی ہے۔لہجہ استفہامیہ ہو، بیانیہ یا خطابیہ وہ ہر جگہ کامیاب نظر آتے ہیں۔اُن کے قصائد کے جملہ عناصر بہ اعتبار اسلوب ہم رنگ اور ہم آمیز ہیں۔شروع سے آخر تک بیان کا زور اور تاثر کی یکتائی ملتی ہے۔اُن کے قصائد اُردو نعتیہ قصیدے

کی روایت میں منفرد آواز کے طور پر تادیر اپنی شناخت برقرار رکھیں گے۔

39-جذب علی عباس:(م:۱۹۷۱ء)

سید علی عباس جذب کا تعلق صوبہ بہار کے علاقے گوپال پور سے ہے۔ وہ ۱۹۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ اُنھوں نے شاعری میں مصطفیٰ جوہر سے اصلاح لی۔(۳۰۸) جمیل مظہری نے اُن کا قطعہ تاریخ کہا ہے جس کے مطابق اُنھوں نے ۱۹۷۱ء میں وفات پائی۔(۳۰۹) اُن کے قصائد کا مجموعہ ''قصائد جذب'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ اس مجموعے میں بیس قصائد شامل ہیں۔ ان میں سے اٹھارہ قصائد اہل بیت کی منقبت میں اور دو نعت رسول مقبولؐ میں ہیں جن کے مطالع درج ذیل ہیں:

یا عروس موسم گل ہے نقاب اندر نقاب (۳۱۰)   تر بہ تر سایہ فگن ہے صحن گلشن پر سحاب

گل رنگی شبنم سے ہے آتش تر پانی (۳۱۱)   اللہ رے گلشن کی یہ میکدہ سامانی

جذب کے قصائد جوش بیان، بلند تخیل، شوکت الفاظ، جودت طبع، صفائی زبان اور روانی کی خوبیوں سے مزین ہیں۔ انھوں نے تشبیب، استعارہ اور صنائع بدائع کو عمدگی سے برتا ہے۔ اُن کے لہجے میں غضب کا جوش ہے۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں تشبیب میں بہار اور برسات کے موسم اپنی جزئیات کے ساتھ نمایاں ہوئے ہیں۔ بہار کی منظر کشی میں انھوں نے جیتی جاگتی تصویریں پیش کی ہیں۔ مثال میں یہ اشعار ملاحظہ ہوں جو شاعر کی قدرتِ شعری کی بھرپور عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں:

زلف سنبل کی بلائیں لے رہی ہیں بدلیاں   اشک محرومی سے سبزہ کھا رہا ہے پیچ و تاب

یا لٹیں پریوں نے بکھرائی ہیں دوشِ باغ پر   آسماں کے شامیانے کی کھچی ہے یا طناب

یہ گھٹائیں ژالہ بار اور یہ ہوائیں برف پاش   یہ فضائیں یخ فروش اور یہ برودت کا شباب

عرش سے تا فرش یہ طغیانِ خنکی الاماں!   جلوہ گر ہوا ہے سپہر رنگ و بو کے آفتاب (۳۱۲)

اس قصیدے کی خاص بات وہ اشعار ہیں جن میں آنحضرتؐ کے لیے ''آفتاب'' کے استعارے کی رعایت سے مضامین نکالے گئے ہیں۔ یہ اشعار جوش عشق اور زور بیان کے امین ہیں۔ ان میں لفظ ''جس کی'' تکرار سے آیا ہے اور خوش گوار صوتی آہنگ ان اشعار کا طرۂ امتیاز ہے جب کہ روانی اور خطابت کا عنصر مستزاد ہے۔ موضوعی لحاظ سے آنحضرتؐ کی عظمت اس قصیدے کا مرکزی نقطہ ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

جس کی بیماری میں ہے نار جہنم سے شفا   جس کی سرشاری میں ہے کارِ دو عالم کامیاب

جس کی رعنائی پہ نقاشِ ازل کو افتخار جس کی گیرائی کے آگے یہ خمِ گردوں حباب
جس کے مے خانہ میں یک جا حلّہ زیب وخرقہ پوش جس کے کاشانہ کا ہر درویش خاقاں انتساب
جس کی سرمستی کا لپکا طاعت صوم و صلوٰۃ جس کی تردستی کا چھینٹا ذکر قرآن و کتاب
آفتاب اے ساقی میخانۂ علم و خبر! آفتاب اے بادل پیمانۂ رشد و صواب
زمہریر آباد ہستی کو حرارت زار کر آتش سیال سے کر دُور دل کا التہاب (۳۱۳)

جذب کی نعت کا صوتی آہنگ خوش گوار تاثرات کا حامل ہے۔ وہ تکرارِ الفاظ سے نغمگیت اور روانی کی فضا پیدا کر لیتے ہیں۔ چند اشعار حظہ ہوں:

پیمانۂ عرفاں دے ، اسلام دے ، ایماں دے بے جان ہے تن جاں دے، اے ہادی روحانی
جام مے وحدت دے ، محلول ہدایت دے دربارۂ رحمت دے ، اے رحمت یزدانی
تو رشک امانت ہے ، تو فخر رسالت ہے ناز بشریت ہے ، اے آدم لاثانی
تو ہستی اوّل ہے ، تُو خلقت اکمل ہے تو مرسل افضل ہے، اے رہبر انسانی (۳۱۴)

مجموعی طور پر جذب کے نعتیہ قصائد وفورِ عشق کے جذبات سے سرشار ہیں۔ نعت رسول پاکؐ کے موضوعات آفاقی ہیں اور ان میں حفظ مراتب کی پاسداری کا اہتمام موجود ہے۔ اُن کا طرز بیان لفظی شوکت اور جلالت کا مظہر ہے۔

40- نفیس فتح پوری:

نفیس فتح پوری ۱۹۱۰ء میں یوپی (انڈیا) کے ایک قصبے ایرایاں سادات میں پیدا ہوئے جو ضلع فتح پور میں واقع ہے۔ اُن کا اصل نام سید انصار حسین ہے۔ ریلوے میں وائرلیس آپریٹر رہے۔ کوٹری سکھر کے علاوہ دس سال سمہ سٹہ میں گزارے۔ ۱۹۷۰ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد کراچی رہائش پذیر ہو گئے۔ (۳۱۵)

اُن کا شعری مجموعہ ''افکارِ نفیس'' قصائد، مناقب، سلام، رباعیات اور قطعات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے نوحے، مرثیے اور غزلیں بھی کہی ہیں۔ اُن کے دو قصائد نعت میں ہیں۔ پہلا قصیدہ انیس شعروں کا محسن کاکوروی کی زمین میں ہے اور دوسرا تیس شعروں کا ہے۔ ان کے مطالع ملاحظہ ہوں:

عرصۂ دہر پہ گمراہ تھیں اقوام و ملل حکمراں ذہن پہ انسان کے تھے لات وہبل (۳۱۶)

سبزہ و غنچہ و گل ابر و فضائے رنگیں کتنے اجزائے حسیں سے ہوئی تزئین زمیں (۳۱۷)

نفیس کے قصائد اگرچہ زیادہ طویل نہیں مگر اُن میں قصیدے کے اجزا اور اسلوب کا موثر اہتمام نظر آتا ہے۔ انھوں نے تشبیب سے دعا تک کے سارے مراحل بخوبی نبھائے ہیں۔ تشبیب میں زمین کی تزئین میں حصہ لینے والے عناصر کا ذکر کیا گیا ہے جن میں سبزہ، غنچہ، گل، ابر، شفق، قوس قزح، مہر تاباں، مہتاب اور نجوم و کہکشاں کا ذکر ہے۔ یہ عناصر تخلیق کے بارے میں دعوت فکر دیتے ہوئے آنحضرتؐ کی ہستی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے انسان کے اخلاقی زوال کی داستان اور انبیا کی سماج سدھار جدوجہد کا تاریخی پس منظر اختصار سے بیان کیا ہے اور آنحضرتؐ کی آمد کو اللہ رب العزت کی رحمت سے تعبیر کیا ہے۔ توحید کا وہ کام جو انبیائے سابق کی دعوت وتبلیغ کے باوجود تکمیل آشنا نہیں ہوا تھا، اسے آپؐ نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ آپؐ کی دین کی محنت کے اس پہلو کے بارے میں چند اشعار دیکھیے:

اک توہم میں گرفتار تھے ابن آدمؑ راہنما ان کا شگوں، راہبر ان کا تھا رمل

سب ہدایات گذشتہ کو بھلا بیٹھے تھے پست افکار تھے انساں کے تو اقوال ارزل

جلوۂ طور سے بھی تیرہ نگاہی نہ مٹی نہ ملا نوح کے طوفاں میں بھی اس کا کوئی حل

فکر انساں کی تھی آزارِ قبیحہ سے علل دم عیسیٰؑ سے بھی ممکن نہ ہوا ردِ عمل

مہرباں نوع بشر پر جو ہوا عزوجل ارضِ بطحا سے اُٹھے رحمتِ حق کے بادل (۳۱۸)

گریز کا مرحلہ نفیس نے بڑے نفیس انداز میں طے کیا ہے۔ گریز کے اشعار تشبیب کے اور مدح کے درمیان واقعی ایک پُل کا کام دیتے نظر آتے ہیں۔ مدح کے مضامین آنحضرتؐ کے انقلابی معاشرے کے خدوخال پر مشتمل ہیں جس میں اخلاق، اخوت، تہذیب اور ضابطۂ حیات نمایاں ہیں۔ دوسرا قصیدہ آنحضرتؐ کی عظمت کے مختلف پہلوؤں کو محیط ہے جن میں آپؐ کے نقش کف پا، علم خفی وجلی، نورانیت، صاحب معراج، رحم دل، مختار و سردار ہونے کا ذکر ہے۔ اس کے علاوہ اہل بیت کی مدح بھی ہے لیکن وہ نعت کا حصّہ بن گئی ہے اور حفظ مراتب کی آئینہ دار ہے۔ قصیدے میں حمد، نعت اور منقبت کا امتزاج موجود ہے لیکن ہر حصّہ اپنی جگہ مکمل اور جاندار ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ منقبت کے حصے میں بھی مرکزیت نعت ہی کو حاصل ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

اہل بیت آپؐ کے اک معجزۂ لا تردید دوسرا معجزہ ہے آپؐ کا قرآں مبیں

مرتضیٰؓ آپؐ کے اجلال و شجاعت کی شبیہ جس کے ہاتھوں ہوئی ہر معرکے میں فتح مبیں

فاطمہؓ آپؐ کی عفت کا مقدس پیکر یا بہ الفاظ دگر خاتم عفت کا نگیں
آپؐ کے خلق کریمانہ کی تصویر حسنؓ ہمہ تن محو جہاد و ہمہ دم صلح گزیں
آپؐ کی جہد کی تمثیل حسینؓ مظلوم جس کے دم سے رہی پائندگیِ دینِ مبیں(۳۱۹)

نفیس کی دعائیں ذاتی نوعیت کی ہیں۔انھوں نے دعا میں آپؐ کو خطاب کیا ہے اور ایمان کی سلامتی، غم سے بے نیازی، آخرت پر ایقان، زیارتِ رسولؐ اور فردوسِ بریں کی تمنا کی ہے۔

نفیس فتح پوری کے قصائد میں ادب واحترام کی فضا کے ساتھ لفظی شکوہ اور مرصع اسلوب کا اہتمام ملتا ہے۔انھوں نے تلمیحات اور حسن تعلیل سے مضامین کی ادائیگی ممکن بنائی ہے۔انھوں نے آنحضرتؐ کو جمع کے صیغے سے مخاطب کیا ہے۔مضامینِ مدح آفاقیت کے حامل ہیں اور ان میں حفظ مراتب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔اُن کا لفظی اسلوب عربی، فارسی سے عبارت ہے لیکن مشکل پسندی کا شائبہ تک نہیں۔انھوں نے ابلاغ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ابہام کو قریب نہیں آنے دیا۔اُن کے قصائد میں عشق ومحبت کی سچی تصویر دیکھی جاسکتی ہے۔

41-سالک نقوی:

سالک نقوی ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ان کے نعتیہ قصائد وفور عشق کی دولت سے مالا مال ہیں۔انھوں نے عزیز لکھنوی سے اصلاح لی۔اُن کے بارے میں حمید الدین شاہد لکھتے ہیں:

''جناب علی حسین سالک نقوی بلند شہر میں پیدا ہوئے۔لکھنو اور الہ آباد میں تعلیم پائی اور انجینئر نگ کا امتحان کامیاب کرنے کے بعد بسلسلہ ملازمت حیدرآباد دکن آگئے اور بیس سال محکمہ تعمیرات میں ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۴۹ء میں پاکستان منتقل ہوگئے۔(۳۲۰)

سالک نے صحیفہ سالک میں اپنی پیدائش ۱۹۰۳ء اور جائے پیدائش قصبہ شکار پور ضلع بلند شہر بتائی ہے(۳۲۱) شاعری کے علاوہ انھیں مصوری اور خوش نویسی سے بھی شغف تھا۔اُن کے تین مجموعے جن کے نام ''یادحرمین'' (نعتیہ مجموعہ)، بہتّر چراغ (سلام ونوحہ) اور صحیفہ سالک (قصائد ومناقب) ہیں۔اُن کے نعتیہ قصائد کی تعداد دو ہے۔یادِحرمین میں ''سرورکونینؐ'' کے عنوان سے انتیس شعروں کا ایک قصیدہ تائیہ ہے۔یہی قصیدہ اپنی مکمل صورت میں صحیفہ سالک میں موجود ہے اور اس کے اشعار کی تعداد ایک سو دو ہے اور اس کا عنوان ''مے خانۂ الست'' کر دیا گیا ہے۔مؤخر الذکر کا مطلع ملاحظہ ہو:

مے خانہ نہ تھا یہ اور نہ یہ لطف و لطافت ساقی تھا نہ مے خوار گھٹائیں تھیں نہ رحمت (۳۲۲)

اس قصیدے کی تشبیب میں تخلیق کائنات سے قبل کی تصوراتی منظر کشی کی گئی ہے۔ یہ مضامین ساحر لکھنوی کی تشبیب سے میل کھاتے ہیں مگر طرزِ تحریر اور اندازِ بیاں جداگانہ ہے۔ سالک نقوی نے صنعت جمع واشتقاق کے عمدہ شعوری استعمال سے قصیدے کے صوتی آہنگ میں ایک کشش اور جاذبیت بھر دی ہے۔ اُن کا ذخیرہ الفاظ اور انتخاب الفاظ قابلِ داد ہے۔ ان کی منظر نگاری تخیلاتی ہے اور ان کی جودت طبع کی غماز ہے۔ لفظی شوکت اور نازک خیالی اور زورِ بیان اُن کے قصیدے کے نمایاں اوصاف ہیں۔ چند اشعار بہ طور مثال ملاحظہ ہوں:

حرکت تھی نہ تحریک ، نہ کوئی متحرک مسکون نہ ساکن نہ سکوں اور نہ سکونت
ترسیم نہ تعمیر ، نواظر نہ مناظر بنّاء نہ بانی نہ مبانی نہ عمارت
تعجیل نہ تعویق ، تامل نہ تعلل حالات و محالات ، مہمات نہ مہلت
انشاہی نہ منشاہی ، مُنشاہی نہ منشی رشتے نہ سررشتے نہ فرشتے نہ ادارت
اعداد نہ اضداد نہ افراد نہ مفرد جوہر نہ عرض ، صورت و ہیئت نہ جسامت
کاعب نہ ترائب نہ قرائب نہ قرابے کاسے نہ قواریر نہ ساقی نہ سقایت
اشراق نہ اشفاق نہ آفاق نہ فائق مخلوق نہ مرزوق نہ معشوق نہ قربت (۳۲۳)

اس کے بعد مطلع ثانی کہا ہے اور آنحضرتؐ کے نور کی تخلیق اور اُس کے درجات و مراحل کا ذکر کیا ہے۔ حضور اکرمؐ کی عظمت کے چند حوالے دیے ہیں جن میں آپؐ کی فیض رسانی اور انبیا سے تقابل شامل ہے اور پھر آپ کی آمد کے خوش گوار اثرات کا بیان ہے۔ اس قصیدے میں معجزات نبویؐ کا پُر تاثیر بیان بھی موجود ہے۔ اس کے چند اشعار دیکھیے:

دنیا پہ کھلی اب بشریت کی تجلی سایہ نہ پڑا خاک پہ اللہ رے لطافت
انساں کا یقیں جب متزلزل نظر آیا دی خار و خزف نے بھی رسالت کی شہادت
انگلی کے اشاروں سے کیے چاند کے ٹکڑے اے اہلِ نظر یہ ہے دو عالم کی حکومت
چاہا تو درختوں کو ملی طاقت رفتار جب حکم دیا کوہ ہوئے گرم سیاحت (۳۲۴)

صحیفۂ سالک کا دوسرا قصیدہ ''ختم الرسل'' چوالیس اشعار کا ہے۔ اس کی تشبیب بہاریہ ہے۔ اس کا اسلوب محاکاتی ہے۔ اس میں گلستان پر بہار کے اثرات، چمن کی زیب و زینت، بلبل کی نغمہ سرائی اور جوشِ گل کا مسحور کن بیان ملتا ہے۔ اُن کا تخیل عروج پر ہے اور مشاہدہ، مبالغہ و تشبیہ لائق تحسین ہے۔

مطلع کے ساتھ تشبیب کے چند شعر دیکھیے :

خوشا ہجوم بہاراں کہ شاہد سنبل طرح طرح سے ہے مصروف شانہ و کاکُل
ترانہ سنج ہیں مرغانِ خوش نوائے چمن نشیمنوں میں الگ، شاخسار پر مل جُل
حنائی ہاتھ اگر ہیں کرُھل کے پھولوں کے بھرے ہیں زر سے گل آفتاب کے چنگل
بنفشئی ہے جو رنگِ لباسِ داوٗدی تو زینت گُلِ عباس چھینٹ کے فرغُل
ملی نگاہِ تماشا کو جب نہ راہ گزر گلوں کے باندھ دیے جوششِ بہار نے پُل (۳۲۵)

سالک نقوی نے قرآنی تلمیحات سے توانائی حاصل کرتے ہوئے اپنے قصائد کو جو علمی وقار بخشا ہے وہ سراہے جانے کے قابل ہے۔ عربی الفاظ و ترکیب وہ باآسانی مصرعوں میں یوں جذب کر دیتے ہیں کہ پیوند کاری کا احساس تک نہیں ہونے دیتے اور روانی کے عنصر کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ سیرت رسول کریمؐ اور آپؐ کی تعلیمات کو بھی سالک نے موضوع بنایا ہے۔ چند اشعار دیکھیے :

نوائے طائر گلزار ''ربی الاعلیٰ'' روان و روحِ چمن زار ''یاہوئے'' صلصل
خوشا نصیب کہ مصروف ہیں چراغاں میں حجاز و چین و عرب ، مصر و فارس و کابل
عطا ہو ساغر صہبائے ''من عَرَفْ'' ساقی ازل کے راز بھی جائیں مری نگاہ پہ کھل
ہیں ''اشر بُوا'' کی صدائیں تمام عالم میں کہیں بریز کے نغمے ، کہیں بگیر کا غل
بنات کو تری سیرت نے زندگی بخشی ترا کرم جو دیا توؐ نے حکم ''لاتقتل''
بچا کے قعر مذلت سے صنف نازک کو تری نظر نے معین کیے حقوق رجُل
ترےؐ کمال کے جوہر صدف صدف روشن ترے جمالؐ کے منظر کلی کلی، گل گل (۳۲۶)

سالک نقوی کے نعتیہ قصائد مضامین کی وسعت اور علمی شکوہ کے حامل ہیں۔ اُن کے ہاں مدح کا حصہ آنحضرتؐ سے محبت وعقیدت سے مزین ہے۔ انھوں نے افراط وتفریط سے بچنے کی ممکنہ سعی کی ہے۔ اہل بیت سے محبت کا اظہار بھی شامل ہے لیکن یہ اظہار بھی نعت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ عظمتِ رسولؐ، سیرت طیبہ، تعلیماتِ نبویؐ، جمالِ نبیؐ اور قرآنی وتاریخی تلمیحات سے سجے ہوئے ان قصائد کو شاعر کے بلند تخیل، جوشِ بیان، لفظی جلال اور بیان و بدیع کے مشاقانہ استعمال نے پُر تاثیر بنا دیا ہے۔ اشعار پڑھتے ہوئے ایمان کی تازگی کا احساس ہونا شاعر کی صداقت کی دلیل ہوتا ہے اور یہ کیفیت اور احساس ان قصائد میں موجود ہے۔

42-ڈاکٹر خان رشید:

ڈاکٹر خان رشید سندھ یونیورسٹی کے لیکچرر تھے۔انھوں نے ۱۹۶۵ء میں ''اردو شاعری کا تاریخی و سیاسی پس منظر'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔شکار کے ماہر تھے۔شکاریات کے موضوع پر کئی کتابیں تصنیف کیں۔موصوف نے طلبہ کے لیے قصیدے کا نصاب تیار کرنے کی غرض سے ''اردو کے نعتیہ قصائد'' کا انتخاب کیا۔اس میں ان کا اپنا قصیدہ بھی شامل ہے۔جو چالیس اشعار کا ہے۔اس کا مطلع یوں ہے:

ذہن شر دوست ہیں افکار دہکتے ایندھن　　کہیں آہوں کا دھواں ہے کہیں اشکوں کی جلن (۳۲۷)

یہ قصیدہ خان رشید کے عصری شعور کا بھرپور ترجمان ہے۔مسلمانوں کی بگڑی ہوئی حالت اور اخلاقی بدیوں کو انھوں نے نہایت خوبی سے اُجاگر کیا ہے۔اُن کے مطابق مسلمان خود فریبی کا شکار ہیں۔رنگ، نسل، ذات پات، وطن پرستی اور نفسانی خواہشات کے علاوہ حرص و ہوس اور بے توکلی کی گمراہیوں میں گھرنے کے باوجود دنیا میں عروج اور برتری کا خواب دیوانے کے خواب سے زیادہ کچھ نہیں۔اُن کی یہ تشویش اجتماعی دردمندی اور انسان دوستی کی مظہر ہے۔چند اشعار مثال میں دیکھیے:

جاگزیں دل میں ہوئے پھر نسل و رنگ کے بُت　　پھر ہوا تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن
نفس اصنام تراشی میں ہوا پھر مشغول　　آزری کے متلاشی ہوئے پھر کوہ و دمن
نہ قناعت کا تصور نہ توکل کا شعور　　جس طرف دیکھیے بس حرص و ہوا کا ہے چلن
بڑھ چکی ہے کچھ اس انداز سے ہر نوع کی بھوک　　جیسے ہوں مقصد تخلیق محض کام و دہن
گامزن سوئے مقابر ہے تکاثر کا فریب　　عقل روکے تو کہے نفس کہ نادان نہ بن
چپ جو رہیے تو ستم، کہیے اگر کچھ تو غضب　　ہیں ادھر طوق و سلاسل تو ادھر دار و رسن (۳۲۸)

خان رشید کا اسلوب روانی اور دل کشی کا حامل ہے۔انھوں نے بیان و بدیع کا پُرسلیقہ استعمال کیا ہے۔اُن کے ہاں تلمیح و مبالغے کی بھی مثالیں مل جاتی ہیں۔مفرس اور معرب تراکیب اُن کے کلام کو پُرشکوہ لہجہ عطا کرتی نظر آتی ہیں۔اُن کا اسلوب مجموعی طور پر تاثیر کی خوبی سے مملو ہے جب کہ مضامینِ مدح کا سرچشمہ قرآنی و حدیث کی تعلیمات ہیں۔انھوں نے آنحضرتؐ کی عظمت و رفعت کو والہانہ انداز میں اُجاگر کیا ہے۔اُن کے مضامین افراط و تفریط سے مبرا ہیں۔مختصر طور پر اُن کا کلام قصیدے کی تعریف پر پورا اُترتا ہے۔تشبیب میں سوز و گداز ہے، گریز موزوں اور برمحل ہے اور مدح میں شیفتگی ہے اور دعا میں اجتماعی دردمندی جھلکتی ہے۔مثال میں مدح کے حصّے سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

آیۂ نور کی تفسیر ہو سر تا بہ قدم گفتگو معنیِ والنجم کی صورت روشن
کعبہ گر ناف زمیں ہے تو تمھی نافہ ہو طیبہ رحمت سے ہے اقلیم محبت کا ختن
تم ہو وہ مہر سعادت بہ نظام شمسی یا نسیم سحر و اذنِ بہاراں بہ چمن
دستگیری سے تمھاری ہیں قوی جو تھے ضعیف مورِ بے مایہ بھی ہے مثلِ سلیمانِ زمن
چلتی پھرتی ہوئی قرآن کی تصویر ہو تم یا کہ ہو عظمت خالق کی دلیلِ بیّن (۳۲۹)

43- مہدی اعظمی:

مہدی اعظمی ممبئ میں درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ انھوں نے ہندی شکشک اور اُردو قابل میں سند حاصل کی۔ ان کا اصل نام غلام مہدی ہے جب کہ تاریخی نام جعفر رضا رکھا گیا۔ وہ اعظم گڑھ کے رہنے والے ہیں۔ وہ ۱۶، اگست ۱۹۳۶ء کو سید محمد قاسم کے گھر پیدا ہوئے۔ (۳۳۰)

انھوں نے مرزا احسن رضوی داناپوری سے اصلاح لی۔ ممبئ میں ساتویں رجب، تیرھویں رجب، تیسری شعبان اور عید غدیر کی محفلوں میں طرحی مصرع دیا جاتا تھا۔ وہ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۳ء تک ان مجالس میں شریک ہوتے رہے۔ اُن کا مجموعۂ قصائد ''سرمایۂ عقبیٰ'' پندرہ نعتیہ قصائد پر مبنی ہے جب کہ منقبت کے قصائد الگ ہیں۔ ان کے مطالع ملاحظہ ہوں:

وہ ناز کرتا ہے آدم سے جس کو نسبت ہے ہے آدمی تو وہی جس میں آدمیت ہے (۳۳۱)
ساری خلقت میں کوئی انسان سے برتر نہیں کیا یہ اس پر خاص لطف خالق اکبر نہیں (۳۳۲)
یہ اظہار حقیقت ہے نہ سمجھو کج خیالی ہے یہاں ہر آنے والی شے کسی دن جانے والی ہے (۳۳۳)
ہم کسی کا نام کیا لیں یہ شکایت عام ہے در پئے ایذا رسانی گردش ایام ہے (۳۳۴)
انسان جب بھی صاحب لعل و گہر ہوا رُخ اس کا جس طرف تھا زمانہ ادھر ہوا (۳۳۵)
حرف اور، لفظ اور، عبارت کچھ اور ہے آئنہ کمال کی طلعت کچھ اور ہے (۳۳۶)
جانب منزل مقصد جو کوئی گھر سے چلا کہیں ٹھوکر نہ لگی بچ کے جو پتھر سے چلا (۳۳۷)
دہر میں ایسے ہیں بہت انس ہے جن کو ذات سے شکر خدا کہ ہم وہ ہیں عشق جنھیں صفات سے (۳۳۸)
ہم کو ہے یہ فکر اس دنیا میں کس کو کیا کہیں سنگ کو پتھر کہ پتھر کو بھی آئنہ کہیں (۳۳۹)
کشتی کو ہے ضرورت جس طرح ناخدا کی ویسے ہی قافلے کو حاجت ہے راہنما کی (۳۴۰)
اس شہر کا باشندہ ہو یا اور کہیں کا وہ کون ہے جس پر نہ ہو احسان زمیں کا (۳۴۱)

بحرِ ہستی میں ہے، سب کی زندگی مثلِ حباب　　یہ حقیقت وہ ہے جس کو جانتے ہیں شیخ وشاب (۳۴۲)
قریب آتا نہیں کوئی کدورت اور عداوت سے　　دلوں میں گھر بنانا ہو تو پیش آؤ محبت سے (۳۴۳)
دنیا وبالِ جاں بھی ہے اور دل ربا بھی ہے　　بے درد اگر یہاں ہیں تو درد آشنا بھی ہے (۳۴۴)
جس کی نظر میں آفتاب اور مہ تمام ایک　　حق ہے اسے کہ یہ کہے جلوۂ صبح وشام ایک (۳۴۵)
منافق اور کافر دشمن دین خدا دونوں　　ہیں باطل آشنا دونوں، حقیقت سے جدا دونوں (۳۴۶)

مہدی اعظمی کی قصیدہ نگاری سادگی سے عبارت ہے۔ وہ مطلع بھرپور کہتے ہیں۔ اُن کی تشبیب موضوعات کا تنوع رکھتی ہے۔ ایک سے زائد مطلعے استعمال کرتے ہیں۔ اُن کے قصائد تیس سے چالیس شعروں پر مشتمل ہیں۔ مدح وتشبیب کے حصّے ہم آہنگ اور ہم ربط ہیں۔ دعاؤں کا اہتمام تمام قصائد میں نہیں البتہ گریز کے اشعار موجود ہیں اور موزوں بھی ہیں۔

اپنے قصائد کی تشابیب میں انھوں نے انسان کی عظمت، دنیا کی دگرگوں صورت حال، گردشِ ایام کے مضر اثرات، انسان کی ہوس مندی، عقل مندوں کی نشانیاں، کامیابی کے نشہ کے اثرات اور دیگر ناصحانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے علاوہ انسان کے مقام ومرتبے اور اس کی موجودہ اخلاقی پستی کا انھیں بخوبی ادراک ہے۔

انسان کی داخلی وخارجی خصوصیات خاص طور پر اُن کی توجہ کا مرکز ثابت ہوئی ہیں۔ ایک قصیدے کی تشبیب میں انھوں نے انسان کی فضلیت کا ذکر کر کے اس کی حیوانیت کو موضوع بنایا ہے۔ اُن کا انداز طنزیہ اور لہجے میں تلخی ہے۔ عہد حاضر کے انسان کی منافقت، ہوس، ایذارسانی اور حق و صداقت سے گریز کی صورت حال انھیں تنقید پر اُکساتی ہے۔ یہاں وہ ایک اصلاح کار کے روپ دھارتے نظر آتے ہیں۔ وہ انسان کی اخلاقی پستی اور حیوانی سرشت کو بےنقاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس کے حصے میں بلندی اور یہ پستی پسند　　تخت کا ہے دل سے شیدا، طالبِ منبر نہیں
ہے کھرا کھوٹا پرکھنے کی صلاحیت مگر　　گمرہی سے ہے عیاں تمیز خیر و شر نہیں
ہم نشیں کی سرد مہری تو اسے ہوتی ہے شاق　　لیکن اس کو کچھ بھی خوف گرمی محشر نہیں
عقل پر پردہ پڑا ہے اور کیا کہیے اسے　　ڈر اسے بندوں کا ہے لیکن خدا کا ڈر نہیں (۳۴۷)

مدح کے مضامین آنحضرتؐ کی افضلیت کے بیان میں ہیں۔ آپؐ کی مثالی زندگی، شفاعت، اصلاح کوشی، اخلاق، جود وسخا اور رحم وکرم کے مضامین اُن کے نعتیہ قصائد کا خاصہ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے آپؐ کی سیرت طیبہ اور معاشرتی انقلاب کو بھی موضوع بنایا ہے:

انھیں کی آل میں اوصاف ان کے پائے گئے
انھیں کے گھر میں وہ کثرت ہے جس میں وحدت ہے (۳۴۸)

کوئی محبوب الٰہی کا کہیں ہم سر نہیں — اس زمیں کا ذکر کیا ہے آسمانوں پر نہیں (۳۴۹)
تھا سہارا جو ترا بادشہِ کون و مکاں — زورِ دنیا نہ کبھی مہدی مضطر سے چلا (۳۵۰)
کل خوبیاں ہیں جس میں، ہر عیب دُور جس سے — ہم کو ملا وہ رہبر، صورت میں مصطفیٰ کی (۳۵۱)
دُختر کشی، جہالت، شرک و انا و نخوت — ہر درد لا دوا تھا، ہر درد کی دوا کی (۳۵۲)
ہر دور کے مفلس کو وہ دیتا ہے تسلی — اے شاہ امم! ذکر تیری نانِ جویں کا (۳۵۳)

انھوں نے رندانہ اصطلاحات سے بڑی خوبی سے نعتیہ مضامین نکالے ہیں۔ تقریباً سبھی قصائد میں ساقی، رند، جام اور مے کی اصطلاحات ملتی ہیں۔ جیسے:

صاحب معراج کی آمد ہے ساقی وہ شراب — جس کو رند پارسا جتنی پیے اتنا ثواب
ماہ کنعاں کی قسم! جذب زلیخا کی قسم! — جو ضعیفی میں پیے اس کا پلٹ آئے شباب (۳۵۴)

مہدی اعظمی کے ہاں عقیدت کے اشعار میں عقیدہ کی آمیزش شامل ہے۔ انھوں نے اہل بیت سے محبت کو وتیرہ بنایا ہے۔ اس کے علاوہ معراج النبیؐ کی حقیقت کو دلائل سے واضح کیا ہے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ آنحضرتؐ کو بدنی معراج ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ وہ آنحضرتؐ کو محض بشر سمجھنے کے قائل نہیں۔ اُن کے ہاں جوشِ عقیدت فراواں نظر آتا ہے۔ اُنھوں نے دشمنانِ رسولِ کریمؐ سے نفرت اور بےزاری کو قرآنی نص سے ثابت کیا ہے۔ اشعار دیکھیے:

کیا برائے روح بھی کوئی سواری چاہیے — کس لیے قدرت نے رف رف کا کیا تھا انتخاب (۳۵۵)
عرش پر حق نے بلایا تھا مع روح و بدن — یہ ہے سبحان الذی اسرا بعبدہ کا جواب (۳۵۶)
''و ما محمدؐ الا رسولؐ'' حق نے کہا — بشر سمجھنا خدا سے کھلی بغاوت ہے (۳۵۷)
سلمانؓ اہلِ بیتِ پیمبرؐ میں ہو گئے — دنیا یہیں تو کہتی ہے قطرہ گہر ہوا (۳۵۸)
نفرت کرو عدوئے حبیب اللہ سے — یا یہ کہو کہ معنی تبت کچھ اور ہے (۳۵۹)

اُن کے دو قصیدے بیک وقت نعت و منقبت میں ہیں۔ اُن میں نبی کریمؐ اور امام جعفر صادق کی مدح بیان ہوئی ہے:

راہبری کے واسطے اپنی مثال آپ ہیں — ایک نبیؐ آخری، جعفر نیک نام ایک
ایک کے بعد ایک ہے دور بھی ہے الگ مگر — دونوں کا عزم ایک ہے، دونوں کا ہے پیام ایک (۳۶۰)

انھوں نے عمدہ ردیفیں استعمال کی ہیں جس سے اُن کی قادر الکلامی عیاں ہے۔ مشکل ردیف سے عمدہ مضامین نکالنے میں انھیں ملکہ حاصل ہے۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے :

بعثت سے پہلے کچھ پس بعثت کچھ اور ہے   سیرت ہے ان کی وہ کہ عدو بھی نہ کہہ سکے (۳۶۱)

بارگہ الہٰ میں ان کا ہے احترام ایک   ایک حبیبؐ کبریا ایک ہے ان کا جانشین (۳۶۲)

تلمیح کلام کو علمی شکوہ عطا کرتی ہے۔ مہدؔی کے ہاں قرآنی تلمیحات کا خوب صورت استعمال دیکھنے میں آیا ہے، کشتی نوح، سبحان الذی اسریٰ، معراج، شداد، مقدادؓ، ابوذرؓ اور ''لولاک لما'' کی تلمیحات اُن کے کلام کی زینت بڑھاتی نظر آتی ہیں:

حق اس کی ڈھال اور یہ حق کی سپر ہوا   غزوات اور آیت ماینطق گواہ (۳۶۳)

جب کوئی پوچھے فاوحیٰ اور مااوحی کہیں   اپنے بندے کو بلا کر کیا کہا معبود نے (۳۶۴)

قصہ نہ سنے گا کوئی یوسف سے حسیں کا   میں ذکر اگر چھیڑ دوں اس ماہ جبیں کا (۳۶۵)

بہ ایں صورت ہوئے ثابت حبیب کبریا دونوں   وہ اپنے دور کے احمدؐ یہ اپنے وقت کے احمدؒ (۳۶۶)

یہاں آنحضرتؐ کی ذات پاک کو ایک خاص زمانے تک محدود کر دیا گیا ہے جس پر اہل عشق کو تحفظات ہیں۔

مہدی اعظمی کے قصائد آنحضرتؐ سے شیفتگی کا بھرپور اظہار ہیں۔ جذبوں کی سچائی اشعار سے عیاں ہے۔ اُن کا شعری اسلوب قصیدے کی جلالت سے میل نہیں کھاتا۔ اُنھوں نے لفظی آرائش اور نازک خیالی کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔ بنیادی طور پر سادہ انداز میں انھوں نے اپنے جذبوں کا اظہار کیا ہے۔ مدح کے مضامین میں حدِ اعتدال سے گزرنا نعت کے تقدس کے منافی ہے جو یقیناً بارِ گراں ہے۔

44- ممتاز مانیوی:

ممتاز مانیوی کے مجموعے ''مجلّہ ممتاز'' میں دس نعتیہ قصائد موجود ہیں۔ اُن کے قصائد کے عنوانات یہ ہیں: ''عرش کا شانہ، محیط روزگار، نورِ حق، شہکار یکتائی، مختار کار دوجہاں، شمع لامکانی، جان ربیع الاول، خیر الورا، رحمت کا سحاب اور راکب رفرف'' یہ قصائد تیس سے چالیس اشعار پر مشتمل ہیں ۔اُن کے قصائد مترنم بحور میں لکھے گئے ہیں اور اُن میں غنائی لہجہ نمایاں وصف کے طور پر سامنے آیا ہے۔ انھوں نے صنعت تکرار اور جمع کو صوتی آہنگ کی دل کشی اور جاذبیت کے فروغ میں خوبی سے برتا ہے۔ اُن کے کلام میں سہ اضافتی تراکیب بھی ہیں مگر کلام میں ثقالت پیدا نہیں کرتیں۔ اُن کے ہاں بے

ساختگی اوج پر ہے۔غنائیت اور روانی کے باب میں چند اشعار دیکھیے:

ازل کے گل عذار آ، گلِ سدا بہار آ جہاں کے تاج دار آ، ترا ہی انتظار ہے(۳۶۷)
حقیقت نمو ہے تو، نمو کی آبرو ہے تو نمود رنگ و بو ہے تو، بنائے روزگار ہے(۳۶۸)
ذرہ ذرہ ہے ترے پرتو سے رشکِ آفتاب چپہ چپہ عکس برانداز بزم آسماں(۳۶۹)
ظلمتو! بستر سمیٹو، غافلو! بیدار باش تاج دارِ کشور نورِ خدا آنے کو ہے
المدد، اے ناخدائے کشتی دیں! المدد! شور ہے دریا میں طوفانِ بلا آنے کو ہے(۳۷۰)

اُن کے قصائد میں منظر نگاری کے عمدہ نمونے موجود ہیں۔اُنھوں نے بہار یہ مناظر کا دل فریب نقشہ کھینچا ہے۔اُن کے ہاں صبح چمن، گلوں کی مہک اور گلشن کی قوت نمو کے حامل خوب صورت اشعار موجود ہیں۔اس لحاظ سے اُن کے اسلوب کو محاکاتی اسلوب قرار دیا جا سکتا ہے۔مثالیں دیکھیے:

فصل رب سے اب کی بار ایسی بہار آئی کہ بس ڈالی ڈالی پھول پھل سے لد کے چلاّئی کہ بس
پھوٹ نکلیں کیا عجب شاخ گوزن سے کونپلیں فصل گل اب کے وہ اعجاز نمو لائی کہ بس
دیکھ کر بڑھتی ہوئی رحمت کی بے پایاں گھٹا کہہ رہی ہے گلشن دوراں کی پنہائی کہ بس
چپہ چپہ یوں ہوا سیراب بارانِ کرم ہر دیار و دشت و دریا سے صدا آئی کہ بس(۳۷۱)
چل رہی ہے نشہ میں ڈوبی سرور افزا ہوا کوندتی پھرتی ہیں مستانہ فضا میں بجلیاں
ڈالی ڈالی بن رہی ہے مہدِ جنبانِ طرب بج رہی ہیں جا بہ جا بہجت فزا شہنائیاں
نغمہ پیرا ہیں عنادل رقص میں طاؤس ہیں پتہ پتہ وجد میں ہے، جھومتی ہیں ڈالیاں(۳۷۲)

اس کے علاوہ انھوں نے رندانہ مضامین کو بھی برتا ہے۔اُن کے ہاں ''ساقی'' کا استعارہ اللہ رب العزت اور آنحضرتؐ کی ذاتِ گرامی دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔انھوں نے زیادہ تر ساقی نامہ کو مجازی معنوں میں لیا ہے۔انھوں نے آپؐ کو میکدۂ ہست کا ''میر الست'' اور ''میر کوثر'' قرار دیا ہے۔جشنِ ولادتِ رسولؐ پر ساقی نامہ کے اشعار دیکھیے:

یہ روز عید ہے ساقی پلا صہبائے میثاقی دکھا دے شانِ رزاقی لٹا دے آج خم خانہ(۳۷۳)
زینتِ میکدۂ ہست ہوا میر الستؐ پیروِ پیر و جواں کیوں نہ منائیں منگل
آج واعظ بھی یہ کہتا ہے پیو اور پیو ہاں یہی پینے کا موقع ہے پلانے کا محل
ہاں پلا ساقیِ اول وہ پرانی صہبا تو نے جبریل سے کھنچوائی تھی جو روزِ ازل
جس کی تطہیر پہ قربان ہو جان توبہ جس کے پینے سے نہ آئے مرے تقویٰ میں خلل(۳۷۴)

مدح میں سیرت وانقلاب اسلامی کا بیان کم ہے۔ زیادہ توجہ حضور اکرمؐ کے ذاتی اوصاف اور فضائل پر مرکوز کی گئی ہے۔ ذاتی اوصاف کے بیان کے لیے آپؐ کو مختلف القابات سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ القابات اسماء النبیؐ پر بھی مبنی ہیں اور شاعر نے اپنی جودت طبع سے نئی تراکیب بھی وضع کی ہیں۔ ''مرجع اہل بصیرت، بنائے خلقت کل، مرکز خیر عمل، محسن ہر شیخ وشاب، نازش ام القریٰ، سراج دانش وحکمت، باعث تکوین باغ رنگ و بو، کنز مستور قدم، مطمح اوج نگاہِ عارفاں اور واقف اسرار مکتوم عدم'' کی تراکیب لفظی شوکت کے ساتھ شاعر کی جودت فکر کی عکاس ہیں۔

آنحضرتؐ کی ولادت، معراج کا شرف، انبیا پر فوقیت، وجہ تخلیق، اولیت، معجزات نبیؐ، مدح کے دیگر موضوعات میں سے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی منقبت بھی اُن کے قصائد میں شامل ہے۔

دلیل صدق وحق ہے تو، جہاں کا سرورق ہے تو ـــ محیطِ ''ما خلق'' ہے تو، بسیط روزگار ہے(۳۷۵)
اے نگہ دارِ نظام دفتر لیل و نہار ـــ اے جہاں بانِ رضائے خالق کون ومکاں(۳۷۶)
وہ مصباح عبودیت، سراج دانش و حکمت ـــ ہوا روشن بصد جلوت، شب تار جہالت میں(۳۷۷)
آپؐ کا درس شریعت وہ کھرا سکہ ہے ـــ جس میں کچھ میل ملاوٹ نہ کوئی مکر و دغل (۳۷۸)
وہ سراج نور حق ، حسن ازل، محبوبِؐ رب ـــ جس کی ضو سے جگمگائے آفتاب و ماہتاب(۳۷۹)
بس گیا ہر شش جہت میں، چھا گیا آفاق میں ـــ قدرت خالق سے بن کر فضل ورحمت کا سحاب(۳۸۰)
وہ اذکی ہے، وہ اطہر ہے، وہ ازہر ہے، وہ انور ہے ـــ وہ فائق ہے، وہ برتر ہے طہارت میں نجابت میں(۳۸۱)

ممتاز مانیوی کا شعری اسلوب تین بڑی صفات سے عبارت ہے: اوّل لفظی شان وشوکت، دوم محاکات نگاری اور سوم غنائی لہجہ۔ اُن کے طرزِ بیان میں صداقت ہے، ایمائیت ہے، جاذبیت ہے اور لطافت ہے۔ اُن کے کلام کی شیرینی قاری پر سحر طاری کیے بغیر نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ انھوں نے ادائے مضامین میں ندرت کے پہلو بھی آشکار کیے ہیں۔ اُن کا لفظی نظام مفرس ومعرب تراکیب سے مزین ہے جس میں شگفتگی، شکوہ اور شیرینی موجود ہے۔ اس کی مثالیں دیکھیے:

اٹھ کے برسی جو گھٹا بیٹھ گئی گردِ زلل ـــ اے خوشا رحمت خلاق در و دشت و جبل
کارگر ہونے لگا نشتر فصّاد کا پھل ـــ زخم ہائے دل دیوانہ ہرے ہونے لگے
عالم آرا ہوا محبوبِؐ خداوندِ ازل(۳۸۲) ـــ کیوں نہ ہو باغ تمنائے جہاں بار آور

ممتاز نے اگرچہ آنحضرتؐ کو صیغہ واحد متکلم سے خطاب کیا ہے لیکن عقیدت کے جذبات

بخوبی عیاں ہیں۔اُن کی عقیدت حمد و نعت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتی ہے۔اُن کے ہاں حفظ مراتب کی پاسداری ملتی ہے البتہ اُن کی عقیدت اُن کے مسلکی عقیدے کے تابع ہے۔اُن کے قصائد میں حسن طلب پر توجہ نہیں دی گئی۔وہ مطلع اور گریز کی فنی مہارتوں سے آگاہ ہیں۔بعض قصائد میں تشبیب نہیں لکھی۔اُن کی قادرالکلامی مسلمہ ہے جس کا اندازہ اسی امر سے ہو جاتا ہے کہ انھوں نے ''کہ بس'' اور ''آنے کو ہے'' کی ردیفیں احسن طریقے سے نبھائی ہیں۔اُن کا قصیدہ لامیہ محسن کاکوروی کی زمین میں ہے لیکن اُن کا اسلوب اُن کے ذاتی رنگ کا غماز ہے،اس میں تقلید و تتبع کو دخل نہیں۔اُن کے قصائد عشق و محبت کے ساتھ اسلوب کی تازہ کاری کی عمدہ مثال ہیں۔

45- جرار چھولسی: (م:۱۹۹۳ء)

سید جرار حسین رضوی ادبی دنیا میں جرار چھولسی کے نام سے معروف ہیں۔وہ ۱۹۱۸ء میں ضلع بدایوں کے قصبہ چھولس میں پیدا ہوئے۔قیصر چھولسی سے اصلاح لی۔ ہمدرد دواخانہ میں ملازم تھے۔اُنھوں نے ۱۹۹۳ء میں دہلی میں وفات پائی۔(۳۸۳) جرار کہنہ مشق شاعر ہیں۔اُنھوں نے نعت اور منقبت اہل بیت پر مبنی قصائد لکھے ہیں۔وہ صنف قصیدہ کے لوازمات سے بخوبی آگاہ ہیں۔اُنھوں نے اپنے مجموعے ''قندیلِ حرم'' کے دیباچے میں صنفِ قصیدہ کے بارے میں تنقیدی آراء کا اظہار کیا ہے۔وہ متفرق اشعار کی غزل نما تشبیب کو قصیدے کے زوال کا باعث گردانتے ہیں نیز وہ اساتذۂ سخن کے قائم کردہ اصولوں کو پیش نظر رکھنے کے قائل ہیں۔''قندیل حرم'' میں ایک تمہیدیہ اور تین مدحیہ قصائد موجود ہیں۔یہ قصائد زیادہ طویل نہیں۔سب سے طویل قصیدہ بائیس اشعار کا ہے جس کا عنوان ''جوہر عزم'' ہے۔یہ قصیدہ ۱۹۵۴ء میں انجمن حسینی چھولس کے طرحی مشاعرے کے لیے لکھا گیا۔مطلع ملاحظہ ہو:

نظر آتا ہے استقلال عنقا نوجوانوں میں نہ جرأت ہے،نہ ہمت ہے،نہ ہے وہ زور شانوں میں(۳۸۴)

''جلوۂ فاراں'' بھی مطروحہ قصیدہ ہے یہ ۱۹۵۵ء میں انجمن اکبری چھولس میں پڑھا گیا۔

وہ ڈالے دوش پر گیسوئے مشکیں آنے والے ہیں رقیبوں کے دلوں پر سانپ سے لہرانے والے ہیں(۳۸۵)

شافع محشر (انیس اشعار)

محبوب خدا، عاشقِ داور ہوئے پیدا اے صل علیٰ، دین کے رہبر ہوئے پیدا(۳۸۶)

شانِ نبی (انیس اشعار)

آخرت کا مامن و ملجا ہے دامانِ نبیؐ شان حق سمجھے زمانہ یا اسے شانِ نبیؐ(۳۸۷)

جرار چھولسی کے اسلوب میں نیاپن اور تازگی کا عنصر موجود ہے۔ اُن کے طرزِ بیان میں سلیقہ اور شائستگی موجود ہے۔ وہ اپنے طرزِ بیان سے مضمون میں تازگی پیدا کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ اُن کے ہاں تشبیب میں عہدِ موجود کے مسلمان کی بے عملی کا تذکرہ ملتا ہے۔ اُن کے مطابق آج کا مسلمان کردار سے خالی ہے اور محض عظمت رفتہ پر اترانے کا وتیرہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے صحابہ کرامؓ کی شجاعت، انصاف اور عزم و ہمت جیسی صفات بیان کی ہیں۔ مثال میں چند اشعار دیکھیے:

کبھی وہ دن بھی تھے چھائے ہوئے تھے ہم زمانہ پر ہمارا نام آتا ہے نظر اب داستانوں میں
لرز اُٹھتے تھے مدفن رستم و سہراب و بہمن کے ہمارے نام کا شہرہ کبھی تھا پہلوانوں میں
کبھی جبر و تشدد کی کلائی ہم نے توڑی تھی مگر آٹھوں پہر اب درد سا رہتا ہے شانوں میں
لرز جاتے ہیں دل ، اب دیکھتے ہی دھار خنجر کی
کبھی ہنستے ہوئے پھرتے تھے ہم تیغوں سنانوں میں (۳۸۸)

انھوں نے گریز کا مرحلہ بحسن وخوبی طے کیا ہے اور ہاتف غیبی کی صدا کو بطور تلازمہ کام میں لاتے ہوئے مدح کی طرف رجوع کیا ہے۔ مدح میں عقیدت کے ساتھ عقیدے کو بھی پیش نظر رکھا ہے، اس لیے اُن کے ہاں حضرت علیؓ کی منقبت کے حامل اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ ایک جگہ حضرت سلمانؓ کو حضرت سلیمانؑ پر فضیلت دی ہے جو حفظ مراتب کی خلاف ورزی ہے۔ انھوں نے مدح میں ولادت رسولؐ، معراج، معجزۂ شق القمر، محبوبیت، رحمت و رافت اور عظمت کو موضوع بنایا ہے۔ یہ مضامین جدت ادا کی مثال ہیں۔ جیسے:

سمندر بند کر دینا بہت آساں ہے کوزہ میں مگر مشکل ہے مدح مصطفیؐ آنا بیانوں میں
ضیائے خسرو لولاک کی جلوہ گری یہ ہے نجوم و کہکشاں میں، ماہ وخور میں، آسمانوں میں (۳۸۹)
کیا عرض کروں سیرتِ سرکارِ دو عالمؐ کردار کی تلوار میں جوہر ہوئے پیدا (۳۹۰)

صنائع بدائع کا مشاقانہ استعمال بھی انھیں مرغوب ہے۔ رعایت لفظی کے حوالے سے یہ قابل داد اشعار دیکھیے کہ جن میں طرز ادا کی چاشنی بھی ہے اور تاریخی شعور کی جھلک بھی۔ یہ اشعار آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت کے حوالے سے ہیں، ان کی خوب صورتی ملاحظہ ہو:

موسیٰ کی صدا ہے مرا ارمان بر آیا وہ بن کے جمالِ رخِ داور ہوئے پیدا
فرماتے ہیں عیسیٰ کہ مسیحا مرا آیا کہتے ہیں خضر دین کے رہبر ہوئے پیدا
یعقوبؑ پکارے مری آنکھیں ہوئیں روشن یوسفؑ نے کہا، آئنہ پیکر ہوئے پیدا

آواز خلیلؑ آئی کہ آیا مرا وارث قبلہ ترے اے کعبۂ داور ہوئے پیدا (۳۹۱)

جرار چھولسی قصیدہ نگاری کے لوازمات سے آگاہ ہیں۔اُن کا شعری اسلوب روانی، پختگی اور تازگی کا مظہر ہے۔انھوں نے مضمون آفرینی اور ندرت فکر کی عمدہ مثالیں پیش کی ہیں۔ مدح میں حفظ مراتب کی پاسداری نہیں کر سکے ۔صحابی اور نبی کے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے تھا جسے انھوں نے جوش عقیدت میں فراموش کر دیا ہے۔

46۔ضیا شہبازی:(م:۴مئی ۲۰۱۱ء)

ضیا شہبازی کا اصل نام سید شاہ محمد اشتیاق عالم عرف امن بابو ہے اور وہ انڈیا صوبہ بہار کے علاقے بھاگل پور میں خانقاہ عالیہ شہبازیہ ملا چک شریف کے پندرھویں سجادہ نشین تھے۔ وہ ۲۱ جنوری ۱۹۵۲ء کو صوبہ بہار کے علاقے ملا چک شریف (بھاگل پور) میں پیدا ہوئے۔اُنھوں نے ۴مئی ۲۰۱۱ء میں وفات پائی۔ انھوں نے پہلا قصیدہ ۱۹۸۱ء کے قریب مٹیا برج کی محفل میلاد میں ماسٹر نور الحسن اعظمی کے اصرار پر لکھا جو محفل میں اوّل انعام کا حق دار قرار پایا۔یہیں سے اُن کی قصیدہ گوئی کا آغاز ہوا۔(۳۹۲)

اُن کی تالیف ''کائنات تصوف'' تصوف کے موضوع پر ایک اہم دستاویز ہے۔اس کے علاوہ اُن کے نعتیہ مجموعوں میں ''سبز حروف کے شجر'' (۲۰۰۰) اور ''برگ ثنا حرف حرف'' (۲۰۰۷) شامل ہیں۔ ''برگ ثنا حرف حرف'' اُن کے قصائد کا مجموعہ ہے۔اس میں ۲۶ قصائد شامل ہیں ۔ضیاؔ کے مطالع جاذبیت اور ندرتِ فکر کے حامل ہیں۔اُن میں زبان و بیان کی چاشنی ہے اور محاورے کا خوب صورت استعمال ملتا ہے۔اُن کا تخیل بلند ہے اور ان میں مضامین کا تنوع دیکھنے میں آیا ہے۔مختصر طور پر کہا جائے تو اُن کے مطالع جذبے اور لہجے کی توانائی سے بھرپور ہیں۔اُنھوں نے اپنے قصائد کو عنوانات دیے ہیں اُن کے قصائد مختصر ہیں۔سب سے مختصر قصیدہ سولہ اشعار کا اور سب سے طویل قصیدہ چونتیس اشعار کا ہے۔یہ قصائد اگرچہ مختصر ہیں مگر ان میں تشبیب کا باقاعدہ اہتمام موجود ہے۔اُنھوں نے اکیسویں صدی میں اُردو قصیدے کی روایت میں خوب صورت اضافہ کیا ہے۔ان کے مطالع اور عنوانات درج ذیل ہیں:

۱۔امشب (پچیس شعر)

قصیدہ لکھنے لگا خامۂ بہار امشب تمام کشتِ تخیل ہے سبزہ زار امشب (۳۹۳)

۲۔اجالا (سترہ شعر)

دور افق تک کہیں موہوم اجالا بھی نہیں جلوۂ صبح نہیں شب کا دھندلکا بھی نہیں (۳۹۴)

۳۔شبِ دراز(اکیس شعر)

شب دراز وہ کیا تھی کہ مختصر نہ ہوئی   گزر گئیں کئی صدیاں مگر سحر نہ ہوئی(۳۹۵)

۴۔خوش بُو(تیس شعر)

ہے جھکی شاخ قلم آتی ہے فن کی خوش بُو   سجدۂ عشق میں ہے روئے سخن کی خوش بُو(۳۹۶)

۵۔محل(تیئیس شعر)

سفید موتیوں والے یہ عظمتوں کے محل   ہیں آسماں کی بلندی پہ رفعتوں کے محل(۳۹۷)

۶:پیراہن گل(انیس شعر)

رنگ، خوش بُو، تازگی، پیراہن گل سا لکھوں   آمد فصل بہاراں تجھ کو میں کیا کیا لکھوں(۳۹۸)

۷۔حسن تبسم(سولہ شعر)

بلندیوں کی طرف وہ مجھے اچھال گیا   اسی کا ذکر مری عاقبت سنبھال گیا(۳۹۹)

۸۔رنگ محبت(ستائیس شعر)

جس کو مداحی سرورؐ کے ہنر آتے ہیں   دست بوسی کو ستارے بھی اُتر آتے ہیں(۴۰۰)

۹۔گلاب (چونتیس شعر)

لکھنا ہے برگ گل پہ قصیدہ گلاب کا   خوش بُو ہے روشنائی، سفینہ گلاب کا(۴۰۱)

۱۰۔چراغ (سترہ شعر)

جھلملاتے ہیں جو پلکوں پہ مسرت کے چراغ   کعبۂ دل میں جلے ہیں ابھی مدحت کے چراغ(۴۰۲)

۱۱۔جلوہ نمائی(پچیس شعر)

صبح کی جلوہ نمائی دیکھیے   رات بھی ایمان لائی دیکھیے(۴۰۳)

۱۲۔سفینہ (اکتیس شعر)

قلم ہے بادباں کاغذ مرا سفینہ ہے   اسی پہ سات سمندر بھی پار کرنا ہے(۴۰۴)

۱۳۔ابر مشکبار(بیس شعر)

چھلکاؤ جام آج کا موسم ہے خوشگوار   ساغر بدوش پھرنے لگا لمحۂ مشک بار(۴۰۵)

۱۴۔دست ہنر(انتیس شعر)

دستِ ہنر میں ہے قلم لب پہ خدا کا نام ہے   نعت کے پل صراط پر مستِ مے خرام ہے(۴۰۶)

۱۵۔موسم (چوبیس شعر)

پھول کا ، رنگ کا، خوش بو کا ، صبا کا موسم تکتا ہے سوئے فلک رحم کا پیاسا موسم (۴۰۷)

۱۶۔چاندنی (چھبیس شعر)

خامہ سے پھر چھٹک پڑی حمد وثنا کی چاندنی فضل خدا پہ سجدہ کر، شکر خدا کی چاندنی (۴۰۸)

۱۷۔برگ حنا (اکیس شعر)

لفظ ، سیاہی ، خامہ ، کاغذ سب کا مقدر چمکاؤ باغ ثنا کے تازہ پھولو! شاخ قلم پر آ جاؤ (۴۰۹)

۱۸۔مثالی رنگ (بیس شعر)

اک قصیدہ تو بھی لکھ اے دل مثالی رنگ میں گھول دے اپنے لہو کی شوخ لالی رنگ میں (۴۱۰)

۱۹۔سرخ مشعلیں (پچیس شعر)

یا رب وہ شعر میرے قلم سے اتار دے مجھ ظلمتی کا دونوں جہاں جو سنوار دے (۴۱۱)

۲۰۔صبح (تیس شعر)

آسماں در آسماں پھیلا ہے منظر صبح کا قامت شب سے بڑھا قد صنوبر صبح کا (۴۱۲)

۲۱۔محراب زندگی (اکیس شعر)

شفق، ستارے، گھٹائیں، جگنو، صبا، کرن کو بلا بلا کر یہ کون خیرات دے رہا ہے قدم سے کس کے لگا لگا کر (۴۱۳)

۲۲۔دست بہار (بتیس شعر)

دماغ میرا بھی ہو مشک بار خوش بو سے ملا دے مجھ کو بھی اے کردگار خوش بو سے (۴۱۴)

۲۳۔لباس (سترہ شعر)

سیہ ترین تھا الحاد کی فضا کا لباس رہین بخیہ گری سب کی التجا کا لباس (۴۱۵)

۲۴۔طشت جاں (پچیس شعر)

کسی کے مد مقابل ہیں آئینے دل کے بدل کے آج رہیں گے یہ رنگ محفل کے (۴۱۶)

۲۵۔میزاب (اٹھائیس شعر)

رنگ برساتا ہوا افکار کا میزاب ہے نو بہ نو لفظ و معانی کا نیا ہر باب ہے (۴۱۷)

۲۶۔الصلوۃ والسلام (اکیس شعر)

اے چراغ صحن کعبہ الصلوۃ والسلام جلوۂ شہر مدینہ الصلوۃ والسلام (۴۱۸)

ضیا شہبازی کے نعتیہ قصائد عشق ووارفتگی کے لحاظ سے دلوں میں فوری اثر ونفوذ کی صلاحیت

رکھتے ہیں۔اُن کے ہاں شعری تجربہ نہیں بل کہ جذبۂ صادقہ موج زن نظر آتا ہے۔اُن کا عشق ادب کے قاعدوں سے بھی آشنا ہے اور عجز وانکسار سے بھی آگاہ ہے۔اُن کی مدح صداقت اور خلوص کی مظہر ہے۔سیرت طیبہ اور سراپا مبارک دونوں کے بیان میں اُن کا قلم موتی بکھیرتا ہے۔اس کے علاوہ عظمت رسولؐ، ولادت اور انسانیت پر آپؐ کے احسانات کو ضیا نے موضوع بنایا ہے۔حقیقت نگاری اور تخیلاتی مدح کا حسین امتزاج ہمیں اُن کے ہاں نظر آتا ہے۔چند اشعار مدح کے دیکھیے:

تمہارے بھوکے شکم پر کروڑوں بار سلام ہوس کی تیغ غلاموں پہ کارگر نہ ہوئی(۴۱۹)
سلام اُن پہ جو صادق ، امین کہلائے کسی کو جرأت کذب ان کی ذات پر نہ ہوئی(۴۲۰)
قدر کی راتیں نچھاور اُن کی زلف پاک پر اور خمِ محرابِ کعبہ، الصلوٰۃ والسلام(۴۲۱)
آمنہؓ کے گھر کا ہر ذرہ چراغِ طور ہے ناز سدرہ، فخر قبلہ ، رونق کعبہ لکھوں(۴۲۲)
تو بڑھ کے تھام لے دامانِ اُسوۂ حسنہ اسی میں حل ہیں زمانے ترے مسائل کے(۴۲۳)

انھوں نے حقیقی مدح کے علاوہ تخیلاتی سطح پر بھی آنحضرتؐ کی خدمت میں عقیدت کے پھول پیش کیے ہیں۔اُن کا تخیل بلند ہے اور اُن کے تلازمات اسلوب کو شگفتگی کی تاثیر بخشتے ہیں۔اُن کا کلام پڑھتے ہوئے قاری خود کو ایک معطر جہان میں پاتا ہے۔خوش بُو کا استعارہ اُن کے ہاں تازگی کا پیامبر ہے۔یہ اشعار دیکھیے جو سحر انگیزی کی صفت سے مزین ہیں۔

وہ اک تبسم معصوم کی کرن جس نے زمیں پہ ڈھیر کیے ساری ظلمتوں کے محل
شعور وفہم میں، ادراک میں کھلی خوش بُو بدل گئے ہیں گلستاں میں نفرتوں کے محل(۴۲۴)
کس کی آمد نے درِ ذہن پہ دستک دی ہے کس کی ہیبت سے ہیں چپ شہر جہالت کے چراغ
ایک امی لقبی اور زباں کا یہ اثر پڑ گئے ماند کل ایوانِ فصاحت کے چراغ(۴۲۵)
ناز کرتا ہے جہاں تیری ثنا خوانی پر سارا قرآن تری مدح و ثنا کا موسم(۴۲۶)
اس کی چشم ناز کی مستی کا یہ فیضان ہے پتا پتا ، بوٹا بوٹا ، ڈالی ڈالی رنگ میں(۴۲۷)
اسیر دہر ہوا جس کی زلف شبگوں کا دلوں کو اس نے کیا ہے شکار خوش بُو سے(۴۲۸)

ضیا کے ہاں تشبیب میں موضوعات اور مناظر کا ایک وسیع جہان آباد ہے۔یہ موضوعات بعض مقامات پر نظم کے روپ میں ہیں اور بعض جگہ غزل کے اشعار کی طرح الگ الگ تشخص کے ساتھ موجود ہیں۔اُن کے اسلوب میں محاکات نگاری کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔تازگی کے لیے وہ لطیف جذبوں کو مقدم رکھتے ہیں اور ملائم الفاظ سے انھوں نے شگفتگی کا عنصر پیدا کیا ہے۔مثال میں ایک تشبیب کے یہ

اشعار دیکھیے جن میں ''خوشبو'' کے استعارے نے پوری فضا کو معطر بنا دیا ہے:

ہے جھکی شاخ قلم آتی ہے فن کی خوشبو سجدۂ عشق میں ہے روئے سخن کی خوشبو
زعفرانی ہوا جاتا ہے ورق کاغذ کا پا کے آغوش میں لفظوں کے بدن کی خوشبو
فکر کی چاندنی دہلیز پہ در آئی ہے چاند کا پھول لٹاتا ہے کرن کی خوشبو
غم کا لوبان سلگتا ہے تخیل میں کہیں آج پھر تازہ ہوئی زخم کہن کی خوشبو
کتنا بے کیف ہے انساں کا مشام ہستی لے اُڑا دست خزاں سارے چمن کی خوشبو(۴۲۹)

اُن کی تشبیب میں مناظر فطرت، علمی اصطلاحات ، داخلی کیفیات ،شعروسخن کی عطا کی مناجات، عہد حاضر کے انسان کی اخلاقی پستی اور ماضی میں عربوں کی جہالت کا نقشہ مؤثر پیرائے میں ملتا ہے۔اُن کا مطالعہ وسیع ہے اور بیانیہ پُر تاثیر ہے۔اس لیے وہ جو مناظر تخلیق کرتے ہیں اُن سے سچائی جھلکتی نظر آتی ہے۔

سیہ ترین تھا الحاد کی فضا کا لباس رہین بخیہ گری سب کی التجا کا لباس
سیاہ دور ، سیہ لوگ ، خواہشیں تھیں سیہ ہر ایک شخص تھا پہنے ہوئے دغا کا لباس
سسک رہی تھی جوانی، ضعیفی عاجز تھی غضب کہ کعبہ بھی پہنے تھا بت کدہ کا لباس
ہر ایک سمت تھا ظلم و ستم کا ہنگامہ دکان عقل میں لٹکا ہوا انا کا لباس(۴۳۰)

ضیاؔ شہبازی کے قصائد اگرچہ طویل نہیں لیکن ان میں قصیدے کے جملہ عناصر پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔اُن کے مطالع پُر زور اور رفعت خیالی کے حامل ہوتے ہیں۔گریز وہ بہت عمدہ کہتے ہیں۔اُن کے ہاں گریز ایک شعر سے لے کر تین چار شعروں پر مبنی ہوتا ہے۔دونوں صورتوں میں گریز تشبیب اور مدح کے مضامین سے انصاف کرتا نظر آتا ہے اور اس کی ہم آہنگی قصیدے کو ایک کلی وحدت عطا کرتی ہے۔چند قصائد سے گریز کے اشعار دیکھیے:

ستم کی رات گئی، پو پھٹی ، اُجالا ہوا بغیر اُنؐ کے جہاں میں کہیں سحر نہ ہوئی(۴۳۱)
ہر شبِ غم کی مگر آخر تو ہوتی ہے سحر انقلاب آنا تھا آیا، ذوالجلالی رنگ میں(۴۳۲)
سنی پکار جو بندوں کی خالقِ کُل نے تو بھیجا نور کو پہنا کے مصطفیٰ کا لباس(۴۳۳)

بعض جگہ اُن کے گریز ایک پورا پس منظر بناتے ہیں اور پھر مدح کا اعلان کرتے ہیں۔ایک گریز سے یہ اشعار دیکھیے جن میں طوالت ضرور ہے مگر مرکزی نقطہ پیش نظر رکھا گیا ہے:

فریب، دجل، دغا، ظلم، جور، سفا کی ہزاروں سال کے یک جا ہیں انتشار امشب
خدایا! اب تو دعائے خلیل پوری ہو ہے کائنات تری محو انتظار امشب
بھٹکتے قافلے گم ہیں تلاشِ منزل میں کسی طرف سے تو آئے کوئی سوار امشب
پکارتا ہے کوئی آج بار بار امشب زمیں پہ آ گیا رحمت کا تاجدار امشب (۴۳۴)

ضیا کا شعری اسلوب فکری توانائی کے ساتھ جدت ادا کا مظہر ہے۔ وہ اپنے مضامین کو تازہ دم کرنے کے لیے نت نئی ردیفوں کو کام میں لاتے ہیں۔ اس سے اُن کے کلام میں تازگی اور شگفتگی کی بہار اتر آئی ہے۔ انھوں نے ''کے محل، خوشبو، امشب، گلاب، چراغ، موسم، چاندنی، لباس اور رنگ میں'' جیسی مشکل ردیفوں سے تازہ مضامین نکالے ہیں۔ یہ بات شاعر کی فکری ندرت اور شعری قدرت دونوں کا پتا دیتی ہے۔ اُن کے اسلوب کی دوسری بڑی خوبی شیرینی، نغمگیت اور روانی ہے۔ وہ صنعت جمع کے ذریعے کلام میں وہ خوشگوار صوتی آہنگ پیدا کر لیتے ہیں جو سماعت کو بھلا محسوس ہوتا ہے۔ اس کے لیے وہ تکرار لفظی کی صنعت بھی کام میں لاتے ہیں۔ اس کے علاوہ عمومی طور پر صنائع بدائع کا عمدہ استعمال اُن کے ہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

مشتری، ناہید، انجم، کہکشاں، پرویں، زحل دم بخود ہیں دیکھ کر روشن مقدر صبح کا (۴۳۵)
اہل دل، اہلِ نظر، اہلِ ادب، اہلِ ہنر چن رہے ہیں کس سلیقے سے گل تر صبح کا (۴۳۶)
چلو ضعیفو! گناہ گارو! یتیمو! مسکینو! بے سہارو! یہی دلائیں گے تختِ عزت زمیں سے تم کو اٹھا اٹھا کر (۴۳۷)
صدق، اخلاص، وفا، عدل، مروت، رحمت بانٹتی پھرتی ہے اس خاک وطن کی خوشبو (۴۳۸)
شب تیرہ، روز تار، سیہ صبح، زرد شام کون عہد بے قرار کو آخر قرار دے (۴۳۹)

ضیا شہبازی کے ہاں قرآنی، اسلامی اور تاریخی تلمیحات کا عمدہ استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔ وہ بڑی سہولت سے قرآنی آیات کو اپنے کلام میں سموتے چلے جاتے ہیں۔ ان تلمیحات سے اُن کے قصائد کا علمی وقار بلند ہوا ہے۔ مثالیں دیکھیے:

عشق کو تاج ملا ''اَنَا فتحنا'' کا جہاں ''فَدخلی جنتی'' کہنے لگی من کی خوشبو (۴۴۰)
ساوہ خشک دہن، موج ریز تھی ساوہ جگہ جگہ پہ نمایاں تھے برکتوں کے محل (۴۴۱)

نعت کا بنیادی عنصر جذبۂ عشق ہے۔ ضیا شہبازی کے ہاں عشق کا جذبہ عروج پر ہے۔ اُن کے نزدیک عشق ادب بھی ہے اور اطاعت بھی۔ اُن کے عشق کا ایک دوسرا حوالہ اہل بیت سے عقیدت ہے۔ وہ آلِ رسولِ کریمؐ کا ذکر نہایت احترام سے کرتے ہیں اور انھیں معتبر وسیلہ گردانتے ہیں۔

حسن طلب میں انھوں نے شفاعت، دنیا میں آبرو، دعاؤں کی قبولیت اور آپؐ سے نسبت قائم رہنے کی دعا مانگی ہے۔ اُن کے ہاں امت پر نظر کرم کی التجائیں اور عہد حاضر کے مسلمان کی ابتر صورتِ حال پر تشویش کا اظہار اجتماعی دردمندی کی علامت ہے۔ اُن کی پُرسوز دعائیں داخلی کرب کی غماز ہیں۔

مجموعی طور پر ضیا شہبازی کے قصائد فکر و فن کے تمام معیارات پر پورا اُترتے ہیں۔ مدح میں افراط و تفریط سے گریز کیا گیا ہے۔ اُن کا تخیل بلند اور لفظوں میں تازگی ہے۔ اکیسویں صدی میں وہ ایک بھرپور اور توانا لہجے سے قصیدے کے میدان میں اُترے ہیں۔ عہد موجود میں قصیدے کی روایت کو نئی زندگی عطا کرنے میں اُن کا کردار کلیدی ہے جو تادیر یاد رکھا جائے گا۔

47- ساحر لکھنوی: (م: ۲۵، نومبر ۲۰۱۹ء)

ساحر لکھنوی ایک مشاق قصیدہ نگار اور مرثیہ نگار ہیں۔ اُن کا اصل نام سید قائم مہدی ہے۔ وہ ۵، ستمبر ۱۹۳۱ء کو کراچی میں زیارت پر جاتے ہوئے پیدا ہوئے۔ میٹرک یوپی بورڈ (انڈیا) سے کیا۔ گریجوایشن اور لا کراچی سے کیا۔ اُن کی تصانیف کی تعداد گیارہ ہے۔ (۴۴۲)

اُن کے قصائد کا مجموعہ ''صحیفۂ مدحت'' ۱۹۹۷ء میں منظر عام پر آیا۔ اس میں دو نعتیہ قصائد کے علاوہ ایک حمدیہ اور پندرہ منقبتی قصائد شامل ہیں۔ پہلا نعتیہ قصیدہ ''نقشِ اول'' ایک سو بارہ اور دوسرا ''بارانِ رحمت'' باون اشعار پر مشتمل ہے۔ ان کے مطالع ملاحظہ ہوں:

تھی پس پردۂ تخلیق ابھی صبح ازل ہو کا عالم تھا، نہ گلشن تھے، نہ صحرا، نہ جبل (۴۴۳)
دل جو آمادۂ مدح نبویؐ تھا پیہم عقل بولی ، ہے مجھے علم زیادہ، تجھے کم (۴۴۴)

ساحؔر کے نعتیہ قصائد عشق و محبت کے آئینہ دار تو ہیں ہی لیکن خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنے مسلکی عقائد کو انتہائی شائستگی سے بیان کر کے ساری توجہ نعت اور اس کے تقاضوں پر صرف کی ہے۔ حفظ مراتب کا گہرا شعور ان کے ہاں نظر آتا ہے۔ اُن کے قصائد لفظی شکوہ کے ساتھ علمی شوکت کے بھی حامل ہیں۔ تاریخی تلمیحات اور اسلامی تاریخ کے متفقہ موضوعات کو انھوں نے مرصع اور رنگین پیرائے میں موضوع بنایا ہے۔ اُن کے شعری اسلوب سے ایک جلال ٹپکتا ہے اور جب وہ منظر کشی پر آتے ہیں تو لطافت اور شگفتگی سے کلام کو لازمی طور پر مزین کرتے ہیں۔

اُن کے قصائد کے مطلعے جاذبیت اور سحر انگیزی کی کیفیت رکھتے ہیں جو ایک افسانوی حیرت

اور جستجو کا آغاز کرتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے ایک تشبیب میں عدم کا نقشہ مفصل انداز میں پیش کیا ہے لیکن دراصل انھوں نے زندگی کی رعنائی اور رنگینی اور اس کے ہنگاموں کو بڑی حسرت سے اُجاگر کیا ہے۔ ان کے مطابق تخلیق کائنات سے قبل حسن، جوانی اور وقت نہیں تھا۔ اسی طرح اقوام وملل اور مذاہب کا ہنگامہ بھی نہیں تھا۔ سیارے، کہکشائیں، جنگل، پہاڑ، پھول، کلیاں، باغات اور مرغانِ چمن کے زمزے غرض کچھ بھی نہیں تھا۔ پھر رحمت حق کو عدم سے وجود کا خیال آیا تو صبح ازل، صبح ربیع الاول کی صورت طلوع ہوئی۔ یوں زمانے میں زندگی کا بھرپور آغاز ہوا۔ عدم کی کامیاب منظر نگاری کے ساتھ شاعر نے واضح طور پر اپنے نظریے کا اعلان کیا ہے کہ کائنات کا وجود حادثاتی نہیں بل کہ خدائے واحد کی حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔ چند اشعار دیکھیے جو شاعر کی قادرالکلامی کے عکاس ہیں:

نہ مہ و مہر کے فانوس، نہ تاروں کے چراغ — نہ کوئی شمع فروزاں، نہ کہیں جھاڑ کنول
نہ اجالا، نہ اندھیرا، نہ سحر اور نہ شام — نہ حرارت، نہ برودت، نہ حیات اور نہ اجل
نہ سماعت، نہ صدائیں، نہ کوئی ساز، نہ سوز — نہ ترانے، نہ ترنم، نہ مغنی، نہ غزل
نہ معاش اور نہ معیشت، نہ سماج اور رسوم — نہ یہ ادیان و مذاہب، نہ یہ اقوام و ملل
نہ کوئی چاند سا چہرہ، نہ یہ چاندی سے بدن — نہ غزالوں کی سی آنکھیں تھیں نہ ان میں کاجل
چشم و ابرو، لب و دنداں، نہ جبین و رخسار — نہ کوئی سر، نہ دماغ اور نہ دماغوں میں خلل
تھی نہاں خواب گہِ ''کن'' میں ابھی رحمتِ حق — دست قدرت نے نہ چھیڑا تھا ابھی ساز ازل (۴۴۵)

مدح میں والہانہ پن ہے جس کا اظہار انھوں نے آنحضرتؐ کے لیے خوب صورت القابات وضع کرتے ہوئے کیا ہے۔ یہ القابات زبان و بیان کے لحاظ سے پُرشکوہ ہونے کے ساتھ شاعر کی فکر رسا اور جودت طبع کے بھی غماز ہیں۔ ان میں آنحضرتؐ کی عظمت و رفعت کے معتبر حوالے موجود ہیں۔ چند اشعار نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہوں:

راہِ سدرہ کی تجلی، شبِ اسریٰ کا چراغ — مہر رخشان ابد، نیر تابان ازل
روح ایجاد، گلِ سر سبدِ گلشنِ ''کُن'' — چمنِ ہستیِ مطلق کی بہارِ اوّل
رہبر منزل حق، ناشرِ احکام خدا — شارع شرع متیں، ماحی بدعات و ذلل (۴۴۶)
زینتِ محفل کُن، شاہدِ اقرارِ الست — کاشفِ سر نہاں، محرم اسرارِ حرم
شاہ شاہان جہاں، خسروِ دین و ایماں — خواجۂ ارض و سما، ختم رسلؐ، شاہ اممؐ (۴۴۷)

زبان و بیان میں صنعت تکرار ساحر لکھنوی کو بہت مرغوب ہے۔ اسی سے انھوں نے اپنے

کلام میں غنائیت اور ترنم کا عنصر پیدا کیا ہے۔ اس صنعت کا عمدہ استعمال، حضور نبی کریمؐ کی سراپا نگاری میں دیکھنے میں آیا ہے۔ جہاں شاعر نے نت نئی تشبیہات سے اپنی ندرت فکر سے قصیدے میں تازگی کا سامان فراہم کر دیا ہے۔ مثالیں دیکھیے:

ہاتھ وہ ہاتھ کہ بیعت کو یداللہ بڑھے پیر وہ پیر کہ جو سجدہ گہ لات و ہبل
لب وہ لب جن سے رواں نطق کے شیریں چشمے نطق وہ نطق زباں جس سے ہوئی موج عسل
اسم وہ اسم کہ نقطہ بھی نہیں رکھ سکتے ان سے پہلے جو کبھی بھی نہ ہوا مستعمل
عارض پاک پہ یہ ریش مبارک کا حصار مصحف نور پہ ''واللیل'' کی جیسے جدول
رخ پُرنور کے پہلو میں یہ گیسوئے سیہ باہم آغوش ہیں شام ابد و صبح ازل
پتلیاں دیدۂ شفاف میں یوں ہیں جیسے چشمۂ نور کی موجوں پہ حقیقت کے کنول(۴۴۸)

ساحر کے ہاں موضوعاتی تنوع اُن کے قصائد کا علمی مرتبہ بڑھاتا نظر آتا ہے۔ آنحضرتؐ کا سراپا مبارک، سیرت طیبہ، ولادت اور اسلامی انقلاب سبھی کی جھلکیاں انھوں نے واضح انداز میں پیش کی ہیں۔ اس کے علاوہ آپؐ کے شخصی اوصاف انھوں نے محبت میں ڈوب کر لکھے ہیں۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

عزم وہ عزم کہ جس عزم سے ہٹ جائیں پہاڑ رزم وہ رزم کہ میداں میں مچا دے ہلچل
غیظ وہ غیظ کہ سرچشمۂ صد عفو و کرم تیغ وہ تیغ کہ ہے خلق کی جس پر صیقل
قہر وہ قہر کہ دشمن کا ہو پتہ پانی خلق وہ خلق جو دل جیت لے بے جنگ و جدل
خلق، انصاف، عطا، علم، عمل، صدق، کرم سارے اوصاف حسن چومتے ہیں اُن کے قدم
اُس نے پتھر کے پجاری کو موّحد کر کے رکھ لیا پیش خدا عظمتِ انساں کا بھرم
کوئی فرعون پھر اپنے کو خدا کہہ نہ سکا اس طرح گاڑ دیا دبدبۂ حق کا علم(۴۴۹)

ساحر لکھنوی کے قصائد، الفاظ کی شوکت، علمی وسعت، جاندار مطلعوں، موزوں گریز، مدح کے نکھرے ہوئے احساس، حفظ مراتب کی پاس داری، فکر کی تازگی، عقیدت و وارفتگی کے اظہار اور صنائع بدائع کے عمدہ استعمال کی بدولت اردو قصیدہ نگاری میں اہم اضافہ ثابت ہوں گے۔ اُن کی دعاؤں میں عصری شعور کی جھلک ملتی ہے۔ دعا میں کراچی کے حالات پر تشویش اور اجتماعی دردمندی کا جذبہ اُن کی انسان دوستی اور فطری محبت کا آئنہ دار ہے۔

48- مختار الدین احمد مختار: (پ:۱۹۳۲ء)

مختار الدین احمد مختار ۱۹۳۲ء میں مولوی محمد ظہیر الدین کے گھر بھوپال (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں ہجرت کے بعد اپنے بھائی کے ساتھ حیدر آباد آ گئے جہاں اُن کی بڑی بہن پہلے سے مقیم تھیں۔ اُن کی ابتدائی تعلیم کوئٹہ میں ہوئی۔ پھر کراچی آ گئے۔ یہاں سے انھوں نے ڈاؤ (Dow) میڈیکل کالج کراچی سے ایم بی بی ایس کیا۔ پھر برطانیہ سے اینستھیز یا (Anesthesia) میں اسپیشلائز کیا اور ۱۹۹۶ء میں بریڈفورڈ رائل انفرمری (ہسپتال) سے ریٹائرڈ ہوئے۔ اب گزشتہ چالیس برس سے برطانیہ میں ردرہم (Retherham) کے قریب ایک قصبے ریون فیلڈ میں رہائش پذیر ہیں۔ (۴۵۰)

ڈاکٹر مختار کے دو شعری مجموعے ''روشنی کا سایا'' اور ''عکسِ آواز'' اور دو مجموعے مضامین کے ''مقالاتِ مختار'' اور ''مضامین مختار'' شائع ہو چکے ہیں۔

''عکسِ آواز'' میں تین مطلعوں پر مبنی تریسٹھ اشعار کا ایک زوردار نعتیہ قصیدہ موجود ہے جو ڈاکٹر مختار کی سیرت النبیؐ سے گہری دل چسپی کا آئنہ دار ہے۔ انھوں نے سوانح رسولؐ کا عمیق مطالعہ کیا ہے اور پھر اسے نہایت محبت اور عقیدت سے شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔ تشبیب کے سولہ اشعار خزاں کی رخصت اور بہار کی آمد کا ذکر لیے ہوئے ہیں۔ بقول شاعر: عطر بیز ہواؤں میں گلشن کا ہر پودا اور ہر پھول شاداں و رقصاں ہے، مطلع صاف ہے مگر پھر یکا یک کالی گھٹا نے ہر طرف اندھیر مچا دیا ہے جسے بالآخر ابرِ باراں نے پچھاڑ کر دم لیا۔ گھٹا چھانے کا یہ منظر کفر و شرک اور بت پرستی کے عروج کا استعارہ ہے جس کے لیے شاعر نے سیتا، راون، رام اور لچھمن کی ہندی تلمیحات استعمال کی ہیں جو موضوع کے عین موافق ٹھہری ہیں اور محسن کاکوروی کے قصیدے ''مدیح خیر المرسلینؐ'' کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ محسن کاکوروی کو بعد میں تضمین لکھ کر اپنے مؤقف کی وضاحت دینا پڑی کہ انھوں نے ہندی تہذیب پر اسلامی تہذیب کی برتری دکھائی ہے مگر ڈاکٹر مختار نے تشبیب کے اندر ہی اپنا مقصد واضح کر کے قاری کے لیے سہولت پیدا کر دی ہے۔ اس جاندار تشبیب کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خزاں گزری، بہار آئی، اُٹھے سو کر چمن اور بن
کہیں پھولوں کا میلہ ہے، کہیں سبزے پہ ہے جوبن

چلی پروا، گھٹا چھائی، لٹیں سیتا نے بکھرائیں
معًا لے کے سیہ دیووں کا لشکر آ گیا راون

اٹھے بادل کہ جیسے مست ہاتھی آئیں دَل کے دَل
صدا و شور و غوغا سے ہوا ہے چرخ کجلی بن

برستے ہیں کہیں برچھے، کہیں بھالے، کہیں بلّم
کڑاکے مارتے ہیں بجلیوں کے رام اور لچھمن

بالآخر سو جتن سے خیر نے شر کو پچھاڑا ہے کہ نیک انجام کو پہنچا بڑے گھمسان کا تھارن(۴۵۱)

اس قصیدے کا گریز تلازم خیال کی نہایت خوب صورت مثال ہے۔ یادِ ماضی سے یادِ رسولؐ کا تلازمہ قابلِ دید اور قابلِ داد ہے۔ گریز کے درج ذیل اشعار سے شاعر کی مہارت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

خدا بخشے مرے ماں باپ ، بھائی اور بہن ، بیٹی کہ ان کی یاد سے دل ہے مرا اک بے خزاں گلشن
مگر اک پھول، ہو قربان جس پر زندگی میری ریاضِ عمر سے لائی ہے چن کر یاد کی مالن
خوشا قسمت کہ میرے خواب میں تشریف وہ لائے ابھی تک یاد ہیں مجھ کو اگرچہ تھا مرا بچپن
سراپا حسن دو عالم ، حسین و محسن و احسن وہ ختم المرسلیںؐ، محبوب، مولا، سائیں اور ساجن(۴۵۲)

یہاں شاعر نے اپنے بچپن کے خواب کا ذکر کیا ہے کہ جب انھیں زیارت رسولؐ کا شرف عطا ہوا۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب مالوہ میں ہندو آبادی کے درمیان اُن کا واحد مسلمان گھرانہ آباد تھا۔ وہاں اُن کے والد فارسٹ آفیسر کے طور پر تعینات تھے۔ ایسے میں شاعر کو ہندومت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا جس کا اظہار تشبیب میں تقابلی جائزے کے طور پر سامنے آیا ہے۔

مدح میں حضور اکرمؐ کی عظمت کے بے شمار حوالے بیان ہوئے ہیں جن میں سیرت، سراپا اور معجزات کا ذکر ملتا ہے۔ شاعر کے مطابق حضرت اسماعیلؑ، آنحضرتؐ کے اسم مبارک کے طفیل چھری کی دھار سے محفوظ رہے۔ حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کے پیراہن سے آپؐ کی خوشبو کی بدولت بینائی ملی۔ آپؐ کی ہستی رسالت کا چراغِ سرمدی ہے۔ آپؐ صاحبِ معراج ہیں۔ آپؐ سے درختوں کے پتے ہم کلام ہوتے تھے اور چوبِ خشک آپؐ کی جدائی میں نالہ زن ہوگئی تھی۔ ایام خندق میں پتھر آپؐ کے ہاتھ میں آ کر ہلکے ہو جاتے۔ آپؐ ہی حامل بار وحی و نبوت ہیں اور تاریخ کا سب سے بڑا معجزہ آپؐ نے یہ کیا کہ دشمنوں کو اپنا جاں نثار بنالیا۔ آپؐ کی تعلیمات سے عرب کے جاہل دنیا کے راہبر و راہنما بن گئے اور آپؐ نے لسانی، جغرافیائی، نسلی اور نسبی تعصّبات کی بیخ کنی کر کے انسانوں کو ایک رشتۂ اخوت میں پرو دیا۔ الغرض قصیدے میں ہندی، قرآنی اور تاریخی تلمیحات کا استعمال کثرت سے ہوا ہے۔

ڈاکٹر مختار الدین نہ صرف اسلامی تعلیمات سے آگاہی رکھتے ہیں بل کہ تاریخی حقائق پر بھی اُن کی گہری نظر ہے۔ نیل آرم سٹرانگ کی خلائی ٹیم چاند کی تسخیر کے بعد جب زمین پر لوٹی تو اُس نے چاند پر اذان کی آواز سننے کا دعویٰ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ خبر اخبار میں پڑھی اور اپنے قصیدے میں اس تاریخی شہادت کو قلم بند کر دیا۔

اس حقیقت کی طرف ڈاکٹر صاحب نے واضح اشارہ کیا ہے جو ''گوشِ مہ افگن'' کے استعاراتی بیان کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔شعر دیکھیے :

قمر ہر ماہ تیری یاد میں دو نیم ہوتا ہے صدا تکبیر کی آئی جہاں در گوشِ مہ افگن (۴۵۳)

ڈاکٹر صاحب نے اپنے انٹرویو میں بتایا کہ امریکی خلابازوں کا وفد مصر میں تھا کہ اذان کی آواز گونجی۔نیل آرم سٹرانگ نے کہا کہ یہ آواز تو اُس نے چاند پر بھی سنی ہے۔اس پر حکومت نے انھیں پاگل مشہور کر کے دس سال کے لیے جیل میں ڈال دیا۔(۴۵۴)

شعر ہذا ڈاکٹر صاحب کے گہرے مشاہدے کا غماز ہے نکتہ یہ ہے کہ چاند جب آدھا روشن ہوتا ہے تو اس کا صرف ایک ٹکڑا نظر آتا ہے جس پر چاند کے دو نیم ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ یہ علت بھی شعری حسن آفرینی کا موجب ہے جس پر شاعر کے مشاہدے کو داد دینا پڑتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس قصیدے میں اسلام اور اہلِ اسلام کی حقیقت سے آگاہی کا ثبوت دیا ہے یعنی وہ اسلام کے تابناک ماضی اور سیرت رسولؐ کی عالم گیریت کا ادراک ہی نہیں رکھتے بل کہ مسلمانوں کی موجودہ بداعمالیوں جو یقیناً زوال کا باعث ہیں سے بھی باخبر ہیں۔یہی عصری شعور قصیدے کا نمایاں پہلو بھی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے امت مسلمہ کے حال و مستقبل کے بارے میں محض تشویش کا اظہار کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بل کہ حبِ رسولؐ کو اُمیدوں کا مرکز بنا کر تعلیماتِ نبویؐ سے رجوع کرنے کی ترغیب بھی دی ہے۔آخر میں حضور نبی کریمؐ کے چاہنے والوں کے قدموں میں مدفن کی آرزو کر کے اس قصیدے کو اپنی آخرت کی دولت قرار دیا ہے۔

یہ قصیدہ جدید دور کے قصائد میں ایک بلند علمی وقار کا حامل ہے۔اس میں موضوعات کی وسعت ہے، الوہیت اور نبوت کی حدود کی پاسداری ہے، عشق و ادب کے جذبات ہیں، آرزوؤں کا جہان آباد ہے، تاریخی حقائق اور عصری شعور کی جھلک ہے اور اسلامی تعلیمات و تہذیب کے اثرات وثمرات کا برملا بیان موجود ہے۔اس پر سوز و گداز ،تغزل اور شعریت کے ساتھ زبان و بیان کی چاشنی، ہندی و عربی تلمیحات کا تنوع ،تشبیہ و استعارہ کی دل کشی ،حسن تعلیل کی فسوں سازی اور روانی و سلاست اور جدت ادا کی تازہ کاری مستزاد ہے۔شاعر نے اپنے اس قصیدے کے ذریعے اس صنف کی تازگی کو پھر سے اُجاگر کر دیا ہے۔ یقیناً یہ ایک کامیاب قصیدہ ہے جس میں اہلِ عشق کی دل بستگی کا وافر سامان موجود ہے۔قارئین کی دل چسپی کے لیے قصیدے کے چند پہلوؤں کو اُجاگر کرنے کے لیے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

معجزہ:

وہ جس کے قرب سے پتے شجر کے بات کرتے تھے
وہ جس کے ہجر میں ہوتی تھی چوب خشک نالہ زن
تری برکت سے کھانا ایک کا، سو پیٹ بھرتا تھا
تری رحمت سے جوئے شیر تھے بکری کے سوکھے تھن (۴۵۵)

سیرت:

ادا تیری شریعت ہے، طریقت ہے لقا تیری
تری ہر بات میں خوبی، ترا ہر فعل مستحسن (۴۵۶)

عدل:

وہ جس کی عاطفت میں بھیڑیا، بھیڑوں سے ڈرتا تھا
وہ جس کے زیر سایہ موم ہوتا تھا دل آہن
پرویا اک لڑی میں اس طرح صدرنگ پھولوں کو
ہوا مضبوط تر ہر خون کے رشتے سے یہ بندھن (۴۵۷)

حسن تعلیل:

وہ جس کو سونگھ کر یعقوب نے پائی تھی بینائی
مہکتا تھا تری خوشبو سے کیا یوسف کا پیراہن (۴۵۸)

تاریخی شعور:

کبھی زینت رہے جو قیصرو کسریٰ کے ہاتھوں کی
سراقہ نے ترے صدقے میں پہنے تھے وہی کنگن (۴۵۹)

عصری شعور:

ہمارے دور میں ہے پھر حق وانصاف پر قدغن — مگر اب شرم، خفت اور ندامت ہے ہمیں خود سے
خدا کے بعد اب سایہ ترا ہے آمن و مامن (۴۶۰) — کوئی جائے اماں باقی نہ گھر میں ہے نہ باہر ہے

عظمت:

تو شہر علم، تو انسانیت کا محسن اعظم — تری تعلیم سے رہبر بنے جو لوگ تھے رہزن (۴۶۱)

تلمیح:

وہ جس کی پیش گوئی انبیا کا فرض ٹھہری تھی
خبر دینے کو جس کی آئے تھے اوتار، بدھ، بامن (۴۶۲)

شفاعت:

شفاعت کا قیامت میں ملے گا اذن پھر تجھ کو — اسی امید میں زندہ رہیں گے ہم پسِ مردن
زمیں سے پھر مثالِ نرگسِ مشتاق نکلیں گے — کہ روزِ حشر تو پھر عام ہونا ہے ترا درشن (۴۶۳)

آرزو:

مسافر کی یہ حسرت ہے کہ گردِ راہ ہو جائے — ہو تیرے چاہنے والوں کے زیرِ پا مرا مدفن (۴۶۴)

49-رفیع الدین، ذکی قریشی: (۳ جولائی ۱۹۳۴ء)

رفیع الدین ذکی ۳ جولائی ۱۹۳۴ء کو کپورتھلہ (انڈیا) میں حکیم تاج الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ وہ بینکنگ کے شعبے وابستہ رہے اور ۱۹۹۴ء میں حبیب بینک سے منیجر کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے۔ آج کل لاہور سمن آباد میں مقیم ہیں شاعری میں یزدانی جالندھری کے شاگرد ہیں۔ اُن کے چھے مجموعے غزل کے اور ستائیس مجموعے نعت کے منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ ''نوید رحمت'' اور ''حرف نیاز'' پر صدارتی ایوارڈ سے نوازے جانا نعتیہ ادب میں ان کی خدمات کا اعتراف ہے۔ (۴۶۵) اُن کی نعتیہ خدمات پر ایم فل کے تین مقالے لکھے جا چکے ہیں اور کچھ زیرِ تکمیل ہیں۔ انھوں نے ۱۹۸۰ء کے قریب شاعری شروع کی۔ اُن کے چوتھے شعری مجموعے ''مہر فاراں'' میں بتیس اشعار کا ایک قصیدہ آنخضرتؐ سے اُن کے عشق وعقیدت اور اُمت مسلمہ کے لیے اُن کی دل سوزی اور دردمندی کا مظہر ہے جسے مدحیہ قصیدہ کہا جا سکتا ہے۔ اس کی تشبیب کے دو شعروں میں شاعر نے آپؐ کی آمد سے قبل کے دگرگوں حالات کی طرف اشارہ کر کے مدح کی طرف رجوع کیا ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

کھل گئے ہیں میرے فکر و ذہن میں نکہت کے در — مدحِ سرکارؐ دو عالم آج ہے پیش نظر (۴۶۶)

ذکی نے آنخضرتؐ کی سیرت اور کمالات کی طرف بھی اشارے کیے ہیں مگر اُن کے قصیدے کا مرکز ومحور ذاتی احوال کے بیان اور اُمت مسلمہ کی تشویش پر مبنی ہے۔ وہ پاکستان کے داخلی وخارجی حالات سے مطمئن نہیں۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر عالم کفر کا مسلمانوں کے خلاف متحدہ ظلم انھیں استغاثہ پر مائل کرتا ہے۔ بقول حفیظ تائب:

''ذکی کی نعت میں آشوبِ ذات کا ذکر کم کم مگر آشوبِ اُمت کی گونج مسلسل اور بھرپور ہے۔ وہ خود کو ''زیرِ سایۂ دامانِ مصطفیٰؐ'' محسوس کرتے ہوئے گردشِ دوراں کی برہمی سے کم پریشان ہوتے ہیں اور پھر جب کبھی ظلمت دوراں سے گھبراتے ہیں تو اپنے ممدوح گرامی حضرت رحمت للعالمینؐ سے بارشِ انوار کے طالب ہوتے ہیں۔'' (۴۶۷)

انھوں نے اُمتِ مسلمہ کے زوال کی کہانی بیان کرتے ہوئے اس کے اسباب وعلل کا بھی بخوبی خلاصہ کیا ہے۔ یہاں وہ مسلمانوں کی تفرقہ بازی اور اسوۂ رسولؐ سے دُوری کی بات کرتے ہوئے اقبالؒ سے اتفاق کرتے نظر آتے ہیں۔ حال کی ابتری دیکھ کر وہ مایوس نہیں ہوتے بل کہ مسلمانوں کے تابناک ماضی کو دہرانے کی تمنا کرتے ہیں۔ چند اشعار جو سوزِ دروں کے عکاس ہیں ملاحظہ ہوں:

کوئی امریکہ کا ہے محتاج کوئی روس کا　　سب ہلاتے پھر رہے ہیں غیر کی زنجیر در
آج اسرائیل سی چیونٹی ڈراتی ہے انھیں　　بھول بیٹھے ہیں مسلماں تیرا درس لاتذر
کاش! چودہ سو برس پیچھے پلٹ جائے یہ قوم　　آپؐ کی تعلیم ہو ان کے دلوں پر کارگر
سب مسلماں پرچم دیں کے تلے ہوں متحد　　ملت بیضا زمانے میں ہو پھر سے معتبر
لے کے آیا ہے ذکی جو التجا دربار میں　　رحمۃ للعالمینؐ! وا اس پہ ہو بابِ اثر (۴۶۸)

ذکی کے ہاں سیرت النبیؐ کے علاوہ ایک نمایاں رجحان اُمتِ مسلمہ سے ہمدردی کا اظہار ملتا ہے جس کی پیش کش انتہائی سادہ انداز میں کی گئی ہے۔ زبان و بیان میں قصیدے کی نازک خیالی اور لفظی شکوہ مفقود ہے البتہ جذبوں کی روانی ضرور دیکھنے میں آئی ہے۔

50-انجم نیازی: (۱۰، نومبر ۱۹۴۱ء)

انجم نیازی معروف انشائیہ نگار، ادیب اور شاعر ہیں۔ اُن کے مناقبِ صحابہؓ کے چالیس سے زیادہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کا اصل نام شیر خان ہے۔ وہ ۱۰، نومبر ۱۹۴۱ء کو سلطان سکندر خان کے ہاں میانوالی کے ایک گاؤں روکھڑی میں پیدا ہوئے (۴۶۹)۔ آج کل بلدیہ راول پنڈی سے ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں۔

''حرا کے پھول (۱۹۸۴ء)، حرا کے مکین (۲۰۰۴ء) اور قصیدہ سرورِ کائنات (۲۰۱۰ء) اُن کے نعتیہ مجموعے ہیں۔ انجم نیازی جھنگ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے نعتیہ مجموعے ''قصیدہ

سرورکائنات'' میں ایک قصیدہ چھے سوچھپن اشعار پر مبنی ہے جس کا عنوان ہے: ''کوئی سورج ترے جیسا نہیں ہے''۔ یہ قصیدہ زبان و بیان کی سادگی کے باوجود دل کشی اور چاشنی کا حامل ہے۔ جذبے کی صداقت اور واقعیت نگاری کا رنگ گہرا ہے جس نے اس قصیدے کو تاثیر کی دولت عطا کر دی ہے۔ یہ قصیدہ متنوع مضامین اور اظہار کے متنوع قرینے رکھتا ہے۔اس میں تضاد اور تقابل کا قرینہ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔تقابل کے لیے انھوں نے ''کہیں''، ''ہر اک'' اور ''ترے مرے'' کی تکرار سے کام لیا ہے۔ یہ تکرار گراں بار نہیں بل کہ شگفتگی کا باعث ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

کہیں بستی ، کہیں صحرا نہیں ہے　　کہیں جنگل ، کہیں دریا نہیں ہے (۴۷۰)

زندگی متنوع رنگوں کا امتزاج ہے۔اس میں بعض اوقات انسان محرومی کا منہ دیکھتا ہے اور بعض اوقات خوبیِ قسمت سے شادکام ہوتا ہے۔گردشِ ایام کے زیر اثر مختلف طبقات کی صورت حال مختلف ہوتی ہے۔ زندگی کا یہی اختلاف انجم نیازی کے ہاں تشبیب کا مرکزی موضوع بنا ہے۔ انھوں نے زندگی کے مثبت اور منفی پہلو عمیق مشاہدے کے بعد اُجاگر کیے ہیں ۔طبقاتی کشمکش کا فرق ہمارے معاشرے کی ناہمواری اور ناانصافی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ موضوع کہیں براہِ راست بیان ہوا ہے اور کہیں استعارے کنائے کے روپ میں سامنے آیا ہے۔اس حوالے سے چند اشعار دیکھیے :

کہیں موجود سورج اور ستارے　　کہیں پر دیپ بھی جلتا نہیں ہے
کہیں پر خوف کی ہے حکمرانی　　کہیں پر ڈر کسی شئے کا نہیں ہے
کہیں پر قہقہے ہی قہقہے ہیں　　کہیں انساں کبھی ہنستا نہیں ہے
کہیں سورج نہیں ہے آسماں پر　　کہیں پر رات کا خیمہ نہیں ہے (۴۷۱)

اس کے علاوہ تشبیب میں مناظر فطرت کا بیان ہے جس میں اللہ رب العزت کی صناعی کے مختلف روپ آشکار کرنے کی سعی کی گئی ہے لیکن مجموعی طور پر شاعر کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان مقصود ہے۔اس کے بعد ''ہر اک'' کی تکرار سے موضوعات کا نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے جسے گریز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یہ مرحلہ شاعر نے خوش اسلوبی سے طے کیا ہے اور گریز کے اشعار کو تشبیب اور مدح کا ہم رنگ بنا دیا ہے۔مثال دیکھیے :

ہر اک رستہ نہیں جنت کا رستہ　　ہر اک چوٹی صفا مروا نہیں ہے
ہر اک چہرہ کہاں جبریل جیسا　　ہر اک چہرہ ترا چہرہ نہیں ہے
ہر اک جھونکا نہیں خوشبو کا جھونکا　　ہر اک کوچہ ترا کوچہ نہیں ہے (۴۷۲)

مدح میں انھوں نے آنحضرتؐ کے فضائل، مدینے سے عقیدت، صحابہ کی عظمت، شہیدوں کا رتبہ اور اسلامی معاشرے کے نمایاں خدوخال کے ساتھ روحِ عصر کو اپنے کلام میں سمویا ہے۔ انھوں نے استفہامیہ لہجے کو شد و مد کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی و قرآنی تلمیحات کی بازگشت بھی اُن کے کلام میں سنائی دیتی ہے۔ سب سے بڑی بات جذبۂ عشق کی صداقت اور خلوص ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

تری عرش معلیٰ تک رسائی　　تجھے غم لن ترانی کا نہیں ہے (۴۷۳)
بہت میٹھا سہی یہ شہد لیکن　　تری باتوں سے یہ میٹھا نہیں ہے (۴۷۴)
کوئی سورج ترے جیسا نہیں تھا　　کوئی سورج ترے جیسا نہیں ہے (۴۷۵)
کیا رحمت نہیں اس پر خدا کی　　خدا نے کیا اسے بخشا نہیں ہے (۴۷۶)
تری تعریف کے لائق کوئی بھی　　مجھے حرفِ ثنا ملتا نہیں ہے (۴۷۷)
بہت اونچے سہی سورج، ستارے　　ترے قد سے کوئی اونچا نہیں ہے (۴۷۸)

انجم نیازی کے ہاں امت مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی کی داستان بھی ملتی ہے۔ انھوں نے داخلی جذبوں کو بھی اظہار کی راہ دکھائی ہے اور اجتماعی درد کو بھی محسوس کیا ہے۔ بعض مقامات پر اُنھوں نے علامتی رنگ اختیار کیا ہے۔ اُن کی علامات واضح اور روایت سے جڑی ہوئی ہیں۔ علامتی رنگ کے باوجود اُنھوں نے سوز و گداز کا عنصر مفقود نہیں ہونے دیا۔ داخلیت کے حامل چند اشعار دیکھیے:

میں اس گمنام جنگل میں کھڑا ہوں　　نکلنے کا جہاں رستہ نہیں ہے
اندھیرا ہی اندھیرا چار جانب　　دیا اُمید کا جلتا نہیں ہے (۴۷۹)

مسلمانوں کی لغزشوں، حکمرانوں کی بے بسی اور آپسی نااتفاقی کو شاعر نے نہایت دردمندی سے موضوع بنایا ہے۔ یہ تشویش عہد حاضر کے قصائد کا خاصہ بن گئی ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہوتی بل کہ شاعر کو استغاثہ کی طرف مائل کرتی ہے۔ اُمت کی حالت زار اور راہبروں کے فقدان کا جو نقشہ انھوں نے کھینچا ہے وہ ملاحظہ ہو:

تری امت ہے اک گم گشتہ ریوڑ　　کوئی بھی جس کا چرواہا نہیں ہے (۴۸۰)
صلاح الدین ایوبی کی صورت　　کوئی اُٹھتا، کوئی چلتا نہیں ہے (۴۸۱)
کوئی ٹیپو نہیں ان کی صفوں میں　　ادا ان کی دلیرانہ نہیں ہے (۴۸۲)
لڑائی لڑ رہے ہیں دوسروں کی　　کوئی اپنے لیے لڑتا نہیں ہے (۴۸۳)

انجم نیازی کا قصیدہ سادگی و تاثیر کی خوبی سے مزین ہے۔ اُن کے طرزِ بیان کو دل کش بنانے میں استفہامیہ لہجہ، تکرار لفظی، تلمیحاتی نظام، طرزِ موازنہ اور صنعت تضاد نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ عشقِ رسولؐ کی حدت اشعار میں واضح محسوس کی جا سکتی ہے جسے داخلی سوز اور عصری صورتِ حال نے مزید گرما دیا ہے۔ استغاثہ و استمداد کا رُجحان وقت کا تقاضا بھی ہے اور شاعر کے دل کی آواز بھی۔ شاعر کا لہجہ خطابیہ ہے لیکن ادب کی فضا مجروح نہیں ہوئی جس کا ثبوت عاجزی کا اظہار ہے۔ اُن کے ہاں مناقب صحابہ بھی بیان ہوئے ہیں اور حمدیہ اشعار بھی لیکن نعت اپنے خالص رنگ میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔ کہیں کہیں قیاس مخالفت لغوی کی صورتیں قاری کے ذوق پر گراں بار ہیں جنھیں جذبۂ عشق رسولؐ کی سچائی نے معدوم کر دیا ہے۔

51- شہاب کاظمی: (پ: ۱۷، فروری ۱۹۴۲ء)

شہاب کاظمی ۱۷، فروری ۱۹۴۲ء کو انڈیا کے ضلع بہرائچ کے ایک قصبے جرول میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ اور راول پنڈی سے حاصل کی۔ کراچی یونی ورسٹی سے ایم اے اردو کیا۔ سندھ گورنمنٹ میں کلاس ون گزٹیڈ آفیسر رہے۔ ۱۹۸۷ء سے امریکہ میں مارگیج بینکنگ سے منسلک ہیں۔ (۴۸۴)

اُن کے چودہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں ''ورق تمام ہوا'' (۲۰۱۰ء) اور ''سفینہ چاہیے'' ۲۰۱۵ء میں نعتیہ قصائد دستیاب ہیں۔ اوّل الذکر کے قصائد راقم کو دستیاب نہیں ہو سکے۔ اُن کے مجموعے ''سفینہ چاہیے'' میں موجود چار نعتیہ قصائد کے مطالع یوں ہیں:

۱۔ ''ربیع اوّل اور ہم'' (۱۱۰۔شعر)

ماہ یہ جب سر پر ہوتا ہے ایک عجب منظر ہوتا ہے (۴۸۵)

۲۔ عشق (۵۲۔اشعار)

ہوا ہے عشق ودیعت بشر کی فطرت میں سب اس کے رنگ ہیں تصویر آدمیت میں (۴۸۶)

۳۔ ولادت باسعادت (۴۹۔اشعار)

ہر سمت رواں رحمت باری کی ہوا ہے دل میرا قصیدے کی ہوا باندھ رہا ہے (۴۸۷)

۴۔ ولادت (۵۶۔اشعار)

جب سے مرے قریب وہ آرام جاں نہیں کھلتا نہیں ہے، درد کہاں ہے، کہاں نہیں (۴۸۸)

پہلا قصیدہ سادہ اور سہل اسلوب میں ہے۔ قصیدے کا روایتی زور بیان اور پُرشکوہ انداز مفقود ہے۔ نعت کے ساتھ منقبت حضرت علیؓ کے مضامین بھی باندھے گئے ہیں۔ تشبیب میں ماہ ربیع الاول میں شاعر نے اپنے داخلی احوال رقم کیے ہیں۔ اُن کے مطابق وہ اس مہینے میں کاغذ پنسل لیے نعت کی فکر میں محو رہتے ہیں اور آنے جانے والوں سے بے دھیان ہو جاتے ہیں۔ جذبوں کے بیان میں بے ساختگی موجود ہے۔ مثالیں دیکھیے:

چاند کا اُن سے عشق مکمل	دو ٹکڑے ہو کر ہوتا ہے(۴۸۹)
جس میں نہ اترے حُبِ محمدؐ	وہ دل اک پتھر ہوتا ہے(۴۹۰)
نعت کوئی دہرا لیتا ہوں	جب کوئی درد سر ہوتا ہے(۴۹۱)
نظم ہو جس میں نام محمدؐ	وہی تو مصرعۂ تر ہوتا ہے(۴۹۲)

دوسرا قصیدہ ''عشق'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں شہاب کاظمی کی قادرالکلامی جھلکتی ہے۔ تشبیب میں عشق کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ اُن کے مطابق عشق، اطاعت محبوب، شکستِ ذات، سودوزیاں سے گریز، انا کی قربانی اور راضی برضا رہنے کا نام ہے۔ عشق کی صفات کے بعد اُنھوں نے تاریخ اسلامی اور تاریخ عالم سے انبیا کے عشق کی عملی مثالیں دے کر فلسفہ عشق کو اُجاگر کرنے کی سعی کی ہے۔ یہی عشق معراج النبیؐ کا بنیادی محرک ہے۔ واقعۂ معراج کے بارے میں امت میں جو مسلکی اختلاف ہے اُسے انھوں نے منطقی دلائل سے واضح کیا ہے۔ ان کے بیانیے میں واقعے کی جزئیات پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ مثالیں دیکھیے:

کسی پہ کھل نہ سکا راز دو کمانوں کا	زباں فقیہوں کی عاجز رہی صراحت میں
جو لوگ کہتے ہیں معراج تھی یہ روحانی	تو میری عرض ہے اتنی سی ان کی خدمت میں
نہ ہے، نہ ہوگی سواری کبھی ضرورتِ روح	یہ چیز غیر مرئی ہے اپنی فطرت میں
سوار روح نہیں تھی براق کے اوپر	وہ روح سمجھے جسے جسم تھا حقیقت میں
یہ بات صاف ہوئی ذکر مسجدین سے بھی	کہ بہر روح مکاں بھی نہیں ضرورت میں(۴۹۳)

تیسرے قصیدے کی تشبیب میں نعت لکھنے کی توفیق سے محرومی کی بدنصیبی کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے نعت گوشعرا اللہ رب العزت کے منتخب کردہ ہیں۔ سابقہ قصیدوں کی طرح گریز کا اعلان کیا ہے جو قصیدے کو دولخت کرتا نظر آتا ہے۔ مدح میں ولادت اور معراج کا مضمون نمایاں ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بارے میں انھوں نے اپنے عقیدے کا اظہار کیا ہے جو غیر معتدل بل کہ گستاخی پر مبنی ہے۔ عقیدے کے

بیان میں اُن کے لہجے میں طنز اور جوش دکھائی دیتا ہے۔ آنحضرتؐ سے محبت بہ درجہ غایت موجود ہے۔ دعا کے بغیر ہی قصیدے کا خاتمہ کیا ہے۔ روانی کا عنصر موجود ہے۔ زبان کی بے ساختگی بھی کلام سے جھلکتی ہے:

کفارہ ہے ان کا نہ کوئی ان کی قضا ہے — دیکھو نہ چھٹیں عشق محمدؐ کی نمازیں
یہ تاجور مملکتِ دینِ خدا ہے — ٹوٹی سی چٹائی پہ نہ جائے کوئی اس کی
کیوں لات کا سر خاک ملامت سے اٹا ہے — وحشت سی ہے اصنام پرستی پہ برستی
کیوں راہب تثلیث کا سُر بگڑا ہوا ہے — کیوں جہل گزیدوں پہ ہے مایوسی کا عالم
در جس کے لیے گنبد گردوں کا کھلا ہے — ٹھہرائی گئی جس کے لیے وقت کی رفتار
سب کو تو نہیں اس کی خبر، ہم کو پتا ہے(۴۹۴) — موجود وہاں تھا کوئی ؟ لہجہ تھا وہ کس کا؟

چوتھا قصیدہ بھی ولادت کے موضوع کو محیط ہے۔ اس کی تشبیب متفرق موضوعات کی حامل ہے جو اگر الگ لکھی جائے تو غزل شمار ہو۔ اس میں شاعر نے خود کو میر و غالب و سودا کے بعد اُردو زبان وادب کا ایک رہرو قرار دیا ہے اور اُردو زبان کو خدمت گزار نعت کہا ہے۔ مدح میں معجزات وفضائل رسولؐ کا بیان ہے اور آپؐ اور اہلِ بیتؓ کے دشمنوں سے دُور رہنے کی نصیحت کی گئی ہے۔ سابقہ موضوعات معراج کی تکرار ہے جن میں عقیدۂ شاعر موجود ہے۔ اس قصیدے کی تشبیب اور گریز دونوں عمدگی کے حامل ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

کنکر بھی کہہ رہے ہیں کہ ہم بے زباں نہیں — اعجازِ لمسِ دستِ رسول اممؐ نہ پوچھ
بندوں کی طرح ہم میں انا کوشیاں نہیں — اشجار حکم پا کے یہ کہتے ہوئے چلے
زرتشت کا الاؤ بھی آتش بجاں نہیں — ساوہ ہی کب ہے اُن کی تجلی سے آج خشک
شق القمر فسانہ نہیں، داستاں نہیں — تکذیب اختیار خدا و نبیؐ نہ کر
ہم آپ کو بتاتے ہیں یہ کہکشاں نہیں(۴۹۵) — نعلینِ مصطفیؐ کا یہ گرد و غبار ہے

شہاب کاظمی کے قصائد کے مضامین تشبیب، مدح سے میل نہیں کھاتے۔ قصیدۂ عشق میں البتہ موضوع سے مناسبت موجود ہے۔ گریز اکھڑے ہوئے اور بے مزہ ہیں۔ ان میں ارتباط کی خوبی قطعاً موجود نہیں۔ اُن کے قصائد کی زبان سادہ ہے۔ جہاں کہیں فارسی تراکیب استعمال کی ہیں، وہ بھی عام فہم ہیں۔ پہلا قصیدہ سہل ممتنع کی مثال ہے لیکن قیاس مخالفت لغوی کی خامی موجود ہے۔ مدح میں والہانہ پن اور شیفتگی کا عنصر نمایاں ہے۔ نعت اور نعت گو شعرا کی سعادت آثاری اُن کا مرغوب موضوع ہے۔ ولادت اور معراج دو بڑے موضوعات نعت اُن کے ہاں ملتے ہیں۔ ولادتِ رسولؐ کے معجزات اور

معراج میں عقیدے کا اظہار کیا ہے جس میں حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی تنقیص کی گئی ہے۔ مدح میں وہ احوال ذات اور قلبی کیفیات کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ یہی صورتِ حال تنقیدی رویے کی ہے۔ وہ اپنے عقائد کے ثبوت میں استدلالی رویہ اپناتے ہیں جس کی حدیں طنز و ملامت سے جا ملتی ہیں۔ شاعر نے دعا کی طرف توجہ نہیں کی بس ایک قصیدے میں آنحضرتؐ سے محبانِ اہل بیت پر ظلم و ستم بند کرنے کی دعا مانگی گئی ہے۔

52- ڈاکٹر شوکت اللہ جوہر: (م:۲۹ جون ۲۰۲۱ء)

شوکت اللہ خاں ۱۹۴۵ء میں شاہ جہاں پور (بھارت) میں رفیع اللہ خاں (روہیلہ پٹھان) کے ہاں پیدا ہوئے۔ اُن کا خاندان ۱۹۵۰ء میں ہجرت کر کے پاکستان آ گیا۔ گریجوایشن ماڈل کالج میرپورخاص سے جب کہ ایم اے اردو کی سند سندھ یونی ورسٹی سے حاصل کی۔ ''اُردو شاعری میں ظرافت نگاری'' اُن کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے (۴۹۶)۔ کراچی میں محکمہ تعلیم سے پرنسپل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے۔ ۲۰۲۱ء میں کرونا میں مبتلا ہو کر کراچی میں وفات پائی۔

پرواز ہما (۱۹۶۲ء)، کانٹوں کی خوشبو (۱۹۶۷ء)، خوشبو کے داغ (۲۰۱۷ء) اور شہر مدحت (۲۰۱۷ء) اُن کی شعری تخلیقات ہیں۔ شہر مدحت چھے حمدوں، تیرہ نعتوں، دو مناقب اور دس نعتیہ قصائد پر مشتمل ہے۔ ہر قصیدہ حضور نبی کریمؐ کی عمر مبارک کی نسبت سے ۶۳ شعروں کو محیط ہے۔ ان قصائد کے عنوانات درج ذیل ہیں: ''لوح عقیدت، چراغ طاقِ حرم، شگفتِ جمال، حسنِ عمل، آئنہ تمثال، کوزۂ آب، لامیہ، جشنِ بہار، شاخِ حنا، آبروئے بہار۔''

اُن کے ہاں تشبیب میں زیادہ تر گلشن میں بہار کی آمد اور بادِ صبا کے اثرات کا ذکر ملتا ہے۔ اس کے علاوہ برسات، ساقی نامہ، محبوب کا سراپا، موسم، بادل، کوئل بھنورے، جگنو، مگس، کہکشاں اور چاند تاروں سے بھی مضامین نکالے گئے ہیں۔ پندرہ بیس شعروں کی تشبیب لکھتے ہیں جس میں منظر کشی کی عمدہ مثالیں مل جاتی ہیں۔ یہ منظر عموماً پھولوں کی شگفتگی، اشجار کی تازگی، پرندوں کی نغمگی، گھٹاؤں کے سرگم اور شبنم کے رقص کو محیط ہیں۔ ایک جگہ حضور نبی کریمؐ کی آمد کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

یوں برستا ہے آج ابر کرم جیسے پھولوں پہ بارشِ شبنم
آبِ شیریں میں یوں کنول کی بہار جیسے عاشق کے دل میں روئے صنم
رقص کرتی ہے بے حجابانہ عارضِ گل پہ باغ میں شبنم

اب بہاروں کی حکمرانی ہے اب فنا ہو گیا خزاں کا ستم
اسی عالم ، اسی بہاراں میں ڈھونڈتا ہوں میں اُن کا نقشِ قدم(۴۹۷)

اُن کے ہاں مطلع قصیدے کے روایتی شکوہ اور زورِ بیان سے میل نہیں کھاتا البتہ گریز کے اشعار تشبیب اور مدح میں رچے بسے ملتے ہیں۔ اکثر مناظرِ فطرت یا بہار کے ذکر سے آنحضرتؐ کی آمد کا ذکر چھیڑا گیا ہے۔ کہیں ہجر گزیدہ عاشق کے والہانہ جذبات بھی گریز کا باعث بنتے نظر آتے ہیں اور کہیں استفہامیہ لہجہ میں آپؐ کی ذات کی طرف اشارہ کر کے مدح کا رُخ کیا گیا ہے:

اسی عالم ، اسی بہاراں میں ڈھونڈتا ہوں میں اُن کے نقش قدم(۴۹۸)
کر رہے ہیں چمن میں سارے غزال ذاتِ والاؐ کا ہے آج استقبال(۴۹۹)
ہجر کا رنج اٹھایا نہیں جاتا مجھ سے میں بھی عاشق ہوں سدا رہتا ہوں بیکل بیکل(۵۰۰)
یہ کس کا نورِ حسن ہے ، کس کا جمال ہے آئنہ خانہ جگمگا اُٹھا ضیا کے ساتھ (۵۰۱)
کس کی آمد کی بجتی ہے نوبت سج رہے ہیں جو کوچہ و بازار(۵۰۲)

مدح میں حقیقت نگاری غالب ہے تخیلاتی مضامین اگرچہ کم ہیں مگر شعریت کے حامل ہیں۔ سراپا سے زیادہ سیرت طیبہ کے موضوعات بیان ہوئے ہیں۔ نعت میں صحابہ اور اہل بیت کی منقبت بھی ہے مگر نعت کے تقاضے پامال نہیں ہونے دیے۔ امت مسلمہ کی دردمندی اور خیر خواہی کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے امت اور ملک پاکستان کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگی ہیں۔ اس کے علاوہ داخلی جذبات ہیں جن میں عجز کی فضا اور آرزوؤں کا جہان آباد نظر آتا ہے:

حشر میں جوں ہی سامنا ہو گا چوم لوں گا نبیؐ کے بڑھ کے قدم (۵۰۳)
آپؐ انسان بھی کامل ہیں ، نبیؐ بھی افضل آپؐ سے ملتا نہیں ہے مجھے کوئی بہتر(۵۰۴)
شاہا! امت کو اب بچا لیجے چار جانب ہیں سازشوں کے جال(۵۰۵)
آپؐ وہ شہر علم ہیں جس نے سارے عالم کو دی ہے دانائی(۵۰۶)
کیوں نہ اَسرار کھلیں خلد بریں کے مجھ پر آنکھ میں خاک مدینہ کا لگا ہے کاجل(۵۰۷)
پھر مسلمان کو حاصل ہو عروج اُن کے طفیل لوٹ آئے مرے سرکارؐ کا عہد زریں(۵۰۸)

جوہر کا اسلوب بہاریہ تشبیب میں تو رنگین و رعنا ہے جب کہ مدح کے حصے میں سپاٹ ہو جاتا ہے۔ کہیں کہیں منظر نگاری کی عمدہ مثالیں مل جاتی ہیں لیکن زیادہ تر مقامات زورِ بیان اور قصیدے کے لفظی شکوہ سے عاری ہیں۔ تعقید و تنافر کے ساتھ وزن کی اغلاط بھی دیکھنے میں آئی ہیں جن میں اکثر

ناقص پروف کے باعث ہے۔مثال میں یہ مصرع جات دیکھیے :

۱۔ ماہ پھرتا مثل سودائی (۵۰۹)

۲۔ کل حجابات چشم سے اُٹھ جائیں (۵۱۰)

۳۔ فصل گل کی ڈولی میں سوار آئی ہے(۵۱۱)

۴۔ ہر مرض کی شفا آپؐ کی چشم رحمت (۵۱۲)

۵۔ بن گئے آپؐ کی رحمت، وہ کانٹے گل تر (۵۱۳)

مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جوہر کا قصیدہ سادہ زبان میں عقیدت کا مظہر ہے۔قصیدے کے عناصر کا اگر چہ اہتمام کیا گیا ہے مگر زور بیان اور بلند آہنگ لہجے کی کمی محسوس ہوتی ہے۔عجز وانکسار کے جذبات کے علاوہ اجتماعی دردمندی کا احساس جواُن کی دعاؤں میں نظر آتا ہے، اصل میں اُن کی حب الوطنی اور انسان دوستی کا ثبوت ہے۔مضامین نعت کے حوالے سے وہ اعتدال کی روش پر چلتے نظر آتے ہیں اور حفظ مراتب کی روایت کی پاسبانی کے امین ہیں۔

53-ڈاکٹر عظیم امروہوی:(پ:۲۹اپریل ۱۹۴۵ء)

عظیم امروہوی کا اصل نام سید عظیم حیدر نقوی ہے۔وہ ۲۹، اپریل ۱۹۴۵ء کو سید نورالحسن کے گھر امروہہ میں پیدا ہوئے۔اُنھوں نے ایم اے اردو علی گڑھ یونی ورسٹی سے اور پی ایچ ڈی روہیل کھنڈ یونی ورسٹی سے کی (۵۱۴)۔

اُن کی تخلیقات کی تعداد چھبیس سے زائد ہے۔''قصائد عظیم'' میں ستّر قصائد شامل ہیں جن میں سے سات نعتیہ ہیں۔ان میں سب سے طویل'' قصیدۂ بعثت'' ہے جو اٹھاون اشعار کا ہے۔ان قصائد کے مطالع درج ذیل ہیں:

کس واسطے ہر دوست مرا چیں بہ جبیں ہے کہہ دیتا ہوں وہ بات جو کہنے کی نہیں ہے(۵۱۵)

ہے انساں آج کردارِ ستم پرور سے وابستہ کہیں دہشت سے وابستہ، کہیں پر شر سے وابستہ(۵۱۶)

حق نے سب کا خیال رکھا ہے دل ہر اک کا بحال رکھا ہے(۵۱۷)

آج کے انسان پر انساں کرے کیسے یقیں آج کے تو دوست بھی نکلیں گے مار آستیں(۵۱۸)

جب ہوا آدم سے روشن آدمیت کا چراغ سب سے پہلا تھا وہی رشد و ہدایت کا چراغ(۵۱۹)

جگمگاتے ہیں بہت شمس و قمر آج کی رات کتنی پُرنور ہے مانند سحر آج کی رات(۵۲۰)

میرے آقاؐ مرے سرکارؐ ، رسولِ اعظمؐ زندگی ہو گئی آزار رسولِ اعظمؐ(۵۲۱)

عظیم امروہوی کے قصائد کی تشابیب متنوع موضوعات کی حامل ہیں۔انھوں نے روایت کے پیشِ نظر ساقی نامہ سے بادۂ طہور، کیف عرفان، میخانۂ موۂت اور رند و شیخ کی اصطلاحات برتی ہیں۔ یہ اشعار سہل ممتنع کا عمدہ نمونہ ہیں اور ان میں مجاز کے پردے میں عشقِ حقیقی کی بات کی ہے:

ساغرِ بادۂ طہورا میں کیف عرفاں بھی ڈال رکھا ہے
آج مے خانۂ مؤدت میں جام ہر بے مثال رکھا ہے
پی لو جی بھر کے بادۂ عرفاں اس کا پینا محال رکھا ہے
رند جنت میں آج جائیں گے شیخ وعدوں پہ ٹال رکھا ہے(۵۲۲)

''قصیدہ بعثت'' میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے چراغِ نبوت سے مستفیض ہونے کا بیان ہے۔قصیدہ معراج کی تشبیب میں معراج کی رات کو بے مثل، افضل، گنجینۂ زر اور دعاؤں کی قبولیت والی رات کہا گیا ہے۔ یہ رات ظلمتوں کے خاتمے اور سورج کو شرمانے والی رات ہے۔اس میں تجنیس وتقابل کے ذریعے شعریت پیدا کی گئی ہے۔تازہ فکری اور جدت ادا کی بہار نے معراج کے علو مرتبت موضوع کو عنبر بار بنا دیا ہے:

ہے یہ وہ رات کہ مدت سے تھی حسرت جس کی شاخ امید میں آیا ہے ثمر آج کی رات
ہے یہ وہ رات کہ جس رات ہے جلوؤں کا عروج اے نظر تجھ کو نہ لگ جائے نظر آج کی رات
ہے یہ وہ رات کہ اس رات میں مت چھیڑ ہمیں فکر دنیا کہیں جاڈوب کے مرآج کی رات(۵۲۳)

عظیم امروہوی کے قصائد میں نعت کے ساتھ منقبت حضرت علیؓ اور اہل بیت سے عقیدت کا اظہار بھی ملتا ہے۔ یہ اظہار عقیدت کے جذبے سے سرشار ہوکر کیا ہے اس میں مسلکی برتری یا تعصب کا عمل نظر نہیں آتا۔ اُن کے ہاں وسیع المشربی کا عنصر موجود ہے جس کے تحت انھوں نے اتحاد بین المسلمین کو اپنا مطمح نظر بنایا ہے۔اُن کی تشبیب کا سب سے نمایاں پہلو اُن کا عصری شعور ہے۔ وہ امت مسلمہ کے مسائل، باہمی انتشار اور اخلاقی پستی سے بخوبی آگاہ ہیں۔

آج ہم حق تلفی، سرمایہ پرستی، دلی شقاوت، بے حیائی، کج خلقی، مغرب پرستی، دہشت گردی اور مصلحت کوشی کی برائیوں میں گھرے ہوئے ہیں اور جس طرح مسلمانوں نے اسلامی تہذیب سے رشتہ توڑ لیا ہے، اس تشویش کی گونج بھی اُن کے کلام میں واضح طور پر سنائی دے رہی ہے۔عظیم امروہوی نے نہ صرف ان خامیوں کو بے نقاب کیا ہے بل کہ بارگاہِ رسالت میں استغاثہ واستمداد پیش

کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے:

اب کہاں جذبۂ ایثار رسولِ اعظمؐ سب ہوس میں ہیں گرفتار رسولِ اعظمؐ
اب کسی آنکھ میں ملتی ہی نہیں شرم و حیا چشم اخلاق ہے خوں بار رسولِ اعظمؐ
اب تو انسان کا سجدہ ہے در دولت پر اب خدا بن گئے زردار رسولِ اعظمؐ
ہر طرف ایک اندھیرا ہی اندھیرا ہے فقط کوئی رستہ نہیں ہموار رسولِ اعظمؐ
آج ملت کے سفینے میں عجب ہلچل ہے اور ہے سامنے منجدھار رسولِ اعظمؐ
لب کشائی کی بھی جرأت نہیں پیشِ اغیار صرف آپس میں ہے تکرار رسولِ اعظمؐ (۵۲۴)

''قصیدہ رسول اعظمؐ'' میں انسان کے مجموعی اخلاقی پستی کے رویے کو تنقیدی نظر سے دیکھا گیا ہے۔اس میں آفاقیت کا عنصر شامل ہے۔اس کی تشبیب عہد حاضر کے زر پرست انسان کا نوحہ ہے۔ انسان کا مذہب کے بارے میں رویہ بھی ان کا موضوع ہے''اس دور میں'' کی تکرار نے کلام کے جوش اور مضمون کے تسلسل کو دوچند کر دیا ہے۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اس دور میں ہر گام ہے سرمایہ پرستی سنگ در دولت ہے اور انساں کی جبیں ہے
اس دور میں بھائی بھی تو مل کر نہیں رہتے ہے کوئی کہیں ، کوئی کہیں ، کوئی کہیں ہے
اس دور میں انسان ہے بس نام کا انساں بے انس ہے، بے شرم ہے، ظالم ہے، لعیں ہے
اس دور میں وہ حرص و ہوس کی ہیں ہوائیں سہما ہوا دنیا میں چراغِ رہِ دیں ہے
اس دور میں اشکال کے بت ساکن دل ہیں جس سمت نظر ڈالیے اک قحط یقیں ہے(۵۲۵)

مدح میں عظیم امروہوی کے پیش نظر سیرت رسولِ کریمؐ کے وہ پہلو رہے ہیں جن کے باعث انسانی معاشرے کی تہذیب وتزئین ممکن ہوئی۔امتیازات رنگ ونسل کی بیخ کنی، جہل وناشائستگی کا خاتمہ، معبودان باطلہ کی تکذیب وتکفیر،عظمت انسان ، اخلاق کی تعمیر وتشکیل، انسانیت کی رشد وہدایت اور باہمی منافرت اور تعصّبات کا خاتمہ اسلامی معاشرے کے وہ نمایاں خدوخال ہیں جنھیں اُجاگر کرنے میں حضور نبی کریمؐ نے اپنی تمام زندگی صرف کردی۔اسلامی انقلاب کے مثبت اثرات کا شاعر کو بخوبی ادراک ہے۔شاعر نے آنحضرتؐ کی آمد مسعود، آپؐ کی بعثت اوراس کے معاشرے پر خوش کن اثرات کو موضوع بنا کر عہد نو کے تقاضوں کا ساتھ نبھانے کی عمدہ کاوش کی ہے۔مثالیں دیکھیے:

کر گیا بیدار جو انساں کی نسلوں کا شعور قلب انساں کو دیا جس ذات نے نورِ یقیں
جس نے آ کر عدل کی بنیاد رکھی دہر میں جس کے دم سے ہوگئی ایمان کی روشن جبیں(۵۲۶)

اسی طرح ’’قصیدۂ بعثت‘‘ میں شاعر نے آنحضرتؐ کی بعثت کی معنویت کو اُجاگر کرنے کے لیے ’’جس کو سب کہتے ہیں بعثت‘‘ کی تکرار استعمال کی ہے۔ ان اشعار میں صوتی حسن اور مترنم آہنگ کے علاوہ مقصدی طرز فکر کی واضح اور سچی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔ یہی وہ طرزِ نگارش اور طرزِ فکر ہے جس کی عہد موجود میں بے حد ضرورت ہے۔ دوسرے لفظوں میں انھوں نے قصیدے کے پسِ پردہ اسلامی نظام کے تعارف کو اپنا موضوع بنایا ہے:

جس کو سب کہتے ہیں بعثت، امن کا اعلان ہے　　اس نے ہی روشن کیا مہر و مروت کا چراغ
جس کو سب کہتے ہیں بعثت، دوستی کا درس ہے　　گل کیا ہے جس نے ہر بغض و عداوت کا چراغ
جس کو سب کہتے ہیں بعثت، ہے پیامِ رہبری　　ہے یہی تو رہنمائی کا، قیادت کا چراغ
جس کو سب کہتے ہیں بعثت، اک فلاحِ عام ہے　　جس نے روشن کر دیا انساں کی رفعت کا چراغ
جس کو سب کہتے ہیں بعثت، عدل کا اظہار ہے　　مل گیا طاق جہاں کو آج رحمت کا چراغ (۵۲۷)

قصائد عظیم میں سیرت طیبہ کے علاوہ فضائل رسول کریمؐ کا بھی اہتمام نظر آتا ہے۔ فضائل کا ذکر کرتے ہوئے اُن کا لہجہ مودٔب اور جذبۂ مؤدت سے سرشار دکھائی دیتا ہے۔ اُن کے کلام میں جذبے کی صداقت اور خلوص کا وفور جب شیریں اور مترنم اسلوب میں ڈھلتا ہے تو شیفتگی اور شگفتگی کے نغمے پھوٹنے لگتے ہیں جو کلام کی تاثیر کو دو چند کر دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنے اسلوب کو شائستہ لہجے اور الفاظ کی خوب صورت بندش کے علاوہ صنائع شعری سے بھی مرصع کیا ہے۔ اُن کے ہاں تجنیس، تعلیل، تشبیہ، تضاد، جمع، تقابل، صنعت قلب، صنعت تکرار کی مثالیں باآسانی میسر آجاتی ہیں:

ہے یہ وہ رات کہ جس رات ہے جلووں کا عروج　　اے نظر تجھ کو نہ لگ جائے نظر آج کی رات (۵۲۸)
آج رف رف کی سواری بھی چلی ہے فر فر　　سوئے افلاک ہے آقاؐ کا سفر آج کی رات (۵۲۹)
مقدر مثلِ کوہِ نور اسی انساں کا چمکے گا　　جبیں جس کی بھی ہو آقاؐ کے سنگ در سے وابستہ (۵۳۰)
احمدؐ میں اگر میم نظر آئے نہ ہم کو　　یہ تب بھی حسیں تب بھی حسیں تب بھی حسیں ہے (۵۳۱)
ڈھونڈو نہ مرے دل میں کسی غیر کی اُلفت　　جب کہہ دیا اک بار نہیں ہے، تو نہیں ہے (۵۳۲)

عظیم امروہوی بلاشبہ عہدِ حاضر کے ممتاز قصیدہ نگار ہیں۔ اُن کے ہاں تشابیب متنوع موضوعات کی حامل ہیں جن میں انسان کی اخلاقی پستی کا پُرسوز اظہاریہ موجود ہے۔ انھوں نے ایک شعر اور بعض اوقات تین چار شعر کہہ کر بھی گریز کیا ہے لیکن اُن کے گریز متوازن اور مربوط ہیں۔ گریز کے بعد اکثر وہ تین چار مطلعے لگاتار کہہ دیتے ہیں۔ قصیدہ رسول اعظمؐ میں مدح میں سات مطلعے کہے

ہیں۔ مدح سیرت وصفات رسول کریمؐ سے مملو ہیں۔ دعا میں اُنھوں نے زیارت، شفاعت اور اسلام کی سربلندی کے مضامین باندھے ہیں۔ اُن کی دعائیں اُن کی انسان دوستی کی آئینہ دار ہیں۔ وہ نعت اور مناقب اہلِ بیت کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہیں یعنی حفظ مراتب کی پاسداری اور غیر جانب داری اُن کے اسلوب کا خاصہ ہے۔ اُن کے قصائد اجتماعی دردمندی اور آفاقی شعور کے حامل ہیں۔ اُن کے لہجے میں شیرینی اور طرزِ بیان میں تازگی پائی جاتی ہے۔ داخلی جذبوں کے پُرسوز اظہار نے اُن کے بیانیے کو دردمندی کے ساتھ سنجیدگی عطا کی ہے۔ اُنھوں نے تکرار لفظی کے عمدہ نمونے پیش کیے ہیں۔ قصیدہ بعثت میں ''کا چراغ'' کی ردیف انھوں نے استادانہ رنگ میں نبھائی ہے۔

انھوں نے کلاسیکی مزاج کے مضامین سے ہٹ کر قصیدے کو عہد حاضر کے مسائل اور اشاعتِ اسلام کے مقصدی انداز سے روشناس کراتے ہوئے حالی کی یاد تازہ کر دی ہے۔ اپنے کلام کی جاذبیت، تاثیر اور جدت کی بنا پر وہ تادیر یادگار رکھے جائیں گے۔

54- نصیر ترابی: (م: ۱۰، جنوری ۲۰۲۱ء)

نصیر ترابی ۱۵ جون، ۱۹۴۵ء کو حیدر آباد دکن (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے کراچی یونی ورسٹی سے ۱۹۶۸ء میں ماس کمیونیکیشن (Mass Communication) میں ماسٹرز کیا۔ انفارمیشن منسٹری میں ڈپٹی ڈائریکٹر کی حیثیت سے ملازمت کی۔ اُنھوں نے ۱۰ جنوری ۲۰۲۱ء کو کراچی میں وفات پائی۔ شاعری میں اپنے والد علامہ رشید ترابی سے مستفید ہوئے۔ ماہ نامہ ''رازدار'' کی ادارت کی۔ اُن کی تخلیقات میں عکس فریادی (غزل)، لاریب (عقیدہ نوائی)، شعریات (نثر) اور لغت العوام شامل ہیں۔ مؤخر الذکر کتابچہ اُردو کے عوامی الفاظ پر مشتمل ہے جو ۸۰ صفحات کا حامل ہے۔ (۵۳۳)

''لاریب'' پر اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد کی طرف سے اُنھیں علامہ اقبال ایوارڈ سے نوازا گیا۔ اس مجموعے میں محسن کاکوروی کی زمین میں ایک مختصر لامیہ قصیدہ موجود ہے جس کا مطلع یوں ہے:

بارک الخیر، قصیدے میں کھلا بابِ غزل ... محمل نور سے اُتری کوئی رحمت بہ محل (۵۳۴)

قصیدے کی تشبیب مدح رسولؐ کے آغاز کی داخلی کیفیات پر مبنی ہے۔ سمت فاراں سے اُبھرنے والا ساون شاعر کے ارمانوں کی کشتِ ناخوش کا نصیبہ جل تھل کر گیا ہے اور نعت لکھنے کی سعادت شاعر کو نصیب ہو گئی ہے۔ شوق اظہار طبیعت میں بیکل ہے۔ اس کے بعد گریز کا مرحلہ عمدگی سے

طے کیا ہے۔اُن کا انداز استدلالی ہے۔گریز کا شعر دیکھیے :

خلق کو عقل کی دستک سے یہ مژدہ پہنچا　　نورِ مرسلؐ ہے تو پھر نور کا چشمہ مرسلؐ (۵۳۵)

نصیر ترابی کا یہ قصیدہ زبان وبیان کی چاشنی کا حامل ہے۔ اُن کے پاس الفاظ کی نشست وبرخاست کا شعور موجود ہے۔اُن کا اسلوب شگفتگی اور جلالت دونوں سے ہم آہنگ ہے۔اُنھوں نے بعض اشعار میں حمد اور نعت کو یک جا کیا ہے لیکن خوبی یہ ہے کہ عبد ومعبود کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ اُنھوں نے اپنے اس مجموعے ''لاریب'' کو اپنے عقیدے کا اظہار قرار دیا ہے۔ وہ آنحضرتؐ کی افضلیت اور اکملیت کے قائل ہیں۔اُن کے نزدیک آپؐ پر ازل اور ابد کے تمام حالات منکشف ہیں اور آپؐ کا در اقدس دافع آلام ہے۔اُنھوں نے مدح کو احوال ذات کے اظہار کے طور پر پیش کرتے ہوئے ادب واحترام کے تقاضے پورے کیے ہیں۔عشق ومحبت میں ڈوبے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ احد ہے ، اسے واجب ہوا واحد ہونا　　اور محمدؐ ہیں وہ احمد کہ مسلسل اکمل

ہر نفس اسم محمدؐ کا وظیفہ رکھنا　　اپنے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل

جو بھی امکاں پس دوران عدم ہے موجود　　تجھ پہ حاضر ہے وہ اے ناظرِ انظارِ ازل

ترا ناخن تو فقط عقدہ کشائی چاہے　　اے شہاؐ! ہو مرا ہر عقدۂ دشوار بھی حل

اپنے احوال کی واں جا کے دہائی دے نصیرؔ　　جس کے در کا ہے شرف، دافع آلام وخلل (۵۳۶)

نصیر ترابی کا یہ قصیدہ اٹھارہ اشعار کا ہے مگر اس میں قصیدے کے سارے عناصر موجود ہیں۔ زمین محسن کاکوروی کی ہے لیکن اسلوب شاعر کا اپنا ہے جس میں عشق ووارفتگی کا سوز وگداز اور عقیدہ نوائی شامل ہیں۔

55-حافظ عبدالغفار حافظ : (پ:۱۹۴۸ء)

حافظ عبدالغفار سی پی (مدھیہ پردیش) انڈیا کے ایک علاقے کھنڈوہ میں حاجی عبدالرحیم کے گھر ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوئے (۵۳۷) ۱۹۵۵ء میں ہجرت کر کے کراچی آ گئے۔۱۹۷۰ء میں کراچی یونی ورسٹی سے بی کام کیا۔شعروسخن میں غافل اکبرآبادی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔اُن کی شعری تخلیقات میں ''ارمغانِ حافظ'' (۱۹۸۵ء)، ''قصیدۂ رسول تہامی'' (۱۹۸۸ء) اور ''بہشت تضامین'' (۲۰۱۰ء) شامل ہیں۔

قصیدہ رسولِ تہامی دوسو بارہ اشعار پر مشتمل ہے جسے پہلی بار ڈاکٹر شہزاد احمد نے ۱۹۸۸ء میں انجمن ترقی نعت کراچی کی طرف سے شائع کیا۔ بعد میں اس کا دوسرا ایڈیشن ضیاء الدین پبلی کیشنز نے

چھاپا۔اس کے چھے مطالع ہیں، مطلع اول کے بعد شاعر نے قصیدہ لکھنے کی تمہید باندھی ہے اور اپنے شعری نظریات قلم بند کیے ہیں۔ شاعر اُردو ادب میں بلند تخیل اور جدت طرازی سے مزین ایک معرکہ آرا قصیدہ لکھنے کا متمنی ہے۔اس امر کے لیے اُسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس بھی ہے۔وہ جانتا ہے کہ اُسے شرحِ کردار محمدؐ قلم بند کرنی ہے اور شرع کی حدود میں رہتے ہوئے یہ کام انجام دینا ہے۔اس کے علاوہ وہ حضرت کعبؓ، حضرت حسانؓ، جامیؒ اور رضاؒ کے ساتھ محشر میں رسول کریمؐ کے مداحوں میں اپنا نام لکھوانے کا آرزومند ہے۔چند اشعار دیکھیے:

جوڑ دے حسانؓ سے اک بار رشتہ آپ کا ۔۔۔ آج حافظ معجزہ دکھلائے خامہ آپ کا
بارآور ہو سر قرطاس لکھنا آپ کا ۔۔۔ قدر کے قابل ہو اُردو کے ذخیرے میں یہ کام
شرحِ کردارِ محمدؐ ہے فریضہ آپ کا ۔۔۔ نعت گو ہیں آپ تو رکھیے سدا اس کا خیال
آگے بڑھ جائے کہیں حد سے نہ خامہ آپ کا ۔۔۔ امتیازِ مرسل و مرسل ہے لازم شعر میں
کیجیے وہ جو کہ ہے مقصود اعلیٰ آپ کا (۵۳۸) ۔۔۔ کر کے اب موقوف اے حافظؔ یہ اندازِ سخن

مدح کے موضوعات میں آنحضرتؐ کی صداقت، امانت، رفعت، رحمت، عظمت، سخاوت، نبوت، فضیلت، مروت، عدالت، نورانیت، شفاعت، الفت، سنت، عقیدت اور حسن کی حقیقت کے علاوہ قاسم نعمت اور عالی مرتبت ہونے کا بیان ہے۔سراپا مبارک میں روئے زیبا، قامت، کف پا، سایہ اور وصف زلف کا بیان موجود ہے۔معجزات نبویؐ، معاشرتی انقلاب، تعلیمات اور احسانات کا ذکر بھی والہانہ انداز میں قصیدے میں شامل ہے۔چند اشعار اس ضمن میں مثال کی غرض سے پیش خدمت ہیں:

ذات ہے مزمل و محمود و احمد آپؐ کی ۔۔۔ وصف ہے مدثر و یسٰین و طٰہٰ آپؐ کا (۵۳۹)
آپؐ ہیں دیباچۂ روحِ کتابِ کائنات ۔۔۔ عزت لوح و قلم ہے نام آقا آپؐ کا (۵۴۰)
کرّ تاریکیِ شب منت کشِ زلفِ حضورؐ ۔۔۔ فرِ صبحِ نو رہینِ رُوئے زیبا آپؐ کا (۵۴۱)
آپؐ کے اقوال کی تکذیب ممکن ہی نہیں ۔۔۔ مانتی ہے آج کی سائنس لوہا آپؐ کا (۵۴۲)
جس میں ہے افراط کی علت نہ ہی تفریط کی ۔۔۔ صفحۂ گیتی پہ وہ مذہب ہے سچا آپؐ کا (۵۴۳)
بھائی چارہ، خدمتِ انسانیت، امن و اماں ۔۔۔ جس سے نکلی ہیں یہ نہریں ہے وہ دریا آپؐ کا (۵۴۴)

شاعر کے قلم میں بلا کی روانی ہے اور عشق و محبت کا وفور واضح ہے۔شاعر نے حضور نبی کریمؐ کو کہیں دلیل صبح ایمان، دیباچۂ روح کتاب کائنات، مہمان عرش معلّی، صاحب خلق عظیم کے القابات سے یاد کیا ہے تو کہیں شاہِ والا، کریما، خسروا، مزمل، مدثر، یسٰین اور طٰہٰ کہہ کر مخاطب کیا ہے۔سادہ بیانیہ

میں کمال روانی کا عنصر نمایاں ہے مگر شاعر کو اوصاف پیغمبرؐ کے سامنے اپنی عاجزی کا اعتراف ہے۔

قصیدے میں مدح کے ساتھ ساتھ شاعر نے داخلی جذبے بھی بیان کیے ہیں مگر ششم کے بعد ذاتی احوال و محسوسات کا بیانیہ آرزوؤں کا رُوپ دھارتا نظر آتا ہے۔ قبر میں زیارتِ رسولؐ، مدینے کی حاضری، حشر میں لوائے حمد کے پرچم تلے جگہ اور شفاعت کے علاوہ توفیق نعت کی تمنائیں اس قصیدے میں راہ پانے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ اختتام پر شاعر نے عالم اسلام، ملک پاکستان، اپنے والدین، اساتذہ، اولاد، بھانجے، بھتیجوں اور قرابت داروں کی فلاح کی دعا مانگی ہے، یہ حصہ شاعر کی وسعت قلبی، انسانی ہمدردی اور اجتماعی سوچ کا آئینہ دار ہے۔ تمنا اور دعا کے باب میں کہے گئے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

آپؐ ہی کے محفل ہستی میں گن گاتا رہوں — تا دم آخر رہے ہونٹوں پہ نغمہ آپؐ کا (۵۴۵)

تا قیامت ہو انھیں الفاظ میں میری شناخت — بندۂ خلاقِ عالم اور بردہ آپؐ کا (۵۴۶)

میں رہوں سیراب محشر تک مے دیدار سے — میرے مرقد میں جو کھل جائے دریچہ آپؐ کا (۵۴۷)

عید ہو جائے گی میری حشر کے میدان میں — سر پہ جب ہوگا لواء الحمد شاہا آپؐ کا (۵۴۸)

عالم اسلام میں ہو نعمتوں کی ریل پیل — چپہ چپہ پر کرم ہو کارفرما آپؐ کا (۵۴۹)

ملک پاکستان میں جاری ہو اسلامی نظام — اور آئینِ وطن بن جائے اسوہ آپؐ کا (۵۵۰)

فنی لحاظ سے قصیدے میں محاورات کا عمدہ استعمال دیکھنے میں آتا ہے۔ حسن تعلیل، تکرار، تغافل، تلمیح، تضاد، تجنیس اور صنعت جمع کے اشعار آسانی سے مل جاتے ہیں۔ شاعر نے نازک خیالی اور بلند تخیل کی جگہ سادگی اور روانی کو ترجیح دی ہے جس سے زبان و بیان کی لطافت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ بقول اسلم فرخی:

> ''جناب حافظ نے اپنے قصیدے میں شوکت الفاظ کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ (اُردو) اُن کی مادری زبان نہیں، انھوں نے مارواڑی کی گود میں پرورش پائی ہے۔ جس لسانی مہارت اور قدرت کا اظہار انھوں نے اپنے قصیدے میں کیا ہے وہ اہلِ زبان کے لیے بھی قابلِ رشک ہے۔ انھیں زبان پر مکمل دسترس، بیان پر قدرت اور اظہار خیال پر مکمل عبور حاصل ہے۔ اُن کے قصیدے کی نمایاں ترین خصوصیت دل کشی اور روانی ہے۔'' (۵۵۱)

ان خوبیوں کے علاوہ شاعر نے استفہامیہ لہجے میں عمدہ شعر کہے ہیں جس سے کلام کے صوتی آہنگ میں ایک طرف حسن پیدا ہوا ہے تو دوسری طرف معنوی سطح پر تاکید اور زور بیان کی خوبی اُجاگر ہو

گئی ہے۔زبان و بیان کی چاشنی قصیدے کی دوسری نمایاں صفت کے طور پر سامنے آئی ہے:

پرتوِ ربِ علیٰ ہے ذات کس کی؟ آپؐ کی   محرم راز خدا ہے نام کس کا؟ آپؐ کا (۵۵۲)

سر خمیدہ ہو کے چلتے ہیں یہاں جن و بشر   کیوں نہ ہو،آخر مدینہ ہے یہ کس کا؟ آپؐ کا(۵۵۳)

اُمتِ مرحوم کی ہے آخری اُمید کون؟   شافع روز جزا ہے نام کس کا؟ آپؐ کا (۵۵۴)

مختصر طور پر یہ قصیدہ سادہ انداز میں سیرت النبیؐ اور سراپائے رسولؐ کا عشق و محبت میں ڈوبا ہوا حسین مرقع ہے جس میں عجز و انکسار اور تمناؤں کے جذبات دیدنی ہیں۔انھوں نے سادگی اور رواں انداز بیاں میں پُرخلوص جذبوں کو بڑی خوبی سے اظہار کی راہ دکھائی ہے۔واقعی یہ قصیدہ عہد حاضر میں اُردو ادب کے لیے تقویت کا باعث ہے۔

56-انور جمال:(پ:یکم اپریل ۱۹۴۸ء)

پروفیسر انور جمال عمدہ شاعر،نقاد اور محقق ہیں۔اُن کی درجن سے زائد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔وہ یکم اپریل ۱۹۴۸ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔پنجاب یونی ورسٹی سے ایم اے اردو کیا۔ایم اے ایجوکیشن بھی ہیں۔درس و تدریس سے وابستہ رہے۔۳۱،مارچ ۲۰۰۸ء کو گورنمنٹ کالج سول لائنز ملتان سے پرنسپل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے(۵۵۵)

اُن کے نعتیہ مجموعے ''حسنت جمیع خصالہٖ'' میں انتیس اشعار کا قصیدہ میمیہ اور بتیس اشعار کا قصیدہ تائیہ موجود ہے۔اِن کے مطالع ملاحظہ ہو:

ایک دن یوں ہوا وہ ماہِ تمام   ساکنانِ چمن سے محو کلام(۵۵۶)

خشک دھرتی پہ اُتر آئی ہے ایسی برسات
کھل کے برسی ہے گھٹا،دُھل گئے سب ڈال اور پات(۵۵۷)

یہ دونوں قصائد شاعر کے آنحضرتؐ سے گہری جذباتی وابستگی کے حامل ہیں۔عقیدت و محبت کا اظہار ایک ایک مصرع سے مترشح ہے۔نعتیہ شاعری کا مشترکہ وصف جذبۂ محبت ہے۔اس لیے شاعر کی انفرادیت کو جانچنے کے لیے اسلوب بیان ہی پیمانہ ٹھہرتا ہے۔اس حوالے سے انور جمال اپنے منفرد اسلوب کے ذریعے اپنا تشخص منوانے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔اُن کے ہاں قوت اظہار اپنی تمام تر توانائی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔یہ توانائی اُن کے اسلوب اور تخیل دونوں سے جھلکتی ہے۔اُن کا تخیل بلند ہے اور کی تازہ فکری کو نادر تشبیہات اور زور بیان نے ایک جوش اور شگفتگی عطا کی ہے۔اُن کے کلام

کی ایک خوبی جدت ادا بھی ہے۔ انھوں نے نعتیہ ادب میں نئی راہیں نکالی ہیں اور اپنے ہم عصروں اعظم چشتی، شیبا حیدری اور رفیع الدین ذکی قریشی پر سبقت لے گئے ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

خامشی اس کی اعتکافِ صلوٰۃ ۔۔۔ گفتگو اس کی ہے اذانِ صیام(۵۵۸)

تیری آمد ہے کہ ہے دولت تسکین وجود ۔۔۔ تیری بعثت ہے کہ ہے صورت تزئین حیات

موسم گل ہے کہ ہے تیرے تبسم کا خراج ۔۔۔ ابر پارے ہیں کہ ہے تیرے پسینے کی زکوٰۃ

شب گزیدوں کے لیے تیری ہدایت خورشید ۔۔۔ تیرہ بختوں کے لیے تیری قیادت لمعات

تیرے چہرے کی ضیا سے متسلسل ہوئی صبح ۔۔۔ تیری آنکھوں کی کرن سے متزلزل ہوئی رات(۵۵۹)

انور جمال کا شعری اسلوب تازہ کاری کی مثال ہے۔ انھوں نے محاکات نگاری سے اس میں خوب صورت مناظر قلم بند کیے ہیں۔ مکالماتی آہنگ کو بہت خوبی سے برتا ہے۔ حسن تعلیل، تشبیہ، استعارہ، تقابل اور استفہامیہ انداز سے انھوں نے اپنے اسلوب کی آب و تاب میں اضافہ کیا ہے۔ جدت ادا کا عنصر اُن کے ہاں فراواں ہے۔ اُن کے اسلوب بیان کے بارے میں ڈاکٹر عاصی کرنالی لکھتے ہیں:

"انور جمال نے نعت کو عصری حسیت کے ساتھ حوالہ قرطاس و قلم کیا ہے اور فن و معنی، جذبہ و فکر، زبان و بیان اور اظہار و اسلوب کے وہ نئے تر و تازہ اور شگفتہ تلازمے برتے ہیں جو نعت کے سفر ارتقا کی عصری منزل سے پوری مطابقت رکھتے ہیں۔"(۵۶۰)

تشبیب میں شاعر اپنی قادر الکلامی کے جوہر دکھاتا ہے۔ انور جمال نے بھی ایک تشبیب میں بہار کی قوت نامیہ سے اپنا زور بیان دکھایا ہے جب کہ قصیدہ میمیہ میں چاند اور اشیائے زمیں کے درمیان مکالمہ پیش کیا ہے۔ چاند کو دن رات کی تبدیلی کے سلسلے میں اپنی گردش پر ناز ہے۔ اس نے اپنے آنسوؤں کو شبنم قرار دیتے ہوئے شبنم اور چاندنی کا احسان جتایا ہے۔ چاند کے فخر اور تعلّی پر اہلِ زمیں برہم ہو کر جو جواب دیتے ہیں اس میں منطقی دلائل کا حسن اور لہجے کی نوک جھونک سبھی کچھ شامل ہے۔ یہیں سے گریز بھی کیا گیا ہے۔ گریز میں زمین کی فضیلت کا باعث حضور نبی کریمؐ کو قرار دیا گیا ہے جو عین فطری ہے اور قصیدے کے تسلسل کے لیے تقویت بخش ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

سن کے باتیں یہ ماہ کامل کی ۔۔۔ بزم گلشن میں مچ گیا کہرام

پھول پتے، شجر، ثمر، شاخیں ۔۔۔ بن گئے سب کے سب سراپا کلام

مل کے کہنے لگے کہ اے مہتاب ۔۔۔ مہر گردوں کی روشنی کے غلام

ذرہ ذرہ ہے آفتاب یہاں ۔۔۔ تم نہیں جانتے زمیں کا مقام

شکل احمدؐ میں اتری دنیا پر رحمت ذوالجلال والاکرام
اس کی بعثت کے صدقے دی رب نے ہم کو رعنائی تم کو خوئے خرام(۵۶۱)

انور جمال نے اپنے قصائد میں توحید اور رسالت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا ہے۔آنحضرتؐ کی عظمت وفضیلت کو مرکزیت دی اور انقلاب اسلام کے ثمرات بھی بیان کیے ہیں۔ والہانہ پن اور اظہار عجز دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ انھوں نے بعض مقامات پر محاکاتی اسلوب اپنایا ہے اور آغاز سے اختتام تک قصیدے کے جوش میں فرق نہیں آنے دیا۔ دعا کے حصے میں اُنھوں نے داخلی تمناؤں کو مدنظر رکھا ہے اور دنیا کی فانی شہرت طلب کی ہے۔اشعار دیکھیے:

کاسہ بر کف تری دہلیز پہ شاہان و ملوک تیرے دروازے سے پاتے ہیں سلاطیں خیرات
تیری سوچوں کے تقدس پہ مری عمر نثار تیری سانسوں پہ نچھاور مرے ماں باپ کی ذات
جاودانی مرے حرفوں کو عطا کی جائے زندگی میں ہی مرے نام کو مل جائے ثبات(۵۶۲)

57-خالد علیم:(پ:۳۰،اگست ۱۹۵۶ء)

خالد ریاض معروف شاعر علیم ناصری کے فرزند ارجمند ہیں اور اپنے قلمی نام خالد علیم سے پہچانے جاتے ہیں۔ وہ ۳۰،اگست ۱۹۵۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے جہاں اُن کے والد ذاتی کاروبار کرتے تھے۔ دو سال کی عمر تھی کہ اُن کے والد لاہور آ گئے۔ خالد علیم نے گریجوایشن کے علاوہ اردو فاضل اور پنجابی فاضل کیا۔ وہ کہنہ مشق شاعر ہیں۔''محامد محمدؐ'' پر وفاقی سیرت ایوارڈ سے نوازے جا چکے ہیں(۵۶۳)۔اُنھیں عروض پر خاصی دست گاہ حاصل ہے اس کے علاوہ وہ ادارتی سرگرمیوں سے بھی وابستہ ہیں۔اُن کے کلام کا کثیر حصہ''کلیات نما'' کے عنوان سے حال ہی میں شایع ہوا ہے۔

خالد علیم کا نعتیہ مجموعہ''محامد محمدؐ'' غزل، رباعی، قصیدہ اور آزاد نظم کی ہیئتوں کو محیط ہے مگر لفظی اسلوب میں قصیدے کی شان، شکوہ اور شوکت شامل ہے۔اُن کے اظہار بیان میں نادر تراکیب کا زور، عشق کی توانائی اور جذبے کی صداقت کا جوش موجود ہے۔ وہ قصیدہ نگاری میں مقصدیت کے قائل ہیں۔ انھوں نے تاریخی شعور اور عصری صورت حال کے امتزاج سے اپنے قصائد کا موضوعاتی ڈھانچہ تشکیل دیا ہے۔اُن کے مجموعے میں تمہیدیہ اور مدحیہ دونوں طرح کے قصائد موجود ہیں۔ مطالع ملاحظہ ہوں:

دیتا ہوا رات کو درسِ فنا آفتاب صبحِ جمالِ یقیں لے کے چلا آفتاب(۵۶۴)
نعت شاہِ رُسلؐ کروں مسطور مجھ پہ ہو رحمت خدائے غفور(۵۶۵)

سرورِ دیں سر آمدِ ابرار اہلِ ایماں کا قافلہ سالار(۵۶۶)

انھوں نے سنجیدہ اور پُر وقار اسلوب میں بعثت نبویؐ سے قبل انسان کی فکری اور تہذیبی زندگی کے نقوش مرتب کیے ہیں۔ ماضی میں انسان پر ہونے والے جبر ناروا، ظلمت اوہام، قہر و ہلاکت، فتنہ انگیزی اور کفر کی تیرگی اُن کے تاریخی شعور کے نمایاں موضوعات ہیں۔ یہاں انھوں نے تلمیحات سے زیادہ کام نہیں لیا لیکن عہد رفتہ کی تصویر وہ سچائی کے رنگوں سے تیار کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ تیرگی سے روشنی کا علامتی سفر نور نبوتؐ کے لیے موزوں ہے۔ اُن کے کلام پر فارسی الفاظ کی چھاپ گہری ہے۔ وہ طرز ادا میں شعری تلازمات کو عمدگی سے استعمال کرنا جانتے ہیں۔ چند اشعار دیکھیے :

گل کدۂ زیست تھا دشت سکوت ضمیر خامش و بے صوت و رنگ مثل شبستاں غاب
کرّ و رعونت تمام قلب و نظر کے امام ذہن بشر پر مدام مرگ خودی کا سحاب
جبر غلامی میں تھا ہر بشر ناتواں اور ضعیفوں پہ تھا ظلم و ستم بے حساب
سینۂ آدم میں تھی آتشِ ایمان سرد نارِ جہنم کا تھا بولہبی التہاب
فتنہ گری سو بہ سو ، راہزنی کو بہ کو وائے جہانِ خراب ، وائے جہانِ خراب
ظلمت اوہام میں قافلۂ بے درا ڈھونڈ رہا تھا ابھی خیمۂ شب کی طناب(۵۶۷)

اسی ظلمت شب میں بطن حرا سے ایک ایسے انقلاب کی سحر نمودار ہوئی کہ جس نے روشنی کے عمل کو مہمیز لگا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین و آسماں کا منظر بدل گیا۔ یہی گریز ہے اور بے حد خوب صورت اور برمحل ہے۔ شاعر نے پندرہ شعروں کی گریز میں حضور نبی کریمؐ کی آمد کی علامات کو استفہامیہ انداز میں بخوبی اُجاگر کیا ہے۔ مثال دیکھیے :

ہونے لگا چار سُو روشنیوں کا عمل اور اُترنے لگا چہرۂ شب کا نقاب
تیرہ و تاریک رات ڈھلنے لگی نور میں لیلٰی شب کا غرور ہونے لگا آب آب
کس کا ہوا ہے ورود؟ کون ہوا جلوہ گر؟ اپنے جلو میں لیے مطلع صد آفتاب
کس کے محامد کا ذکر، گونج اُٹھا عرش پر جاگ اُٹھا فرش پر سوز و نم خاک و آب
دشتِ جہاں میں ہوا اس کا قدم شب چراغ جس کو خدا نے دیا ہر دو جہاں کا نصاب(۵۶۸)

گریز کے بعد ''آفتاب'' ردیف کی حامل ایک غزل قصیدے میں شامل ہے جس میں آفتاب زندگی کے غموں کے اندھیرے میں امید اور انقلاب کا پیغام ہے۔ اس غزل کے بعد مدح کہی گئی ہے۔ مدح اور تشبیب کے اشعار کی تعداد اور اسلوب دونوں میں توازنی کیفیت موجود ہے۔ مدح میں

''وہ'' اور ''اس'' کی ضمیریں کام میں لائی گئی ہیں یعنی شاعر نے صیغۂ متکلم سے کام نہیں لیا۔ انھوں نے حضور اکرمؐ کے فضائل کے لیے خوب صورت القابات وضع کیے ہیں۔ اس کے علاوہ اسماء النبیؐ کے ذریعے بھی آپؐ کی عظمت کو اُجاگر کیا گیا۔ آنحضرتؐ کی عظمت اور اپنی کم مائیگی کا احساس ہر قدم شاعر کے دامن گیر ہے۔ عجز میں سرشار چند اشعار دیکھیے:

سائرِ ہفت آسماں ، طائرِ سدرہ مکاں — خاتم وحی و صحف، ملہم ام الکتاب
سید اہل حرم ، راہنمائے امم — تاجورِ محترم، خسروِ گردوں رکاب
گاہ رؤف و رحیم، گاہ وسیم و قسیم — گاہ فہیم و علیم، گاہ مجیب و مجاب
گاہ حمود و حمید، گاہ سعود و سعید — گاہ مزکّی لقب ، گاہ مطیب خطاب
اس کے خصائل بلند، اس کے شمائل عظیم — اس کے مقامات ہیں بے بدل و بے حساب
اس کے قدم کا فروغ، گرد رہِ کہکشاں — اس کے نقوش دوام جلوۂ کونین تاب
کارگہ زیست میں اس کی رضا کے بغیر — کون ہوا سرخ رُو، کون ہوا کام یاب
اس کے مقامات کا کون احاطہ کرے — کس سے بیاں ہو سکے مدح رسالت مآبؐ
معترف عجز ہیں خامہ و قرطاس بھی — لا نہ سکے گا شعور اس کے محاسن کی تاب (۵۶۹)

اس کے علاوہ شاعر نے جنابِ رسول کریمؐ کی سیرت طیبہ کے اُن اوصاف کو موضوع بنایا ہے جن کا تعلق انسانیت کی فوز وفلاح سے ہے۔ ان اوصاف میں آپؐ کی صداقت، سخاوت، علم وحکمت، شفاعت، دردمندی، چارہ گری، شعور وآگہی، بت شکنی اور ظلم و جہالت کا خاتمہ نمایاں ہیں۔ انھوں نے سیرت نگاری کے روشن امکانات سے اپنے قصیدے کو مزین کیا ہے۔ بقول ڈاکٹر خورشید رضوی:

''خالد علیم کے ہاں مضامین نعت ذاتی عقیدت کی وارفتگی سے لے کر آفاقی امکانات کی دستک تک اپنی گونا گوں وسعتوں کے امین ہیں۔'' (۵۷۰)

بارہ کتب کے خالق خالد علیم کے کلیات کا نام ''کلیات نما'' ہے، اس میں بھی قصائد شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اُن کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ ''اوصاف'' بھی شائع ہو چکا ہے۔ جسے مدر لینڈ پبلشنگ ایجنسی نے اکتوبر 2024ء میں تکمیل سے ہم کنار کیا۔ اوصاف میں قصائد کی تعداد آٹھ ہے جن کے مطالع درجِ ذیل ہیں:

مہتاب رقم ہے کس کی لوحِ مقسوم
شرمندۂ معنیٰ ہیں سرکردہ علوم

کبر کے بت کر کے مسمار
حمدِ خدا سے ہو اظہار

کہاں جہاد کہ جہد و عمل ہے مثلِ مجوس
نہیں کہ اتریں گے پھر سے فرشتگاں کے جلوس

اک حسن کی ہے مجھ پر یہ پرتو افشانی
جذبوں میں ہے طغیانی، سخن میں جولانی

یہ بھید اک بڑے شعر گو کے تخیل سے مجھ پر کھلا ہے
یہ دنیا تو ہاروت و ماروت سے بھی بڑی ساحرہ ہے

ناقہ سواروں کو جانے کس کا گماں ہے
بے خبری میں ہجوم بے بصراں ہے

پردۂ آفاق میں ڈوب گیا آفتاب
ہونے لگا خیمہ زن شب کا طلسمِ حجاب

ایک ہنگامِ دنیا ہے یا کوئی محشر میرے سامنے
دیکھتا ہوں نہیں کوئی شفاف منظر میرے سامنے

خالد علیم کے ہاں آٹھوں قصیدوں میں آٹھ مختلف اوزان اور نادرالاستعمال بحور استعمال ہوئی ہیں جس سے اُن کی استادانہ عروضی صلاحیت اور مشاکانہ شعری صلاحیت کھل کر سامنے آئی ہے۔

مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ خالد علیم ایک پختہ کار قصیدہ نگار ہیں جو شعر کے فنی امور میں پختگی کے ساتھ پُرشکوہ اسلوب رکھتے ہیں۔ اُن کے ہاں ماضی سے عہدِ موجود تک انسانی تاریخ و تہذیب کی ارتقائی جھلکیاں سنجیدہ انداز میں بیان ہوئی ہیں۔ انھوں نے عقیدت و عجز کے جذبات کو بھی اظہار کا موقع دیا ہے اور سراپا مبارک کو بھی مگر اُن کی زیادہ توجہ سیرت طیبہ کے انسانیت ساز اصولوں پر مبنی ہے۔

وہ اپنی عقیدت اور وارفتگی کو بے راہ روی کا شکار نہیں ہونے دیتے۔ انھوں نے مقصدیت اور شریعت کی حدود کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا ہے۔ قصیدے کے تمام اجزا اپنے اپنے دائرہ اثر میں موزونیت کی مثال ہیں۔

58- جمشید اعظم چشتی (پ:۲۱، مارچ ۱۹۶۳ء)

جمشید اعظم معروف نعت خواں اور نعت گو شاعر اعظم چشتی کے بیٹے ہیں۔ وہ ۲۱ مارچ ۱۹۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ جمشید اعظم نے فارسی میں ایم اے کیا ہے۔ ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۱ء تک گورنمنٹ فریدیہ کالج پاک پتن میں فارسی لیکچرر کی حیثیت سے تعینات رہے۔ گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور میں صدر شعبہ فارسی کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ اُنھوں نے سلام، نوحہ، رباعی، قصیدہ، غزل اور نظم کو ذریعہ اظہار کے طور پر اپنایا ہے۔ شعری قواعد اور عروض کے حوالے سے اپنے والد سے مستفید ہیں جب کہ احمد ندیم قاسمی اور خالد احمد سے بھی کسبِ فیض کیا ہے۔ اُنھوں نے نعتیہ قصائد خاص طور پر جنابِ خالد احمد سے متاثر ہو کر لکھے ہیں۔ (۵۷۱)

قدیم شعری روایت سے بھرپور آگہی رکھنے کے باوجود جدید لہجے میں شعر کہتے ہیں۔ غزل اُن کا بنیادی میدان ہے۔ نظم بھی کہتے ہیں۔ اُن کی شعری تخلیقات میں ''چپ چاپ (۲۰۰۰)، جھلمل (۲۰۰۲ء)، جل تھل (۲۰۰۹ء) اور گھن گرج (۲۰۱۸ء)'' شامل ہیں جب کہ ''برصغیر میں فارسی نعت گوئی'' اُن کا تحقیقی مقالہ ہے۔ اُن کے نعتیہ قصائد کی تعداد تین ہے جن کے مطالع درج ذیل ہیں:

بے رنگ آسمان تھے، ویران بحر و بر مشت غبار تھی نہ ہوائے بہار گر (۵۷۲)
شافِیِ قلب و کبد تخم دادِ لا ولد (۵۷۳)
میں ، کہ اک طائر غریب وطن اپنی دھن ، تیری لَو میں محوِ سخن (۵۷۴)

اُن کے تین شعری مجموعوں ''چپ چاپ''، ''جھلمل'' اور ''گھن گرج'' میں ایک ایک نعتیہ قصیدہ موجود ہے۔ پہلا نعتیہ قصیدہ سلطان محمد بن تغلق کے قصیدہ گو شاعر بدر چاچ کی زمین میں لکھا گیا ہے جو تاشقند (چاچ یا شاش) کا رہنے والا تھا (۵۷۵)۔

یہ قصیدہ شاعر کے جدید لہجے اور پُر عجز بیان کی چاشنی لیے ہوئے ہے۔ انھوں نے مضامین میں نئے تلازمات سے تازگی پیدا کر دی ہے۔ تشبیب میں تخلیق کائنات سے پہلے کی ویران اور پُرسکوت زندگی کا نقشہ پیش کرنے کے بعد زمانۂ جاہلیت کے احوال بھی بھرپور انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ ندرت فکر اور بلند تخیل ان اشعار کا خاصہ ہے۔ مثالیں دیکھیے:

صحرائے روح کو تھی کسی ابر کی تلاش — سایہ زمیں پہ ڈھونڈ رہے تھے ابھی شجر
جذبوں کا کوئی رُخ نہ تخیل کی کوئی سمت — پردہ کھنچا نہ تھا ابھی مابینِ خیر و شر
نیرنگِ صبح و شام سے محروم تھی زمیں — بے دور کٹ رہا تھا ابھی وقت کا سفر(۵۷۶)

مدح میں شاعر نے نبی کریمؐ کے شمائل، فضائل اور خصائل مبارک کا حسین امتزاج پیش کیا ہے۔ اُن کی جدت ادا اور عشق و محبت کے خلوص نے تشبیب کی تازگی اور شگفتگی کو نہ صرف برقرار رکھا ہے بل کہ دوچند کر دیا ہے۔ یہ اشعار حقیقت نگاری اور تخیل کی آمیزش کے حامل ہیں اور ایک عاشقِ رسولؐ کے دل کی آواز بن کر نکلے ہیں۔ سراپا کے چند شعر دیکھیے جو نادر تشبیہات سے مزین ہیں:

وہ رُخ کہ جس پہ آنکھ نہ سورج کی ٹک سکے — وہ آنکھ جس میں ڈوب کے رہ جائیں خشک و تر
وہ گفتگو کہ دشت میں بہتی ہوئی ندی — وہ خامشی کہ شب میں دمکتا ہوا قمر
وہ پاؤں جن کے دم سے ہوئی خاک باوقار — وہ ہاتھ جن سے پا گئے عز و شرف حجر
ایسا قیام جس سے قیامت پہ ہو یقیں — ایسا سجود، جس سے ہو مسجود کی خبر
ایسا رکوع جس سے کمانِ اُفق خجل — ایسا سلام جس کو تکے کعبہ گھوم کر
ایسی نماز جس پہ خدائی نثار ہو — ایسی دعا کہ جس سے ہم آغوش ہو اثر(۵۷۷)

آنحضرتؐ کی عظمت، فضیلت اور بلند قامتی کا جمشید کو بخوبی احساس ہے۔ آپؐ کے انسانیت پر احسانات اور آپؐ کے لیے لائے ہوئے ثمرات کو بھی انھوں نے اپنے کلام میں سمویا ہے۔ اُن کے یہ مدح کے مضامین آفاقی نوعیت کے ہیں۔ انھوں نے افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے خلوص کے ساتھ اپنے والہانہ جذبات کا اظہار کیا ہے۔ مثالیں دیکھیے:

آپؐ کا کردار ہے — آدمیت کی سند
آپؐ کی گفتار ہے — ترجمانِ الصمد
بیٹیوں کو کر دیا — رحمت حق کی سند
بت پرستوں سے کہا — ''قل ھو اللہ احد''
مائلِ مہر و وفا — دافعِ نفرین و کد
شافعِ روزِ جزا — خاتمِ قہر اشد
قلزمِ جود و سخا — ابرِ احسان و مدد(۵۷۸)

جمشید چشتی کا تیسرا قصیدہ باون شعروں کا ہے اور اس کی تشبیب فخریہ ہے۔ اس میں اُنھوں

نے اجودھن (پاک پتن) اور سیہون شریف کے ساتھ اپنی روحانی نسبتوں پر فخر کیا ہے۔اس کے علاوہ انھیں اپنے کاروانِ نظم اور ناقۂ غزل کی پھبن پر بھی ناز ہے۔گریز میں انھیں اپنی کوتاہی کا احساس ہوتا ہے جسے وہ یوں بیان کرتے ہیں:

بند کر منہ ، اے لاف زن شاعر کھول تقدیس کا نیا روزن (۵۷۹)

حضورِ اکرمؐ کے ذاتی اوصاف کے بیان میں شاعر نے تازہ فکری سے کام لیا ہے۔جذبۂ عشق کا جوش اور زورِ بیان کی کیفیات درج ذیل اشعار سے بخوبی عیاں ہیں:

وہ ، کہ سر تا بہ پا ہیں جود و سخا وہ ، کہ ہیں شش جہات کا درپن
وہ ، کہ آئنہ رُخِ خلاق وہ ، کہ سازینۂ صدائے زمن
وہ ، کہ گنجینۂ شبِ معراج وہ ، کہ نقدینۂ قرون و سنن
وہ ، کہ تمکین تختِ ہائے دلاں وہ ، کہ تسکین نقش ہائے حزن
وہ ، کہ ترجیعِ کعبۂ اوّل وہ ، کہ تعویز بندگانِ وثن (۵۸۰)

جمشید اعظم چشتی عہدِ موجود کے اہم قصیدہ گو ہیں جن کے ہاں بلند فکری اور اسلوب کی تازگی موجود ہے۔انھوں نے چھوٹی بڑی دونوں بحروں میں کامیابی سے اظہار کی راہ ہموار کی ہے۔اُن کے ہاں تشبیب میں حمدیہ مضامین اور ابتدائے آفرینش سے قبل کی منظر کشی نعتیہ مضامین سے مطابقت رکھتی ہے۔اس کے علاوہ سلسلہ چشت سے اپنی روحانی نسبت پر اُنھوں نے فخر کا اظہار کیا ہے۔ اُن کے ہاں قصیدے کا لفظی شکوہ اور جوش وخروش اوّل تا آخر برقرار رہتا ہے۔گریز بھی کمال کہتے ہیں۔دوسرے قصیدے کا گریز مضامین سے ایسا ہم آمیز ہے کہ غور کرنے کے بعد ہی پتا چلتا ہے کہ مدح کا آغاز ہو گیا ہے۔اُن کے مضامینِ نعت میں توحید و رسالت کے تقاضوں کو بخوبی ملحوظ رکھا گیا ہے۔اُنھوں نے اپنے لہجے کی توانائی سے نعتیہ قصیدے کو یقیناً توانائی بخشی ہے۔

59- محمد طاہر صدیقی: (پ:۱۹۶۳ء)

پروفیسر محمد طاہر صدیقی ۱۰ جنوری ۱۹۶۳ء کو فیصل آباد کے معزز دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔اُن کا سلسلۂ نسب حضرت صدیقؓ اکبر سے ملتا ہے،اس لیے وہ اپنے نام کے ساتھ صدیقی لکھتے ہیں (۵۸۱)

موصوف ۱۹۹۴ء میں اُردو سبجیکٹ سپیشلسٹ تعینات ہوئے۔اب ملازمت سے سبک دوش

چکے ہیں۔ بچپن سے شعروشاعری کا شوق رکھتے تھے۔ اُن کا ایک مجموعۂ غزل ''ردِعمل'' ۲۰۰۴ء میں منظرِعام پر آیا۔ اب تک نعت کے چار مجموعے ''اعزازِ نعت (۲۰۰۹ء)، اعزازِ حضوری (۲۰۱۴ء)، قومی سیرت ایوارڈ یافتہ)، اعزازِ نسبت (۲۰۱۶ء) اور قصدِ نعت (۲۰۱۷ء)'' اشاعت سے ہم کنار ہو چکے ہیں۔

قصدِ نعت نوسو اشعار پر مبنی نعتیہ قصیدہ ہے جسے مختار گیلانی نے اُردو کا طویل ترین قصیدہ قرار دیا ہے(۵۸۲)۔ یہ قصیدہ طویل تشبیب کا حامل ہے جس میں تحمیدِ نعت، اظہارِ عجز، حاضری و حضوری کی آرزو، مدینہ اور صاحبِ مدینہ کی محبت، امہات المومنین، اہلِ بیت، قافلۂ کربلا، خلفائے راشدین، صحابہ کرامؓ اور اخلاق و محبت کے مضامین نظم ہوئے ہیں۔ چند اشعار دیکھیے:

واللہ مدینے کی زمیں ، دل میں بسی ہے یوں ان کی غلامی کی سند مجھ کو ملی ہے(۵۸۳)
مٹی جو تجھے دی گئی اے سیدہ سلمیٰؓ شبیرؓ کے وہ خون سے رنگین ہوئی ہے(۵۸۴)
امت کی وہ ماں بنتِ عمرؓ ، حضرت حفصہؓ منسوبِ شہ کون ومکاںؐ جب سے ہوئی ہے(۵۸۵)
کتنے ہی سلام اُنؓ کو ہیں افلاک سے آئے تعظیم فرشتوں نے ہمیشہ اسے دی ہے(۵۸۶)
اصحاب میں ہم شکل نبیؐ حضرت مصعبؓ کیا شان انھیں حُبِ نبوت سے ملی ہے(۵۸۷)
کشکول تمنا ہے دھرا در پہ نبیؐ کے افزوں مجھے شاہی سے یہ دریوزہ گری ہے(۵۸۸)

اس کے بعد گریز ہے جس میں آپؐ کی آمد اور دنیا سے تیرہ شبی کے خاتمے کا بیان ہے۔ مدح کا حصہ آپؐ کے اخلاق و کردار، نبوت، اولیت، جود و سخا، راہنمائی، اخلاق، مختار، القاب، معراج، انبیا سے تقابل جیسے فضائل پر مبنی ہے نیز اس میں سراپا نگاری پر خوب صورت اشعار موجود ہیں۔ سراپا مبارک کا حصہ شفاعت، دندان، ہونٹ، گیسو، چہرۂ انور، ابرو، عارض، مہرِ نبوت، چشم سیہ، شکم مبارک، قامت، کلائی، ہتھیلی، انگشت، ہاتھ، پنڈلی، مرغوب لباس اور شیریں سخنی کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ اسماء النبیؐ کا خصوصی حوالہ موجود ہے۔ طلب میں والدین کی بخشش، عشقِ رسولؐ کی تمنا، ارض وطن کی خیریت، امت مرحوم کی عظمت اور اسلام کا بول بالا ہونے کے مضامین باندھے ہیں۔ مدح کے باب سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ایماں کے قدم مہبط تشکیک نے چومے وسواس کے مندر کی بہت دھول اُڑی ہے(۵۸۹)
والعصر کہ والفجر ہو سب آپؐ سے روشن والتین میں، کوثر میں، تریؐ جلوہ گری ہے(۵۹۰)
احمد کا ''الف'' اللہ اکبر کا ہے اعلان ''ح'' حمد ہے، وجداں پہ ضیا بار ہوئی ہے(۵۹۱)
ہے ''میم'' مواحد کے عقیدے کی گواہی اور دینِ خدا ''دال'' کی تکوین گری ہے (۵۹۲)

وہ بر سر معراج ''کلیم اللہ'' ہوئے ہیں دکھلایئے موسیٰ کو، کہ یہ قرب جلی ہے (۵۹۳)
ہیں چہرۂ انور پہ گرے گیسوئے اطہر یا سامنے سورج کے گھٹا جھوم رہی ہے(۵۹۴)
بالوں سے گراں بار نہیں آپؐ کا سینہ ہلکی سی روش شکم مبارک پہ بنی ہے(۵۹۵)

یہ قصیدہ اپنے تمام عناصر سمیت ایک مکمل تاثر اور یکتائی کا حامل ہے۔اس کا اختصاصی پہلو موضوعات کا تنوع ہے۔تشبیب اور مدح میں سیرت وسراپا کے علاوہ مناقب صحابہ موضوع کو وسعت عطا کرتے نظر آتے ہیں۔مجموعی طور پر یہ قصیدہ سہل ممتنع کا شاہکار ہے۔انبیا سے تقابل اور معراج کے اشعار حسن تعلیل اور سراپا نگاری کے حامل اشعار خوب صورت تشبیہات سے مزین ہیں۔امہات المومنینؓ اور عشرہ مبشرہؓ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر سیرت رسول کریمؐ میں خاص دل چسپی رکھتے ہیں۔قصیدے کی ایک ایک سطر سے شاعر کا جذبۂ عشق مترشح ہے۔قصیدہ کیا ہے،گلشن سیرت پاکؐ میں آنحضرتؐ کے اخلاق وکردار کی مہکتی ہوئی کلیاں ہیں۔اکثر دیکھا گیا ہے کہ شعرا عشق ووارفتگی میں شرعی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔الوہیت اور نبوت کے تقاضوں کی پاسداری واضح نظر آتی ہے بل کہ زیادہ تر مضامین قرآن وحدیث سے اخذ کیے گئے ہیں۔

طاہر صدیقی کا دوسرا قصیدہ ''سراپائے نورؐ'' ایک سو چودہ اشعار پر مشتمل ہے اور ان کے مجموعے ''اعزاز حضوریؐ'' میں شامل ہے یہ رائیہ قصیدہ زبان وبیان کی چاشنی،شستہ ورواں اسلوب ،خوب صورت استعارات اور زور بیان کے علاوہ لفظی تازہ کاری کی عمدہ مثال ہے۔آغاز میں نعت پیمبرؐ سے شاعر نے خطاب کر کے تخیل کی معراج طلب کی ہے۔چند اشعار دیکھیے:

معلوم کو تحقیق کی میزان پہ لا کر لکھنا ہے سراپائے شہِ ساقیِ کوثرؐ
کرنا ہے بیاں سرورِ عالمؐ کا قصیدہ کھل جا مرے وجدان پہ اے نعت پیمبرؐ
مہمیز لگا اسپ تخیل کو جنوں کی لا کھینچ کے لا پھر اسے معراج کی رہ پر
برسا مرے الفاظ پہ اعجاز کی کلیاں کر تلخیِ اسلوب کو شیرینی سراسر(۵۹۶)

اس قصیدے کا گریز موزوں اور برمحل ہے۔مدح میں حضور اکرمؐ کی مسیحائی ، بت شکنی، تقدیس،عظمت ، درس مساوات ، رحمت ورافت، مدینہ کے جنت سے تقابل ،خواتین کی تہذیب ، اخوت،الطاف واکرام،طیبہ سے اظہار الفت، لاثانی ہونے کے مضامین کے علاوہ سراپائے رسولؐ کا بیان ہے۔چند اشعار دیکھیے:

جب زخم جگر دست رفو کا ہو طلب گار مرہم لیے آتے ہیں وہیں شافع محشرؐ

دستارِ ستم تیغ نبوت نے اڑائی　　پامال مکافات ہوا ظلم کا خنجر
جب گلشن ایمان ہوا زرد خزاں سے　　روضے کی تجلی نے کیا ابیض و اخضر
ہے ان کے غلاموں پہ فدا سطوت شاہی　　بڑھتے ہیں قدم لینے کو دارا و سکندر (۵۹۷)

ان کے ہاں تشبیہ کے ساتھ استعاراتی فضا بھی نظر آتی ہے نیز تکرار، تلمیح وتعلیل کی گل کاریاں دکھائی دیتی ہیں۔ جہاں اظہار کے مذکورہ قرینے برتے گئے ہیں۔ وہاں شاعر کا اسلوب زیادہ مرصع اور رنگین ہوگیا ہے:

ایماں کی زمیں پر جو اُگے نخل محبت　　اس نخل محبت پہ لگیں کوکب و اختر
کلیوں میں ہے ٹھنڈک ترے آنے کی خوشی میں　　لالہ بھی اسی جوش محبت سے ہے اخگر
ہر سانس میں خوشبو ہے کسی اور جہاں کی　　ہے جنبشِ لب سورۂ والتین کا مصدر (۵۹۸)

طاہر صدیقی کا تیسرا قصیدہ غالب کی زمین ''ساز یک ذرّہ نہیں فیض چمن سے بے کار'' میں ہے لیکن اسلوب کے لحاظ سے یہ سادگی کا مرقع ہے۔ یہ ایک مدحیہ قصیدہ ہے۔ اس میں نعت پاک کے متنوع خصائص کا ذکر ہے۔ آپؐ کی تعلیمات کا بیان ہے اور مدینہ طیبہ میں گزرے ہوئے لمحات کی یادوں کا تذکرہ شامل ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

پارۂ امر گلِ خندہ، کلی لالہ زار　　حُبِ سرکارؐ دو عالم کے ہیں سب نقش و نگار
آدمی وحشی درندوں سے ہیں انسان بنے　　آپؐ کے اسوۂ کامل نے دیا ایسا شعار
نور تعلیم سے روشن ہوئے اذہان و قلوب　　یوں جہالت سے ہوئی طبع بشر کی بیزار
گلشن زیست کی زینت ہے انھیؐ کی سیرت　　گویا اخلاص ومحبت ہے اس کی مہکار (۵۹۹)

طاہر صدیقی کے قصائد فنی اعتبار سے مکمل ہیں۔ اُن کے ہاں سادہ اور مرصع دونوں قسم کے اشعار مل جاتے ہیں۔ مصرع کی بنت کاری کے فن سے وہ بخوبی آگاہ ہیں۔ سیرت النبیؐ کے گہرے مطالعے نے اُن کے مضامین نعت کو ایک علمی استناد اور وقار بخشا ہے۔ نعت، منقبت، ازواج النبیؐ، مسجد نبوی، گنبد خضرا، شہر مدینہ اور سنن وشمائل کے متنوع مضامین سے اُن کے قصائد مزین ہیں۔ عہد جدید میں قصیدہ نگاری کی صنف میں اُن کے قصائد ایک خوش گوار اضافہ ہیں۔

60- منظر عارفی: (پ: ۱۹۶۵ء)

سید منظر علی ادبی دنیا میں منظر عارفی کے نام سے اپنی ایک منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ وہ

۲۲، اگست ۱۹۶۵ء کو شاہ فیصل کالونی کراچی میں پیدا ہوئے۔ عارف اکبر آبادی کے شاگرد ہیں۔ غزل، افسانہ اور نظم کے علاوہ حمد و نعت اُن کی شناخت کے معتبر حوالے ہیں۔ ''کمالِ سخن'' اُن کا مجموعۂ حمد ہے جب کہ ''اللہ کی سنت'' اُن کا نعتیہ مجموعہ ہے جس پر انھیں قومی سیرت ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ (۶۰۰)

انھوں نے تحقیق، تنقید، تذکرہ نگاری، سیرت نگاری، شاعری اور بچوں کے ادب پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اُن کی کتابوں کی تعداد اٹھارہ سے زائد ہے۔ انھوں نے دو نعتیہ قصائد بھی لکھے ہیں۔ پہلا قصیدہ انچاس اشعار پر مشتمل ہے اور اس میں دو مطلع ہیں۔ تشبیب میں انسانیت کی دم توڑتی اقدار کا نوحہ نہایت دردمندی سے لکھا ہے۔ اُن کے مطابق رشتہ داری کا لحاظ ختم ہو گیا ہے۔ احسان مندی باقی نہیں رہی، بیٹے ادب اور خدمت بھولے ہیں تو بیٹیاں میکا پرستی پر مائل ہیں۔ دوسری طرف سسرال میدانِ کارزار سے کم نہیں۔ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت میں بھی خواہش کو دخل ہے۔ الغرض انھوں نے ہمارے معاشرے کی عائلی زندگی کی تشویش ناک صورت حال کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے اور سادہ مگر پُرسوز اسلوب میں من وعن بیان کر دیا ہے۔ عہدِ موجود کی زبوں حالی کی یہ ساری کہانی شاعر کے ذہن کے پردے پر آشکار ہے اور وہ انھیں سوچوں میں محو ہے کہ ندائے غیبی کی طرف سے اُسے نعت گوئی کا اشارہ ہوتا ہے۔ یہاں گریز کا مرحلہ عمدگی سے طے ہوا ہے۔ پھر مطلع ثانی کے بعد نعت کہی گئی ہے۔ یہاں ''آپؐ آئے'' کی تکرار کے ذریعے ایک طرف آمدِ رسولؐ کی انقلابی سرگرمیوں کو اُجاگر کیا گیا ہے تو دوسری طرف صوتی آہنگ کی شیرینی اور نغمگیت میں اضافہ ہوا ہے۔ اس حصے میں زبان و بیان کے حوالے سے خوب صورت اور ضرب المثل قسم کے مصرعے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ پہلے تشبیب سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اک دن میں کر رہا تھا دعا یہ خدا کرے ۔۔۔ بندہ خدا کا کوئی تو حسن خلوص سے
بے لاگ، بے دباؤ، بلا خوف و اضطراب ۔۔۔ اس دور کے غلیظ رویوں کو بھی لکھے
لکھے وہ قدریں جو کہ تھیں انسانیت کا تاج ۔۔۔ ان قدروں کے خموش جنازے بھی اُٹھ گئے
لکھے! ہے آج میکا پرستی عروج پر ۔۔۔ لکھے جو کارزار ہیں سسرال میں سجے (۶۰۱)

اب ذرا مدح کے حصے سے چند اشعار نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہوں کہ جن میں آنحضرتؐ کی آمد مسعود کی مبارک ساعتوں اور پُربہار سچائیوں کا بیان قلم بند ہوا ہے:

آپؐ آئے تو زبان کی تلخی کا رد ہوا ۔۔۔ آپؐ آئے تو درشت مزاجی کے پر جلے
آپؐ آئے تو رسولوں کی عظمت عیاں ہوئی ۔۔۔ آپؐ آئے تو فرشتوں کی حرکت کے دف بجے

آپؐ آئے تو نکالا گیا سچ کو جھوٹ سے آپؐ آئے تو کتابوں کی تبدیلیاں کھلیں
آپؐ آئے تو معانی کھلے اتحاد کے آپؐ آئے تو صفوں کی کجی دور ہو گئی(۶۰۲)

یہ قصیدہ سادہ اسلوب کا حامل ہے جس میں داخلیت کا سوز اور تکرار کا حسن موجود ہے۔ مدح کے موضوعات تشبیب میں پیش کردہ انسان کی اخلاقی پستی کے حل کی مناسبت سے بیان ہوئے ہیں۔ اس قصیدے میں شاعر نے حسن طلب کا اہتمام نہیں کیا۔

منظر عارفی کا دوسرا قصیدہ غالب کی زمین میں ہے۔ یہ سینتیس اشعار پر مبنی ہے اور اس میں تین مطلع ہیں۔ پہلے مطلع میں عشق کی مختلف جہات کا ذکر کیا ہے۔ اُن کے نزدیک عشق تریاق ہے، تحریک ہے، وجہ تخلیق کائنات ہے، سرجنوں ہے اور اعزاز و شرف کا ثمر ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

صرف جاگیر عاشقاں ہی نہیں عشق کہتے ہیں جس کو اہلِ یقیں
عشق کی تلخیاں بھی ہیں شیریں عشق تریاق اور فقط تریاق
عشق اک دین اور مسلسل دیں(۶۰۳) عشق دنیا ، تمام تر دنیا

اس قصیدے میں بھی ایک نوائے شیریں شاعر کو عشق کی وادیوں سے نکال کر نعت کے گلزاروں کی طرف مائل کرتی ہے۔ مطلع ثانی مدحِ رسول پر مشتمل ہے۔ پھر مطلع ثالث میں اپنی، اپنی اولاد اور اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت کی گئی ہے۔ مدح میں حضور نبی کریمؐ کی ذات پاک کی مرکزیت کو نمایاں کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ہر اک زمانے، سارے انقلابات اور عقل و دانش کے سبھی صحیفوں کا سرچشمہ آپؐ کی ذات بابرکات ہے۔ اشعار دیکھیے:

وہ ہیں ہر طاق کے چراغ مبیں مہرِ ایماں کہیں کہ نیّر دیں
حال کا غرہ اُن کے زیرِ نگیں ماہِ ماضی و مہرِ مستقبل
کنز خیرالوریٰ کے دُر ثمیں(۶۰۴) شرق کی عقل ، غرب کی دانش

منظر عارفی کے قصائد کے مطالع سادہ ہیں، انھوں نے کسی شعوری کاوش کے تحت رواں اور سلیس زبان استعمال کی ہے۔ اُن کی تشابیب عصری حسیت کی آئینہ دار ہیں، خاص کر پہلے قصیدے میں انسانیت کی دم توڑتی اقدار کو جس سوز سے موضوع بنایا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ گریز میں تلازم خیال کی تکنیک استعمال ہوئی ہے۔ مدح اور تشبیب کے موضوعات میں باہمی ربط نظر آتا ہے آنحضرتؐ کی مدح اور توحید کے تقاضوں میں حد فاصل روا رکھی گئی ہے۔ تکرار، تضاد اور استعارے کی مثالیں اُن کے ہاں دستیاب ہیں۔

61-شاعر علی شاعر: (پ: ۱۹۶۶ء)

شاعر علی شاعر ۲۰ جون، ۱۹۶۶ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کے بعد کراچی آ گئے۔ ایم اے اردو کی ڈگری کراچی یونی ورسٹی سے حاصل کی اور اب اسٹیشنری اینڈ فارمز حکومت پاکستان میں ملازم ہیں (۶۰۵) اُن کے چار نعتیہ مجموعے ''حضور انور، صاحبِ خیر کثیر، دل ہے یا مدینہ، رحمتِ تمام'' اور ایک مجموعہ منقبت ''عقیدت مناقب'' شائع ہو چکا ہے۔ (۶۰۶)

شاعر علی شاعر کا نعتیہ قصیدہ ''محسنِ انسانیت'' بانوے اشعار پر مبنی ہے یہ قصیدہ ماہنامہ ''فروغ نعت'' اٹک میں ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا اور اس کا اختصاصی پہلو یہ ہے کہ شاعر نے آپؐ کے انسانیت پر احسانات کو موضوع بنایا ہے۔ یہ قصیدہ واقعیت نگاری کے علاوہ سادگی اور رواں اسلوب کی عمدہ مثال ہے۔ آغاز میں انسان کی اخلاقی پستی اور زمانۂ جہالت کی خرافات کا ذکر ہے۔ طاقت ور طبقے کی ظلم و بربریت، مظاہر پرستی، بت پرستی اور عورت کے ظلم و ستم کے بیان کے بعد جنابِ رسول کریمؐ کی دنیا میں تشریف آوری اور جہالت کا خاتمہ کر کے تہذیب نو کی تزئین کرنے کے مضامین نہ صرف باہم مربوط اور ہم آہنگ ہیں بل کہ تاریخی پس منظر کے حوالے سے عین موزوں بھی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تھی زمیں پر اس بلا کی تیرگی — روشنی کو ڈھونڈتی تھی روشنی
کر رہے تھے دفن زندہ بیٹیاں — اس قدر تھا ظلم، ایسی سرکشی (۶۰۷)

ظلمت اور تیرہ شبی کے بعد آپؐ کے لیے چاند کا استعارہ استعمال کرنا شاعر علی شاعر کا شاعرانہ کمال ہے اور آپؐ کے لیے حریفِ تیرگی کی ترکیب بھی برمحل ہے۔ یہی گریز ہے جس میں دل کشی اور تازگی کی سبھی خوبیاں موجود ہیں۔ گریز اور مدح کے چند اشعار دیکھیے:

چاند اک چمکا زمانے میں نیا — نام جس کا تھا حریف تیرگی
پیر کی جوتی سمجھتے تھے جسے — اس کو عزت بھی مساوی مل گئی
قوم پہلے تھی جہالت آشنا — جہل سے اب بر سر پیکار تھی
آپؐ نے کامل یقیں پیدا کیا — ختم کر ڈالی حکومت وہم کی
آپؐ نے راسخ کیا اذہان میں — خالقِ ارض و سما ہے ایک ہی
ہر زمانے کی ضرورت آپؐ ہیں — ہے ضرورت دو جہاں کو آپؐ کی (۶۰۸)

یہ قصیدہ اسلامی انقلاب کے تاریخی اسباب و علل کے ساتھ انسانیت پر اس کے مثبت اثرات

کی ایک دستاویز ہے۔ سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ سہل ممتنع کا حامل یہ قصیدہ ادب واحترام کے جذبات سے یوں سرشار ہے کہ رسول کریمؐ کے لیے ''آپؐ '' کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ دعا میں عاجزی اور بخشش کی تمنا کی ہے۔ شاعر کو اپنے عشق پر کامل یقین ہے۔ اسی باعث اُس نے غیب سے دعا کی قبولیت کا اشارہ ملنے کا بھی ذکر کیا ہے۔

62- شیبا حیدری: (پ: ۲۵، دسمبر ۱۹۷۶ء)

شیبا حیدری اردو نعتیہ قصیدہ نگاری کی تاریخ میں پہلی صاحب دیوان شاعرہ ہیں۔ وہ ۲۵ دسمبر ۱۹۷۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ ۱۹۵۲ء میں ان کے والد نواب فضل الرحمٰن حیدری ہجرت کر کے کراچی آباد ہوئے۔ (۶۰۹)

شیبا نے سرشار صدیقی سے اصلاح لی۔ وہ ہفت روزہ ''جامع'' بھی نکالتی رہیں۔ شیبا حیدری کے نعتیہ مجموعے ''محمدؐ نامہ'' میں ادیب رائے پوری، تابش دہلوی، ڈاکٹر جمیل جالبی، راغب مرادآبادی، محسن بھوپالی اور ڈاکٹر عاصی کرنالی کی آرا اسے وقار بخشتی نظر آتی ہیں۔ اُن کے اس مجموعے میں تین نعتیہ قصائد اور ایک نعتیہ نظم شامل ہے۔ اُن میں پہلا قصیدہ ایک سو چھہتر، دوسرا ایک سو چالیس اور تیسرا پندرہ اشعار پر مبنی ہے۔ ان کے مطالع ملاحظہ ہوں:

گلستانوں میں در آیا ہے صحرا　　کہیں بہتے نظر آئے نہ دریا (۶۱۰)

ہر آدمی نرغے میں ہے صدمات جہاں کے　　حملے وہی دن رات ہیں آفات جہاں کے (۶۱۱)

شریف النفس تھے جن کے اب و جد　　انھی کے نام کا حصّہ ہے سیّد (۶۱۲)

شیبا حیدری کے قصائد انسان کے زوال پذیر رویوں پر اظہار تشویش کی منظوم داستان ہے۔ انھوں نے انسانیت کی دگرگوں صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے انسان کی تندمزاجی، حسد، نا اتفاقی، خود غرضی، شقاوت، تعصب، ظلم وجور اور رشتوں کے تقدس کی پامالی کا نقشہ پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ نا اہل اور ظالم حکمران اور بے عمل مذہبی راہنما بجا طور پر اُن کی تنقید کی زد میں آئے ہیں۔ مذہبی حلقوں پر تنقید کرتے ہوئے اُن کے لہجے میں نشتریت کی کاٹ تیز تر ہو جاتی ہے۔ اُن کی تشویش کا دائرہ کافی وسیع ہے اور اُن کا مشاہدہ گہرا ہے۔ انھوں نے عام آدمی کی بے بسی اور خوف، علم و ہنر کے اٹھ جانے، جھوٹوں کی عمل داری، فتنہ وفساد اور قتل و غارت گری کے ترقی پذیر رجحان کا ذکر کر کے روح عصر کو اپنے کلام میں سمونے کی کامیاب سعی کی ہے۔ مثالیں دیکھیے:

نہیں کرتا ہے سیدھی بات کوئی　　بہت ہی تند ہے دنیا کا لہجہ
جہاں میں جس قدر بھی دوزخی ہیں　　انھی کا باغ جنت پر ہے قبضہ
نمائش ہو رہی ہے خنجروں کی　　حکومت کرتی ہے سودا سروں کا
کوئی تیرتھ نہیں جھگڑے سے خالی　　لہو میں تر سوادِ گنگا جمنا
زمیں انساں سے ہے بیزار و نالاں　　عمل رکھتی ہے جاری زلزلوں کا(۶۱۳)

شیبا نے ماضی کی طرف مراجعت کر کے انسانی قدروں کے زوال کا منظر نامہ یوں پیش کیا ہے کہ وہ حال کا ترجمان نظر آتا ہے۔ پھر وہ اسلام کے انقلابی ثمرات کو صیغہ مستقبل میں بیان کرتی ہیں۔ یوں اُن کے قصائد مستقبل کی پیش گوئی بن کر اُبھرے ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں:

جو اپنے آپ سے واقف نہیں ہیں　　خدا کی ذات سے ہوں گے شناسا (۶۱۴)
دیا جائے گا ایسا درس سب کو　　رہیں گی اب نہ رسمیں مشرکانہ(۶۱۵)
شفا پائے گا ہر انساں جہاں میں　　دکھوں کا عام ہو گا اب مداوا(۶۱۶)
جو اب تک جام صہبا پی رہے تھے　　وہ ہوں گے بادۂ عرفاں کے رسیا (۶۱۷)
ظہور رحمتہ للعالمینؐ سے　　گل و گل زار ہو جائے گی دنیا(۶۱۸)

قصیدے کے اجزا کا اہتمام شیبا حیدری کے ہاں موجود ہے۔ تشبیب کا مرکزی موضوع خرابات جہاں کے دکھوں کو محیط ہے۔ مدح میں انھوں نے نعت کے روایتی مضامین جیسے معجزات، سراپا مبارک ،شہر نبیؐ سے نسبت اور فضائل پر زیادہ توجہ صرف نہیں کی۔ اُن کے پیش نظر انسان کی تہذیب اور اخلاقی ترقی کا مقصد ہے جس نے اُن کے کلام میں آفاقیت کا عنصر پیدا کر دیا ہے۔ دوسری بات وہ توحید و رسالتؐ کے تقاضوں سے بخوبی آگاہ ہیں اور اس کا اہتمام بھی اُن کے ہاں نظر آتا ہے۔ بقول تابش دہلوی:

> ''شیبا حیدری نے ان قصائد میں عقیدہ کی صحت مقامِ رسالتؐ کا درست تعلق، کارنبوت کی تفہیم، مدحت رسولؐ کے آداب وغیرہ کا بطور خاص خیال رکھا ہے اور ان ساری خصوصیات کو دل کش استعاروں، نادر تشبیہوں، پُر مغز الفاظ اور مترنم بحروں سے نہایت پُر سوز اور دل پذیر بنا دیا ہے۔''(۶۱۹)

اُن کا شعری اسلوب سادہ، رواں اور دل کش ہے لیکن دوسرے قصیدے میں قوافی کا استعمال شعوری کاوش کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ قصیدے کے سادہ بیانیے میں مشکل قوافی کا پیوند اسلوب میں ناہمواری پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے لغوی قواعد سے بھی انحراف کیا ہے۔ قیاس مخالفت

لغوی کی جو صورتیں سامنے آئی ہیں اُن میں ایک مثال یہ ہے کہ رزق کو رزَق باندھا گیا ہے۔ قصیدے کا روایتی شکوہ مفقود ہے۔ انھوں نے ہندی اساطیر اور الفاظ بھی برتتے ہیں لیکن اُن کا مجموعی اسلوب اردو فارسی سے متشکل ہوا ہے۔ اُن کے قصائد کا نمایاں پہلو حقیقت نگاری، خلوص اور انسان دوستی ہے جسے انھوں نے انسان کی سماجی تاریخ کے حوالے سے اُجاگر کیا ہے۔

63- سید مہدی جعفر:

سید مہدی جعفر کا مجموعہ ''چشمۂ فیض نور'' نعت اور منقبت پر مشتمل ہے۔ اس میں ''مدح رسولؐ'' کے عنوان سے چونتیس اشعار کا قصیدہ موجود ہے۔ اس کی تشبیب میں انھوں نے عربی، فارسی اور اردو قصیدے کی روایت بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ شکایت زمانہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ علم ناقدری اور تنزل کا شکار ہیں اور تنزل ترقی کی طرف گامزن ہے۔ انھیں ناقدین کی اس رائے سے اختلاف ہے کہ قصیدے کی صنف مٹتی جارہی ہے جس کا اظہار انھوں نے دیباچے میں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے قصیدے کی روایت کے عظیم ناموں کو نہ صرف خراج تحسین پیش کیا ہے بل کہ وہ اُن سے توانائی اخذ کرتے نظر آتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

عرب کی سرزمیں پر تھی قصیدے کی فراوانی — کہ یہ صنف سخن تھی شہرۂ آفاق و لاثانی
بڑے ہیں نام امرالقیس کے، حسان و دعبل کے — کی ہے تاریخ نے ان کے قصیدوں پر زرافشانی
یہاں تھی حافظ شیراز کی بالا سخن دانی — ثنا میں طاق تھے عرفی و قاآنی و خاقانی
قطب نے نصرتی، شاہی، ولی نے اور حاتم نے — دبستان دکن کو کر دیا مدحت سے نورانی
کمال ذوق کی میزان پر تھا جوہر علمی — امیر و غالب و مومن نے کی اس جا زرافشانی
منیر و محسن و محشر، دبیر، اقبال اور حالی — سخن ور ہوگئے ان راستوں کی خاک جب چھانی (۶۲۰)

شکایت زمانہ کے بیان میں پانچ اشعار مصرع ہائے تضمین کے حامل ہیں۔ وہ جگہ جگہ مطلع کہہ دیتے ہیں۔ چونتیس شعروں کے قصیدے میں نو مطالع شامل ہیں۔ انھوں نے اپنے عہد کی تنگ دامانی، دنیائے دنی کے تنزل، سیاست کی ستم رانی، علما کی روحانی اذیت کا ذکر کر کے اللہ رب العزت سے عطاؤں کی فراوانی کی درخواست کی ہے، جہاں سے گریز کے بعد مدح کا آغاز ہوتا ہے۔ تضمین پر مبنی دو شعر دیکھیے:

''کجا دانند حال ما سبک سارانِ ساحل ہا'' — انھیں کیا فکر جو کرتے نہیں دریا کی نگرانی
جو اہل علم ہیں پاتے ہیں وہ ایذائے روحانی — ''کجا ہاؤس بستانی، کجا غول بیابانی'' (۶۲۱)

مدح میں معراج کے واقعے پر چند اشعار کہے ہیں اور ایک شعر مدینہ کے گہوارۂ تمدن ہونے پر کہا ہے۔اس کے بعد مختصر استغاثہ ہے اور پھر عہد رسالتؐ کی توانائی سے قندیل ایمانی روشن کرنے کی دعا مانگی گئی ہے۔ چند اشعار دیکھیے :

بلایا عرش پر خالق نے جب خلق مجسم کو   وہاں راز و نیاز شوق کی باہم تھی آسانی (۶۲۲)
پڑی تھی رو بہ رو کچھ اس طرح قوسین کی چلمن   کہ دیکھے اوٹ سے محبوب کو محبوب لاثانی
وہاں گزرا زمانہ اور یہاں اک پل میں لوٹ آیا   لیے پھرتی تھی ہر دھڑکن ہزاروں سال نورانی (۶۲۳)

سید جعفر مہدی کا یہ قصیدہ تشبیب میں رواں اسلوب کا حامل ہے مگر جوں جوں آگے بڑھتا ہے اس کا جوش کم ہوتا جاتا ہے۔خصوصاً مدح کے مضامین بے کیف اور بعض جگہ غیر واضح ہو گئے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شاعر کے پاس کہنے کے لیے صرف تضمینیں ہی بچی ہیں۔ دعا کا حصّہ محض ایک شعر میں نمٹا دیا گیا ہے۔انھیں جدید قصیدے کی زندگی کی فکر لاحق ہے مگر اُن کے ہاں وہ محنت، وہ لگن اور ود اسلوب نظر نہیں آتا جس پر اردو قصیدہ فخر کرے۔تشبیب کے اشعار مدح سے زیادہ ہو گئے ہیں جس سے بے کیفی کی فضا طاری نظر آتی ہے۔

دیگر قصیدہ نگار

1-مولانا ظفر علی خان: (م: ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء)

ظفر علی خان شاعر، ادیب، صحافی اور نڈر سیاستدان کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔اُن کا نعتیہ کلام عشق و وارفتگی کا مظہر ہے۔انھوں نے ایک مدحیہ قصیدہ بھی لکھا ہے جس میں ہندوستانی حریت پسند مسلمانوں کی طرف سے فریاد پیش کی گئی ہے۔ مطلع دیکھیے :

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب   صبح ازل ہے تیری تجلی سے فیض یاب (۶۲۴)

2-اسد ملتانی: (م: ۱۷، نومبر ۱۹۵۹ء)

محمد اسد خاں ادبی دنیا میں اسد ملتانی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ وہ ۴ دسمبر ۱۹۰۲ء میں کڑی افغاناں ضلع ملتان میں پیدا ہوئے۔اُن کے شعری مجموعے ''تحفۂ حرم'' اور ''مشارق'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔کلیات اسد ملتانی سید شوکت علی نے مرتب کیا ہے۔اُن کی وفات ۱۷، نومبر ۱۹۵۹ء کو ہوئی (۶۲۵)۔اسد کے نعتیہ مجموعے ''مشارق'' میں ایک خطابیہ قصیدہ موجود ہے۔ چوبیس اشعار کا یہ

قصیدہ ترنم اور غنائیت سے بھرپور ہے۔ اس کے پہلے مصرع میں بھی قافیے کا اہتمام اسے خوشگوار صوتی آہنگ عطا کرتا ہے۔ اسے مستزاد کہہ سکتے ہیں۔ مطلع دیکھیے:

اے سب جمیلوں سے جمیل، اے سب حسینوں سے حسیں اے رحمۃ للعالمیںؐ
اے وہ کہ تری مثل فطرت کے تصور میں نہیں، اے رحمۃ للعالمیںؐ (۶۲۶)

یہ قصیدہ فضائل رسولؐ کے حوالوں سے مزین ہے۔ اس کے علاوہ امت مسلمہ کی تشویش ناک صورت حال کا نقشہ انھوں نے پُر اثر انداز میں کھینچا ہے کہ مسلمان مغرب پرستی کا شکار ہیں۔ وہ اپنی تشویش کے باوجود امید افزا رویہ رکھتے ہیں۔ وہ مسلمانوں میں بیداری کے اثرات دیکھتے ہیں۔ انھوں نے دعا میں چشمِ جہاں بیں، دل بیدار اور حرفِ دل نشیں طلب کیا ہے تا کہ وہ ملت کی خدمت انجام دے سکیں:

پہلوں کو تجھ پہ فخر ہے، پچھلوں کو تجھ پہ ناز ہے تو مایۂ اعزاز ہے
اے اعتبار اوّلیں، اے افتخار آخریں اے رحمۃ للعالمیںؐ
تیرے تکلم سے دل انساں کو پیغام سکوں افزائش جذبِ دروں
تیرے تبسم سے غم دوراں کی تلخی انگبیں اے رحمۃ للعالمیںؐ
بارے تری اُمت میں پھر آثار بیداری کے ہیں انداز ہشیاری کے ہیں
جنبش سی ہے اک ساحل بربر سے تا اقصائے چیں اے رحمۃ للعالمیںؐ (۶۲۷)

3- حافظ مظہر الدین مظہر: (م: ۲۲ مئی ۱۹۸۱ء)

مظہر الدین مظہر صحافی، مترجم اور ایک روحانی شخصیت کے علاوہ اردو نعت گوئی کے ممتاز اور مفتخر حوالے کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ وہ ۱۹۱۴ء میں امرتسر میں مولانا نواب الدین کے ہاں ستکوہی میں پیدا ہوئے۔ (۶۲۸) کلیات مظہر میں ایک مدحیہ قصیدہ موجود ہے جس کا طرز بیان مرصع و مفرس ہے۔ اس کے اختتام پر بارگاہِ نبویؐ میں استغاثہ واستمداد کے اشعار شاعر کی دل سوزی اور اُمت مسلمہ سے محبت کے غماز ہیں۔ چند شعر دیکھیے:

سید و سرور و وقار حرم عظمتِ کعبہ و دیار حرم
متحد ہیں یہود بہر قتال منتشر جملہ شہسوارِ حرم
ہیں کلیسا و دیر شیر و شکر زہر آلود خلفشار حرم (۶۲۹)

4-فدا کھیم کرنی:(۹فروری ۱۹۸۲ء)

صوفی محمد فضل الدین فدا کھیم کرنی کے مجموعے ''حدیث ایماں'' میں ایک مدحیہ قصیدہ شامل ہے جو عقیدت و شیفتگی کے جذبات سے مملو ہے۔ انھوں نے دل کش اسلوب میں آنحضرتؐ کے اوصاف، عظمت اور سراپا مبارک کے نقوش شعری پیکر میں ڈھالے ہیں اور آخر میں امت مسلمہ کی پریشان حالی کی فریاد پیش کی ہے۔ قصیدے کا مطلع یوں ہے:

چراغ محفل دارین احمد مختارؐ ضیائے سینۂ کونین سید ابرار(۶۳۰)

5-وقار صدیقی اجمیری: (م:۱۹۸۳ء)

وقار صدیقی اجمیری ۱۶، اکتوبر ۱۹۲۳ء کو مولانا عبداللطیف چشتی سلیمانی کے ہاں اجمیر شریف (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ اُن کا تاریخی نام محمد عبدالغنی سرتاج ہے۔(۶۳۱) اُن کا سال وفات ۱۹۸۳ء ہے(۶۳۲) اُن کے نعتیہ مجموعے ''حرف حرف خوشبو'' میں ''محبت کا حرم'' کے عنوان سے بانوے اشعار کا ایک مدحیہ قصیدہ موجود ہے۔ اس کا مطلع ملاحظہ ہو:

حیرتیں گھیرے ہوئے ہیں سر اقلیم قلم راہ توصیف میں گم صم ہے مراذوق رقم(۶۳۳)

آغاز میں اظہار عجز کے ساتھ نعت کہنے کی توفیق طلب کی گئی ہے۔ اس قصیدے میں آنحضرتؐ کے سراپا مبارک کا بیان موجود ہے جس میں جوش عشق وعقیدت کا جذبہ موج زن ہے۔ سراپا مبارک لکھتے ہوئے انھوں نے اپنی بے بساطی اور عاجزی کا ذکر کیا ہے۔ آنحضرتؐ کے گیسو، لوح جبیں، ابرو، جنبشِ ابرو، قلب اطہر، عارض، کان، دہن، دُر دندان، زباں، گردن، چہرہ، سینہ، پشت اور پائے اقدس کے بیان میں رفعت خیال کی جھلک نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ اُنھوں نے سراپائے رسول کریمؐ کو سیرت طیبہ اور انقلابِ اسلام سے ہم آمیز بنا کر پیش کیا ہے۔ آپؐ کے دونوں عارض کو تجلّی کا محکم نظام قرار دینا شاعر کی فکری اپج کا آئینہ دار ہے۔ شاعر کے مطابق آپؐ کے کان مبارک امت کی فریادرسی پر لگے رہتے ہیں۔ ندرتِ فکر اور بلند خیالی کے حامل چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مو بہ مو کتنے تحفظ ہیں سیہ کاروں کو اُن کے گیسو ہیں خطا پوش تو زلف ابر کرم
اگر ابرو سے ہے قوسین کا واضح مفہوم خم ابرو سے ہے شرف یافتہ محراب حرم
جنبشِ ابروئے خم دار مشیت کی کلید جس کا ہر حکم ہے اطلاق میں مطلق مبرم
درد مندی کے لیے وقف ہے قلبِ اطہر اور پلکوں نے سجا رکھے ہیں انسان کے غم

ایک تنویر ازل ، ایک ہے تقدیر ابد دونوں عارض ہیں تجلی کا نظام محکم
کان امت کی صداؤں پہ لگے رہتے ہیں اللہ اللہ یہ فریاد رسی کا عالم(۶۳۴)

وقار صدیقی نے مدح میں حضور اکرمؐ کے عالمی انقلاب کا آفاقی نظر سے مطالعہ کیا ہے اور والہانہ انداز میں ایک ایک پہلو کو موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے سب سے زیادہ آپؐ کی عہد موجود کے انسان کو خودداری، جلافکری، تہذیب اور مساوات و رواداری کی تفویض کردہ تعلیمات کو پیش کیا۔ اُن کا شعری اسلوب سادگی مگر چاشنی اور تاثیر سے مملو ہے۔ پورا قصیدہ عشق و محبت سے سرشار ہے۔

6- تقی دہلوی: (م:۱۹ستمبر:۱۹۸۹)

مرزا محمد تقی ۴مئی ۱۹۰۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ بے خود دہلوی کے شاگرد ہیں۔ طبابت پیشہ جب کہ مصوری اُن کا شوق تھی۔ ۱۹ستمبر ۱۹۸۹ء میں انھوں نے کراچی میں انتقال کیا۔(۶۳۵) اُن کا مجموعہ ۱۹۵۶ء میں منظرِ عام پر آیا۔ ''کلیات تقی'' میں حمد، نعت، سلام، منقبت، غزل، رباعی، قطعہ، نظم، ملی ترانہ اور قصیدہ کی اصناف پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔ اُن کے کلیات میں اٹھارہ اشعار کا مدحیہ قصیدہ موجود ہے۔ یہ قصیدہ عقیدت و محبت کے ساتھ زبان و بیان کی شیرینی لیے ہوئے ہے۔ اس میں تکرار لفظی کا موزوں استعمال ہے اور مترنم بحر کا چناؤ کیا گیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

چل کے عرش سے آئی روشنی قیادت کی یہ خبر زبانی ہے قدسیان جنت کی
اک سحاب رحمت نے رُخ ادھر کو موڑا ہے خوب کھل کے برسیں گی بارشیں نیابت کی
نازشِ زمانہ تھے، نازش زمانہ ہیں بات تھی رسالت کی، بات ہے رسالت کی(۶۳۶)

7- حافظ لدھیانوی: (م:۱۶،اکتوبر ۱۹۹۹ء)

حافظ لدھیانوی ۷، جولائی ۱۹۲۰ء کو لدھیانہ میں حافظ محمد عظیم کے گھر پیدا ہوئے۔ اُن کا اصل نام سراج الحق ہے۔ اُن کے تین مجموعے حمد کے، تین سفرنامے اور اُٹھائیس کے قریب نعتیہ مجموعے اشاعت سے ہم کنار ہوئے۔ اُن کے شخصی خاکوں کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کا انتقال ۱۶، اکتوبر ۱۹۹۹ء کو فیصل آباد میں ہوا۔(۶۳۷) حافظ لدھیانوی کا نعتیہ اسلوب سادہ اور رواں لیکن تاثیر کا حامل ہے۔ انھیں اظہار پر قدرت حاصل ہے۔ وہ حقیقی نعت کے قائل ہیں، اس لیے اُن کے ہاں تخیلاتی مضامین نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اُنھوں نے حاضری و حضوری کی آرزو کو شدتِ جذبات سے موضوع بنایا ہے۔ اس کے علاوہ اُن کی طویل نعتوں کا اختتام اکثر اظہار عجز پر ہوا ہے، جس سے کلام میں

یکسانیت درآئی ہے۔اس کی دو وجوہات ہیں جن میں سے ایک عشق ومحبت کا جذبہ ہے اور دوسری زود گوئی ہوسکتی ہے۔بہرحال حافظ لدھیانوی کے مجموعے مطلع فاراں میں ''قصیدہ نعتیہ'' اور کیف مسلسل میں ''قصیدہ مدحت والتجا'' شامل ہیں۔ان کے مطالع ملاحظہ ہوں:

نعت خیرالبشرؐ رہے لب پر ہو نگاہوں میں روضۂ اطہر(۶۳۸)
زبان پر ہے مری نعتِ سرور عالمؐ کہ دل کا حسن ازل سے ہے رشتۂ محکم(۶۳۹)

حافظ لدھیانوی کے ہاں قصیدہ نگاری کے تمام جوہر موجود ہیں مگر انھوں نے اس صنف کی طرف توجہ نہیں دی اور طویل نعتوں پر ہی اکتفا کیا ہے۔اگر وہ ذرا سی توجہ کرتے تو اُن کی بے شمار نعتیں قصائد میں ڈھل سکتی تھیں۔اُنھوں نے آنحضرتؐ کی سیرت طیبہ،شہر مدینہ اور حرم پاک پر جو نعتیں لکھی ہیں اُن میں مدحیہ قصائد کے عناصر موجود ہیں۔اُن کے مدحیہ قصائد عشقِ رسولؐ سے سرشار ہیں۔خلوص اور وارفتگی کا جوش بھی نظر آتا ہے۔ملت کی ہمدردی کے جذبے کے تحت اُنھوں نے مسلمانوں کی زبوں حالی کی فریاد آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کی ہے۔فلسطین اور افغانستان کے مسلمانوں پر ظلم کی داستانوں کو انھوں نے پُرسوز انداز میں بیان کیا ہے۔مثالیں دیکھیے:

دیدنی حال ہے مرے آقاؐ کس سے فریاد ہم کریں جا کر
زخم خوردہ ہے مسجد اقصیٰ اس سے آتی نہیں اذانِ سحر
یاد ہے اس کو شانِ ایوبیؒ ہے نگاہوں میں اس کی دورِ عمرؓ
محشرستاں ہے خطۂ افغاں ساری دنیا ہے جس کی نوحہ گر
امت مسلمہ کو گھیرے ہے اہل باطل کا ہر طرف لشکر(۶۴۰)

8-زاہد فتح پوری:(م:۱۹،نومبر ۲۰۰۱ء)

سید کرار حسین ادبی حلقوں میں زاہد فتح پوری کے نام سے مشہور ہیں۔ان کا نعتیہ قصیدہ چودہ اشعار کو محیط ہے۔دوشعروں کی تشبیب قبل از تخلیق جہان عدم کی کیفیات کے بارے میں ہے۔اس کے بعد آنحضرتؐ کی آمد کے خوش گوار اثرات کا ذکر ہے کہ آپؐ کی تشریف آوری سے عدل،مساوات،شعور زندگی اور ایمان کی دولت میسر آئی۔یہ قصیدہ دعا کے بغیر ہے۔اسے قصیدے کا اجمالی خاکہ قرار دیا جاسکتا ہے چند شعر دیکھیے:

کیا تصور ہو کسی شے کا نہ تھی جب کائنات قبل تخلیق دوعالم تھی تو بس خالق کی ذات
مصطفیٰؐ آئے مرتب ہو گیا نظم حیات نور حق سے جگمگا اُٹھی بساط کائنات(۶۴۱)

9- سیدانوارظہوری: (م: ۲۰۰۷ء)

سیدانوارظہوری کا اصل نام سیدانوارالحق ہے۔انھوں نے ۱۹۳۵ء میں دکن کے علمی وادبی گھرانے میں آنکھ کھولی۔اُن کے والدسیدظہورالحق نظام دکن کے قائم کردہ ادارے دائرۃ المعارف کے سربراہ تھے۔(۶۴۲) وہ ایک عالم،ادیب اور عمدہ نعت گوشاعر تھے۔اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں صدارتی تمغے سے نوازا گیا۔انھوں نے ۱۶، دسمبر ۲۰۰۷ء کولاہور میں وفات پائی۔(۶۴۳)

''حرف منزہ'' موصوف کا نعتیہ مجموعہ ہے جوحمد،نعت اور سلام پر مشتمل ہے نیز اس میں تین نعتیہ قصائد ہیں جوعہد موجود میں قصیدہ نگاری کی شان بڑھاتے نظرآتے ہیں۔اُن کے مطالع زوردار ہیں جودرج ذیل ہیں:

حرف حق سے کھنچ گئی برق معانی کی فصیل   رونما ہوتا بھلاحسن جزالت بے جزیل (۶۴۴)

ذہن کو حفظ ہوئی پائے نظر کی آہٹ   جانب روضۂ اقدس ہوں روانہ سرپٹ (۶۴۵)

مشیت کی عطا، منصب رحمت آغوش   خود مہ و مہر بھی مرہون جمال پاپوش (۶۴۶)

پہلاقصیدہ لامیہ ایک سو بائیس اشعار کا ہے اس میں تشبیب نہیں براہِ راست مدح کا آغاز ہوا ہے۔ مدح میں سیرت کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہے۔صحابہ اورازواجِ مطہرات کی عظمت، انبیا سے تقابل اور معجزات وانقلاب اسلام کا ذکر ہے۔چنداشعار دیکھیے:

تشنگان خنجر تسلیم کو آب حیات   جلوۂ توحید سے لات و ہبل اثّاغفیل

ذی تبار و محترم ، والا گہر ، والا صفات   قاطع کفر وضلالت ، بہرگمراہی مزیل (۶۴۷)

یہ ایک واضح امر ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے زمانے میں انصاف کا چلن عام کیا۔آپؐ کے عدل وانصاف پر مختلف استعاروں سے شعرانے اپنی جودت طبع کا مظاہرہ کیا ہے۔ظہوری نے ماہی اورسیل کومظلوم وظالم کے استعارے کے طور پر پیش کرکے عدل ونصفت کے موضوع میں جوجدت دکھائی ہے وہ قابل داد ہے:

رود بار و بحر میں بے اذنِ قسّام ازل   ماہیِ کمزور کو لقمہ بنا سکتا نہ سیل

مظہر اخلاق تھی اس درجہ میزان عمل   قاصرانصاف ہوسکتے نہ عمال وعمیل (۶۴۸)

دوسرے قصیدے کا آغاز شاعر کی مدینے حاضری کی آرزو کے بیان سے ہوا ہے۔انھی مختصر سی داخلی کیفیات کوتشبیب کہہ سکتے ہیں۔ پورے قصیدے پر مہجوری کے جذبات کا غلبہ ہے۔حاضری کی تمنا کواس قصیدے کا مرکزی مضمون قراردیا جاسکتا ہے۔سوزوگداز میں ڈوبے چنداشعار دیکھیے جن میں

زبان و بیان کی چاشنی اور ندرتِ قوافی کی بہار بھی شامل ہے۔

شافع حشرؐ ! سرِ حشر معافی چاہوں روز لکھتے ہیں فرشتے مری لغزش کی رپٹ(۶۴۹)
آبِ کوثر جو بچایا ہوا مل جائے مجھے دل کے مشکیزۂ خالی میں انڈیلوں گٹ گٹ(۶۵۰)
سانس لیتا ہوں جدائی کی ہوا میں ہر دم میں لپٹ جاؤں جو آجائے مدینے کی لپٹ(۶۵۱)

تیسرا قصیدہ بت پرستی کے خاتمے، اعلانِ صفا کی نوید، جود و سخا کی دعوت اور صحابہ کی سرفروشی کے مضامین کے علاوہ قوم کی کم کوشی اور غفلت شعاری کے بیان پر مبنی ہے۔ انوار ظہوری کے نعتیہ قصائد اسلوبِ جلیل کے حامل ہیں۔ ان کے اشعار میں لفظی جلالت، خیال کی رفعت اور زورِ بیان کی واضح جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔ انھوں نے عام بول چال کے الفاظ کو قوافی میں برتا ہے جس میں بے ساختہ پن موجود ہے، سب سے بڑی خوبی اُن کے کلام کی روانی ہے جس میں صوتی تنافر سے گریز کا خصوصی اہتمام ملتا ہے۔ صنعت جمع کا عمدہ استعمال کرتے ہیں۔

10-رشید وارثی: (م:۱۵، جون ۲۰۰۹ء)

رشید وارثی نعت گو شاعر کے علاوہ نعتیہ ادب کے نام ور محقق اور نقاد بھی ہیں۔ اُن کی شعری تصانیف میں خوشبوئے التفات اور شرح اسماء النبیؐ شامل ہیں۔ وہ اگست ۱۹۴۷ء کو ستار وارثی کے ہاں بریلی میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ایم اے اسلامیات اور ایم اے صحافت کیا ہے۔ وہ نعت کی تنقید میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ۱۵، جون ۲۰۰۹ء کو انھوں نے کراچی میں وفات پائی۔(۶۵۲) اُن کے مجموعۂ نعت ''خوشبوئے التفات'' میں اٹھائیس شعروں کا ایک خطابیہ قصیدہ موجود ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

وہ چہرہ کبھی چشمِ بصیرت سے چھپا ہے قرآن کی آیات میں جو جلوہ نما ہے(۶۵۳)

انھوں نے رواں اور سادہ اسلوب میں آنحضرتؐ کے سیرت و کردار کو موضوع بنایا ہے۔ زورِ بیان کی کیفیت تو اُن کے ہاں نہیں ملتی البتہ محبت و سرشاری کے حوالے مل جاتے ہیں۔ اُن کی مدح کا بنیادی ماخذ قرآن و حدیث ہے اور اُن کے ہاں توحید و رسالت کی حدود کا اہتمام روا رکھا گیا ہے۔ انھوں نے آنحضرتؐ کے معجزات، دنیا پر احسانات اور فضائل کو ترجیح دی ہے۔ مثالیں دیکھیے:

تاباں ترےؐ جلووں سے ہے رخسارِ تمدن تہذیب ترےؐ جلوۂ سیرت کی ضیا ہے
یثرب تریؐ آمد سے ہوا طیبہ و طابہ کیا خاک قدم گاہ میں تاثیرِ شفا ہے
ہاں محفلِ کونین کا توؐ صدر نشیں ہے انداز ترےؐ کارِ خلافت کا جدا ہے(۶۵۴)

11-ضیانیر:

ضیانیّر کے نعتیہ مجموعے ''سفرنور'' میں اٹھائیس اشعار کا ایک مدحیہ قصیدہ موجود ہے۔ یہ قصیدہ دل کش اسلوب کا حامل ہے اور اس میں خوب صورت تراکیب شامل ہیں۔ فضائل رسولؐ، سیرت النبیؐ کے ساتھ کشمیر، فلسطین اور پاکستان کے مسلمانوں کی زبوں حالی کی فریاد قصیدے کے نمایاں اوصاف ہیں۔ اس کے علاوہ عجز وانکسار اور عقیدت ومحبت کے جذبات شاعر کی داخلی کیفیات کی ترجمانی کرتے نظر آتے ہیں:

ازل سے تا بہ ابد وجہ عظمتِ آدم — رسولؐ اوّل و آخر ، پیمبر اعظمؐ
وہ آفرینش ہستی کی بائے بسم اللہ — وہی ہیں مطلع تخلیق ، جان لوح و قلم
کوئی بھی صرصر دوراں بجھا نہیں سکتی — فروغ گیر ہے جو اک چراغ طاق حرم
زبان دل سے بیاں ہو حدیث شوق کہ ہے — ورائے نطق و بیاں ذکر سید عالمؐ
یہ ارض پاک ازل سے ہنود کا ہے ہدف — مزاجِ دشمنِ ازلی مدام ہے برہم
نگاہِ لطف کی خیرات ہو عطا آقاؐ — کہ تک رہے ہیں سبھی آپؐ کو بہ دیدۂ نم (۶۵۵)

12-سخن فتح پوری:

سخن فتح پوری کا اصل نام سید محمد حیدر نقوی ہے۔ وہ ۲۱، جولائی ۱۹۲۰ء کو ضلع فتح پوری کے ایک قصبے منڈوا سادات میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں کراچی آئے۔ انھوں نے غزل، ہزل، قصیدہ، نعت، منقبت، مثنوی، قطعہ، سہرہ، مرثیہ، رباعی اور نظم میں طبع آزمائی کی۔ (۶۵۶)

اُن کے مجموعے ''معراج سخن'' میں اکیس اشعار کا نعتیہ قصیدہ موجود ہے جو طرحی مصرع ''ود عرب کے مطلع روشن سے ابھرا آفتاب'' پر لکھا گیا۔ اس کا سال تصنیف ۲۱، اپریل ۱۹۷۳ء ہے اور یہ طالب جوہری کی صدارت میں ڈرگ روڈ نمبر ۵، کراچی میں پڑھا گیا۔ مطلع ملاحظہ ہو:

نور احمدؐ جس گھڑی تھا زینت بزم حجاب — اس طرح پردے میں تھا جیسے شگوفے میں گلاب (۶۵۷)

تشبیب کے پانچ اشعار میں نور احمدؐ کے مستور ہونے کا بیان ہے اور ہر شعر میں ایک تشبیہ موجود ہے۔ گریز موزوں ہے۔ مدح میں چاند کے دو ٹکڑے ہونے اور سورج کے پلٹنے کے ساتھ حضرت فاطمہ زہراؓ کے گھر کی فضیلت کا بیان ہے۔ نعت سے زیادہ شاعر کی توجہ آئمہ کرامؓ کی منقبت پر نظر آتی ہے۔ اُن کے اسلوب میں فارسی الفاظ وتراکیب کی آمیزش ہے لیکن جو شکوہ تشبیب میں ہے اُسے مدح میں برقرار نہیں رکھ سکے۔ مدح کا بیانیہ سپاٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

حاکم ارض و سما وجہ بنائے کائنات — اس کے اک ادنیٰ اشارے پر ہوا شق ماہتاب
چاند پر جو لوگ ہوکر آئے وہ کہتے ہیں آج — مظہرِ معجز نمائی ہے شگاف ماہتاب
ایک منزل کے ہیں دو رہرو برابر دیکھیے — اک محمدؐ مصطفیٰ اور دوسرا ہے بوترابؓ
حکم ملتے ہی برادر کا برادر کے لیے — ڈوب کر مغرب سے ابھرا بہر طاعت آفتاب (۶۵۸)

13-نازاکبرآبادی:

نازاکبرآبادی ۱۹۲۴ء کو سید وقار حسن کے ہاں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ اُن کا اصل نام سید انتظار رضا رضوی ہے۔(۶۵۹) اُن کا شعری مجموعہ ''سرمایۂ ناز'' حمد، نعت، سلام، مرثیہ، قصیدہ اور نوحہ کی اصناف کو محیط ہے۔

نازاکبرآبادی کا مدحیہ قصیدہ پُرشکوہ لہجے، بلند تخیل اور روانی کا مظہر ہے۔ انھوں نے بڑے خلوص سے اپنے جذبۂ صادقہ کو شعری پیرہن میں ڈھالا ہے۔ یہ قصیدہ آنحضرتؐ کی ولادت سے دنیا میں رونما ہونے والے سب سے بڑے انقلاب کے خوش گوار اور فلاح بخش اثرات کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔ اس کے انتالیس اشعار میں معجزات اور تہذیب نو اور آپؐ کے ذاتی اوصاف کا ذکر والہانہ انداز میں موجود ہے۔ دعا میں نظر کرم اور یادِ رسول کریمؐ سے دل شاد رہنے کی تمنا کی گئی ہے۔

انھوں نے آغاز کے دس پندرہ شعر ''پھر'' کی تکرار میں کہے ہیں جس سے روانی اور جوش کا عنصر پیدا ہوگیا ہے۔ اُن کا اسلوب تخیلاتی و حقیقی دونوں صفات کا حامل ہے۔ چند اشعار دیکھیے جو ولادتِ رسول کریمؐ کے ثمرات پر مبنی ہیں:

پھر چہرۂ الطاف و مروت ہوا تاباں — پھر اڑنے لگا رنگ رخ بغض و کدورت
پھر خشک ہوئیں سب ستم و جور کی شاخیں — پھر پھولنے پھلنے لگا گلزار مؤدت
پھر آنے لگی شکل مساوات پہ رونق — پھر دید کے قابل ہوئی اخلاق کی صورت
پھر حلقِ تشدد پہ چلا خلق کا خنجر — پھر کٹنے لگیں خود رگِ آئین شقاوت
پھر گلشن تہذیب و تمدن ہوا سرسبز — پھر اپنی بہاروں پہ ہے نازاں بشریت (۶۶۰)

14-ساجد سعید ساجد:

ساجد نے سادہ اسلوب میں نعت کہی ہے۔ اُن کے مجموعے ''مولائی صلّ وسلّم'' میں ''التماسِ کرم بحضورِ کونینؐ'' کے عنوان سے انیس اشعار کا ایک قصیدہ موجود ہے۔ جس میں آنحضرتؐ کی

آمد سے قبل کے زوال یافتہ معاشرے کا نقشہ پیش کیا ہے۔اس کے بعد مدح کے بجائے مسلمانوں کی موجودہ حالتِ زار کی طرف رجوع کیا ہے۔مطلع ملاحظہ ہو:

وہ صاحب کمال ہیں بے مثل بے مثال　　دارین میں انھیؐ کی تجلی سے ہے جمال(٦٦١)

15-خواجہ عابد نظامی:

خواجہ عابد نظامی نے ایک قصیدے میں نفاق ملت بیضا اور دشمنانِ اسلام کی اجارہ داری کی فریاد پیش کر کے نگاہِ کرم کی درخواست کی ہے۔قصیدے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں حضور نبی کریمؐ کے اسمائے گرامی اور صحابہ کرامؓ کے ناموں کو صنعت جمع کے ذریعے تعارف کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ کی عظمت کے چند حوالے بھی قصیدے میں شامل ہیں۔ عابد نظامی کا اسلوب بیان سادہ ہونے کے باوجود روانی اور دل کشی کا حامل ہے۔چند اشعار دیکھیے:

رسولِ رحمت و رافت پیمبر ملہم　　بنائے کون و مکاں ، جان جاں، جمیل شیم
وہ جن کے اسم گرامی محمدؐ و احمدؐ　　متین و عاقب و مدثر و حکیم و حکم
سعید و سعد و بشیر و نذیر و مزمل　　رشید و راشد و یٰسین و افضل و اکرم
جواد و مقتصد و سید و سراج منیر　　نبی امی و مختار خاتم و خاتم
حلیم و جامع و حماد و حامد و محمود　　مطاع و ماحی و حامیم و حاشر و احشم
فصیح و ناصح و معصوم و شافی و کافی　　کفیل و قیم و اکلیل و قائم و ارحم(٦٦٢)

16- گہر اعظمی:(پ:۱۵،اکتوبر۱۹۳۷ء)

گہر اعظمی کا اصل نام انصار الحق قریشی ہے۔وہ ۱۵،اکتوبر ۱۹۳۷ء کو اعظم گڑھ انڈیا میں پیدا ہوئے (٦٦٣)۔بچوں کی شاعری کے حوالے سے کئی کتابیں لکھی ہیں اور دو درجن سے زائد نعتیہ مجموعے ہیں۔اُن کے مجموعے ''محمد رسول اللہ'' میں نعتیہ قصیدہ ہے۔ یہ مدحیہ قصیدہ اسلام کے ارتقاء کی داستان ہے جو قرآنی حوالوں سے درجۂ استناد حاصل کرتی نظر آتی ہے۔اس میں آنحضرتؐ کی سیرت اور شخصی اوصاف کا والہانہ بیان بھی موجود ہے۔چند اشعار دیکھیے:

زمانے سے جہالت کی نبیؐ رسمیں مٹاتے تھے　　وہ حق پر گامزن تھے راستہ سیدھا دکھاتے تھے(٦٦٤)
مقلد ہو گئے کچھ لوگ جب کہ دین فطرت کے　　ادا کرنے نمازیں دار ارقم چھپ کے جاتے تھے(٦٦٥)
قبا میں آٹھویں دن جب سواری آپ کی پہنچی　　سماں تھا جشن کا، آمد پہ سب خوشیاں مناتے تھے(٦٦٦)

عظیم اخلاق پر فائز، یقیناً ذاتِ والا ہے   کہ جس سے دوست اور دشمن سبھی فیضان پاتے تھے(۶۶۷)

17- محسن اعظم ملیح آبادی: (م:۲۹ جولائی ۲۰۲۰)

محسن اعظم محسن ۳۰ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔ ہجرت کے بعد کراچی آ گئے۔ وہ پروفیسر کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ انھوں نے تیرہ ہزار سے زائد رباعیات لکھی ہیں۔ حمد، نعت، غزل، نظم، قطعہ، دوہا اور رباعی اُن کی پسندیدہ اصناف ہیں۔ اُن کے نعتیہ قصائد زیادہ تر مسدس کی ہیئت میں ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ مسدس کو محض مرثیے کے ساتھ مخصوص کر دینا درست نہیں، اس میں نعت بھی ہونی چاہیے(۶۶۸)۔ انھوں نے ۲۹ جولائی ۲۰۲۰ء میں کراچی میں وفات پائی۔ مختلف اصناف میں ان کے چھ کلیات چھپ چکے ہیں۔

اُن کی غزلوں کا ایک دیوان اور رباعیات کے دو ضخیم دیوان شائع ہو چکے ہیں۔ اُن کا ایک غیر مطبوعہ خطابیہ قصیدہ دستیاب ہوا ہے جو اسمِ محمدؐ کے اعداد کی مناسبت سے بانوے اشعار پر مبنی ہے۔ مطلع ملاحظہ ہو:

رسول پاکؐ کی ہستی ہے مثلِ موجِ صبا   قسم خدا کی سراسر ہیں وہ ہی جاں افزا(۶۶۹)

انھوں نے سیرت رسولؐ اور سراپا مبارک کے امتزاج سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ اُن کا شعری اسلوب شگفتہ اور روانی کا حامل ہے۔ انھوں نے توحید و رسالت کے تقاضوں کو خوبی سے نبھایا ہے۔ آنحضرتؐ کے انسانیت پر احسانات اور معاشرتی انقلاب اُن کے قصیدے کے اہم موضوعات ہیں۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد دنیا کے نقشے پر ایک نیا جغرافیائی منظر نامہ اُبھرا۔ اسلام کے نام پر پاکستان وجود میں آیا تو دوسری طرف اسرائیل ایک صیہونی طاقت کے روپ میں سامنے آیا۔ اس انقلاب نے خلافِ عثمانیہ کے سقوط کے زخم تازہ کر دیے۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں میں خانہ کعبہ کے حوالے سے گہری تشویش کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ پوری دنیا پر مسلمان اہلِ کفر کے مظالم کا نشانہ ٹھہرے۔ اس عہد کا نعتیہ قصیدہ اپنے اندر اسی تشویش اور اضطراب کا نوحہ سموئے ہوئے ہے۔ قصیدہ گو شعرا کے ہاں عصری شعور کی بھرپور بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اُنھوں نے ایک مخلص ناقد کی طرح مسلمانوں کے زوال کے اسباب کی نشان دہی کی ہے۔ تمام دور پر فکرِ اقبال کی واضح چھاپ نظر آتی ہے۔ اس عہد میں سراپا مبارک کی جگہ سیرتِ طیبہؐ کا موضوع نمایاں ہوا ہے۔ اس کے ساتھ اسلوب میں بھی واضح تبدیلی نظر آتی ہے۔ مرصع، رنگین اور پُر شکوہ انداز کے بجائے سادگی اور سلاست نے لے لی ہے۔

☆☆☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

۱۔غلام حسین ذوالفقار،ڈاکٹر: اردوشاعری کا سیاسی اورسماجی پس منظر: لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء،ص:۳۹۸

۲۔شاہدمختار: پاکستان میں فوجی حکومتیں: لاہورشریف پرنٹرز،س ن،ص:۱۲

۳۔فرمان فتح پوری،ڈاکٹر: اُردوشاعری اور پاکستانی معاشرہ: لاہور،الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء،ص:۲۲

۴۔شارب ردولوی، پروفیسر: اردوغزل،نئی صدی میں: مشمولہ''اکیسویں صدی میں اردوغزل''ازڈاکٹر منصورخوشتر(مرتبہ) دربھنگہ(انڈیا) المنصو رایجوکیشنل اینڈ ویلفیئرٹرسٹ، ۲۰۱۷ء،ص:۵۲

۵۔افتخاراعظمی: تابش سہیل: لکھنو،مرکز ادب جہانگیرآ باد پیلس، ۱۹۵۸ءص:۴

۶۔عطیہ خلیل عرب: سہیل،ایک عبقری: مشمولہ''ارمغانِ حرم'' مرتبہ افتخاراعظمی: لکھنو،مرکز ادب جہانگیر آبادپیلس، ۱۹۶۰ءص:۸۹

۷۔افتخاراعظمی: تابش سہیل: لکھنو،مرکز ادب جہانگیرآ باد پیلس، ۱۹۵۸ء۔ص:۱۹

۸۔سعادت سعید، ڈاکٹر: اردوقصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: مقالہ برائے پی ایچ ڈی اُردو: لاہور، پنجاب یونی ورسٹی، ۲۰۰۰ص:۵۶۲

۹۔اقبال سہیل: ارمغان حرم: مرتبہ،افتخاراعظمی: لکھنؤ،مرکز ادب جہانگیرآبادپیلس، ۱۹۶۰ء،ص:۱۳۳

۱۰۔ایضاً۔ص:۱۴۹ ۱۱۔ایضاً۔ص:۱۶۵

۱۲۔ایضاً۔ص:۱۶۹

۱۳۔عطیہ خلیل عرب: سہیل،ایک عقبری: مشمولہ''ارمغانِ حرم'' مرتبہ افتخاراعظمی: لکھنو، مرکز ادب جہانگیرآبادپیلس، ۱۹۶۰ء،ص:۱۰۰

۱۴۔اقبال سہیل: ارمغان حرم: مرتبہ،افتخاراعظمی: لکھنؤ،مرکز ادب جہانگیرآبادپیلس، ۱۹۶۰ء،ص:۱۳۸

۱۵۔مولابخش ، پروفیسر: اقبال سہیل اورموجِ کوثر: مشمولہ، نعت رنگ ، کراچی ،شمارہ نمبر۲۷، دسمبر ۲۰۱۷ء،ص:۲۷۷۔۲۷۶

۱۶۔اقبال سہیل: ارمغان حرم: مرتبہ،افتخاراعظمی : لکھنؤ، مرکز ادب جہانگیرآباد پیلس، ۱۹۶۰ء،ص: ۱۵۰۔۱۵۱

۱۷۔ایضاً۔ص:۱۴۴تا۱۴۷ ۱۸۔ایضاً۔ص:۱۵۷
۱۹۔ایضاً۔ص:۱۳۷ ۲۰۔ایضاً۔ص:۱۶۷
۲۱۔محمد کمال الدین، ڈاکٹر:بیسویں صدی میں اُردو قصیدہ نگاری: میوناتھ بھنجن،نکھار پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء، ص:۱۴۶
۲۲۔ولی الرحمٰن شاہ،مولانا:ولی الکلام:دلی،مرکزی پریس،۱۹۶۲ء،ص:ز
۲۳۔ایضا۔ص:۱۷۸ ۲۴۔ایضاً۔ص:۲۶۰
۲۵۔ایضاً۔ص:۳۴۸ ۲۶۔ایضاً۔ص:۱۷۹۔۱۷۸
۲۷۔ایضاً۔ص:۱۸۱۔۱۸۰ ۲۸۔ایضاً۔ص:۲۶۰
۲۹۔ایضاً۔ص:۲۶۴ ۳۰۔ایضاً۔ص:۳۵۰
۳۱۔ایضاً۔ص:۳۵۳
۳۲۔ذاکرحسین مصباحی،مولانا:نقش حیات حضور محدث اعظم ہندؒ:مشمولہ: جہان نعت ۱۰(قصیدہ معراج نمبر)مرتبہ:غلام ربانی فدا:حیدرآباد(دکن)،اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن ۲۰۱۶ء،ص۔۱۴
۳۳۔جہان نعت۱۰(قصیدہ معراج نمبر)مرتبہ:غلام ربانی فدا:حیدرآباد(دکن)،اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن ۲۰۱۶ء،ص:۱۸
۳۴۔ایضاً۔ص:۱۰۲ ۳۵۔ایضاً ۔ص:۱۰۲
۳۶۔ایضاً۔ص:۱۱۵۔۱۱۴
۳۷۔ساجد صدیقی لکھنوی(مرتبہ): گلدستہ نعت ومنقبت:لکھنؤ،کل ہند بزم ثناخوانِ رسول،۱۹۹۰ء، ص:۱۳۰
☆ایس ایم عباس نے''شفیق جون پوری:فن اور شخصیت''میں صفحہ۷۵ پراُن کی تاریخ وفات ۵ مارچ درج کی ہے۔
۳۸۔محمد کمال الدین،ڈاکٹر: اردو قصیدہ بیسیویں صدی میں:مئوناتھ بھنجن،نکھار پبلی کیشنز،۱۹۸۵ء، ص:۲۷۶
۳۹۔شفیق جون پوری:خرمن:لکھنو،نسیم بک ڈپو،۱۹۶۴ء،ص:۸۱
۴۰۔ایضاً۔ص:۸۴
۴۱۔ساجد صدیقی لکھنوی(مرتبہ):گلدستہ نعت ومنقبت:ازشفیق جون پوری،لکھنؤ،کل ہند بزم ثناخوانِ رسول،۱۹۹۰ء

ص:۱۳۱

۴۲۔ایضاً۔ص:۱۳۲ ۴۳۔ایضاً۔ص:۱۳۳۔۱۳۲

۴۴۔شفیق جون پوری: خرمن: لکھنو، نسیم بک ڈپو،۱۹۶۴ء، ص:۸۳

۴۵۔ایضاً۔ص:۸۴ ۴۶۔ایضاً۔ص:۸۵

۴۷۔ساجد صدیقی لکھنوی (مرتبہ): گلدستہ نعت ومنقبت: از شفیق جون پوری، لکھنؤ، کل ہند بزم ثنا خوانِ رسول، ۱۹۹۰ء، ص:۱۳۱

۴۸۔ایضاً۔ص:۱۳۵

۴۹۔شفیق جون پوری: خرمن: لکھنو، نسیم بک ڈپو،۱۹۶۴ء، ص:۸۸

۵۰۔محمد منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر: وفیات نعت گویانِ پاکستان: کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۵ء، ص:۵۱

۵۱۔منظر عارفی: کراچی کا دبستان نعت: کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۶ء، ص:۲۰۳۔۲۰۲

۵۲۔دردکاکوروی: درد کا درماں: کراچی، حلقہ ادبیہ دارالتصنیف، س ن، ص:۶۳

۵۳۔ایضاً۔ص:۱۵۳ ۵۴۔ایضاً۔ص:۶۳

۵۵۔ایضاً۔ص:۶۵ ۵۶۔ایضاً ۔ص:۶۵

۵۷۔ایضاً۔ص:۶۶

☆انھوں نے مولوی عابد النبی علی محتشم قادری کی کتاب ''حقیقی پیغام ایمان'' کے صفحہ ۲۵ کا حوالہ دیا ہے اور مولوی صاحب نے ''انا احمد بلا میم'' اور ''انا عرب بلا عین'' دونوں کو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے حوالے سے لکھا ہے۔

۵۸۔دردکاکوروی: درد کا درماں: کراچی، حلقہ ادبیہ دارالتصنیف، س ن، ص:۱۵۴

۵۹۔سالک، بی اے: ادب عزیز (حصہ اوّل): کراچی، مکتبہ عزیز الملک سلیمانی، ۱۹۶۶ء، ص:۱۸

۶۰۔منظر عارفی: کراچی کا دبستان نعت: کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۶ء، ص:۳۷۹

۶۱۔منصور علی، سید، ڈاکٹر: سید محمد یوسف علی جے پوری کی علمی ودینی خدمات کا تحقیقی جائزہ: مقالہ برائے پی ایچ ڈی، جامعہ کراچی، ۲۰۰۸ء، ص:۱۰۲

۶۲۔سالک، بی اے: ادب عزیز (حصہ اوّل): کراچی، مکتبہ عزیز الملک سلیمانی، ۱۹۶۶ء، ص:۱۸۰

۶۳۔ایضاً۔ص:۵۳ ۶۴۔ایضاً۔ص:۵۵

۶۵۔ایضاً۔ص:۵۶ ۶۶۔ایضاً۔ص:۵۹

۶۷۔ایضاً۔ص:۶۳
۶۸۔ایضاً۔ص:۶۸
۶۹۔ایضاً۔ص:۷۰
۷۰۔ایضاً۔ص:۲
۷۱۔ایضاً۔ص:۷۴
۷۲۔ایضاً۔ص:۷۵
۷۳۔ایضاً۔ص:۷۸
۷۴۔ایضاً۔ص:۸۰
۷۵۔ایضاً۔ص:۸۳
۷۶۔ایضاً۔ص:۸۵
۷۷۔ایضاً۔ص:۸۶
۷۸۔ایضاً۔ص:۸۸
۷۹۔ایضاً۔ص:۹۰
۸۰۔ایضاً ۔ص:۹۲
۸۱۔ایضاً۔ص:۹۵
۸۲۔ایضاً۔ص: ۹۷
۸۳۔ایضاً۔ص:۱۸۸
۸۴۔سالک،بی اے:ادب عزیز(حصہ دوم):کراچی،مکتبہ عزیزالملک سلیمانی،۱۹۶۶ء،ص:۸۴
۸۵۔سالک،بی اے:ادب عزیز(حصہ اوّل):کراچی،مکتبہ عزیزالملک سلیمانی،۱۹۶۶ء،ص:۱۹۲
۸۶۔سالک،بی اے:ادب عزیز(حصہ دوم):کراچی،مکتبہ عزیزالملک سلیمانی،۱۹۶۶ء،ص:۵۹
۸۷۔ایضاً۔ص:۴۲۳
۸۸۔ایضاً۔ص:۴۲۴
۸۹۔ایضاً۔ص:۴۲۵
۹۰۔ایضاً۔ص:۵۰۲
۹۱۔ایضاً۔ص:۵۰۲
۹۲۔ایضاً۔ص:۵۰۳
۹۳۔سالک،بی اے:ادب عزیز(حصہ دوم):کراچی،مکتبہ عزیزالملک سلیمانی،۱۹۶۶ء،ص:۵۶
۹۴۔منصورعلی،سید،ڈاکٹر:سیدمحمد یوسف علی جے پوری کی علمی ودینی خدمات کاتحقیقی جائزہ:مقالہ برائے پی ایچ ڈی،جامعہ کراچی،۲۰۰۸ء،ص:۱۱۰
۹۵۔محمدمنیراحمدسلیچ،ڈاکٹر:وفیات نعت گویانِ پاکستان:کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۵۷
۹۶۔کیفی،محمدزکی:کیفیات:لاہور،اشرف برادرز،۱۴۰۸ھ،ص:۷۸
۹۷۔ایضاً۔ص:۷۹
۹۸۔ایضاً۔ص:۸۰۔۷۹
۹۹۔تقی عابدی،سید،ڈاکٹر(مرتب): دربارِ رسالتؐ :ازنجم آفندی،نئی دہلی،شاہد پبلی کیشنز دریا گنج، ۲۰۰۶ء،ص:۹
۱۰۰۔ایضاً۔ص:۲۳
۱۰۱۔نجم آفندی:قصائدنجم:آگرہ،آفندی بک ڈپو،س ن،ص:۳۴۔۳۵

۱۰۲۔جمیل مظہری:فکرِجمیل:مرتبہ،سید محمد رضا کاظمی:کراچی،مکتبہ اسلوب،باردوم،۱۹۸۵ء،فلیپ
۱۰۳۔ایضاً۔ص:۲۵۵
۱۰۴۔جمیل مظہری:عرفانِ جمیل:الہٰ آباد،اصغریہ پبلی کیشنز،۱۹۷۹ء،ص:۱۴۳
۱۰۵۔ایضاً۔ص:۱۵۸ ۱۰۶۔ایضاً۔ص:۱۷۰
۱۰۷۔جمیل مظہری:وجدانِ جمیل:لاہور،بارگاہ ادب،۱۹۷۸ء،ص:۱۳
۱۰۸۔جمیل مظہری:عرفانِ جمیل:الہٰ آباد،اصغریہ پبلی کیشنز،۱۹۷۹ء،ص:۱۴۵۔۱۴۴
۱۰۹۔ایضاً۔ص:۱۵۸ ۱۱۰۔ایضاً۔ص:۱۷۰
۱۱۱۔ایضاً۔ص:۱۵۹۔۱۵۸ ۱۱۲۔ایضاً۔ص:۱۵۹
۱۱۳۔ایضاً۔ص:۱۴۵
۱۱۴۔جمیل مظہری:فکرِجمیل:مرتبہ،سید محمد رضا کاظمی:کراچی،مکتبہ اسلوب،باردوم،۱۹۸۵ء،ص:۲۵۶
۱۱۵۔جمیل مظہری:عرفانِ جمیل:الہٰ آباد،اصغریہ پبلی کیشنز،۱۹۷۹ء،ص:۱۴۴
۱۱۶۔ایضاً۔ص:۱۷۲۔۱۷۱ ۱۱۷۔ایضاً۔ص:۱۶۱۔۱۶۰
۱۱۸۔ایضاً۔ص:۱۴
۱۱۹۔جمیل مظہری:وجدان جمیل:لاہور،بارگاہِ ادب،۱۹۷۸ء،ص:۱۵
۱۲۰۔منظر عارفی:کراچی کا دبستان نعت:کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۶ء،ص:۲۷۳
۱۲۱۔سیفی،مکرم علی،ارمغانِ سیفی:مرتبہ شمس بریلوی:کراچی،خلف اکبر حضرت سیفیؒ،۱۹۸۴ء،ص:۱۹۰
۱۲۲۔ایضاً۔ص:۱۹۴ ۱۲۳۔ایضاً۔ص:۱۹۴
☆ یہ مصرع خارج از وزن ہے،اس میں کوئی لفظ چھوڑ گیا ہے۔
۱۲۴۔ایضاً۔ص:۱۹۱ ۱۲۵۔ایضاً۔ص:۱۹۳
۱۲۶۔ایضاً۔ص:۱۹۵ ۱۲۷۔ایضاً۔ص:۱۹۵
۱۲۸۔محمد منیر احمد سلیچ،ڈاکٹر:وفیات نعت گویانِ پاکستان:کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۳۳
۱۲۹۔آرزو اکبر آبادی تبریزی:کیف بہاراں:مرتب سہیل اقبال رومی،کراچی،مکتبہ سہیل،۱۹۵۷ء ص:۲۹
۱۳۰۔ایضاً۔ص:۳۶ ۱۳۱۔ایضاً۔ص:۴۶
۱۳۲۔ایضاً۔ص:۳۲،۳۱ ۱۳۳۔ایضاً۔ص:۳۷

۱۳۴۔ایضاً۔ص:۴۳۔۴۲ ۱۳۵۔ایضاً۔ص:۵۰

۱۳۶۔ایضاً۔ص:۵۱

۱۳۷۔خواجہ محمد زکریا،ڈاکٹر:انتخاب زریں اُردو نظم:لاہور،سنگت پبلشرز،۲۰۰۷ء،ص:۱۲۴

۱۳۸۔الرشید(ماہنامہ)نعت نمبر:لاہور،۱۴۱۱ھ،ص:۸۱۵۔۸۱۴

۱۳۹۔واصف ردولوی:سرمایۂ نجات(حصہ دوم)؛مرتب:مرزا علی رضا ردولوی:لکھنؤ،نامی پریس،نومبر۱۹۸۲ء ،ص:۵تا۸

۱۴۰۔ایضاً۔ص:۲۵ ۱۴۱۔ایضاً۔ص:۲۶

۱۴۲۔ایضاً۔ص:۲۸۔۲۷

۱۴۳۔جوہر،محمد مصطفیٰ:محراب(جلد اول):کراچی،فیڈرل بی ایریا،روشن منزل،۱۹۹۸ءص:۱۱

۱۴۴۔ایضاً۔ص:۱۴ ۱۴۵۔ایضاً۔ص:۱۷

۱۴۶۔ایضاً۔ص:۲۲ ۱۴۷۔ایضاً۔ص:۳۱

۱۴۸۔ایضاً۔ص:۲۳ ۱۴۹۔ایضاً۔ص:۳۲۔۳۱

۱۵۰۔ایضاً۔ص:۲۷ تا ۳۰

۱۵۱۔محمد منیر احمد سلیچ،ڈاکٹر:وفیات نعت گویانِ پاکستان:کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۵۳

۱۵۲۔راز کاشمیری:لوح بھی تو،قلم بھی تو:لاہور،انجمن حمایت اسلام پریس،۱۹۸۸ء،ص:۶۶۔۶۵

۱۵۳۔ایضاً۔ص:۶۷۔۶۶

۱۵۴۔محمد منیر احمد سلیچ،ڈاکٹر:وفیات نعت گویانِ پاکستان:کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۵۸

۱۵۵۔رئیس نعمانی:چراغِ نوا:علی گڑھ،ایجوکیشنل بک ہاؤس،۲۰۰۰ء،ص:۷

۱۵۶۔ایضاً۔ص:۳۹ ۱۵۷۔ایضاً۔ص:۳۸

۱۵۸۔نظیر لدھیانوی:تذکرہ شعرائے اُردو:لاہور،عشرت پبلشنگ ہاؤس،۱۹۵۳ء،ص:۳۴۶

۱۵۹۔محمد منیر احمد سلیچ،ڈاکٹر:وفیات نعت گویانِ پاکستان:کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۱۱۰

۱۶۰۔ایضاً۔ص:۱۱۰

۱۶۱۔نظیر لدھیانوی:آفتابِ حرا:لاہور،مجلس اُردو،۱۹۸۸ء،ص:۸۰

۱۶۲۔الرشید(ماہنامہ)نعت نمبر،لاہور،۱۴۱۱ھ،ص:۸۱۶

۱۶۳۔اس قصیدے کا ذکر جعفر بلوچ نے اپنے مضمون میں کیا ہے جو شام وسحر نعت نمبر۴،۱۹۸۵ء کے صفحہ

نمبر۲۱۲ پر موجود ہے لیکن راقم کو شام وسحر کے مذکورہ نمبر میں یہ قصیدہ کہیں نہیں ملا۔

۱۶۴۔الرشید(ماہنامہ)نعت نمبر:لاہور،۱۴۱۱ھ،ص:۸۱۶

۱۶۵۔ایضاً۔ص:۸۱۶

۱۶۶۔شام وسحر(ماہ نامہ)نعت نمبر۴،لاہور،۱۹۸۵ء،ص:۲۱۴

۱۶۷۔الرشید(ماہنامہ)نعت نمبر؛لاہور،۱۴۱۱ھ،ص:۸۱۷

۱۶۸۔انور سدید،ڈاکٹر:یزدانی جالندھری اور اُن کی نعت:مشمولہ،توصیف خیر البشرؐ از یزدانی جالندھری:لاہور، جسارت پرنٹرز،س ن،ص:۷

۱۶۹۔محمد منیر احمد سلیچ،ڈاکٹر:وفیاتِ نعت گویانِ پاکستان:کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۱۱۵

۱۷۰۔شام وسحر(ماہنامہ)نعت نمبر۵:لاہور،جنوری،فروری۱۹۸۶ء،ص:۳۹۳

۱۷۱۔شام وسحر(ماہنامہ)نعت نمبر۳:لاہور،جنوری،فروری۱۹۸۳ء،ص:۳۱۷

۱۷۲۔الرشید(ماہنامہ)نعت نمبر:لاہور،۱۴۱۱ھ،ص:۸۱۹

۱۷۳۔ایضاً۔ص:۸۱۹

۱۷۴۔شام وسحر(ماہنامہ)نعت نمبر۳:لاہور،جنوری،فروری۱۹۸۳ء،ص:۳۱۸

۱۷۵۔شام وسحر(ماہنامہ)نعت نمبر۵:لاہور،جنوری،فروری۱۹۸۶ء،ص:۳۹۴

۱۷۶۔الرشید(ماہنامہ)نعت نمبر:لاہور،۱۴۱۱ھ،ص:۸۲۱۔۸۲۰

۱۷۷۔شام وسحر(ماہنامہ)نعت نمبر۳:لاہور،جنوری،فروری۱۹۸۳ء،ص:۳۱۷

۱۷۸۔محمد منیر احمد سلیچ،ڈاکٹر:وفیاتِ نعت گویانِ پاکستان:کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۶۵

۱۷۹۔ایضاً۔ص:۶۵

۱۸۰۔شہاب دہلوی:موجِ نور:بہاول پور،مکتبہ الہام،۱۹۷۴ء،ص:۹۷

۱۸۱۔ایضاً۔ص:۱۰۵۔۱۰۴ ۱۸۲۔ایضاً۔ص:۹۷

۱۸۳۔منظر عارفی:کراچی کا دبستانِ نعت:کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۶ء ص:۳۲۲

☆ ڈاکٹر منیر احمد سلیچ نے صبا اکبرآبادی کی تاریخ وفات ۲۹،اکتوبر لکھی ہے۔

۱۸۴۔صبا اکبرآبادی:دستِ دعا:کراچی،جہانِ حمد پبلی کیشنز،۲۰۰۳ء،ص:۲۹

۱۸۵۔ایضاً۔ص:۳۱۔۳۰ ۱۸۶۔ایضاً۔ص:۳۴

۱۸۷۔ایضاً۔ص:۳۲۔۳۱

۱۸۸۔محمد منیر احمد سلیچ ،ڈاکٹر: وفیاتِ نعت گویانِ پاکستان: کراچی ،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۱۱۰
۱۸۹۔نعیم تقوی: بصیرت: کراچی، مجلس افکار اسلامی،۱۹۷۸ء،ص:۲۳

۱۹۰۔ایضاً۔ص:۲۸ ۱۹۱۔ایضاً۔ص:۳۳

۱۹۲۔ایضاً۔ص:۳۷ ۱۹۳۔ایضاً۔ص:۴۰

۱۹۴۔ایضاً۔ص:۲۹ ۱۹۵۔ایضاً۔ص:۲۹

۱۹۶۔ایضاً۔ص:۳۶ ۱۹۷۔ایضاً۔ص:۳۹

۱۹۸۔ایضاً۔ص:۳۹ ۱۹۹۔ایضاً۔ص:۲۶

۲۰۰۔ایضاً۔ص:۳۱۔۳۲
۲۰۱۔ابوالخیر کشفی،سید،ڈاکٹر: پیش لفظ: مشمولہ ''بصیرت'': کراچی، مجلس افکار اسلامی،۱۹۷۸ء،ص:۹
۲۰۲۔محمد منیر احمد سلیچ ،ڈاکٹر: وفیاتِ نعت گویانِ پاکستان: کراچی ،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۲۷
۲۰۳۔محمد اعظم چشتی: کلیات اعظم: لاہور، خزینہ علم وادب،۲۰۰۵ء،ص:۵۸۷
۲۰۴۔محمد اعظم چشتی: معراج: لاہور، الحمد پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء،ص:۴۸
۲۰۵۔ایضاً۔ص:۵۰
۲۰۶۔احمد ندیم قاسمی: پیش کلام: مشمولہ، کلیات اعظم از محمد اعظم چشتی: لاہور، خزینہ علم وادب، ۲۰۰۵ء ،ص:۵۸۹
۲۰۷۔محمد اعظم چشتی: معراج: لاہور، الحمد پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء،ص:۵۱ تا۵۳
۲۰۸۔محمد قاسم،سید: پاکستان کے نعت گو شعرا: (جلد سوم) کراچی، جہان حمد پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء،ص:۱۰۷
۲۰۹۔ایضاً۔ص:۱۰۷
۲۱۰۔اثر زبیری: سلسبیل: کراچی، الحجاز پبلشرز، س ن،ص:۱۶

۲۱۱۔ایضاً۔ص:۱۶ تا ۱۸ ۲۱۲۔ایضاً۔ص:۱۹۔۱۸

۲۱۳۔محمد منیر احمد سلیچ ،ڈاکٹر: وفیاتِ نعت گویانِ پاکستان: کراچی ،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۴۹
۲۱۴۔خالد بزمی: سید سادات: م ن، ناشر جاوید ابراہیم،۱۹۹۳ء،ص:۱۵۰
۲۱۵۔ ایضاً۔ص:۱۵۱تا۱۵۹
۲۱۶۔محمد منیر احمد سلیچ ،ڈاکٹر: وفیاتِ نعت گویانِ پاکستان: کراچی ،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۸۴
۲۱۷۔فدا خالدی دہلوی: م ص: کراچی، اشتیاق پرنٹنگ پریس،۱۹۸۳ء،ص:۱۴۷

۲۱۸۔ایضاً۔ص:۱۴۷تا ۱۴۹
۲۱۹۔محمد منیر احمد سلیچ ،ڈاکٹر: وفیات نعت گویانِ پاکستان: کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۱۱۰
☆ سید محمد قاسم نے ''پاکستان کے نعت گوشعرا'' جلد سوم کے صفحہ نمبر ۲۲۷ پر اُن کا سال پیدائش ۱۹۱۵ء دیا ہے۔
۲۲۰۔نوائے وقت،لاہور،۲۲جون۲۰۰۲ء
۲۲۱۔نظر زیدی،سید: نورعلیٰ نور: لاہور،صبح صادق پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء،ص:۴۸
۲۲۲۔ایضاً۔ص:۴۹۔۴۸ ۲۲۳۔ایضاً۔ص:۴۹
۲۲۴۔ایضاً۔ص:۵۱ ۲۲۵۔ایضاً۔ص:۵۲
۲۲۶۔محمد منیر احمد سلیچ ،ڈاکٹر: وفیات نعت گویانِ پاکستان: کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۱۱۱
۲۲۷۔نعیم صدیقی: نور کی ندیاں رواں: لاہور،الفیصل ناشران کتب،۱۹۹۹ء،ص:۱۵۱تا۱۵۶
۲۲۸۔ایضاً۔ص:۱۵۵ ۲۲۹۔ایضاً۔ص:۱۵۲ تا ۱۵۵
۲۳۰۔محمد منیر احمد سلیچ ،ڈاکٹر: وفیات نعت گویانِ پاکستان: کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۴۶
۲۳۱۔حفیظ تائب: کلیات حفیظ: لاہور،القمر انٹر پرائزرز،۲۰۰۵ء،ص:۹۹
۲۳۲۔ایضاً۔ص:۱۰۱ ۲۳۳۔ایضاً۔ص:۱۰۱۔۱۰۰
۲۳۴۔ایضاً۔ص:۱۰۰۔۹۹
۲۳۵۔محمد منیر احمد سلیچ ،ڈاکٹر: وفیات نعت گویانِ پاکستان: کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۸۱
۲۳۶۔علیم ناصری: طلع البدر علینا: لاہور،مکتبہ قدوسیہ،۱۹۹۹ء،ص:۴۷
۲۳۷۔ایضاً۔ص:۵۱۔۵۰ ۲۳۸۔ایضاً۔ص:۵۲
۲۳۹۔ایضاً۔ص:۵۹۔۵۸ ۲۴۰۔ایضاً۔ص:۶۲ تا ۶۵
۲۴۱۔افضال احمد انور،ڈاکٹر: اُردو نعت کا ہیئتی مطالعہ: (مقالہ برائے پی ایچ ڈی): لاہور،پنجاب یونی ورسٹی،۲۰۰۷ء، ص:۲۲۲
۲۴۲۔امرت لال عشرت، ڈاکٹر: تعارف: مشمولہ ''تجلیات حفیظ'' از عبیدالرحمٰن (مرتبہ): دہلی،ایجوکیشنل بک ہاؤس،۲۰۱۰ء،ص:۴۹۔۴۸
۲۴۳۔حفیظ بنارسی: قصیدہ نبی رحمتؐ: آرہ،ملکی محلّہ،بیگم صالحہ حفیظ،۱۹۴۳ء،ص:۱۳۔۱۲
۲۴۴۔ایضاً۔ص:۱۴ تا ۲۲ ۲۴۵۔ایضاً۔ص:۱۶۔۱۵

۲۴۶۔ایضاً۔ص:۱۶تا ۲۰

۲۴۷۔طلحہ برق رضوی، ڈاکٹر: حفیظ بنارسی کا قصیدۂ رحمت: مشمولہ ''قصیدۂ نبی رحمت'' از حفیظ بنارسی: آرہ، ملکی محلّہ، بیگم صالحہ حفیظ، ۱۹۴۳ء، ص:۱۰۔۹

۲۴۸۔محمد منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر: وفیات نعت گویانِ پاکستان: کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۵ء، ص:۴۰

۲۴۹۔جعفر بلوچ: بیعت: لاہور، یونی ورسل بکس، ۱۹۸۹ء، ص:۱۱۴۔۱۱۳

۲۵۰۔ایضاً۔ص:۱۱۵ ۲۵۱۔ایضاً۔ص:۱۱۷۔۱۱۶

۲۵۲۔محمد قاسم: پیر نصیر الدین نصیر کی منقبت نگاری کا فنی اور عروضی مطالعہ: مقالہ برائے ایم فل اردو، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، ۲۰۱۷ء، ص:۱۱

☆ڈاکٹر منیر احمد سلیچ نے وفیات نعت گویانِ پاکستان میں تاریخ پیدائش ۱۱ نومبر بتائی ہے۔

۲۵۳۔ایضاً۔ص:۳۳

۲۵۴۔نصیر الدین نصیر، سید: دیں ہمہ اوست: گولڑہ (اسلام آباد)، مہریہ نصیریہ پبلشرز، س ن، ص:۵۶۔۵۵

۲۵۵۔ایضاً۔ص:۵۷ ۲۵۶۔ایضاً۔ص:۶۰۔۵۹

۲۵۷۔ایضاً۔ص:۵۸

۲۵۸۔محمد منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر: وفیات نعت گویانِ پاکستان: کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۵ء، ص:۶۷

۲۵۹۔ایضاً۔ص:۶۷

۲۶۰۔عبدالباری عباسی: خالد؛ فارقلیط کی روشنی میں: ماہنامہ ''سیارہ''، عبدالعزیز خالد نمبر حصہ سوم، لاہور، جون ۱۹۶۹ء ص:۱۰۰۳

۲۶۱۔عبدالعزیز خالد: فارقلیط: لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۵ء بارِ چہارم، ص:۱۵

۲۶۲۔عبدالعزیز خالد: منحمنا: لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۵ء طبع دوم، ص:۹

۲۶۳۔ایضاً۔ص:۳۸۔۳۷

۲۶۴۔خان رشید، ڈاکٹر: ایک عظیم اور تخلیقی نظم: سیارہ (حصہ سوم) عبدالعزیز خالد نمبر حصہ سوم، لاہور، جون ۱۹۶۹ء ص:۱۰۰۰۔۹۹۹

۲۶۵۔ایضاً۔ص:۲۲ ۲۶۶۔ایضاً۔ص:۴۳

۲۶۷۔ایضاً۔ص:۵۶ ۲۶۸۔ایضاً۔ص:۲۲

۲۶۹۔محمد شمس الحق: پیمانۂ غزل: (جلد سوم)،اسلام آباد،نیشنل بک فاؤنڈیشن،۲۰۰۵ء،ص:۱۳۶
☆ ڈاکٹر منیر احمد سلیچ نے سجاد سخن کا سال ولادت ۱۹۲۸ء لکھا ہے۔

۲۷۰۔ایضاً۔ص:۱۳۶

۲۷۱۔سجاد سخن: رنگ روشنی خوشبو: کراچی، دبستانِ وارثیہ،۱۹۹۵ء،ص:۱۵۷

۲۷۲۔ایضاً۔ص:۱۵۹۔۱۵۸

۲۷۳۔محمد منیر احمد سلیچ،ڈاکٹر: وفیات نعت گویانِ پاکستان: کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۶۰

۲۷۴۔سرو سہارن پوری: زخمۂ دل: م ن،القمر انٹر پرائزرز،۱۹۹۵ء،ص:۲۹

۲۷۵۔نعیم صدیقی: تاثرات: مشمولہ،زخمۂ دل: م ن،القمر انٹر پرائزرز،۱۹۹۵ء،ص:۲۱۔۲۰

۲۷۶۔سرو سہارن پوری: زخمۂ دل: م ن،القمر انٹر پرائزرز،۱۹۹۵ء،ص:۳۰

۲۷۷۔ایضاً۔ص:۳۳۔۳۲ ۲۷۸۔یضاً۔ص:۴۳۔۴۲

۲۷۹۔ایضاً۔ص:۳۷

۲۸۰۔خالد مصطفیٰ: کوکب سخن گری- خالد احمد: مشمولہ،ماہ نامہ''بیاض''لاہور،مئی ۲۰۱۳ء،ص:۲۸۷

۲۸۱۔خالد احمد: تشبیب: لاہور، بیاض،۲۰۱۳ء،ص:۱۹۔۱۸

۲۸۲۔ایضاً۔ص:۲۰ ۲۸۳۔ایضاً۔ص:۲۳

۲۸۴۔ایضاً۔ص:۲۸ ۲۸۵۔ایضاً۔ص:۳۱

۲۸۶۔ایضاً۔ص:۳۷ ۲۸۷۔ایضاً۔ص:۳۹

☆ خالد احمد کے شاگرد زعیم رشید نے اپنے انٹرویو(سیٹلائٹ ٹاؤن، بورے والا،۱۸ جون،۲۰۱۸ء) میں بتایا کہ ان کے والد معروف مزاحیہ شاعر احمق پھپھوندوی کانگرس سے وابستہ تھے۔اس لیے والدہ بچوں سمیت پاکستان آ کر احمد ندیم قاسمی کی ہمسائیگی میں آباد ہو گئیں۔احمد ندیم قاسمی اپنے بیٹے کی طرح خالد کا خیال رکھتے تھے اور حفیظ تائب سے خالد احمد نعت میں متاثر تھے۔اس لیے دونوں احباب کا ذکر اپنی دعاؤں میں نہایت عقیدت سے کیا ہے۔

۲۸۸۔ایضاً۔ص:۴۲تا۴۴ ۲۸۹۔ایضاً۔ص:۴۸تا۵۱

۲۹۰۔ایضاً۔ص:۵۳ ۲۹۱۔ایضاً۔ص:۵۸ تا ۶۲

۲۹۲۔ایضاً۔ص:۶۸ تا ۷۷ ۲۹۳۔ایضاً۔ص:۹۱۔۹۵

۲۹۴۔ایضاً۔ص:۹۹۔۹۸ ۲۹۵۔ایضاً۔ص:۱۰۰ تا ۱۰۲

۲۹۶۔ایضاً۔ص:۱۱۴۔۱۱۳ ۲۹۷۔ایضاً۔ص:۱۱۸ تا ۱۲۰

۲۹۸۔روزنامہ جنگ:۲۱،اکتوبر۲۰۱۶ء

۲۹۹۔اصغرعلی شاہ،سید: پیامبرفجر: ملتان،خانہ فرہنگ،جمہوری اسلامی ایران (ملتان)،۱۹۸۵ء،ص:۵

۳۰۰۔ایضاً۔ص:۱۱ ۳۰۱۔ایضاً۔ص:۱۷

۳۰۲۔ایضاً۔ص:۲۱ ۳۰۳۔ایضاً۔ص:۲۷

۳۰۴۔اصل متن میں ''پہلے مصرع میں ''لکھیں'' چھپا ہے جو پروف کی غلطی ہے۔مصرع میں ''لکھیں '' کی جگہ ''کہیں'' کے استعمال کا محل ہے۔

۳۰۵۔ایضاً۔ص:۲۷ تا ۲۹ ۳۰۶۔ایضاً۔ص:۲۳ تا ۲۵

۳۰۷۔ایضاً۔ص:۲۰۔۱۹

۳۰۸۔جذب ،سیدعلی عباس، قصائد جذب: مرتبہ: ڈاکٹر سیدحسن عباس :لکھنو، نظامی پریس۱۹۹۳ء ،ص:۱۲

۳۰۹۔ایضاً۔ص:۸ ۳۱۰۔ایضاً۔ص:۱۸

۳۱۱۔ایضاً۔ص:۲۲ ۳۱۲۔ایضاً۔ص:۱۸

۳۱۳۔ایضاً۔ص:۲۰۔۱۹ ۳۱۴۔ایضاً۔ص:۲۴

۳۱۵۔نفیس فتح پوری: افکارنفیس: کراچی، ناظر پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۷ء،ص:و

۳۱۶۔ایضاً۔ص:۲ ۳۱۷۔ایضاً۔ص:۳

۳۱۸۔ایضاً۔ص:۲ ۳۱۹۔ایضاً۔ص:۵

۳۲۰۔حمیدالدین شاہد: تعارف: مشمولہ: ''یادحرمین''از سالک نقوی: کراچی، سپرآرٹ پریس،۱۹۷۰ء ص:ب

۳۲۱۔سالک نقوی: صحیفہ سالک: کراچی، ابن حسن پریس، ۱۹۷۷ء،ص:۶

۳۲۲۔ایضاً۔ص:۱۴

☆یادحرمین کے صفحہ نمبر۶۴ پر ''سرورکونینؐ'' کا جو مطلع دیا گیا ہے وہ یوں ہے:

یہ مے کدہ تھا اور نہ یہ حسن و لطافت ساقی تھا، بہاریں تھیں، نہ یہ بارش رحمت

۳۲۳۔سالک نقوی: صحیفہ سالک: کراچی، ابن حسن پریس، ۱۹۷۷ء،ص:۱۶۔۱۵

۳۲۴۔ایضاً۔ص:۱۸ ۳۲۵۔ایضاً۔ص:۲۱

۳۲۶۔ایضاً۔ص:۲۱تا۲۳

۳۲۷۔خان رشید،ڈاکٹر:اردو کے نعتیہ قصائد:حیدرآباد(پاکستان)،ادارۂ اردو،۱۹۹۲ء،ص:۵۴

۳۲۸۔ایضاً۔ص:۵۵۔۵۴ ۳۲۹۔ایضاً۔ص:۵۶

۳۳۰۔مہدی اعظمی:سرمایۂ عقبیٰ:ممبئ،اردو چینل پبلی کیشنز،۱۴۲۵ھ،ص:۲۰

۳۳۱۔ایضاً۔ص:۲۸ ۳۳۲۔ایضاً۔ص:۳۲

۳۳۳۔ایضاً۔ص:۳۴ ۳۳۴۔ایضاً۔ص:۳۶

۳۳۵۔ایضاً۔ص:۳۹ ۳۳۶۔ایضاً۔ص:۴۲

۳۳۷۔ایضاً۔ص:۴۴ ۳۳۸۔ایضاً۔ص:۴۶

۳۳۹۔ایضاً۔ص:۴۸ ۳۴۰۔ایضاً۔ص:۵۰

۳۴۱۔ایضاً۔ص:۵۲ ۳۴۲۔ایضاً۔ص:۵۵

۳۴۳۔ایضاً۔ص:۵۶ ۳۴۴۔ایضاً۔ص:۶۲

۳۴۵۔ایضاً۔ص:۶۶ ۳۴۶۔ایضاً۔ص:۶۸

۳۴۷۔ایضاً۔ص:۳ ۳۴۸۔ایضاً۔ص:۳۰

۳۴۹۔ایضاً۔ص:۳۳ ۳۵۰۔ایضاً۔ص:۴۵

۳۵۱۔ایضاً۔ص:۵۰ ۳۵۲۔ایضاً۔ص:۵۱

۳۵۳۔ایضاً۔ص:۵۴ ۳۵۴۔ایضاً۔ص:۵۶

۳۵۵۔ایضاً۔ص:۵۶ ۳۵۶۔ایضاً۔ص:۵۶

۳۵۷۔ایضاً۔ص:۳۱ ۳۵۸۔ایضاً۔ص:۴۱

۳۵۹۔ایضاً۔ص:۴۳ ۳۶۰۔ایضاً۔ص:۶۶

۳۶۱۔ایضاً۔ص:۴۳ ۳۶۲۔ایضاً۔ص:۶۷

۳۶۳۔ایضاً۔ص:۴۱ ۳۶۴۔ایضاً۔ص:۴۹

۳۶۵۔ایضاً۔ص:۵۳ ۳۶۶۔ایضاً۔ص:۶۹

۳۶۷۔ممتاز مانیوی:مجلۂ ممتاز:کراچی،پسرانِ سید محمد ظفر مہدی،س ن،ص:۲۵

۳۶۸۔ایضاً۔ص:۲۵ ۳۶۹۔ایضاً۔ص:۳۱

۳۷۰۔ایضاً۔ص:۳۸ ۳۷۱۔ایضاً۔ص:۳۹

۳۷۲۔ایضاً۔ص:۲۹تا۳۲
۳۷۳۔ایضاً۔ص:۲۳
۳۷۴۔ایضاً۔ص:۳۵
۳۷۵۔ایضاً۔ص:۲۵
۳۷۶۔ایضاً۔ص:۳۲
۳۷۷۔ایضاً۔ص:۳۳
۳۷۸۔ایضاً۔ص:۳۶
۳۷۹۔ایضاً۔ص:۳۸
۳۸۰۔ایضاً۔ص:۳۸
۳۸۱۔ایضاً۔ص:۳۳
۳۸۲۔ایضاً۔ص:۳۵
۳۸۳۔عظیم اختر: بیسویں صدی کے شعرائے دہلی: دہلی، اُردو اکادمی، ۲۰۰۵ء، ص:۴۳۰
۳۸۴۔جرار چھولسی: قندیل حرم: نئی دہلی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۲ء، ص:۲۲
۳۸۵۔ایضاً۔ص:۲۳
۳۸۶۔ایضاً۔ص:۲۵
۳۸۷۔ایضاً۔ص:۲۶
۳۸۸۔ایضاً۔ص:۲۲
۳۸۹۔ایضاً۔ص:۲۲
۳۹۰۔ایضاً۔ص:۲۵
۳۹۱۔ایضاً۔ص:۲۵
۳۹۲۔ضیاء شہبازی: برگ ثنا حرف حرف: بھاگل پور (انڈیا)، ولی العالم اکیڈمی، ۲۰۰۷ء، ص:۶۲۔۶۱
۳۹۳۔ایضاً۔ص:۶۹
۳۹۴۔ایضاً۔ص:۷۴
۳۹۵۔ایضاً۔ص:۷۷
۳۹۶۔ایضاً۔ص:۸۱
۳۹۷۔ایضاً۔ص:۸۷
۳۹۸۔ایضاً۔ص:۹۱
۳۹۹۔ایضاً۔ص:۹۵
۴۰۰۔ایضاً۔ص:۹۸
۴۰۱۔ایضاً۔ص:۱۰۳
۴۰۲۔ایضاً۔ص:۱۰۸
۴۰۳۔ایضاً۔ص:۱۱۱
۴۰۴۔ایضاً۔ص:۱۱۶
۴۰۵۔ایضاً۔ص:۱۲۲
۴۰۶۔ایضاً۔ص:۱۲۶
۴۰۷۔ایضاً۔ص:۱۳۱
۴۰۸۔ایضاً۔ص:۱۳۶
۴۰۹۔ایضاً۔ص:۱۴۱
۴۱۰۔ایضاً۔ص:۱۴۵
۴۱۱۔ایضاً۔ص:۱۴۹
۴۱۲۔ایضاً۔ص:۱۵۴
۴۱۳۔ایضاً۔ص:۱۶۰
۴۱۴۔ایضاً۔ص:۱۶۴
۴۱۵۔ایضاً۔ص:۱۷۰
۴۱۶۔ایضاً۔ص:۱۷۳

۴۱۷۔ایضاً۔ص:۱۷۷
۴۱۸۔ایضاً۔ص:۱۸۴
۴۱۹۔ایضاً۔ص:۷۹
۴۲۰۔ایضاً۔ص:۷۹
۴۲۱۔ایضاً۔ص:۱۸۴
۴۲۲۔ایضاً۔ص:۹۲
۴۲۳۔ایضاً۔ص:۱۷۵
۴۲۴۔ایضاً۔ص:۹۰۔۸۹
۴۲۵۔ایضاً۔ص:۱۱۰۔۱۰۹
۴۲۶۔ایضاً۔ص:۱۳۴
۴۲۷۔ایضاً۔ص:۱۴۷
۴۲۸۔ایضاً۔ص:۱۶۷
۴۲۹۔ایضاً۔ص:۸۱
۴۳۰۔ایضاً۔ص:۱۷۰
۴۳۱۔ایضاً۔ص:۷۹
۴۳۲۔ایضاً۔ص:۱۴۶
۴۳۳۔ایضاً۔ص:۱۷۱
۴۳۴۔ایضاً۔ص:۷۱۔۷۰
۴۳۵۔ایضاً۔ص:۱۵۴
۴۳۶۔ایضاً۔ص:۱۵۵
۴۳۷۔ایضاً۔ص:۱۶۲
۴۳۸۔ایضاً۔ص:۸۴
۴۳۹۔ایضاً۔ص:۱۵۰
۴۴۰۔ایضاً۔ص:۸۴
۴۴۱۔ایضاً۔ص:۸۹
۴۴۲۔منظر عارفی: کراچی کا دبستان نعت: کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۵ء، ص:۲۴۶۔۲۴۵
۴۴۳۔ساحر لکھنوی: صحیفہ مدحت: کراچی، آثار وافکار اکادمی، ۱۹۹۷ء، ص:۷۷
۴۴۴۔ایضاً۔ص:۹۵
۴۴۵۔ایضاً۔ص:۷۸تا۸۰
۴۴۶۔ایضاً۔ص:۸۳۔۸۲
۴۴۷۔ایضاً۔ص:۱۰۰
۴۴۸۔ایضاً۔ص:۸۵۔۸۴
☆اوپر کے شعر کے اصل متن میں ''باہم'' کے بجائے ''یاہم'' چھپا ہے۔
۴۴۹۔ایضاً۔ص:۱۰۱
۴۵۰۔ٹیلی فونک انٹرویو: ڈاکٹر مختار الدین احمد مختار، ریون فیلڈ (یوکے)، ۳۱ دسمبر ۲۰۱۸ء ۴ بجے سہ پہر
۴۵۱۔مختار، مختار الدین احمد، ڈاکٹر: عکسِ آواز: کراچی، الحمد پبلی کیشنز ۲۰۱۶ء، ص:۳۰۔۲۹
۴۵۲۔ایضاً۔ص:۳۱
۴۵۳۔ایضاً۔ص:۳۳
۴۵۴۔ٹیلی فونک انٹرویو: ڈاکٹر مختار الدین احمد مختار (۳۱ دسمبر ۲۰۱۸ء ۴ بجے سہ پہر)
۴۵۵۔ایضاً۔ص:۳۴
۴۵۶۔ایضاً۔ص:۳۳

۴۵۷۔ایضاً۔ص:۔۳۶۔۳۵
۴۵۸۔ایضاً۔ص:۳۲
۴۵۹۔ایضاً۔ص:۳۵
۴۶۰۔ایضاً۔ص:۳۶
۴۶۱۔ایضاً۔ص:۳۵
۴۶۲۔ایضاً۔ص:۳۲
۴۶۳۔ایضاً۔ص:۳۷۔۳۶
۴۶۴۔ایضاً۔ص:۴۱
۴۶۵۔انٹرویو،رفیع الدین ذکی قریشی،لاہور،۲۰،اکتوبر۲۰۱۹ء
۴۶۶۔رفیع الدین،ذکی قریشی:مہر فاراں:لاہور،نذیرسنز پبلشرز،۱۹۹۰ء،ص:۱۹
۴۶۷۔حفیظ تائب: پیشوائی: مشمولہ، مہر فاراں از رفیع الدین ذکی قریشی:لاہور، نذیرسنز پبلشرز، ۱۹۹۰ء،ص:۱۱
۴۶۸۔رفیع الدین،ذکی قریشی:مہر فاراں:لاہور،نذیرسنز پبلشرز،۱۹۹۰ء،ص:۲۳۔۲۲
۴۶۹۔انجم نیازی:ایک تنہا آدمی:راول پنڈی،فیض الاسلام پرنٹنگ پریس،۲۰۰۷ء،ص:۱۱
۴۷۰۔انجم نیازی:قصیدہ سرور کائنات:فیصل آباد،مکتبہ الفقیر ،۲۰۱۰ء،ص:۱۹
۴۷۱۔ایضاً۔ص:۲۰ تا ۲۵
۴۷۲۔ایضاً۔ص:۲۹۔۲۸
۴۷۳۔ایضاً۔ص:۸۱
۴۷۴۔ایضاً۔ص:۸۷
۴۷۵۔ایضاً۔ص:۷۷
۴۷۶۔ایضاً۔ص:۷۷ ☆شعر خارج ازوزن ہے۔
۴۷۷۔ایضاً۔ص:۵۶
۴۷۸۔ایضاً۔ص:۶۶
۴۷۹۔ایضاً۔ص:۹۹
۴۸۰۔ایضاً۔ص:۱۰۸
۴۸۱۔ایضاً۔ص:۱۰۹
۴۸۲۔ایضاً۔ص:۱۰۹
۴۸۳۔ایضاً۔ص:۱۱۱
۴۸۴۔شہاب کاظمی:ورق تمام ہوا:کراچی،قرطاس،۲۰۱۰ء،فلیپ
۴۸۵۔شہاب کاظمی:سفینہ چاہیے:سول (امریکہ)،سرونٹس آف اردو،۲۰۱۵ء،ص:۱۳۷
۴۸۶۔ایضاً۔ص:۱۴۳
۴۸۷۔ایضاً۔ص:۱۴۹
۴۸۸۔ایضاً۔ص:۱۵۵
۴۸۹۔ایضاً۔ص:۱۳۹
۴۹۰۔ایضاً۔ص:۱۴۱
۴۹۱۔ایضاً۔ص:۱۴۰
۴۹۲۔ایضاً۔ص:۱۴۱
۴۹۳۔ایضاً۔ص:۱۴۸۔۱۴۷

۴۹۴۔ایضاً۔ص:۱۵۱تا۱۵۳
۴۹۵۔ایضاً۔ص:۱۵۹۔۱۵۸
۴۹۶۔شوکت اللہ خاں جوہر،ڈاکٹر:شہرِ مدحت:کراچی،رنگ ادب پبلی کیشنز،۲۰۱۷ء،فلیپ
۴۹۷۔ایضاً۔ص:۶۲ تا ۶۵
۴۹۸۔ایضاً۔ص:۶۵
۴۹۹۔ایضاً۔ص:۶۸
۵۰۰۔ایضاً۔ص:۱۱۹
۵۰۱۔ایضاً۔ص:۱۴۳
۵۰۲۔ایضاً۔ص:۱۵۳
۵۰۳۔ایضاً۔ص:۶۸
۵۰۴۔ایضاً۔ص:۱۱۵
۵۰۵۔ایضاً۔ص:۸۲
۵۰۶۔ایضاً۔ص:۱۰۲
۵۰۷۔ایضاً۔ص:۱۲۵
۵۰۸۔ایضاً۔ص:۶۱
۵۰۹۔ایضاً۔ص:۹۵
۵۱۰۔ایضاً۔ص:۱۰۵
۵۱۱۔ایضاً۔ص:۱۰۸
۵۱۲۔ایضاً۔ص:۱۱۲
۵۱۳۔ایضاً۔ص:۱۱۶
۵۱۴۔عظیم امروہوی،ڈاکٹر:قصیدہ نگارانِ امروہہ:نئی دہلی،عالمی مرثیہ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۲۲۲
۵۱۵۔عظیم امروہوی:قصائد عظیم:نئی دہلی،عالمی مرثیہ سنٹر،س ن،ص:۲۹
۵۱۶۔ایضاً۔ص:۳۴
۵۱۷۔ایضاً۔ص:۳۹
۵۱۸۔ایضاً۔ص:۴۲
۵۱۹۔ایضاً۔ص:۴۶
۵۲۰۔ایضاً۔ص:۵۳
۵۲۱۔ایضاً۔ص:۵۷
۵۲۲۔ایضاً۔ص:۳۹
۵۲۳۔ایضاً۔ص:۵۴۔۵۳
۵۲۴۔ایضاً۔ص:۵۸۔۵۷
۵۲۵۔ایضاً۔ص:۳۰
۵۲۶۔ایضاً۔ص:۴۴
۵۲۷۔ایضاً۔ص:۴۸
۵۲۸۔ایضاً۔ص:۵۳
۵۲۹۔ایضاً۔ص:۵۴
۵۳۰۔ایضاً۔ص:۳۶
۵۳۱۔ایضاً۔ص:۳۲
۵۳۲۔ایضاً۔ص:۳۲
۵۳۳۔انٹرویو:نصیر ترابی (ٹیلی فونک):کراچی،یکم نومبر ۲۰۱۹ء
۵۳۴۔نصیر ترابی:لاریب:کراچی،پیراماؤنٹ بکس،۲۰۱۷ء،ص:۳۰
۵۳۵۔ایضاً۔ص:۳۱
۵۳۶۔ایضاً۔ص:۳۲۔۳۱

۵۳۷۔شہزاد احمد،ڈاکٹر: ایک سوایک پاکستانی نعت گو شعرا: کراچی ،رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء،ص:۳۵۱

۵۳۸۔حافظ عبدالغفار حافظ: قصیدہ رسولِ تہامیؐ: کراچی، ضیاء الدین پبلی کیشنز، س ن، ص: ۶ تا ۹

۵۳۹۔ایضاً۔ص:۱۳
۵۴۰۔ایضاً۔ص:۱۱
۵۴۱۔ایضاً۔ص:۱۲
۵۴۲۔ایضاً۔ص:۲۰
۵۴۳۔ایضاً۔ص:۲۱
۵۴۴۔ایضاً۔ص:۲۲
۵۴۵۔ایضاً۔ص:۲۷
۵۴۶۔ایضاً۔ص:۲۷
۵۴۷۔ایضاً۔ص:۲۸
۵۴۸۔ایضاً۔ص:۲۸
۵۴۹۔ایضاً۔ص:۲۹
۵۵۰۔ایضاً۔ص:۲۹
۵۵۱۔ایضاً۔ص:۴
۵۵۲۔ایضاً۔ص:۱۲
۵۵۳۔ایضاً۔ص:۱۵
۵۵۴۔ایضاً۔ص:۲۵

۵۵۵۔انور جمال، پروفیسر: ادبی اصطلاحات: اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، باردوم، ۲۰۱۵ء، بیک فلیپ

۵۵۶۔انور جمال، پروفیسر: حسنت جمیع خصالہٖ: ملتان، بیکن بکس، ۲۰۰۰ء، ص: ۷۸

۵۵۷۔ایضاً۔ص:۸۲
۵۵۸۔ایضاً۔ص:۸۱

۵۵۹۔ایضاً۔ص:۸۵۔۸۴

۵۶۰۔عاصی کرنالی، ڈاکٹر: انور جمال کی نعت گوئی: مشمولہ، حسنت جمیع خصالہٖ: ملتان، بیکن بکس، ۲۰۰۰ء ص:۱۰۔۹

۵۶۱۔انور جمال، پروفیسر: حسنت جمیع خصالہٖ: ملتان، بیکن بکس، ۲۰۰۰ء، ص: ۸۰

۵۶۲۔ایضاً۔ص:۸۷

۵۶۳۔ٹیلی فونک انٹرویو: خالد علیم، ۲۵ مئی ۔ ۲۰۱۹ء

۵۶۴۔خالد علیم: محامد محمدؐ: لاہور، خزینہ علم وادب، ۲۰۰۴ء (بار چہارم)، ص: ۳۰

☆ ماہ نامہ ''فانوس'' اپریل، مئی ۲۰۱۸ء کے شمارے میں صفحہ ۶ میں یہ قصیدہ ترمیم واضافہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔اس کے اشعار کی تعداد چوہتر سے بیاسی ہوگئی ہے اور مطلع یوں دیا گیا ہے:

پردۂ آفاق میں ڈوب گیا آفتاب ہونے لگا خیمہ زن شب کا طلسم حجاب

۵۶۵۔ایضاً۔ص:۶۰ ۵۶۶۔ایضاً۔ص:۶۷

۵۶۷۔ماہ نامہ ''فانوس''،لاہور،اپریل،مئی،۲۰۱۸ء،ص:۶

۵۶۸۔ایضاً۔ص:۷۔۶ ۵۶۹۔ایضاً۔ص:۹۔۸

۵۷۰۔ڈاکٹر خورشید رضوی۔ فلیپ ''محامد محمدؐ'' از خالد علیم: لاہور ،خزینہ علم و ادب ، ۲۰۰۴ء (بار چہارم)

۵۷۱۔انٹرویو: جمشید اعظم چشتی (ٹیلی فونک):لاہور،۷،اگست ۲۰۱۹ء

۵۷۲۔جمشید اعظم چشتی: چپ چاپ:لاہور،الحمد پبلی کیشنز،۲۰۰۰ء،ص:۲۵

۵۷۳۔جمشید اعظم چشتی: جھلمل:لاہور،خزینۂ علم وادب،۲۰۰۲ء،ص:۲۵

۵۷۴۔جمشید اعظم چشتی: گھن گرج:لاہور،الحمد پبلی کیشنز،۲۰۱۸ء،ص:۱۸

۵۷۵۔حفیظ تائب: پیشوائی، مشمولہ: چپ چاپ، از جمشید اعظم چشتی:لاہور ، الحمد پبلی کشنز ۲۰۰۰ء ، ص:۱۲

۵۷۶۔جمشید اعظم چشتی: چپ چاپ:لاہور،الحمد پبلی کیشنز،۲۰۰۰ء،ص:۲۶۔۲۵

۵۷۷۔ایضاً۔ص:۳۰۔۲۹

۵۷۸۔جمشید اعظم چشتی: جھلمل:لاہور،خزینۂ علم وادب،۲۰۰۲ء،ص:۲۷ تا ۳۰

۵۷۹۔جمشید اعظم چشتی: گھن گرج:لاہور،الحمد پبلی کیشنز،۲۰۱۸ء،ص:۲۰

۵۸۰۔ایضاً۔ص:۲۳۔۲۲

۵۸۱۔طیبہ جبیں: پروفیسر محمد طاہر صدیقی کی شاعری میں مباحث سیرت کا تحقیقی مطالعہ: مقالہ برائے ایم فل۔ یونی ورسٹی آف فیصل آباد،۲۰۱۸ء۔۲۰۱۶ء؛ص:۳۰

۵۸۲۔محمد طاہر صدیقی، پروفیسر: قصد نعت: فیصل آباد، پرنٹ مارٹ پبلشرز، ۲۰۱۷ء،ص:۶

۵۸۳۔ایضاً۔ص:۲۵ ۵۸۴۔ایضاً۔ص:۲۷

۵۸۵۔ایضاً۔ص:۲۷ ۵۸۶۔ایضاً۔ص:۲۷

۵۸۷۔ایضاً۔ص:۹۷ ۵۸۸۔ایضاً۔ص:۱۰۳

۵۸۹۔ایضاً۔ص:۱۱۸ ۵۹۰۔ایضاً۔ص:۱۲۱

۵۹۱۔ایضاً۔ص:۱۲۳ ۵۹۲۔ایضاً۔ص:۱۲۳

۵۹۳۔ایضاً۔ص:۱۳۲ ۵۹۴۔ایضاً۔ص:۱۴۰

۵۹۵۔ایضاً۔ص:۱۴۲

۵۹۶۔طاہرصدیقی،محمد،پروفیسر:اعزازحضوریؐ:فیصل آباد،وزڈم پوائنٹ،۲۰۱۲ء،ص:۱۳۷

۵۹۷۔ایضاً۔ص:۱۴۰تا۱۴۳ ۵۹۸۔ایضاً۔ص۔۱۴۶۔۱۴۴

۵۹۹۔طاہرصدیقی،محمد،پروفیسر:غیرمطبوعہ قصیدہ مملوکہ راقم

۶۰۰۔شہزاد احمد،ڈاکٹر: ایک سوایک پاکستانی نعت گوشعرا: کراچی، رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء ،ص:۴۲۴

۶۰۱۔منظرعارفی:غیرمطبوعہ قصیدہ،مملوکہ راقم

۶۰۲۔ایضاً ۶۰۳۔ایضاً

۶۰۴۔ایضاً

۶۰۵۔منظرعارفی:کراچی کا دبستان نعت:کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۶ء،ص:۲۸۳

۶۰۶۔شہزاداحمد،ڈاکٹر:اردونعت پاکستان میں:کراچی،حمدونعت ریسرچ فاؤنڈیشن،۲۰۱۴ء،ص:۶۶۵

۶۰۷۔فروغ نعت: مرتب، سیدشاکر القادری، اٹک، شمارہ نمبر ۱۹۔۱۸، اکتوبر ۲۰۱۷ء تامارچ ۲۰۱۸ء،ص:۴۴

۶۰۸۔ایضاً۔ص:۴۵تا۴۸

۶۰۹۔قطب الدین عزیز:انکشاف ذات:مشمولہ''اُن کے لیے''ازشیبا آفتاب حیدری:کراچی،ڈان پرنٹنگ پریس،ناظم آباد،۱۹۹۸ء،ص:۳۵

۶۱۰۔شیبا حیدری:محمدؐ نامہ:کراچی،ایس این پبلی کیشنز،۲۰۰۱ء،ص:۸۱

۶۱۱۔ایضاً۔ص:۱۲۷ ۶۱۲۔ایضاً۔ص:۱۶۴

☆اصل متن میں''ابوجد''چھپا ہے۔

۶۱۳۔ایضاً۔ص:۸۲تا۹۶ ۶۱۴۔ایضاً۔ص:۱۰۳

۶۱۵۔ایضاً۔ص:۱۰۵ ۶۱۶۔ایضاً۔ص:۱۰۹

۶۱۷۔ایضاً۔ص:۱۱۰ ۶۱۸۔ایضاً۔ص:۱۱۵

۶۱۹۔تابش دہلوی: قادرالکلامی کی عمدہ مثال:مشمولہ:''محمدؐ نامہ''ازشیبا حیدری:کراچی،ایس این پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص:۳۲

۶۲۰۔جعفر،سیدمہدی:چشمۂ فیض نور:الہ آباد،شارپ ٹریک کمپوٹرز،۲۰۱۰ء،ص:۱۵۔۱۴

۶۲۱۔ایضاً۔ص:۱۶ ۶۲۲۔ایضاً۔ص:۱۷

۶۲۳۔ایضاً۔ص:۱۷

۶۲۴۔سعادت سعید، ڈاکٹر:اردو قصیدہ کا تہذیبی وفنی مطالعہ: مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی:لاہور، پنجاب یونی ورسٹی ص:۵۷۲

۶۲۵۔محمد منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر: وفیات نعت گویانِ پاکستان: کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۵ء، ص:۲۴

۶۲۶۔اسد ملتانی: مشارق: لاہور، دارالکتاب، ۲۰۰۵ء، ص:۴۲

۶۲۷۔ایضاً۔ص:۴۲تا۴۴

۶۲۸۔سلیچ، محمد منیر احمد، ڈاکٹر: وفیات نعت گویانِ پاکستان: کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۵ء، ص:۱۰۳

۶۲۹۔مظہرالدین مظہر، حافظ: کلیات مظہر: مرتبہ، ارسلان احمد ارسل، لاہور، ارفع پبلشرز، ۲۰۱۳ء، ص:۶۲۵ تا۶۲۷

۶۳۰۔فدا کھیم کرنی، فصل الدین: حدیث ایماں: لاہور، بشیر پرنٹرز، س ن، ص:۲۵

۶۳۱۔رفیق عزیزی، سید: تعارف: مشمولہ ''حرف حرف خوشبو'' از وقار صدیقی اجمیری، کراچی، فرید پبلشرز، ۱۹۸۰ء، ص:۱۰

۶۳۲۔منظر عارفی: کراچی کا دبستانِ نعت: کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۶ء، ص:۵۷۱

۶۳۳۔وقار صدیقی اجمیری: حرف حرف خوشبو: کراچی، فرید پبلشرز، ۱۹۸۰ء، ص:۱۷۹

۶۳۴۔ایضاً۔ص:۱۸۶۔۱۸۵

۶۳۵۔منظر عارفی: کراچی کا دبستانِ نعت: کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۶ء، ص:۱۳۹

۶۳۶۔تقی دہلوی: کلیات تقی: کراچی، قوس الادب، ۱۹۸۲ء، ص:۳۴۶۔۳۴۵

۶۳۷۔محمد منیر احمد سلیچ، ڈاکٹر: وفیات نعت گویانِ پاکستان: کراچی، نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۵ء، ص:۴۳

۶۳۸۔حافظ لدھیانوی: مطلع فاراں: فیصل آباد، بیت الادب، س ن، ص:۵۵

۶۳۹۔حافظ لدھیانوی: کیف مسلسل: فیصل آباد، بیت الادب، ۱۹۸۹ء، ص:۳۱

۶۴۰۔حافظ لدھیانوی: مطلع فاراں: فیصل آباد، بیت الادب، س ن، ص:۵۷

۶۴۱۔زاہد فتح پوری: نقش اولیں: کراچی، مکتبہ آل شفق، ۲۰۰۱ء، ص:۲۷

۶۴۲۔رفیع اللہ خان، پروفیسر: ''سید انوار ظہوری اپنے دور کا نابغہ شاعر'' مشمولہ ''حرف منزہ'' از انوار ظہوری، لاہور: ظہوری اکیڈمی، ۱۹۹۳ء، ص:۳۰۹

۶۴۳۔محمد منیر احمد سلیچ ،ڈاکٹر: وفیاتِ نعت گویانِ پاکستان: کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء،ص:۳۲
۶۴۴۔انوار ظہوری: حرف منزہ: لاہور: ظہوری اکیڈمی،۱۹۹۳ء،ص:۱۳۴
۶۴۵۔ایضاً۔ص:۱۸۷
۶۴۶۔ایضاً۔ص:۲۰۲
۶۴۷۔ایضاً۔ص:۱۴۰
۶۴۸۔ایضاً۔ص:۱۵۶
۶۴۹۔ایضاً۔ص:۱۹۳
۶۵۰۔ایضاً۔ص:۱۹۹
۶۵۱۔ایضاً۔ص:۲۰۰
۶۵۲۔محمد منیر احمد سلیچ،ڈاکٹر: وفیات نعت گویانِ پاکستان: کراچی،نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۵ء، ص:۵۵۔۵۴
۶۵۳۔رشید وارثی: خوشبوئے التفات: کراچی، بزم وارث،۲۰۰۴ء،ص:۸۷
۶۵۴۔ایضاً۔ص:۸۷۔۷۷
۶۵۵۔ضیاء نیّر :سفر نور: لاہور،المدنیہ پبلی کیشنز،۱۹۹۷ء،ص:۱۱۶تا۱۱۹
۶۵۶۔سخن فتح پوری: معراج سخن: کراچی،نقویات پبلشرز،۲۰۰۷ء،ص:۸
۶۵۷۔ایضاً۔ص:۴۶
۶۵۸۔ایضاً۔ص:۴۶
۶۵۹۔نازا کبر آبادی: سرمایۂ ناز: کراچی، دائرہ حرمت قلم،۲۰۰۵ء،ص:۶
۶۶۰۔ایضاً۔ص:۴۵
۶۶۱۔ساجد سعید ساجد: مولای صلّ وسلم: لاہور،خزینہ علم وادب،۲۰۰۸ء،ص:۱۵
۶۶۲۔عابد نظامی،خواجہ: میاں دو کریم: لاہور،الفیصل ناشران کتب،س ن،ص:۱۵۸۔۱۵۷
۶۶۳۔انٹرویو: طاہر سلطانی، کراچی، جہانِ حمد ونعت،۶، مارچ۲۰۱۹ء
۶۶۴۔گہر اعظمی: محمد رسول اللہ: کراچی، جہانِ حمد پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء،ص:۸۶
۶۶۵۔ایضاً۔ص:۹۴
۶۶۶۔ایضاً۔ص:۱۰۱
۶۶۷۔ایضاً۔ص:۱۱۴
۶۶۸۔انٹرویو: محسن اعظم ملیح آبادی، کراچی،۷، مارچ۲۰۱۹ء
۶۶۹۔محسن اعظم ملیح آبادی: غیر مطبوعہ کلام،مملوکہ راقم

☆☆☆☆☆

حاصلِ تحقیق

اُردو قصیدہ گوئی کے بارے میں یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اس نے درباری ماحول میں پرورش پائی اور یہ موقع جنوبی ہند میں میسر آیا۔ ابتدا میں جنوبی ہند میں مقامی بولیوں میں صوفی، سنت اور بھگت مقامی موسیقی کے زیرِ اثر راگ راگنیوں کے ذریعے مختلف اصناف میں اظہار کی راہیں تلاش کرنے میں محو تھے۔ ان لوگوں نے شاعری کو اصلاح ذات اور تبلیغ کے وسیلے کے طور پر اپنایا، اس لیے اظہار کے لیے دوہا، چھند، جکری اور بھجن جیسی عوامی مقبولیت کی حامل اصناف شعرا کی توجہ کا مرکز ٹھہریں۔ گجرات میں اگرچہ ۱۴۰۷ء میں مظفر شاہ نے خود مختاری کا اعلان کر کے آزاد ریاست کی بنیاد ڈالی مگر اُردو نعتیہ قصیدے کا باقاعدہ آغاز قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں کے قیام سے جڑا نظر آتا ہے۔

محمد قلی قطب شاہ اردو کا پہلا شاعر ہے جس کا دیوان دستیاب ہے، وہ خود بادشاہ تھا، اس لیے اُس نے کسی بادشاہ کی مدح نہیں لکھی۔ اس کے دیوان میں ''عید میلاد النبیؐ'' پر ایک مدحیہ قصیدہ موجود ہے جسے نعتیہ قصیدے کا آغاز قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس سے پہلے شیخ آذری، مشتاق اور لطفی کے نام قصیدہ گوئی کے حوالے سے ملتے ہیں مگر ان کے ہاں نعتیہ قصیدہ کا وجود تا حال پردۂ اخفا میں ہے۔ قلی قطب شاہ کے دیوان میں ''بعثت نبوی'' کے عنوان سے ایک نامکمل قصیدہ بھی ملتا ہے۔ اس نے دکن میں اردو نعتیہ قصیدے کے باب میں سچے جذبات کی طرح ڈالی، بعد کے دور میں فارسی روایت کے زیرِ اثر اردو قصیدہ مبالغہ آرائی کا مرقع نظر آتا ہے مگر شعرائے دکن زبان و بیان اور موضوع کے لحاظ سے حقیقت نگاری کی پاسداری کرتے نظر آتے ہیں۔ اُن کے مضامین نعت خاص طور پر سچائی اور حقیقی مدح کے معیار پر پورا اُترتے ہیں۔ ابو محمد سحر نے دکنی قصائد کو حالیؔ کی ''نیچرل شاعری'' کا کامیاب نمونہ قرار دیا ہے۔

دکن میں نعتیہ قصیدے کے ابتدائی نقوش ترتیب دینے میں محمد قلی قطب شاہ کے علاوہ علی عادل شاہ ثانی شاہی، غواصی، نصرتی، جنونی گجراتی، ولی دکنی اور سراج اورنگ آبادی کے نام نمایاں ہیں۔ یہاں جو قصائد لکھے گئے وہ عام طور پر چالیس پچاس اشعار پر مبنی ہیں۔ سب سے طویل قصیدہ ولی دکنی کا ہے جو ایک سو تئیس اشعار کا ہے اور اس میں نعت کے اشعار دس سے زائد نہیں۔ قصائد کے اختصار کے سبب شاید سراپا نگاری پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی، اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس عہد میں الگ

سے سراپائے رسولؐ، معراج نامے اور میلاد نامے لکھنے کا رواج تھا۔ یہاں سراپا مبارک کے اشعار نسبتاً کم ہیں، البتہ سیرت النبیؐ، احسانات رسولؐ اور عظمت وافضلیت رسولؐ کے موضوع پر زیادہ توجہ صرف کی گئی ہے۔

یہاں جو قصائد بادشاہوں کی مدح میں لکھے گئے، اُن میں بادشاہ کے گھوڑے، گرز، ڈھال، تیر، تلوار، خیمے اور جنگی پیش قدمیوں کے احوال ملتے ہیں لیکن نعتیہ قصائد میں آنحضرتؐ کی شجاعت کا پہلو مفقود ہے اور زیادہ توجہ فضائل رسولؐ پر مرکوز کی گئی ہے۔

دکن کے حکمران شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ بارہ اماموں کی نسبت سے اپنے محل کوہِ طُور میں سلطان محمد قلی قطب شاہ نے بارہ برج بنوائے۔ اس کی ایک نظم کا عنوان اسی نسبت سے ''بارہ پیاریاں'' رکھا گیا ہے۔ قلی قطب شاہ نے اپنے کلام میں جابجا نہ صرف آئمہ اطہار سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے بل کہ خوارج کی اصطلاح برتی ہے جسے ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے سنیوں کی طرف اشارہ قرار دیا ہے کیوں کہ دکن میں کسی دور میں بھی خوارج رہائش پذیر نہیں رہے۔ یہی نہیں نعتیہ قصائد میں ایسے مضامین بھی ملتے ہیں جس میں حضرت علیؑ کو کار نبوت میں شریک ظاہر کیا گیا ہے:

کِیا قرآں خدا نازل محمد ہور علی تیئں سدا جبریل لیاتا وحی ہور رحمت ربی کا

قلی قطب شاہ کا غلو اپنے عروج پر ہے جب کہ علی عادل شاہ ثانی شاہی کا مزاج شیعہ ہونے کے باوجود معتدل ہے۔ اُس کے ہاں نہ صرف نعت کے موضوع کا تقدس بحال نظر آتا ہے بل کہ عشق کی فضا دیدنی ہے۔ اس نے سید محمد حسینی گیسودرازؒ کی مدح میں بھی اشعار کہے ہیں۔ بھلے یہ اُس کی حکومتی پالیسی تھی، بہرحال رواداری کا احوال قابل ستائش ہے۔

دکن میں ایک طرف نعتیہ قصائد میں اہل تشیع آئمہ کرام سے عقیدت کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف ولی اور سراج جیسے سنی العقیدہ شعرا اپنے عقیدے کے مطابق صحابہ واولیا کے مناقب بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ ولؔی کا قصیدہ ''حمد، نعت، منقبت اور موعظمت'' کے موضوع پر ہے جس میں نعت رسول مقبولؐ کے بعد صحابۂ کبار کے فضائل بیان ہوئے ہیں۔

دکنی نعتیہ قصائد کی تشابیب عموماً مختصر ہیں۔ ان میں زیادہ تر بہار کے مناظر، اخلاق و موعظمت، دنیا کی بے ثباتی، عشقِ حقیقی کی خصوصیات اور شعرا کی داخلی کیفیات کے موضوعات قلم بند ہوئے ہیں۔ یہ تشبیب کے مضامین نعت کے موضوع سے مناسبت رکھتے ہیں۔ ان میں دنیاوی محبوب یا دنیاداری کی باتوں سے دانستہ گریز کیا گیا ہے۔

علی عادل شاہ ثانی شاہی کے نعتیہ قصیدے کی تشبیب چاند، تاروں اور سورج کی بہار سے

آراستہ ہے۔ دکنی قصائد میں نعتیہ مضامین ادا کرنے کے لیے اجرام فلکی کو برتنے کا نام ''چرخیات'' رکھا گیا تھا۔ مذکورہ قصیدے کی تشبیب بھی اسی چرخیات کی ذیل میں آتی ہے اور دکن کے نعتیہ قصائد میں یہ پہلا قصیدہ ہے جسے فنی لحاظ سے اولیت کا درجہ حاصل ہے۔اس میں قصیدے کے چاروں عناصر کا بھر پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ تشبیب ،استعاراتی بیان کی حامل ہونے کے علاوہ منظر نگاری کی عمدہ مثال ہے۔ اسی طرح نصرتی کے ایک چرخیہ قصیدے کا ذکر مولوی عبدالحق نے بھی کیا ہے۔ اس میں معراج کا موضوع بیان ہوا ہے اس کا ایک شعر دیکھیے :

صبح کا فراش چک شمع سے روشن کرے ریگ سے تاریاں کی نت مانج گگن کا لگن

ولی کے ایک قصیدے کی تشبیب مضامین عشق سے عبارت ہے۔کوئی پندرہ اشعار شاعر کے فلسفۂ عشق کو اُجاگر کرتے نظر آتے ہیں۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ دکن میں لکھے گئے نعتیہ قصائد میں زیادہ تر بہار، موسم، پھول، رنگ، چاند، تاروں اور عشق واخلاق کے موضوعات کی حامل تشابیب ملتی ہیں جو نعتیہ مضامین سے عین مطابقت رکھتی ہیں۔اس کے علاوہ ان میں منظر نگاری، مکالمہ اور بیان و بدیع سے مرصع اشعار دل کشی میں اضافہ کرتے نظر آتے ہیں۔

زبان و بیان کے حوالے سے مقامی لہجہ دکن کے نعتیہ قصائد پر حاوی ہے۔ قطب شاہی اور عادل شاہی دور میں مقامی الفاظ کو برتنے کا رجحان نمایاں ہے۔اسی بابت قصیدوں میں مقامی عناصر بھی در آئے ہیں۔قلی قطب شاہ کے ہاں دکنی محافل میں جشن کی منظر نگاری کا مکمل نقشہ دکھائی دیتا ہے۔ ''دماما بجانا، منڈل کا گرجنا اور پنچھی کی لَے'' جیسے الفاظ دکنی ثقافت کے آئنہ دار ہیں۔ اسی طرح ''میوراں، بنفشہ، چنبیلی، کنول، کبوتر، چندر، گگن اور زری'' کے الفاظ بھی ہندوستانی ماحول کی پیداوار ہیں۔یہی مقامی لب ولہجہ ہر جگہ نظر آتا ہے۔

یہاں نصرتی ایک ایسا شاعر ہے جس نے فارسی کی تقلید میں زیادہ دلچسپی ظاہر کی ہے جس کے زیر اثر اس کے ہاں الفاظ کے معاملے میں زبان اکثر مقامات پر اکھڑی اکھڑی نظر آتی ہے۔

گجری سے دکنی زبان کا سفر وقت کے ساتھ ساتھ شستگی اور صفائی کا حامل نظر آتا ہے۔ابتدا میں گجری ادب کی روایت ٹھیٹ مقامی لہجے کی حامل رہی جسے دکن میں فارسی روایت سے ہم آغوش ہونے کا موقع ملا۔ یوں الفاظ و معنی کی نئی صورتیں سامنے آئیں۔ دکنی ادب کو گجری اور بہمنی دور کے ادب کی روایت کی توسیع قرار دیا جاسکتا ہے۔

دکن کے ابتدائی قصائد کی زبان اور ولی کے قصائد کی زبان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس وقت تک شمالی وجنوبی ہند میں کوئی معاشرتی اختلاط واقع نہ ہوا تھا۔اس معاشرتی وتمدنی ربط نے بول چال کو بھی متاثر کیا۔ولی اور سراج کے نعتیہ قصائد کی زبان شمالی ہند میں نئے موسموں کی نوید ثابت ہوئی۔ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ شمالی ہند نے دکنی زبان سے اثرات قبول کیے ہیں البتہ اس میں شک نہیں کہ دکنی ادب نے موضوعاتی سطح پر مختلف اصناف کی صورت میں جو بنیادیں فراہم کی تھیں،شمالی ہند کے شعرا ان بنیادوں پر اردو ادب کی جدید عمارت استوار کرنے میں کامیاب ہوئے۔

مختصر یہ کہ دکنی نعتیہ قصائد اپنے مقامی ثقافتی تشخص اور قدیم لب ولہجے کے باعث انفرادیت کے حامل ہیں۔بھلے وہ قصیدے کے فنی معیارات پر پورے نہیں اترے مگر ان میں قصیدے کے ابتدائی نقوش کی سچی تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔ان میں عقیدت اور عقیدے کی آمیزش بھی ہے اور ہندی وفارسی روایت کا امتزاج بھی۔ان میں حقیقت نگاری کا عکس بھی ہے اور منظر نگاری کا جلوہ بھی۔اس کے علاوہ یہ شعری تلازمات اور شاعرانہ حسن کے عمدہ استعمال سے بھی مزین نظر آتے ہیں۔

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات سے ۱۸۵۷ء تک کا عہد مغلیہ سلطنت کے زوال کا زمانہ ہے۔اس عہد میں سب سے زیادہ ترقی صنف غزل نے کی۔غزل کے علاوہ مرثیہ،مثنوی،قصیدہ اور شہر آشوب وغیرہ جیسی اصناف اس زمانے میں نئے اسلوب میں تازہ افکار کے ساتھ ارتقا کی طرف گامزن ہوئیں۔درباری قصیدہ نگاری کا یہ دور حقیقی مدح سے خالی تھا۔ظاہری جاہ وجلال اور حقیقی صفات کے فقدان کی کمی جھوٹی تعریف اور خوشامد کے ذریعے دور کی جارہی تھی۔مادح اور ممدوح دونوں ہی اس امر سے آگاہ تھے مگر نفسیاتی سطح پر یہ جھوٹی مدح تقویت سے خالی نہ تھی۔ایسے میں حقیقی صفات کی حامل شخصیت جناب رسول کریمؐ کی ہے کہ جن کی مدح صحیح معنوں میں قصیدہ نگار کے روحانی ارتقا کی ضامن ٹھہری۔یوں نعتیہ قصیدہ نگاری نے دنیا کی سب سے بڑی انقلاب آفریں ہستی کی سیرت صادقہ کو موضوع بنا کر شعروسخن میں صداقت اور سچائی کو فروغ دیا۔اگرچہ نعتیہ قصائد میں بھی مبالغے کی بازگشت سنائی دیتی ہے لیکن یہ حقیقت میں سچائی کی انلارج منٹ (Inlargment) ہے۔اگر حالیؔ اور امام امداد اثر کلاسیکی شاعری میں نعتیہ اور منقبتی قصائد کی طرف توجہ کر لیتے تو یقیناً اُن کی رائے مختلف ہوتی اور وہ قصائد کے دفتر کو ناپاک نہ کہتے۔بہر حال کہا جا سکتا ہے کہ یہ دور اُردو قصیدہ نگاری میں حقیقی مدح نگاری میں نئے باب کا آغاز ہے۔

اُردو قصیدے کو سوداؔ نے عروج بخشا۔اُنھوں نے فارسی شعرا کی زمینوں میں انھیں کے افکار کو اُردو میں نہایت خوبی سے پیش کرتے ہوئے قصیدے کو نئی بنیاد فراہم کی۔انھوں نے فارسی مضامین

میں اضافے کیے۔ مرصع اور رنگین اسلوب جس میں جوش وجلالت بھی ہو قصیدہ گوئی کا معیار ٹھہرا۔ اس دور میں قصیدے کی زبان دکن کے برعکس صاف اور شستہ ہوگئی ہے۔ اگرچہ زبان کی صفائی و تازگی کا آغاز دکن ہی سے ہوا۔ ولی دکنی نے جس شستہ، شیریں اور شگفتہ زبان و بیان کی طرح ڈالی اُسے شمالی ہند کے شعرا نے عروج تک پہنچایا۔ اس کے علاوہ زورِ بیان، نازک خیالی اور رعایت لفظی کو قصیدے کا حسن قرار دیا گیا۔

مذکورہ سبھی خصوصیات کی جھلک سوداؔ کے نعتیہ قصیدے میں واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ اُنھوں نے ادائے مضامین کے لیے خوب صورت تمثیلیں پیش کی ہیں۔ مبالغہ آرائی، بلند تخیل اور مشکل ردیفوں کا اہتمام مذکورہ صفات پر مستزاد ہے۔ سوداؔ سے مومن تک قریب قریب سبھی شعرا کے ہاں یہی رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ شیر محمد خان ایمانؔ کے ہاں ''آپ میں'' کی ردیف اور مصحفی کے ہاں ''گریباں، آستیں، دامن'' اور ''انگشت'' کی ردیفوں کو کامیابی سے نبھایا گیا ہے۔ قصیدہ گوئی کا پُرشکوہ مزاج پورے دور پر حاوی ہے۔

موضوعاتی سطح پر نعتیہ قصائد سراپا نگاری، سیرت طیبہ، فضائل رسولؐ اور اسلامی انقلاب اور تعلیمات سے عبارت ہیں۔ اگر اس دور کے نعتیہ قصائد کا تخصیصی پہلو ڈھونڈا جائے تو وہ سراپا مبارک کا بیان ہے۔ یہ شعرا قادرالکلام تھے اور بلند تخیل کے حامل تھے۔ اس لیے ان کے ہاں نادر اور زوردار تشبیہات کے ذریعے ممدوح (حضور نبی کریمؐ) کے سراپا کے نقوش اُجاگر کیے گئے۔ سراپا نگاری میں آنحضرتؐ اور دنیاوی محبوب دونوں شامل ہیں۔

سراپائے رسولؐ کے بیان میں حقیقت نگاری کے بجائے تخیل کی کارفرمائی غالب نظر آتی ہے۔ حلیہ مبارک پر حقیقی انداز میں توجہ صرف نہیں کی گئی۔ تشبیب میں اکثر شعرا نے مبالغے کے صیغہ میں اپنے دنیاوی محبوب کا زوردار سراپا پیش کیا ہے۔ مظہر علی خان ولا، شیر محمد خان ایمانؔ، مصحفی اور ممنون نے اپنے محبوب کا خوب صورت سراپا پیش کیا ہے۔ اکثر قصائد کی تشبیب میں زیادہ تر بہار کے مناظر، گلشن کی صفائی اور زیب و زینت کے مضامین قلم بند ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ فخریہ، ناصحانہ اور اخلاقی مضامین بھی نعتیہ قصائد کی تشبیب میں شامل ہیں۔ غلام علی راسخ کے ہاں اہل ہنر کے زوال اور قحط الرجال کا مرثیہ تشبیب میں موجود ہے جو علامتی سطح پر اس عہد کی سماجی صورت حال کا عکاس ہے۔

مدح میں فضائل رسولؐ اور عظمت رسولؐ کے علاوہ ذاتی خصائص کا بیان شعرا کا مرغوب موضوع ٹھہرا ہے۔ اسلامی تعلیمات اور انقلاب کے مضامین کے حامل اشعار کی تعداد البتہ کم ہے۔ اس

سے ایک بات عیاں ہوتی ہے کہ اس عہد میں نعتیہ قصیدہ گو شعرا کے پیش نظر قصیدہ نگاری کا مقصد اسلام کی اشاعت اور پرچار سے زیادہ آنحضرتؐ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں محبت اور عقیدت کے پھول پیش کرنا ہے۔ آنحضرتؐ کی شفاعت، اخلاق، جود وسخا، عدل وانصاف، عفو و درگزر، افضلیت، تصرف اور معجزات کا بیان زیادہ تر شعرا کے ہاں موضوع کے طور پر سامنے آیا ہے۔

سایۂ رسول کریمؐ کے باب میں شعرا نے خصوصیت کے ساتھ حسن تعلیل کے حامل خوب صورت اشعار نکالے ہیں۔ اس کے علاوہ عربی قصائد کی روایت کے زیر اثر شعرا نے جناب رسول کریمؐ کی تیغ، سناں اور گھوڑے کی صفت میں بھی جودت طبع کا مظاہرہ کیا ہے۔

حسن طلب میں دعاؤں کا غالب رُجحان داخلی تمناؤں کی طرف ہے جن میں شفاعت، غم و آلام سے نجات اور آسودگی کا حصول نمایاں ہیں۔ ان قصائد میں شامل دعاؤں کا انداز روایتی ہے۔ ممدوح کے دوستوں کے لیے دعا اور مخالفوں کے لیے بددعا کرنا اس دور کے قصائد کی روایت رہی ہے۔ نعتیہ قصائد میں بھی شعرا نے اسی روایت کی پاسداری کی ہے اور دشمنان اسلام کی بربادی اور اہل اسلام کی اقبال مندی کی دعائیں کی ہیں۔ یہ دعائیں تشبیہ و استعارے کی صفت کے علاوہ سوز و گداز کی کیفیت سے مملو ہیں۔

اس عہد میں قصیدہ گوئی شاعر کی زبان دانی، علمی استعداد اور قادرالکلامی کے اظہار کا ذریعہ تصور کی جاتی تھی۔ خیال کی نزاکت، ترفع اور لفظی شوکت اور جوش بیان کے علاوہ علمی شکوہ کامیاب قصیدے کے خصائص تھے۔ اس لیے ان شعرا کے ہاں طب، نجوم، رمل، موسیقی اور فلکیات کی اصطلاحات اور تاریخی و اسلامی تلمیحات کا عمدہ استعمال دیکھنے میں آیا ہے۔ مختصر یہ کہ اس عہد کا نعتیہ قصیدہ فضائل رسول کریمؐ کے بیان سے مزین ہے جسے عقیدت یا حصول ثواب کی غرض سے لکھا گیا ہے۔ شعرا کے پیش نظر اسلام کی تبلیغ جیسا کوئی مقصد نظر نہیں آتا اور نہ ہی انھوں نے نعتیہ قصیدے کو عصری شعور سے ہم آہنگ کیا ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ نعتیہ قصائد کے آغاز کا دور ہے اور یہ بھی بڑی بات ہے کہ نعت کو باقاعدہ قصیدے کی صورت پذیری سے آشنا ہونے کا موقع میسر آیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سماجی زندگی میں ہی نہیں اُردو ادب میں بھی انقلاب کی رُونمائی کا باعث ثابت ہوئی۔ شاعری، ناول اور تنقید کے شعبے میں نئی زندگی کے آثار نمودار ہوئے۔ حالی نے نیچرل شاعری پر زور دیا اور مبالغہ آمیز کلاسیکی شاعری کو مردود قرار دیا۔ سادگی اور سچائی کی قدروں کی بازیافت ہوئی۔ مقصدیت کی چھاپ تمام لٹریچر پر نقش ہوگئی۔

جنگ آزادی کے بعد نعتیہ قصائد کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔اس کی دو بڑی وجوہات ہیں۔ایک یہ کہ کوئی بڑی شخصیت نہ رہی دوم یہ کہ انگریزی تہذیب کی یلغار نے شعرا کو اپنے تہذیبی تشخص کی بحالی کے لیے حضور اکرمؐ کے انقلاب آفریں اسوۂ حسنہ کی طرف رجوع پر مائل کیا۔عیسائی مشنری اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کر کے شکوک وشبہات پیدا کر رہے تھے اور آنحضرتؐ کی فضیلت پر سوالیہ نشان اُٹھا رہے تھے۔ایسے میں نعتیہ قصائد میں شعرا نے خصوصیت کے ساتھ آپؐ کی افضلیت اور اکملیت کے مضامین باندھے اور آپؐ کی ذات والا صفات کے ذاتی اوصاف اُجاگر کرنے سعی کی۔

اس کے علاوہ اس عہد میں غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعویٰ کر کے ختم نبوت پر ڈاکا ڈالا جس کے جواب میں شعرا نے ختم نبوت کے مضمون کو اولین ترجیح میں رکھا۔الغرض خارجی سطح پر اسلام کے بارے میں معترضانہ رویوں کی اصلاح نعت گو شعرا کے پیش پیش رہی۔یہی نہیں مسلمانوں میں عقائد کے داخلی اختلافات ان نعتیہ قصائد میں شد و مد کے ساتھ شامل ہیں۔شاہ اسماعیل کے نظریۂ امکان نظیر کے رد میں عالم گیر خاں کیف نے بڑے پُر جوش انداز میں دلائل پیش کیے ہیں۔

اس کے علاوہ نعتیہ قصائد میں مسلکی اختلافات کی جھلک بھی ملتی ہے۔ہر فرقے سے وابستہ شعرا نے اپنے عقائد کی روشنی میں آپؐ کی عظمت کو اُجاگر کیا ہے۔اہلِ تشیع کے ہاں واقعہ معراج کا ذکر قریب قریب ہر قصیدے میں موجود ہے اور ان سے عظمتِ رسولؐ کے ساتھ ساتھ حضرت علیؑ کی عظمت بھی آشکار ہوتی ہے۔عزیز لکھنوی اور صادق حسین غبار کے ہاں نبوت و رسالت کی عظمت ساتھ ساتھ نظر آتی ہے۔ان حضرات کے ہاں اعتدال کی روش قائم نہیں۔دوسری طرف قصائد میں ایسے مضامین بھی شامل نظر آتے ہیں جن میں نعت کو حمد سے ملا کر غلو کا ارتکاب کیا گیا ہے۔محسن کاکوروی جیسے بڑے شاعر کے ہاں ''احمد بے میم'' کا مضمون الوہیت کے تقاضے پامال کرتا دکھائی دیتا ہے لیکن یہاں اس بات کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ یہ صورتِ حال سارے شعرا کے ہاں موجود نہیں۔اکثر شعرا نے نعتیہ قصیدے کو خالص مدحِ رسولؐ کے لیے وقف رکھا ہے۔ایسے قصائد میں خلوص اور جذبۂ عشق کی صداقت قاری کے لیے تاثر پذیری کا سامان فراہم کرتے ہیں۔یہاں ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ نعتیہ قصیدہ گو شعرا کے ہاں عصری تقاضوں سے آگہی کا بھرپور احساس ملتا ہے۔

سیاسی بساط کے الٹ جانے سے سماجی زاویے سامنے آئے۔مغرب زدہ طبقہ نئے حکمرانوں کے استقبال پر مائل ہوا تو ایک دانشور طبقے نے اپنی تحریروں میں اپنے فرائض کی انجام دہی کو لازم قرار

دیا۔ دیگر اصناف سخن کی طرح نعتیہ قصیدے میں بھی استغاثہ واستمداد کا رجحان پیدا ہوگیا۔ یہی نہیں تشبیب میں عصری شعور کی بھرپور عکاسی کی جانے لگی۔ منیر شکوہ آبادی کے نعتیہ قصائد اُن کی کالے پانیوں کی قید کا چشم دید احوال اُجاگر کرتے نظر آتے ہیں۔ جزیرہ انڈیمان کا جغرافیائی نقشہ تو کھینچا ہی ہے، اس کے ساتھ ہندوستانی حکمرانوں کی اخلاق سوزی اور اہلِ ہنر کی ناقدری کو نہایت پُر درد انداز میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے انگریزوں کے لیے چغد و بوم کے استعارے استعمال کیے ہیں۔ نعتیہ قصیدے کو بجا طور پر اُنھوں نے عصری شعور سے ہم آہنگ کیا اور ثابت کر دیا کہ یہ صنف اپنے دامن میں زندگی کی حقیقتوں کو سمونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اُن کے بعد اس اندازِ فکر کو کسی نے قابلِ توجہ نہیں سمجھا البتہ دعا کے باب میں استغاثہ کے اشعار بعض شعرا نے ضرور کہے ہیں۔ داخلی جذبات کے حوالے سے مولانا قاسم نانوتوی کے ہاں اظہارِ عجز اور اعترافِ نیازمندی کا پُرسوز بیان ملتا ہے۔ اُنھوں نے نعت کے تقاضوں کی مکمل پاسداری کی ہے۔

محسن کاکوروی نے نعتیہ قصیدے ''مدیح خیر المرسلین'' کی تشبیب میں ہندی اساطیری حوالوں کو علامتی سطح پر برت کے خیر اور شر کی کشمکش کو اُجاگر کرنے کا تجربہ کیا جس پر ایک طبقے کی طرف سے اعتراضات کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ محسن کو بعد میں تضمین لکھ کر اپنے مؤقف کی وضاحت دینا پڑی۔ نظم طباطبائی نے آنحضرتؐ کی سیرت اور غزوات کو قصیدے کا موضوع بنا کر انفرادیت کی راہ پیدا کی ہے۔ ان کا ایک قصیدہ ''ذکر جاہلیہ و جہادِ آنحضرتؐ'' جو محسن کی زمین میں ہے، اس میں ''کشن، اِندر، ارجن، کنہیا اور گنگا جل'' جیسی تلمیحات ہندی تہذیب کی نمائندہ ہیں۔ انھوں نے قدیم تہذیبوں اور سابقہ ادیان کی اخلاقی پستی اور ظلمت و تاریکی کی مثالوں سے جہاد کی ضرورت کو ثابت کیا ہے۔ اسلامی تاریخ کی بازیافت کا یہ عمل قصیدے کی صنف میں کسی دوسرے شاعر کے ہاں نہیں ملتا۔

اس عہد کا نعتیہ قصیدہ اسلوب کے لحاظ سے اُسی روایت سے جڑا ہوا ہے جس پر سوداؔ سے مومن تک تمام بڑے شعرا کاربند رہے۔ لفظی شوکت، بلند تخیل، نازک خیالی اور مرصع کاری قریب قریب تمام شعرا کے ہاں نظر آتی ہے۔ اگرچہ بیسویں صدی میں زبان و بیان میں واضح تبدیلی آچکی تھی مگر نعتیہ قصیدے کا مجموعی مزاج کلاسیکی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ موضوع کی پیش کش میں جو نئی تکنیک سامنے آئی وہ مکالمے کی ہے۔ منیر شکوہ آبادی نے ہستی و موت کے مناظرے سے مکالماتی تشبیب کا آغاز کیا۔ اس کے بعد امیر مینائیؔ کے ہاں خضر کا مکالمہ، عزیزؔ کے ہاں حسن و عشق اور محشرؔ لکھنوی کے ہاں گل و بلبل کا مکالمہ سامنے آیا۔ یہ مکالماتی انداز اسلوب میں جوش، طنز اور دلچسپی کا باعث بنا، اس کو

مؤثر بنانے کے لیے شعرا نے استدلالی انداز اختیار کیا ہے۔

جہاں تک موضوعات کا تعلق ہے تو تشبیب میں بہار کے مناظر، تخلیق سے قبل کا بے رنگ منظر نامہ، تلاشِ وجود کے مباحث، زمانے کی ستم ظریفی، فخر و تعلّی اور فلکیات کے علاوہ محبوب کے سراپا، عاشق کی مہجوری، محبوب کے ظلم و ستم اور حسن و عشق کے فلسفے کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اس کے علاوہ امیر مینائی نے صوفیانہ مضامین باندھے ہیں۔ سخن دہلوی اور غبار کے ہاں داستانوی انداز موجود ہے جب کہ رندانہ مضامین ان پر مستزاد ہیں۔

قصیدہ گو شعرا میں تقریباً سبھی غزل کے بھی مردِ میدان تھے۔ تشبیب میں شعرا کو اپنی مرضی کے مطابق مضامین نظم کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اندازِ بیان اور میلانِ طبع میں بھی آزادی ہوتی ہے۔ اُن کی تشبیب میں رنگ تغزل کی جھلک کا در آنا، اچنبھے کی بات نہیں۔ محبوب کا سراپا بیان کرتے ہوئے عاشق کی حالت زار کا نقشہ بھی شعرا کی توجہ کا مرکز ٹھہرا ہے اور یہ مضامین غزل کے پیرائے میں بیان ہوئے ہیں۔ اکثر شعرا کے ہاں تشبیب کے اشعار باہمی ارتباط کے حامل ہیں لیکن بعض جگہ تشبیب کے اشعار اس قدر متفرق واقع ہوئے ہیں کہ غزل کا گمان ہوتا ہے۔

عزیز لکھنوی نے تشبیب کے علاوہ مدح میں بھی رنگ تغزل سے کام لیا ہے۔ مدح کا یہ انداز نعتیہ مضامین سے مناسبت نہیں رکھتا، اس لیے شعرا نے اسے قبول نہیں کیا۔ اس عہد میں مدح کے مضامین حقیقی اور تخیلاتی انداز کا امتزاج رکھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ تخیل کی کارفرمائی غالب رہی تو بے جا نہ ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس عہد کی قصیدہ گوئی کا اسلوب مبالغہ، حسن تعلیل اور رفعت خیال سے عبارت ہے۔ ان تمام صنائع کو نبھانے کے لیے شعرا کو بلند تخیل سے کام لینا پڑا۔

انبیا سے تقابل اور سراپا مبارک کے مضامین مبالغہ کا تقاضا کرتے ہیں۔ عدم سایہ مبارک کے مضمون میں بھی نئی نئی علتیں درکار ہیں۔ یوں قصیدے کے روایتی شکوہ کو برقرار رکھتے ہوئے حقیقت نگاری کی جگہ تخیلاتی انداز بیاں اختیار کرنا ناگزیز ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدح کے مضامین پر تخیلاتی رنگ زیادہ ہے۔

مختصر یہ کہ اس عہد میں مذہبی قصائد بہ نسبت درباری قصائد زیادہ تعداد میں لکھے گئے جن میں نعت کو مرکزیت حاصل رہی۔ یہ امر اس بات کا غماز ہے کہ اُردو قصیدہ کی صنف مستقبل میں نعت کے حوالے سے زندہ رہے گی۔ یہ نعتیہ قصائد قرآنی تلمیحات، اسلامی تاریخ، احادیث نبویؐ اور آیات قرآنیہ سے مزین ہونے کی بنا پر ایک طرف مسلم تہذیب سے جڑے ہوئے ہیں تو دوسری طرف جدید علوم کی

اصطلاحات اور فلسفیانہ فکر سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں۔ ان میں قدیم تہذیبوں کے زوال کا نقشہ بھی ہے اور ماضی کی مظلوم انسانیت کا غم بھی؛ عصری شعور کی جھلک بھی ہے اور داستانوی طرز بیان کی چاشنی بھی؛ داخلی جذبات کی ترجمانی بھی ہے اور اجتماعی دردمندی کا احساس بھی۔ اس دور میں نعتیہ قصیدے کے چند بڑے نام بھی سامنے آئے۔ مومنؔ تک کا نعتیہ قصیدہ فنی ارتقا کی طرف مائل پرواز تھا مگر اس عہد میں فکری ونظری مباحث اور عصری وسیاسی شعور عروج پر رہا۔ اس حوالے سے اس عہد کو نعتیہ قصیدہ نگاری کا سنہری دور کہا جاسکتا ہے۔

ہندوستان کی تقسیم کے بعد درباری نظام اپنے اختتام کو پہنچا۔ اِکا دُکا ریاستیں باقی تھیں وہ بھی جلد ہی ہندوستان میں ضم کر لی گئیں۔ یوں درباری قصیدہ مکمل طور پر ختم ہوگیا اور صرف نعتیہ قصیدہ سامنے آیا۔ اس دور میں نعتیہ قصیدے میں موضوع اور اسلوب دونوں سطح پر واضح تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے۔ زمانے کے بدلتے منظرنامے نے نعتیہ قصیدے پر بھی اپنے اثرات مرتب کیے۔ مسجد اقصیٰ پر صیہونی قبضے اور پوری دنیا میں مسلمانوں پر ظلم وستم کی خونچکاں داستاں ایک بڑے موضوع کے طور پر اُبھر کر سامنے آئی۔ محرومی وناکامی کا مایوس کن احساس اس دور کے قصائد سے عیاں ہے۔ جمیل مظہری فکر اقبال سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اُن کے قصائد میں اس تشویش کی لہر واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ جوش ملیح آبادی اور صبا اکبرآبادی کے ہاں بھی امت مسلمہ کی حالت زار کی پُراثر تصویرکشی ملتی ہے۔ یزدانی جالندھری نے تو فلسطین، قندھار، لبنان اور بیروت کے نام گنوا کر عالم کفر کے مظالم کی نشان دہی کی ہے۔ مسلمانوں کی زبوں حالی کا بیان شعرا کے قلمی احتجاج کا آئینہ دار ہے۔ اس احتجاج نے نعتیہ شعرا کو ایک فکری وحدت عطا کرنے کے ساتھ دردمندی کے احساس اور اجتماعی سوچ سے بہرہ ور کیا ہے۔

اس حوالے سے نعتیہ قصیدہ گو صرف سراپا احتجاج نہیں ہوئے بل کہ اُنھوں نے مسلمانوں کے زوال پر تنقیدی بصیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس زبوں حالی کے اسباب وعلل کا بھی احاطہ کیا ہے۔ اس ضمن میں جمیل مظہری، جوش ملیح آبادی، نظیر لدھیانوی، یزدانی جالندھری، پروفیسر نعیم تقوی، اثر زبیری اور سروسہارن پوری نے مسلمانوں کی حالت زار کا باعث، باہمی نفاق، فرقہ واریت، نسل پرستی، بےعملی، اوہام پرستی اور وحدت شکنی جیسے عوامل کو قرار دیا ہے۔ نعیم تقوی کے مطابق ہمارے اسلام کا یہ حال ہے کہ ہم ذکر رسولؐ کا بھی نذرانہ طلب کرتے ہیں۔ ہمارے شاعر اور ذاکر حضرات داد وتحسین اور خوشامد کے تمنائی ہیں، منبر رسولؐ کے وارث انتشار کی باتیں کرتے ہیں۔ یہی نہیں ایک طبقہ دین کی تعلیمات کو بھی شک کی نظروں سے دیکھتا ہے کہ اسلامی نظام ہمیں جچتا نہیں۔ بقول یزدانی جالندھری وہ

فرائڈ، ہیگل اور ارسطو کی تقلید میں فخر محسوس کرتے ہیں اور بوطیقا اور داس کیپٹل سے راہنمائی لیتے ہیں۔گویا مغرب زدہ لبرل مسلمان طبقے کا ٹھیک ٹھیک نفسیاتی تجزیہ پیش کیا گیا ہے کہ جن کے نزدیک اسلام اوراس کے رہنما شدت پسندی کے رجحان کے نمائندہ ہیں۔نعتیہ قصائد کا یہ دورعہد حاضر کی سیاسی وسماجی خرابیوں کا محض عکاس ہی نہیں،ان خرابیوں کے ذمہ داران کا بے لاگ نقاد بھی ہے۔

نعتیہ قصیدے میں مقصدیت کا عنصر نمایاں نظر آنے لگا۔اس کا آغاز اگرچہ سرسید کے دور میں ہوگیا تھا مگر نعتیہ قصیدہ میں اس کے واضح اثرات قیام پاکستان کے بعد نمودار ہوئے تھے۔ سراپا نگاری کے مضامین کم ہوکر نہ ہونے کے برابر رہ گئے۔اگر کہیں سراپا مبارک کے اشعار ملتے ہیں تو اُن میں تخیل کی بلند پروازی مفقود ہے۔سیرت طیبہ کی اہمیت وضرورت کو اُجاگر کرتے ہوئے اس کا اعلان کیا گیا کہ انسانیت کے دکھوں کا مداوا آنحضرتؐ کے مثالی نمونے کی پیروی میں ہی مضمر ہے۔ اسلامی تاریخ اور معاشرتی انقلاب کے کارنامے خصوصیت کے ساتھ رقم کیے گئے۔نجم آفندی کے ہاں اسی مقصدی اندازِ فکر کی مثالیں موجود ہیں۔شعرا قصیدہ گوئی سے اشاعت اسلام کا کام لینے کے خواہاں ہیں۔جعفر بلوچ نے ارکان اسلام نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کا تعارف پیش کیا اوران کی معاشرے میں اہمیت کے حوالے سے مدلل اشعار پیش کیے۔اس کے علاوہ نعتیہ قصیدے میں آنحضرتؐ کی تعلیمات کو اُجاگر کرنے کا رجحان نظر آتا ہے۔خواتین کے حقوق اوراُن کے احترام کے بارے میں اسلام نے واضح تعلیمات دی ہیں۔آقا وغلام کی تمیز ختم کرنا، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت، نسل پرستی کی حوصلہ شکنی، احترام آدمیت کا فروغ، مساوات کا درس، اسلامی مؤاخات کا چلن، کالے گورے کی تفریق اورانسان کی عظمت آفاقی تعلیمات کو نعتیہ قصیدہ گوشعرا نے خصوصیت سے موضوع بنایا ہے۔

اس عہد کے قصائد کی تشابیب میں بہاریہ، حکیمانہ، فلسفیانہ، فخریہ اورعہد جہالت کے مضامین ملتے ہیں۔رندانہ مضامین کا رجحان اپنی آب وتاب برقرار نہیں رکھ پایا۔تخلیق کائنات سے پہلے کی بے کیفی اور بے رنگی کے بعد زندگی کے آغاز اور زمین کی رونق اور چہل پہل کا ذکر بھی اکثر تشبیب میں آیا ہے۔نئی تراکیب، نئے استعارے اوراظہار کے نئے قرینے سامنے آئے۔مصنوعی پن اور مبالغے کی جگہ سادگی اور حقیقت نگاری نے لے لی۔داخلی کیفیات کا بیان زور پکڑتا نظر آتا ہے۔یہاں دوطرح کے اسلوب نظر آتے ہیں۔ایک تو قیام پاکستان کے بعد کے دور میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں۔جنھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر تخلیقی سرمایہ کلاسیکی رنگ سخن کے حامل شعرا کی تقلید میں لکھا ہے۔اُن کا اسلوب قدیم رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ایسے شعرا میں ولی الرحمٰن ولی، درد کاکوروی، عزیز جے پوری اور مکرم علی سیفی کا نام

نمایاں ہے۔اسلوب کا دوسرا رنگ جدید الفاظ وتراکیب سے عبارت ہے۔اس کی مثال ہمیں سروسہارن پوری کے نعتیہ قصیدے میں ملتی ہے جس میں حضورا کرمؐ کے سراپا مبارک کے بیان میں ایسی تشبیہات قائم کی گئی ہیں جن سے مضامین سیرت ادا ہوتے نظر آتے ہیں۔ضیاء شہبازی نے نئی ردیفوں کے ذریعے نعتیہ قصیدے کو تازگی فراہم کی ہے تو علیم ناصری نے قصیدے کی ہیئت میں نئے تجربات کیے ہیں۔ نصیرالدین نصیر کے ہاں فلیش بیک کی تکنیک استعمال کرتے ہوئے نعت گوئی کے لیے روحِ حسانؓ سے امداد طلب کی گئی ہے۔ خالد احمد نے نعتیہ قصیدے کے اسلوب، بحر، مضامین اور ادائے مطلب کے حوالے سے خلوص اور جذبے کی شدت کو پہلی ترجیح دی اور ایک نئے رنگ کے ترجمان ٹھہرے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ اکیسویں صدی میں نعتیہ قصیدہ اظہار کے نئے قرینوں کے ساتھ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضری دے گا۔ یہ خیال کہ درباری قصائد کے ختم ہوجانے سے صنف قصیدہ دم توڑ گئی ہے محض خام خیالی ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ بادشاہوں کے بجائے اب حضورا کرمؐ کی ذاتِ والا صفات قصیدہ گوشعرا کی ممدوح ٹھہری ہے اور ٹھہرے گی اور اب دوراز کار تشبیہات کی جگہ اسلوب میں سادگی نظر آتی ہے یعنی عہد موجود میں خیال کو مرصع کاری پر ترجیح دی جارہی ہے۔آج کا نعتیہ قصیدہ گواپنی ذمہ داریوں سے بخوبی آگاہ ہے اور عصری تقاضوں کے مطابق نعت کو اشاعت اسلام کا ذریعہ بنائے ہوئے ہے۔

☆☆☆☆☆

ضمیمہ

دربارداری کب کی ختم ہوئی لیکن قصیدے کا عمل حضور نبی کریم ﷺ کی پُرعظم شخصیت کے اعتراف کے طور پر جاری ہے۔ مقالہ کی تکمیل کے بعد شعرا نعتیہ قصیدے سے شرف یاب ہوئے اُن کا اجمالی ذکر ضمیمے میں کیا جا رہا ہے۔ یہ ذکر اس لیے بھی ضروری ہے کہ عباس علی شاہ ثاقب، ناظم زرسنز کے ہاں نعتیہ قصیدے کا تسلسل دیکھنے میں آیا ہے اور مستقبل میں وہ نعتیہ قصیدے میں اپنی شناخت قائم کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ اس کے علاوہ چند بھی اہم نام ہیں جن کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

شریف ساجد (پ:۱۹۴۳ء)

شریف ساجد ۵، اپریل ۱۹۴۳ء کو محلّہ کچا برج (ڈھکی) پاک پتن میں میاں سجاول دین کے ہاں پیدا ہوئے۔ اُن کا اصل نام محمد شریف ہے اور ساجد تخلص اُن کے سکول ٹیچر اور اُردو فارسی کے شاعر جناب شمیم قطبی دہلوی کا عطا کردہ ہے۔ وہ فاضل فارسی کے بعد درس و تدریس کے شعبے سے منسلک ہوگئے۔

شاعری میں وہ باقر شاہ جہاں پوری کے شاگرد ہیں یعنی دو واسطوں سے اُن کی نسبت داغ دہلوی سے جا ملتی ہے اور شاید یہ اسی نسبت کا اِعجاز ہے کہ سراپا نگاری، معاملہ بندی اور قلبی واردات کے بیان میں اُن کا قلم خوب چلتا ہے۔ ان کے اکثر مقطعے حضرت بابا فریدالدین مسعود گنجِ شکرؒ سے اظہارِ عقیدت کا مظہر ہیں۔ اُن کی شاعری پر ایم فل اُردو کا مقالہ تحریر کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ ۲۰۲۰ میں کلیات شریف ساجد شایع ہوا جس میں اُن کے چھ شعری مجموعے شامل ہیں۔ وہ ادبی تنظیم ادب قبیلہ کے چیئرمین اور اظہار نو پاک پتن کے تاحیات صدر ہیں۔

شریف ساجد کے ہاں چوالیس اشعار کا ایک نعتیہ قصیدہ موجود ہے جو بہاریہ تشبیب کا حامل ہے۔ یہ قصیدہ چھوٹی بحر میں ہے اور اس میں ''کے بیٹھے ہیں'' کی مشکل ردیف عمدگی سے نبھائی گئی ہے۔ مطلع اولیٰ ملاحظہ ہو:

پھول خوشبو لٹا کے بیٹھے ہیں   ہم یہ انعام پا کے بیٹھے ہیں(۱)

یہ قصیدہ سیرت النبیؐ کے بے شمار پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے جن میں آپؐ کی فضیلت، عدل، اخوت، مساوات، محبت اور علم وحکمت نمایاں ہیں۔ اُن کے طرزِ بیان میں سادگی و شگفتگی موجود ہے۔ وہ حفظِ مراتب کی پاس داری کے قائل ہیں۔ اس قصیدے میں اُن کے داخلی حسن وخوبی کے حامل چند اشعار دیکھیے:

موسموں نے جنھیں تلاش کیا   وہ بہاروں میں آ کے بیٹھے ہیں
ہم بھی دیکھیں حضورؐ کا روضہ   شوق رہبر بنا کے بیٹھے ہیں
ان کا دامن ہے گویا ظلُ اللہ   جس میں ہم سر چھپا کے بیٹھے ہیں
ہم درود و سلام کو ساجدؔ   سر پہ سایہ بنا کے بیٹھے ہیں(۲)

سہیل بنارسی:

سہیل بنارسی کا اصل نام سید سرفراز احمد ہے۔ آپ ۲۶ اگست ۱۸۹۸ء کو بنارس میں سید سبطِ احمد کے ہاں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے میٹرک کیا۔ مختاری کا امتحان پاس کرنے کے بعد بنارس میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۴۹ء میں ہجرت کے بعد لاہور مقیم ہوئے۔ ۱۹۶۸ء تک حیات تھے کہ ادبی رسالے ''پیامِ عمل'' لاہور میں ان کا سلام شائع ہوا ہے۔ ۱۹۶۷ء میں ان کے مجموعہ قصائد ''نقوشِ عرفان'' کے دیباچے میں وحید الحسن ہاشمی نے ان سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔(۳)

سہیل بنارسی کے مرثیہ کے دو مجموعوں اور شاعری کے چار مجموعوں ''نقوشِ عرفاں''، ''شہودِ عرفاں''، ''شعورِ عرفاں''، ''عروجِ عرفاں'' کا ذکر کیا ہے۔ قصائد کا مجموعہ ''زنجیرِ جمال'' ان کے علاوہ ہے(۴)۔ اُن کے زیادہ تر قصائد اہلِ بیت کی شان میں ہیں۔

نقوشِ عرفاں میں ان کا ایک بیالیس اشعار کا نعتیہ قصیدہ موجود ہے جو روانی اور ترنم کی صفات کے علاوہ جذبے کی شدت سے مالا مال ہے۔ اس کی تشبیب داخلی جذبوں کے بیان سے عبارت ہے جس میں وحشتِ دل اور حسرت وارماں کی تشنگی کا ذکر ہے۔ مثال میں یہ اشعار دیکھیے:

کیا وہ بھی زمانہ تھا، میں رہروِ منزل تھا پہلوئے محبت میں ارمان بھرا دل تھا
اک وجد کا عالم تھا جب وہ سرِ محفل تھا ہر قطرۂ خوں بڑھ کر طوفاں سے مقابل تھا(۵)

مدح کے مضامین ولادت کے معجزات، اسلام کی آمد کے خوش گوار اثرات اور ثمرات کے بیان کو محیط ہیں۔ طرزِ بیان سادہ ضرور ہے لیکن شگفتگی اور تازگی کی فضا دیدنی ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

صحرائے خزاں دیدہ تھا خلدِ نزاکت میں مکے کا ہر اک کوچہ جنت کے مقابل تھا
ساوہٰ نے فنا ہو کر تصدیقِ رسالت کی دیکھا جو سماوہٰ کو دریا لبِ ساحل تھا
آنے لگی ایماں کو انگڑائی پہ انگڑائی پہلو میں مچل اٹھا بیٹھا ہوا جو دل تھا(۶)

نوید عاجز (پ:8اکتوبر1978)

نوید احمد (راقم) ۸، اکتوبر ۱۹۷۸ء کو سید احمد کے ہاں پیدا ہوئے۔ جائے پیدائش قصور کا ایک گاؤں موکل ہے جو ننھیالی گاؤں ہے۔ ابتدائی تعلیم ملکہ ہانس سے حاصل کی۔ ۲۰۰۲ء میں گورنمنٹ کالج ساہیوال سے ایم اے انگلش کیا۔ بعد ازاں ایم اے اردو کیا۔ ۱۴ستمبر ۲۰۰۹ء میں لیکچرر اور ۲۰ مئی ۲۰۲۰ء کو اسسٹنٹ پروفیسر اُردو کے عہدے پر ترقی ہوئی۔ ''سید ریاض حسین زیدی کی نعتیہ شاعری'' پر ایم فل کا مقالہ لکھا۔ اُردو میں نعتیہ قصیدہ نگاری کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا اور ۲۶ اکتوبر ۲۰۲۱ء کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ بارہ کے قریب مطبوعات میں سے ''شہرِ فرید کے شاعر، سید ریاض حسین زیدی کی نعتیہ شاعری، سوچ دا پتن، مجھے تیری ضرورت ہے، شمیم گل، مکسی کدوں اُڈیک، کلیاتِ شریف ساجد، شجر زار اور ساہیوال کے نعت گو'' نمایاں ہیں۔

نوید عاجز (راقم) کو دو نعتیہ قصیدے لکھنے کی توفیق عطا ہوئی ہے۔ دونوں مطبوعہ ہیں۔ پہلا قصیدہ شعری مجموعے ''شجر زار'' (2020ء) میں شامل ہے۔ یہ غیر منقوط ہے۔ اکاون اشعار کے اس قصیدے کی تشبیب سماج میں بڑھتی ہوئی اخلاقی گراوٹ اور انسان کی روحانی زبوں حالی کی عکاس ہے۔ یہ اشعار دیکھیے:

سمِ دوراں کا مہلک سلسلہ ہے مسلسل مارا ماری کی ہوا ہے

رواں ہے سلسلہ رسمِ ہوس کا ہوس کی دھول سے ہر دل اٹا ہے(۷)

مدح میں سیرت النبیؐ کے ساتھ فضائل رسولِ کریم ﷺ کا بیان موجود ہے۔ مدح میں نمونے کے اشعار دیکھیے:

وہی ہے مطلعِ ادراکِ اسریٰ اُسی سے آگہی کا در کھلا ہے
وہی صدرِ رُسل ، اصلِ عوالم اُسی کے واسطے ہی دو سرا ہے
وہ اُمی عالمِ کُل کا معلم حُصولِ علم سے اس کو ولا ہے
وہی آگاہِ اسرارِ الٰہی لوائے حمد اس کو ہی روا ہے(۸)

دوسرا قصیدہ اٹھاسی اشعار پر مبنی ہے اور اس کی تشبیب اہلِ یہود و مغرب اور عربوں کی غفلت کی مذمت میں ہے نیز اس میں ملکی قوانین کی بے عملی اور شہری حقوق کی پامالی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

منتظر جو ضیا کے بیٹھے ہیں آئیں ہم دل جلا کے بیٹھے ہیں
ہے خبر کس کو خانۂ دل میں درد کس انتہا کے بیٹھے ہیں
کفر سارا ہی متحد ٹھہرا ہم ہی وحدت گنوا کے بیٹھے ہیں
مصر، اُردن، عرب کے شہزادے گردنیں سب جھکا کے بیٹھے ہیں
بحرِ غم میں ہے کشتیِ اُمت منتظر ناخدا کے بیٹھے ہیں(۹)

اس قصیدے میں حاضر اور غائب دونوں طرز میں مدح ملتی ہے، داخلی کیفیات کا بیان مستزاد ہے۔ مدحِ حاضر سے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں:

سامنے آپؐ آ کے بیٹھے ہیں نقش دل پر وفا کے بیٹھے ہیں
نقش گر آپ ہیں تمدن کے سب کو جینا سکھا کے بیٹھے ہیں
آپ دل جیتنے کے ماہر ہیں دل سبھوں کا لبھا کے بیٹھے ہیں
ہم ہیں قطرے کے بھی کہاں لائق آپ دریا بہا کے بیٹھے ہیں(۱۰)

آخر میں بارگاہِ الٰہی میں دعا کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اہلِ غزہ پہ کر کرم اپنا ۔۔۔ وہ تو سب کچھ لٹا کے بیٹھے ہیں
ترکی و مصر کو ہدایت دے ۔۔۔ بھول وعدے وفا کے بیٹھے ہیں
تھوڑی اہلِ عرب کو غیرت دے ۔۔۔ بے حیائی کما کے بیٹھے ہیں
کر دے آسودہ اپنی رحمت سے ۔۔۔ عرضِ غم ہم سنا کے بیٹھے ہیں(۱۱)

ان اشعار سے طرزِ بیان اور رنگِ اسلوب کا اندازہ قارئین بخوبی لگا سکتے ہیں۔

عباس علی شاہ ثاقب (پ:۱۹۹۲ء)

عباس علی شاہ ثاقب یکم جون ۱۹۹۲ء کو ۲۷ ایس۔ پی میں پیدا ہوئے۔ بی۔اے گورنمنٹ فریدیہ کالج پاک پتن سے کیا۔ ایم۔اے اردو اور ایم۔اے فزیکل ایجوکیشن کیا۔ ایم اے عربی تکمیل کے مراحل میں ہے۔ درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ رفاہ انٹرنیشنل یونی ورسٹی، فیصل آباد کیمپس سے ''پاکستان میں اردو حمدیہ قصیدہ نگاری'' کے موضوع پر ایم فل اردو کا مقالہ لکھا ہے۔ پروفیسر نوید عاجز اور محمد شریف ساجد صاحب سے مشورۂ سخن کرتے ہیں۔ وہ شاعری میں نئے امکانات و رجحانات کے متلاشی ہیں۔ شعری مجموعہ ''شہاب ثاقب''، نعتیہ مجموعہ ''روحِ کائنات'' اور نعتیہ قصائد کا مجموعہ ''نورِ رسالت'' زیرِ طبع ہیں۔ اُن کا کلام اور تنقیدی مضامین ملک کے معروف رسائل و جرائد ''فن زاد، مفاہیم، نالۂ دل، نیرنگ خیال، نکھار، غنیمت، اظہار'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ ۲۰۲۲ء میں ادبی تنظیم ''اظہارِ نو'' کے جنرل سیکرٹری رہے۔

عباس علی شاہ ثاقب کے دو نعتیہ قصائد تمہیدیہ انداز کے ہیں۔ پہلا قصیدہ چونسٹھ اشعار کا ہے اور ''دیارِ نعت'' (2025ء) میں شامل ہے جو ادبی تنظیم ''اظہارِ نو'' پاک پتن کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی طرحی نعتوں کا انتخاب ہے۔ اس کا مطلع ملاحظہ ہو:

ظلمتیں سب مٹا کے بیٹھے ہیں ۔۔۔ غم زدہ مسکرا کے بیٹھے ہیں(۱۲)

تشبیب استفہامیہ ہے۔ اہلِ عشق فدائی بن گئے ہیں اور دنیا سے بے نیاز اپنی دھن میں مگن

بیٹھے ہیں، انھیں بس شاہِ طیبہ کی یاد سے سروکار ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

ذکرِ خیر البشر سے دل کو ہم عرشِ اعظم بنا کے بیٹھے ہیں(۱۳)

دوسرا قصیدہ غیر مطبوعہ ہے۔ دو شعر اس کے بھی ملاحظہ ہوں:

زمیں بس رہ گئی تھی آگ کا جلتا گڑھا بن کر دلوں میں تھا کدورت کا مرض پھیلا وبا بن کر

میسر آ گئی تھی زندگی کو زندگی اُنؐ سے وہ آئے ہیں زمانے میں فقط بادِ صبا بن کر(۱۴)

اس قصیدے کی تشبیب عہدِ جہالت کی اخلاقی پستی کے بیان میں ہے۔ عباس کا اسلوب جاذبیت کا حامل ہے۔ گریز اور مدح کا مکمل شعور نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے چودہ حمدیہ قصائد کا مجموعہ ''نورِ توحید'' (۲۰۲۵ء) میں اشاعت سے ہم کنار ہو چکا ہے۔

ناظم زرسنر (پ:۲۰۰۰ء):

اصل نام ناظم حسین ہے۔ ۸ دسمبر ۲۰۰۰ء کو پاک پتن کے نواحی علاقے چک شفیع میں ولادت ہوئی۔ گورنمنٹ فریدیہ کالج پاک پتن میں بی ایس انگریزی کے طالب علم ہیں۔ شاعری کی ابتداء ۲۰۱۶ء میں ہوئی۔ انھیں غزل سے زیادہ نظم مرغوب ہے۔ عروض سے گہری شناسائی رکھتے ہیں۔ پہلے پہل تخلص ناظم استعمال کیا بعدازاں اسے زر سے بدل دیا۔ انگریزی میں قلمی نام سنر (Sinner) ہے۔ اردو اور انگریزی کے قلمی ناموں کو ملا کر ادبی نام ناظم زرسنر (Nazim ZarSinner) اخذ کیا ہے اور اسی نام سے لکھتے ہیں۔ اُردو، پنجابی اور انگریزی میں شعر کہتے ہیں۔ سو سے زائد انگریزی تخلیقات میں سے پچاس کے قریب انگریزی غزلیات کہی ہیں۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان کی شاہکار تخلیقات کا اردو زبان میں ترجمہ بھی ساتھ ساتھ جاری ہے۔ اُردو بحور پر انگریزی غزل کہنے کا تجربہ بھی کر چکے ہیں۔ ان کا مجموعہ نظم ''نوا اَوستا'' اشاعت کے مراحل میں ہے۔

اُن کا مرتب کردہ طرحی نعتیہ انتخاب ''دیارِ نعت'' کے نام سے جنوری ۲۰۲۵ء میں منظرِ عام پر آیا۔ انگریزی میں نظم کے علاوہ غزل کا بھی کامیاب تجربہ کر چکے ہیں۔ علم عروض سے بھی شناسائی ہے۔

ناظم کے ہاں ایک اڑتیس اشعار کا غیر مطبوعہ نعتیہ قصیدہ ملتا ہے۔ اس کی تشبیب فلسطین کے

نہتے مسلمانوں سے یک جہتی اور اہلِ مغرب کی چیرہ دستیوں کی نقاب کشائی کے بیان میں ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

امن مفقود ابھی محفلِ دم ساز میں ہے جبرِ صیہونی ابھی شدتِ انشاز میں ہے
آج ہے ارضِ فلسطین لہو میں لت پت رحم کا ذرہ بھی کب قلبِ ستم ساز میں ہے
ظلم کی پشت پناہی پہ ہیں سب اہلِ دجل اس لیے جوش یہودی کی تگ و تاز میں ہے(۱۵)

یہ نعتیہ قصیدہ اسلامی تاریخ کے مختلف حوالوں سے فضائلِ رسول کریم ﷺ کی منزل کی جانب گامزن ہے۔ قصیدے کی پوری فضا جذبۂ عشقِ رسول ﷺ سے توانائی حاصل کرتی نظر آتی ہے۔ قرآنی حوالے ناظم کی شاعرانہ فکر کو استناد عطا کرنے میں کلیدی حیثیت کے حامل ہیں۔ گریز سمیت مدح سے چند اشعار دیکھیے:

کرنے والے ہیں رفعنا کے فریضے کو ادا لفظ ہیں محوِ طہارت تو قلم ناز میں ہے
تیری گفتار سے سیکھی ہے مزامیر نے دُھن لحن تیرا ہی نہاں سرگم و شہناز میں ہے
کیف و فرحت ہے مدینے کی فضا میں جیسی سان تیا گو کی مہک میں ہے نہ لاپاز میں ہے
طائرِ سدرہ ہے انگشت بدنداں کہ رسولؐ عرشِ اعظم کی طرف برق سی پرواز میں ہے(۱۶)

ناظم کے قصیدے میں خیال کی نزاکت اور قوافی کی ندرت نے تازگی اور شگفتگی کا احساس پیدا کر دیا ہے۔ انھوں نے ایسے قوافی سے شعریت پیدا کرنے کی کامیاب سعی کی ہے کہ جو عرفِ عام میں شاعری کی زبان سے کوسوں دور ہیں۔ اُن کا مطالعہ سیرت اور تاریخی شعور اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مستقبل میں اُن سے قصیدہ گوئی کو تقویت حاصل ہوگی۔ انھوں نے قصیدے کی تشبیب، گریز اور مدح و دعا کے اشعار میں مربوط توازن روا رکھا ہے۔ گویا وہ صنفِ قصیدہ کی نزاکتوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ دیارِ نعت، ڈاکٹر نوید عاجزؔ، ناظم زرسنز (مرتبین)، حسنِ ادب فیصل آباد، 2025ء، ص٦٦

۲۔ ایضاً، ص٦٧

۳۔ سہیل بنارسی، نقوشِ عرفاں، مرتبہ: وحیدالحسن ہاشمی، تعلیمی پریس، لاہور، ۱۹٦٧ء، ص۵۸

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً، ص٦۰

٦۔ ایضاً

٧۔ نوید عاجزؔ، شجرزار، دھنک مطبوعات، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص٦۲

۸۔ ایضاً

۹۔ دیارِ نعت، ص۱٧

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ دیارِ نعت، ص۵٧

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ عباس علی شاہ ثاقب، نعتیہ قصیدہ، مملوکہ راقم (نوید عاجزؔ)

۱۵۔ ناظم زرسنز، غیر مطبوعہ کلام مملوکہ راقم

۱٦۔ ایضاً

☆☆☆☆☆